اقبال
اور
علمائے پاک و ہند

اعجاز الحق قدوسی

اقبال اکادمی پاکستان

۹۰-بی-۲-گلبرگ ۳ ○ لاہور

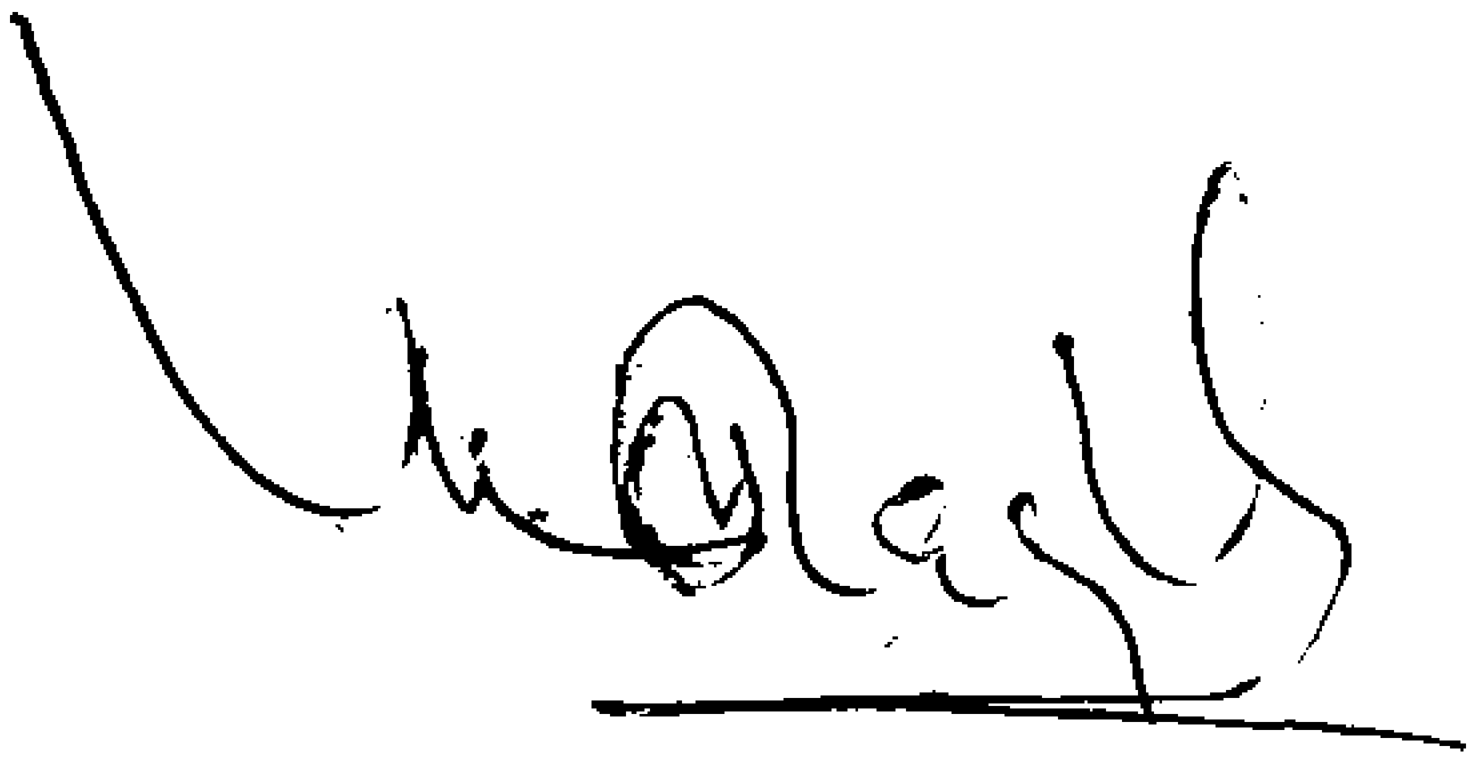

Marfat.com

5045
5068

اقبال
اور
علمائے پاک و ہند

اعجاز الحق قدوسی

نیشنل کمیٹی برائے صد سالہ تقریبات ولادت علامہ محمد اقبالؒ

اقبال اکادمی پاکستان

۹۰-بی-۲-گلبرگ ۳ ○ لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

81076

ناشر : ڈاکٹر محمد معز الدین

ڈائرکٹر اقبال اکادمی پاکستان

۹۰ بی - ۲ گلبرگ III ، لاہور

طابع : میاں محمد یعقوب

مطبع : حمایت اسلام پرنٹنگ پریس

ریلوے روڈ ، لاہور

تعداد : ۱۱۰۰

طبع اول : ۱۹۷۷ء

Marfat.com

علّامہ محمّد اِقبالؒ

(۱۸۷۷ — ۱۹۳۸)

Marfat.com

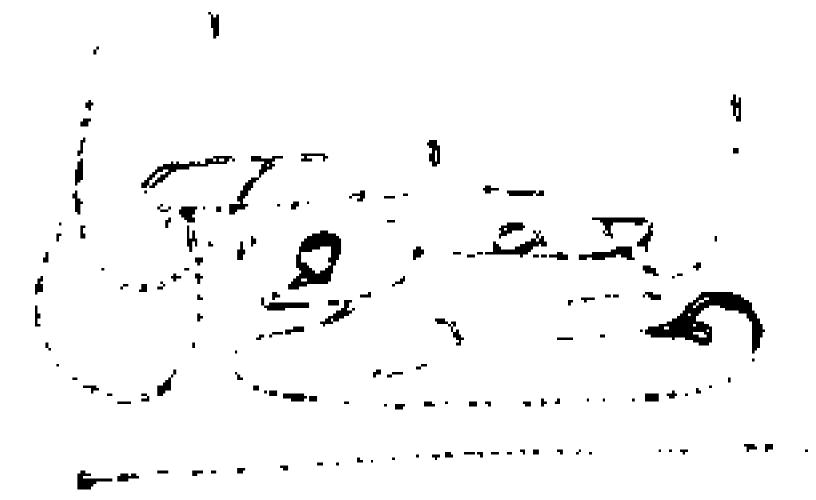

Marfat.com

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
انتساب	
پیش لفظ	
برصغیر پاک و ہند کے علماء کا علمی اور قومی کردار	۱
علم کا تصور قرآنی	۱
علماء دین کا اصطلاحی مفہوم	۳
اسلام میں پہلی درسگاہ	۴
دارالاقامہ	۴
اصحاب صفہ	۵
مسلمانوں کا پہلا دارالاقامہ	۵
صفہ کے طالب علموں کی تعداد	۵
معلمین	۵
تعلیم کا طریقہ	۶
صفہ کے طالب علموں کا تعلیمی ذوق	۶
تعلیم کے بعد	۶
برصغیر پاک و ہند کے علماء	۷
مولانا اسلامی	۷
قرآن مجید کا پہلا ترجمہ جو سندھی زبان میں ہوا	۸
مولانا ابو حفص ربیع محدث بصری	۹
خلجی عہد کے علماء	۱۴
سلطان فیروز شاہ تغلق	۱۶
مدارس دینیہ	۱۷
تالیف و تصنیف کا ذوق	۱۷
سادات اور لودی خاندان	۱۷
مغلیہ عہد حکومت علوم و فن اور تہذیب و تمدن کی غیر معمولی ترقی	۱۹
عہد اکبری میں علوم و فنون کا ارتقاء	۲۰
عہد اکبری میں علمائے حق کا کردار	۲۱
شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۲۲
عہد اکبری کے علماء سوء	۲۳
عہد جہانگیری	۲۴
دو قومی نظریے کا پہلا نقطہ حضرت مجدد نے رکھا	۲۸
شاہجہان	۲۸
عہد عالمگیر	۲۹

Marfat.com

عنوان	صفحہ
فتاوی عالمگیری	۳۰
عہدِ عالمگیری کے علماء	۳۰
عالمگیر کے بعد	۳۱
امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی	۳۱
اس دور کے علماء حق	۳۲
ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت اور علمائے حق کا کردار	۳۳
حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی	۳۳
دور شاہ عبدالعزیز کے علماء	۳۳
حضرت سید احمد شہید بریلوی	۳۴
جنگ آزادی (۱۸۵۷ء)	۳۴
اس دور کے علماء سوء	۳۵
علماء حق	۳۶
کانگریس کا قیام	۳۶
سر سید احمد خاں جنھوں نے متحدہ قومیت کا پردہ چاک کیا	۳۷
مسلم لیگ کا قیام	۳۷
قائد اعظم کی مسلم لیگ میں شرکت	۳۸
تقسیم بنگال	۳۸
تحریک خلافت	۳۹
شدھی و سنگٹھن کا قضیہ	۳۹
جمعیت العلماء کا قیام	۳۹
کانگریسی علماء کے متحدہ قومیت پر دلائل	۴۱

عنوان	صفحہ
مسلم لیگی علماء اور ان کا سیاسی مسلک (علامہ اقبال)	۴۳
علامہ اقبال کے سیاسی افکار	۴۴
ہندوستان میں مسلم قومیت کا پہلا مفکر	۴۴
علامہ اقبال کے سیاسی افکار کی بنیاد سنتِ رسول تھی	۴۶
مولانا شبیر احمد عثمانی	۵۵
حضرت اشرف علی تھانوی	۶۱
مفتی محمد شفیع	۶۲
حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ	۶۳
مولانا عبدالحامد بدایونی	۶۳
مفکر پاکستان شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمہ	۶۵
فرمودۂ اقبال	۸۵
اقبال کا تصور پاکستان	۸۷
(۱)	
حضرت مجدد الف ثانیؒ	۸۹
علامہ اقبال کا تاثر	۸۹
ایک مبارک خواب	۹۱
حالات	۹۲
تعلیم	۹۲
بیعت و خلافت	۹۳

Marfat.com

عنوان	صفحہ
عزم حج اور بیعت	۹۴
خواجہ باقی باللہ کی بشارت	۹۴
دوبارہ پیر و مرشد کی خدمت میں حاضری	۹۵
خواجہ باقی باللہ کا وصال	۹۵
دین الٰہی کی گمراہیاں	۹۵
علمائے حق کا احقاق حق	۹۵
جہانگیری عہد	۹۷
حضرت مجدد کے رشد و ہدایت کا طریقۂ کار	۹۷
وحدت الشہود	۹۹
شیخ بدیع الدین	۱۰۰
جہانگیر کی مخالفت	۱۰۰
جہانگیر کو اطلاع	۱۰۲
حضرت مجدد کی جہانگیر سے گفتگو	۱۰۴
مدت قید	۱۰۵
رہائی	۱۰۵
وفات	۱۰۷
تصانیف	۱۰۸
اولاد	۱۰۸
(۲)	
ملا محمود جون پوری	۱۰۹
علامہ اقبال کا تاثر	۱۰۹
حالات	۱۰۹
وفات	۱۱۰
تصانیف	۱۱۰
(۳)	
ملا عبدالحکیم سیالکوٹی	۱۱۱
تقریظ علامہ اقبال بر تصنیف منشی محمد دین فوق (سوانح علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی)	۱۱۱
حالات	۱۱۲
وفات	۱۱۵
(۴)	
قاضی محب اللہ بہاری	۱۱۵
علامہ اقبال کا تاثر	۱۱۵
حالات	۱۱۵
وفات	۱۱۶
تصانیف	۱۱۶
(۵)	
حافظ امان اللہ بنارسی	۱۱۷
علامہ اقبال کا تاثر	۱۱۷
حالات	۱۱۷
بیعت	۱۱۸
وفات	۱۱۸
تصانیف	۱۱۹
(۶)	
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۲۰
علامہ اقبال کا تاثر	۱۲۰

Marfat.com

عنوان	صفحہ
حضرت شاہ ولی اللہ	۱۲۳
تمام خرابیوں کی بنیاد اقتصادی بدحالی ہے	۱۲۴
کاہل اور بے عمل انسانوں کا قومی دولت میں کوئی حصہ نہیں	۱۲۵
مزدوروں کے لئے کام کے اوقات	۱۲۵
تعاون باہمی کا بڑا ذریعہ تجارت ہے	۱۲۶
ایسے تمام کاروبار جو دولت کی گردش کو روک دیں، ممنوع ہیں	۱۲۶
شاہ صاحب کی اصلاحی تحریک میں نظام حکومت کے بنیادی اصول	۱۲۸
اقتصادی حالات کا روحانی اصلاحات پر اثر	۱۲۹
اقتصادی اصلاح، روحانی کمالات کی سب سے پہلی سیڑھی ہے	۱۳۰
رفاہیت بالغہ	۱۳۱
ذرائع ابلاغ کی کمی	۱۳۱
حالات	۱۳۲
تعلیم	۱۳۲
شادی	۱۳۳
بیعت	۱۳۳

عنوان	صفحہ
حج و زیارت حرمین شریف	۱۳۳
ہندوستان کی واپسی	۱۳۵
روحانی سرگرمیاں	۱۳۶
مکہ معظمہ سے واپسی کے بعد	۱۳۸
قول الجمیل	۱۴۰
حجۃ البالغہ	۱۴۱
شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات	۱۴۱
تفہیمات	۱۴۱
ازالۃ الخفا	۱۴۳
شاعری	۱۴۴
وفات	۱۴۵
اولاد	۱۴۵
(۷)	
شاہ عاشق حسین (شیخ محمد عاشق)	۱۴۶
علامہ اقبال کا تاثر	۱۴۶
حالات	۱۴۶
سفر حج	۱۴۷
وفات	۱۴۸
تصانیف	۱۴۸
(۸)	
حضرت شاہ اسماعیل شہید	۱۴۹
علامہ اقبال کا تاثر	۱۴۹

Marfat.com

عنوان	صفحہ
حالات	١٥٠
انگریزی حکومت	١٥١
ولادت	١٥٢
تعلیم	١٥٣
شادی	١٥٣
جودت و طباعی	١٥٤
بیعت	١٥٦
وعظ و تبلیغ	١٥٧
حج	١٥٨
جہاد	١٥٨
حق گوئی اور جرأت ایمانی	١٦٠
شہادت	١٦١
مزار مبارک	١٦١
لوح مزار	١٦٢
مدفن	١٦٢
تصانیف	١٦٢
حضرت سید احمد شہید کی تحریک کا پس منظر	١٦٣
شکست دراصل فتح تھی	١٦٥
(٩)	
مولانا نورالاسلام رامپوری	١٦٦
علامہ اقبال کا تاثر	١٦٦
حالات	١٦٦
(١٠)	
مولانا شبلی نعمانی	١٦٨
علامہ اقبال کا تاثر	١٦٨

عنوان	صفحہ
حالات	١٦٩
شبلی کے دور کا ماحول	١٧٠
ایم ۔ اے او ہائی سکول اور محمڈن کالج	١٧١
خاندان ۔ وطن	١٧٣
شبلی اور نعمانی کی وجہ تسمیہ	١٧٣
تعلیم	١٧٥
ہندوستان کے افق کے درخشندہ ستارے	١٧٦
دیوبند	١٧٧
تعلیم ادب کے لئے لاہور میں	١٧٧
مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی خدمت میں	١٧٨
فریضۂ حج کی ادائیگی	١٧٨
شاعری	١٧٩
اسپنی	١٨٠
درس و تدریس	١٨٠
علی گڑھ کالج کی معلمی	١٨٠
علی گڑھ کالج سے بد دلی اور علیحدگی	١٨٢
ندوۃ العلماء	١٨٥
مولانا شبلی کی ندوہ میں آمد	١٨٦
باہمی اختلاف	١٨٦
علالت و وفات	١٨٨
مرض الموت میں سیرۃ النبی کا خیال	١٨٩

Marfat.com

عنوان	صفحہ
آخری وصیت	۱۹۰
تصانیف	۱۹۱
(۱۱)	
شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ	۱۹۲
علامہ اقبال کا تاثر	۱۹۲
خاندان و ولادت	۱۹۲
تعلیم	۱۹۳
چھتہ کی مسجد	۱۹۳
حج	۱۹۴
بیعت	۱۹۴
معین المدرس	۱۹۴
سیاسی خدمات، تحریک انقلاب (عرف (ریشمی خطوط کی تحریک)	۱۹۴
سیاست میں مولانا عبید اللہ سندھی کی رفاقت	۱۹۵
تحریک کی بنیاد	۱۹۵
تحریک میں عمومیت	۱۹۵
تحریک کی شاخیں	۱۹۵
ریشمی خطوط	۱۹۵
تحریک کا مرکز	۱۹۶
حج (ثانی)	۱۹۶
انور پاشا سے ملاقات	۱۹۷
مکۂ معظمہ میں گرفتاری	۱۹۸
جدہ روانگی	۱۹۹
خدیوی جہاز سے روانگی	۱۹۹
جیزہ کی سیاسی جیل میں	۱۹۹
جیزہ کی قید تنہائی	۱۹۹
مالٹا کی روانگی	۲۰۰
مالٹا کے قیدی	۲۰۰
مالٹا کی قید سے آزادی	۲۰۰
بمبئی کے ساحل پر	۲۰۱
جامعہ ملیہ کا خطبۂ صدارت	۲۰۱
وفات	۲۰۲
مرض الموت میں آخری تمنا	۲۰۲
(۱۲)	
حضرت احمد رضا خانصاحب بریلوی	۲۰۳
علامہ اقبال کا تاثر	۲۰۳
حالات	۲۰۵
خاندان و ولادت	۲۰۵
تعلیم	۲۰۵
بیعت	۲۰۶
حج	۲۰۶
مولانا کا شرف	۲۰۷
عشق رسول	۲۰۷
استغنا و بے نیازی	۲۰۸
سیاسی نظریات	۲۰۸
کانگریس اور متحدہ قومیت کی مخالفت	۲۰۸
ترک موالات کی مخالفت	۲۰۹
دو مکتبہ فکر کے جلیل القدر	

Marfat.com

عنوان	صفحہ
علماء ترک موالات کی مخالفت میں متحد تھے	۲۱۰
تحریک پاکستان	۲۱۱
علمی خدمات	۲۱۱
خلفاء	۲۱۱
شاعری	
وفات	۲۱۵
(۱۳)	
مولانا مفتی عزیزالرحمان	۲۱۷
علامہ اقبال کا تاثر	۲۱۷
حالات	۲۱۷
تعلیم	۲۱۷
معلمی	۲۱۸
مدرسہ عالیہ رامپور کی معلمی	۲۱۸
دارالعلوم دیوبند کی نائب سہتممی	۲۱۸
مفتی دارالعلوم	۲۱۸
مولانا کے افتاء کے متعلق مشاہیر علماء کی آراء	۲۱۸
بیعت	۲۱۹
اخلاق	۲۱۹
وفات	۲۲۰
(۱۴)	
حکیم برکات احمد ٹونکی	۲۲۱
علامہ اقبال کا تاثر	۲۲۱
حالات	۲۲۲
خاندان	۲۲۲
ولادت	۲۲۳
علامہ عبدالحق خیر آبادی کی درسگاہ میں	۲۲۳
دینی علوم	۲۲۴
طب	۲۲۴
ٹونک میں تشریف آوری	۲۲۴
حج	۲۲۵
درس و تدریس	۲۲۵
مدرسے کا قیام	۲۲۵
اخلاق	۲۲۶
نور معرفت	۲۲۶
عشق رسولؐ	۲۲۷
اُستاد سے محبت و عقیدت	۲۲۷
وفات	۲۲۷
اولاد	۲۲۸
تصانیف	۲۲۸
علامہ اقبال کی مطلوبہ کتاب	۲۲۹
(۱۵)	
شمس العلماء مولانا سید میر حسن	۲۳۱
علامہ اقبال کا تاثر	۲۳۱
علامہ کے والد کا ایک خواب	۲۳۲
سیالکوٹ کے مکاتب	۲۳۳
مولانا کی تعلیمی خصوصیات	۲۳۴

Marfat.com

عنوان	صفحہ
علامہ کی استاد سے عقیدت مندی کی ایک اور مثال	۲۳۴
استاد کی شاگرد پر غیرمعمولی شفقت	۲۳۵
سرسید کی تاریخ وفات کے لئے علامہ سے مولانا میر حسن کی فرمائش	۲۳۵
وفات	۲۳۶
(۱۶)	
مولانا حبیب الرحمان عثمانی	۲۳۷
علامہ اقبال کا تاثر	۲۳۷
حالات	۲۳۷
دارالعلوم دیوبند کی مہتممی	۲۳۸
وفات	۲۳۸
(۱۷)	
مولانا عبدالماجد بدایونی	۲۳۹
علامہ اقبال کا تاثر	۲۳۹
حالات	۲۴۰
مدرسہ شمس العلوم بدایوں	۲۴۱
قوتِ خطابت و شاعری	۲۴۱
رفاقتِ سفر	۲۴۲
وفات	۲۴۲
تصانیف	۲۴۳
(۱۸)	
حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری	۲۴۴
علامہ اقبال کا تاثر	۲۴۴
حالات	۲۴۶
ہزارہ کے علماء	۲۴۷
دارالعلوم دیوبند میں تحصیل علم	۲۴۷
بیعت	۲۴۷
دہلی میں تشریف آوری	۲۴۷
کشمیر کو واپسی اور سفر حج	۲۴۷
مدرسہ فیض عام کی بنیاد	۲۴۸
دارالعلوم دیوبند کی مدرسی	۲۴۸
دیوبند میں مستقل قیام اور شادی	۲۴۸
مادر علمی سے علیحدگی	۲۴۹
جامعہ اسلامیہ ڈابھیل	۲۴۹
وفات	۲۴۹
علامہ انور شاہ صاحب کا علم و فضل مشاہیر علماء کی نظر میں	۲۴۹
میں فقہ میں امام اعظم کا مقلد ہوں	۲۵۱
علامہ کا لقب	۲۵۱
علامہ اقبال کا علامہ کشمیری کی وفات پر تاثر	۲۵۲
مسئلہ قادیانیت میں ڈاکٹر اقبال کو علامہ انور شاہ صاحب کی رہنمائی	۲۵۳

Marfat.com

عنوان	صفحہ
شاہ صاحب کی نظر میں آردو اور انگریزی کی اہمیت	۲۵۴
تصانیف	۲۵۴
(۱۹)	
مولانا شاہ سلیمان پھلواروی	. . .
علامہ اقبال کا تاثر	۲۵۶
حالات	۲۵۶
واعظ خوش بیان	۲۵۸
سنگیں مسجد میں پہلا وعظ	۲۵۸
سلسلۂ قادریہ میں اجازت	۲۵۸
آستانہ حضرت خواجہ اجمیری پر حاضری	۲۵۸
طب ، شاعری ، ملی و علمی خدمات	۲۵۹
طباعی ، ذہانت اور خوش طبعی	۲۶۲
ماہر تعلیم	۲۶۳
اسلامی سیاست میں نمایاں کردار	۲۶۳
علامہ اقبال اور شاہ صاحب	۲۶۴
وفات	۲۶۶
(۲۰)	
مولانا مظہرالدین ایڈیٹر الامان	. . .
علامہ اقبال کا تاثر	۲۶۷
حالات	۲۶۷

عنوان	صفحہ
وفات	۲۶۹
تصانیف	۲۶۹
(۲۱)	
مولانا عبداللہ العمادی	. . .
علامہ اقبال کا تاثر	۲۷۰
حالات	۲۷۲
عمادی کی نسبت	۲۷۳
تعلیم	۲۷۴
عربی کی انشا پردازی	۲۷۵
عرب ممالک کے اخباروں میں علامہ کے مضامین	۲۷۵
علامہ عمادی پر علامہ ندوی کا تبصرہ	۲۷۵
آردو کو عربی کے بعض الفاظ علامہ عمادی نے دئے	۲۷۶
علامہ شبلی سے ملاقاتیں	۲۷۶
الندوہ کی ایڈیٹری	۲۷۶
اخبار وکیل کی ادارت	۲۷۶
رسالۂ تہذیب الاخلاق کا احیاء	۲۷۷
الہلال کلکتے کی ادارت	۲۷۷
مولانا عمادی اخبار زمیندار کی ادارت میں	۲۷۷
علامہ شبلی کے مزار کے لئے ڈاکٹر اقبال کا تاریخی جملہ	۲۷۸
ستارہ صبح کی مددگاری	۲۷۸

Marfat.com

عنوان	صفحہ
مثنوی اسرار خودی کے مسئلے میں علامہ اقبال کی حمایت	۲۷۸
مولانا عمادی عروس البلاد حیدر آباد دکن میں	۲۷۸
انشا پردازی ، علمی و ادبی تحریروں کے چند نمونے	۲۷۹
شاعری	۲۸۲
اخلاق و عادات	۲۸۴
وفات	۲۸۳
(۲۲)	
مولانا شبیر احمد عثمانی	۲۸۶
علامہ اقبال کا تاثر	۲۸۶
حالات	۲۸۶
رسم بسم اللہ	۲۸۷
تعلیم	۲۸۷
عربی تعلیم کا آغاز	۲۸۷
اساتذہ	۲۸۷
دارالعلوم دیوبند کی معلمی	۲۸۷
مدرسہ فتحپوری کی صدر مدرسی	۲۸۷
جمیعۃ الانصار کی بنیاد	۲۸۸
جمیعۃ الانصار کا پہلا اجلاس مراد آباد	۲۸۸
دارالعلوم دیوبند میں واپسی	۲۸۸
ڈابھیل میں	۲۸۹
دارالعلوم سے علیحدگی	۲۸۹
سیاسی موڑ	۲۸۹
جمعیت العلماء ہند	۲۸۹
سیاست میں مولانا کا نظریہ	۲۹۰
مسلم لیگ میں شرکت	۲۹۰
کل جمعیت العلمائے اسلام کا قیام	۲۹۰
میرٹھ کانفرنس	۲۹۰
دستور ساز اسمبلی کی ممبری	۲۹۱
پاکستان میں مولانا کی تشریف	۲۹۱
مسئلہ کشمیر	۲۹۱
قرارداد مقاصد	۲۹۱
شیخ الاسلام	۲۹۲
علم و فضل	۲۹۲
حواشی قرآن مجید	۲۹۲
فتح الملہم	۲۹۳
منصب و جاہ سے بے نیازی	۲۹۳
وفات	۲۹۴
(۲۳)	
مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی	۲۹۶
علامہ اقبال کا تاثر	۲۹۶
نسب و خاندان	۲۹۷
ولادت اور تعلیم	۲۹۸
وقف علی الاولاد	۳۰۰
امارت و درویشی	۳۰۱
شروانی اسکول	۳۰۲
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس	۳۰۳

Marfat.com

عنوان	صفحہ
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا پہلا اجلاس	۳۰۳
ندوۃ العلماء	۳۰۵
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۳۰۵
مولانا شروانی کا حیدر آباد دکن میں صدر الصدوری امور مذہبی پر تقرر	۳۰۶
آردو کی پہلی یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر	۳۰۷
صدرالصدوری سے سبک دوشی	۳۰۸
حج	۳۰۸
صدرالصدوری سے سبک دوشی کے بعد	۳۰۹
علم و فضل ، شعر و ادب	۳۰۹
نثری ادب اور شاعری	۳۱۰
مولانا بحیثیت ناقد و مبصر کے	۳۱۲
شاعری	۳۱۳
علامہ سے خلوص و محبت	۳۱۵
وفات	۳۱۶
اولاد	۳۱۷
تصانیف	۳۱۷
(۲۴)	
مولانا سید سلیمان ندوی	۳۱۸
علامہ اقبال کا تاثر	۳۱۸
مولانا سید سلیمان ندوی کی علامہ اقبال سے خلوص و محبت	۳۲۰

عنوان	صفحہ
حالات ، خاندان ، ولادت	۳۲۲
ندوی کی نسبت	۳۲۲
ابتدائی تعلیم	۳۲۳
مدرسہ امدادیہ در بھنگہ	۳۲۴
دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ	۳۲۴
استاد الکل علامہ شبلی کے سایہ عاطفت میں	۳۲۴
سیرۃ النبی کی تالیف	۳۲۵
الہلال کی ادارت	۳۲۵
مولانا ابوالکلام آزاد کا سید صاحب کی علمی عظمت کا اعتراف	۳۲۵
پونہ دکن کالج کی پروفیسری	۳۲۶
علامہ شبلی کی وفات اور مولانا ندوی کو وصیت	۳۲۶
سید الطائفہ کا لقب	۳۲۷
دارالمصنفین اعظم گڑھ کا قیام	۳۲۷
علمی خدمات	۳۲۷
رسالہ معارف کا اجرا	۳۲۷
معارف کے متعلق یگانۂ روزگار علماء کی آراء	۳۲۷
علامہ اقبال	۳۲۷
مولانا ابوالکلام آزاد	۳۲۸
سیرۃالنبی جلد اول کی اشاعت	۳۲۸
ارض القرآن جلد دوم کی اشاعت	۳۲۸

Marfat.com

عنوان	صفحہ
سیرتِ عائشہؓ	۳۲۹
سیرت عائشہؓ پر علامہ کا اظہار خیال	۳۲۹
دارالمصنفین کی دوسری اہم کتابیں	۳۲۹
خطبات مدارس	۳۲۹
عرب و ہند کے تعلقات	۳۳۰
عربوں کی جہازرانی	۳۳۰
سیرت النبی جلد چہارم کی اشاعت	۳۳۰
علامہ اقبال کی صدارت میں مولانا کا ایک تحقیقی مقالہ	
تصنیفِ خیام	۳۳۱
علامہ اقبال کا خیام پر تبصرہ	۳۳۱
کابل یونیورسٹی کی ترتیب و تنظیم کے لئے کابل کا سفر	۳۳۱
علامہ اقبال کا مولانا کے متعلق ایک حقیقت پسندانہ تاثر	۳۳۲
سیرۃ النبی جلد پنجم و ششم	۳۳۲
نقوش سلیمانی	۳۳۲
ہندوستان کی وہ علمی ، ادبی اور سیاسی تحریکیں جن میں مولانا نے حصہ لیا	۳۳۲
اعزازی ڈگری	۳۳۴
مرید کے مراد پانے کی ابتدا	۳۳۵
حکیم الامت سے پہلی ملاقات	۳۳۶

عنوان	صفحہ
بیعت	۳۳۶
شیخ سے شیفتگی و عقیدت	۳۳۷
خلافت	۳۳۸
بھوپال میں قیام	۳۳۹
وفاتِ شیخ	۳۳۹
سفرِ حج	۳۴۲
روضۂ نبویؐ پر حاضری	۳۴۳
ہجرت پاکستان	۳۴۴
مجوزہ بورڈ کی صدارت	۳۴۴
پاکستان میں تشریف آوری	۳۴۴
شدائد ہجرت	۳۴۵
پاکستان میں مولانا کی علمی و مذہبی خدمات	۳۴۶
علالت اور وفات	۳۴۷
علالت	۳۴۷
میں وزیر اعظم نہیں ہوں	۳۴۸
علالت کے دوران حکیمانہ باتیں	۳۴۸
تم محمد علی کی جوانی کی تصویر ہو	۳۴۹
سفیر شام کا ایک سوال	۳۴۹
وفات	۳۵۰
میں نے آج شوکت علی مرحوم کی سی نماز پڑھی	۳۵۰
غسل اور تجہیز و تکفین	۳۵۰
ادب و شاعری اور انشا	۳۵۱
شاعری	۳۵۲
نمونۂ شاعری	۳۵۳
عارفانہ کلام	۳۵۴

Marfat.com

عنوان	صفحہ
علامہ اقبال کی تحسین	۳۵۵
(۲۵)	
مولانا مسعود عالم ندوی	۳۵۷
علامہ اقبال کا تاثر	۳۵۷
حالات	۳۵۷
تعلیم	۳۵۸
مدرسۂ شمس الہدیٰ میں داخلہ	۳۵۸
ندوۃ العلماء میں شرکت	۳۵۹
رسالہ الضیاء کی ایڈیٹری	۳۵۹
مشاہیر علماء کی آراء	۳۶۰
رسالہ الضیاء کا التواء	۳۶۰
مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد سے عقیدت	۳۶۳
مولانا مسعودالعالم کے سیاسی افکار	۳۶۳
جماعت اسلامی سے ربط و رکنیت	۳۶۳
قیام پاکستان کے بعد	۳۶۴
روالپنڈی میں قیام	۳۶۵
حلقہ راولپنڈی کے امیر	۳۶۵
دیار عرب کا سفر	۲۶۵
حیدرآباد سندھ میں قیام	۳۶۶
تحریک ختم نبوت اور مولانا کی اسیری	۳۶۶
جیل سے رہا ہونے کے بعد	۳۶۶
وفات	۳۶۶
مولانا کی وفات پر اہل علم کا تاثر	۳۶۷
تصانیف	۳۶۷
(۲۶)	
مولانا حافظ محمد اسلم جیراج پوری	۳۶۸
علامہ اقبال کا تاثر	۳۶۸
آیۂ نور کے متعلق علامہ اقبال کا مولانا اسلم جیراج پوری کی غلط فہمی کی وضاحت	۳۶۹
حالات	۳۷۱
جیراج پور کا مکتب	۳۷۱
بھوپال میں تعلیم	۳۷۲
حفظ قرآن	۳۷۲
فارسی کی تعلیم	۳۷۲
ریاضی	۳۷۲
صرف و نحو و فقہ و اصول	۳۷۳
درسی نصاب کے متعلق مولانا کی رائے	۳۷۳
بانک بنوٹ	۳۷۵
ملازمت	۳۷۵
علی گڑھ کی ملازمت	۳۷۵
علی گڑھ یونیورسٹی کی پروفیسری	۳۷۵
جامعہ ملیہ	۳۷۵
وفات	۳۷۵

Marfat.com

عنوان	صفحہ
تصانیف	۳۷۵
حیات حافظ	۳۷۶
تاریخ الامت	۳۷۶
شاعری	۳۷۷
(۲۷)	
حضرت مولانا احمد حسین مدنی	۳۶۸
مولانا مدنی کا نظریۂ قومیت سے علامہ اقبال کا اختلاف	۳۷۸
علامہ اقبال کی مزید توضیح	۳۷۹
اخبار انصاری میں مولانا کا بیان	۳۸۰
طالوت کے توسط سے مولانا مدنی کی وضاحت	۳۸۰
ڈاکٹر صاحب کا اعلان معذرت	۳۸۱
حالات	۳۸۲
ولادت	۳۸۳
دیوبند میں تشریف آوری	۳۸۳
ہجرت مدینہ منورہ	۳۸۳
مدینہ منورہ کی سکونت	۳۸۴
درس و تدریس	۳۸۴
بیعت	۳۸۴
اُستاد و شاگرد قید فرنگ میں	۳۸۴
مالٹا کی قید سے رہائی	۳۸۵
مقدمہ کراچی	۳۸۶
کوکناڈا میں اجلاس جمعیت العلماء کی صدارت	۳۸۶

عنوان	صفحہ
وفات	۳۸۷
آخری شعر	۳۸۸
تصانیف	۳۸۸
(۲۸)	
مولانا ابوالکلام آزاد	۰۰۰
علامہ اقبال کا تاثر	۳۸۹
حالات	۳۹۱
صحافت	۳۹۲
الہلال کا اجرا	۳۹۳
البلاغ	۳۹۴
مولانا آزاد کا نظریۂ صحافت	۳۰۴
مذہبی خدمات	۳۹۵
سیاسی خدمات	۳۹۶
وفات	۳۹۸
(۲۹)	
شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری	۳۹۹
علامہ اقبال کا تاثر	۳۹۹
حالات	۴۰۰
تعلیم	۴۰۰
گوجرانوالہ کی مسجد	۴۰۰
مولانا عبیداللہ سندھی کے حضور میں	۴۰۰
سندھ کا سفر	۴۰۲
مولانا لاہوری کی بیعت	۴۰۲

Marfat.com

عنوان	صفحہ
امروٹ شریف میں قیام	۴۰۲
مدرسہ دارالارشاد پیر (جھنڈا)	۴۰۲
دارالارشاد کے پہلے فارغ التحصیل علماء	۴۰۳
دارالارشاد کی معلمی	۴۰۳
دامادی کا شرف	۴۰۳
نظارۃ المعارف القرانیہ دہلی	۴۰۳
لاہور میں مستقل قیام	۴۰۴
لاہور میں درس قرآن حکیم	۴۰۴
مسجد شیرانوالہ	۴۰۴
سفر حج	۴۰۵
لاہور میں دوبارہ تشریف آوری	۴۰۵
تصحیح عقائد ۔ اشاعت توحید	۴۰۶
خطبات جمعہ اور اشاعت رسائل	۴۰۶
ترجمہ قرآن کریم کی اشاعت	۴۰۷
انجمن خدام الدین اور مدرسہ قاسم العلوم کا قیام	۴۰۷
جہاد کشمیر	۴۰۸
انجمن حمایت الاسلام کی رکنیت	۴۰۸
مرزائیت کی مخالفت	۴۰۸
ہفت روزہ خدام الدین کا اجرا	۴۰۹
وفات	۴۰۹
تصانیف	۴۰۹
(۳۰)	
مولانا عبدالماجد دریابادی	۴۱۰
علامہ اقبال کا تاثر	۴۱۰
حالات	۴۱۲
خاندان ۔ ولادت	۴۱۲
تعلیم	۴۱۳
فکر معاش	۴۱۴
شادی	۴۱۴
حیدرآباد کے دارالترجمے میں تقرر	۴۱۴
اعلیٰ حضرت حضور نظام کی قدر افزائیاں	۴۱۴
وظیفہ	۴۱۶
الحاد کا دور	۴۱۶
الحاد کے دور کی کتابیں	۴۱۷
مولانا کی داستان الحاد خود ان کے قلم سے	۴۱۷
الحاد سے دوبارہ اسلام کی طرف	۴۲۱
اسلامی تصوف کی طرف	۴۲۱
مثنوی مولانا روم کا مطالعہ	۴۲۲
سیرۃ النبی جلد اول اور محمد علی لاہوری کی تفسیر قرآن کا مطالعہ	۴۲۲
دو سچے غم گسار حضرت اکبر الہ آبادی اور مولانا محمد علی جوہر	۴۲۳
حضرت اکبر الہ آبادی سے پہلی ملاقات اور ان کی رہنمائیاں	۴۲۳
مولانا محمد علی جوہر کی رہبری	۴۲۷
مولانا محمد علی کا علامہ اقبال کو خراج تحسین	۴۲۷

Marfat.com

عنوان	صفحہ
قرآن مجید کی اُردو اور انگریزی تفسیر	۴۳۱
خانقاہ اشرفیہ کی حاضری	۴۳۱
مولانا ماجد کے ادب میں شبلی کا پرتو	۴۳۲
سچ اور صدق جدید	۴۳۳
وفات	۴۳۴
(۳۱)	
مولانا سید ابوالاعلی مودودی	۴۳۵
اقبال کے متعلق مولانا مودودی کا تاثر	۴۳۵
حالات	۴۳۶
مولانا کے والد	۴۳۷
ولادت	۴۳۸
تعلیم	۴۳۸
مدرسہ فرقانیہ اورنگ آباد میں داخلہ	۴۸۳
دارالعلوم حیدر آباد میں تعلیم	۴۳۹
ادبی ذوق	۴۳۹
مولانا مودودی کے اساتذہ	۴۳۹

عنوان	صفحہ
ایک اعتراض اور اُس کا جواب	۴۳۹
اخبار مدینہ ، بجنور کی ایڈیٹری	۴۴۰
تاج جبل پور کی ایڈیٹری	۴۴۰
انگریزی کا ذوق	۴۴۰
تاج کی دوبارہ ایڈیٹری	۴۴۱
سیاسی کام	۴۴۱
اخبار مسلم کی ایڈیٹری	۴۴۱
دورِ ابتلاء	۴۴۱
مولانا محمد علی جوہر سے مراسم	۴۴۲
حیدر آباد دکن میں آمد	۴۴۲
اپنی انشا پردازی کے متعلق	۴۴۲
حیدر آباد دکن ، پٹھان کوٹ اور لاہور کے مختصر حالات	۴۴۳
پٹھان کوٹ میں آمد	۴۴۵
دوسرا مرکز (لاہور)	۴۴۸
جماعت اسلامی کا قیام	۴۴۸
رسم تجدید ایمان	۴۴۸
دوبارہ دارالاسلام میں واپسی	۴۴۹
مولانا کی تصانیف	۴۴۹

Marfat.com

پیش لفظ

فرجامِ سخن گوئی غالب بتو گویم
خونِ جگر است از رگِ گفتار کشیدن
غالب

کتاب کے متعلق

" اقبال اور علمائے پاک و ہند " داستان حیات ہے برصغیر پاک و ہند کے اُن دینی علمائے کرام کی جن سے علامہ اقبال کو قلبی تعلق تھا ، یا اُن قدیم علماء کی جن کی کتابوں کے مطالعے کا وہ غیر معمولی ذوق رکھتے تھے ، اقبالیات کے موضوعات میں یہ موضوع ابھی تک تشنہ تھا ، خیال ہوا کہ اِن علمائے دین کے حالات کو اُن تاثرات کے ساتھ جو علامہ اِن کے متعلق رکھتے تھے ، یک جا جمع کر دیا جائے تو یہ تشنگی دور ہو سکے گی - یہ کتاب صرف اُن دینی مشاہیر علمائے کرام کا تذکرہ ہے جنھیں تاریخ نے محفوظ رکھا ہے ، ورنہ علامہ کے نثری اور شعری ادب میں ہمیں بعض ایسی شخصیتیں بھی ملتی ہیں کہ علامہ نے ان کے ناموں کے ساتھ اُن کے علم و فضل کی طرف اشارے کئے ہیں ، لیکن تاریخ و تذکروں میں ہمیں اُن کے حالات نہیں ملے ، لہذا ہم اُن کے پیش کرنے سے قاصر رہے -

اِس کتاب میں اِن بزرگوں کے حالات کی ترتیب ہم نے اُن کے سنہ وفات کے اعتبار سے رکھی ہے -

میں وزارت تعلیمات حکومت پاکستان کا شکر گزار ہوں کہ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے جشن صد سالہ کمیٹی نے اِس کتاب کی اشاعت کا اہتمام کیا ورنہ خدا جانے یہ مسودہ کب تک معرض التوا میں پڑا رہتا -

Marfat.com

میں محترمی جناب ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ ایڈیشنل سکریٹری ثقافتی امور حکومت پاکستان کی قدر افزائیوں کا بھی ممنون و شکر گزار ہوں کہ میری تالیفی و تصنیفی زندگی کے بعض دشوار گزار مرحلوں میں انہوں نے میری رہنمائی کی ہے۔

میں آخر میں محترمی حکیم محمد سعید صاحب (ہمدرد) اور جناب نعیم الدین صاحب، زبیری صاحب لائبریرین، لائبریری ہمدرد سنٹر کا بھی شکر گزار ہوں کہ اِن حضرات نے مجھے ہمدرد لائبریری سے استفادے کا موقع دیا۔

میں عزیز محترم جناب مسعود احمد برکاتی کا بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ انہوں نے نہ صرف ہمدرد لائبریری میں میری سہولتوں کا سامان فراہم کیا، بلکہ انہوں نے اپنی ذاتی کتابوں کو جن کی مجھے ضرورت تھی اُن کے فراہم کرنے میں کبھی دریغ نہیں کیا بلکہ بعض اوراق کے فوٹو اسٹیٹ بھی میرے لئے مہیا کئے۔

میں عزیزی سید مصطفیٰ علی بریلوی مشیر اعزازی کتاب خانہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی کا بھی متشکر ہوں کہ انہوں نے بڑی فراخ دلی سے مجھے اِس کتاب خانے سے استفادے کا موقع دیا۔

اعجاز الحق قدوسی ۶ مئی سنہ ۱۹۷۷ء
قدوسی منزل ۵/۳۵۷، لیاقت آباد کراچی - ۱۹

Marfat.com

ذخیرہ کتب

برصغیر پاک و ہند کے علماء کا علمی و قومی کردار

علم کا تصور قرانی :

علم کے لغوی معنی جاننے اور آگہی کے ہیں ، اسلام مختلف علوم کی افادیت و اہمیت کو تو مانتا ہے ، لیکن ان کو مقصد حیات قرار نہیں دیتا ، وہ صرف مقصد حیات اس علم کو قرار دیتا ہے کہ جس سے معرفت الٰہی ، ایمان ، تزکیۂ نفس کو تقویت ملے ۔ اِس علم کے بغیر اسلام کے نظریہ کے مطابق خواہ وہ کتنا ہی بڑا علامہ دہر اور علوم و فنون کا ماہر ہی کیوں نہ ہو ، اگر وہ اِس علم سے بہرہ مند نہیں تو وہ اپنی زندگی جہالت میں بسر کر رہا ہے ، لیکن حقیقی علم کی اس کو ہوا تک نہیں لگی ۔ کیونکہ علم کا اصل مقصد معرفت حق سے بہرہ مند ہونا ہے وہ علم جو معرفت الٰہی ، تزکیۂ نفس اور تقویٰ میں ممد و معاون ہوں وہ سب کے سب علوم حقیقی کے ضمن میں آتے ہیں ، اس لئے کہ انہیں علوم پر انسان کی فلاح کا انحصار ہے ، ان علماء کی رفعت اور بلندیِ مرتبہ کو قران حکیم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے ارشاد ہوتا ہے کہ ان سے پوچھئے کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے کبھی یکساں ہو سکتے ہیں ؟

پھر قرآن حکیم میں انسانوں کے لئے اس امر کو بھی موجب شکر قرار دیا کہ اس نے انسان کو صاحب علم بنایا جو مخلوقات کی بلند ترین صفت ہے اور صرف صاحبِ علم نہیں بنایا بلکہ اس کو قلم کے استعمال کرنے کا فن سکھایا ، جس سے وہ علم کے فروغ و ترقی اور عام کے تحفظ کا ذریعہ بنا ، قرآن حکیم میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارا کیا گیا ہے

Marfat.com

کہ اگر اللہ تعالیٰ کتابت کے فن کا علم انسان کو نہ دیتا تو انسان کی قابلیت پژمردہ ہو کر رہ جاتی اور علم کے ابلاغ کا ایک بڑا ذریعہ مفقود ہو جاتا ۔

اس کے بعد پھر قرآن حکیم میں علماء کے عظمت مرتبت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ رفع درجات کا اصل ذریعہ تو ایمان و علم ہے ۔ بڑا وہ ہے جس نے ایمان و علم کی دولت رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی صحبت میں رہ کر زیادہ سے زیادہ حاصل کی ، اور اپنے آپ کو اس سیرت و اخلاق سے مزین کیا جو ایک مرد مومن کے ہونے چاہئیں ۔

حضرت حسن بصری نے علماء کی تعریف و حقیقت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ عالم وہ ہے جو اللہ سے بے دیکھے ڈرے ، جو کچھ اللہ کو پسند ہو ، وہ اس کی طرف راغب ہو ، اور جس چیز سے اللہ ناراض ہے اس سے وہ کوئی دلچسپی نہ رکھے ۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اسلامی معاشرے میں علماء کے فرائض اور منصب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا کہ

مستشرقین اور غیر مسلم اہل علم میں اسلامی معاشرے علماء کے منصب اور فرائض کے سلسلے میں خاصی غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں ، ان میں یہ غلط خیال عام ہے کہ شاید مسلمان علماء ، دوسرے مذاہب کے پادری ، پروہت یا مذہبی رہنماؤں کے مماثل ہوتے ہیں ، چونکہ چرچ اور کلیسا کے بغیر ان کے لئے مذہب کا تصور بہت مشکل ہے ، اس لئے وہ اسلام کو بھی پادریت کا پابند سمجھتے ہیں ، لیکن اسلام میں کوئی کلیسائی نظام یا پادریت نہیں ۔

ارکان اسلام اور فرائض دین کی ادائی کسی خاص شخصیت یا فرد کی پابند نہیں ، بلکہ فرائض و آداب اسلامی کی ادائی میں کوئی بھی عام پابند شرع مسلمان مدد دے سکتا ہے ۔ اس کے لئے لازمی نہیں کہ کسی جید عالم یا فاضل دین کو تلاش کیا جائے ، مثلاً نماز کی امامت ، اذان ، خطبۂ نکاح ، روزہ زکواۃ وغیرہ ۔ امام ، خطیب ، موذن ، قاری ، متولی

Marfat.com

ایک طرح کے انتظامی عہدے تو کہے جا سکتے ہیں ، لیکن ان کے لئے عالم دین ہونا شرط نہیں کیونکہ دین حق موجود ہے ، کتاب اللہ موجود ہے ، سیرت رسول اور سیرت طیبہ موجود ہے لیکن ضوابط و قوانین کے موجود ہوتے ہوئے بھی ان کی تشریح اور توجیہہ کے لئے کچھ وکیل ہوتے ہیں ، کچھ ماہر قانون ہوتے ہیں ۔ قوانین دین اسلام کے سب سے بڑے مفسر اور رہنما رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تھے ، آپ کے وصال کے بعد سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا ، لیکن اشاعت و ترویج مذہب کے ساتھ قوانین کی تشریحات اور توضیحات کی طلب بڑھتی رہی اور یہیں سے علماء کی ضرورت پیش آتی ہے کیونکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں[1] ۔

علماء دین کا اصطلاحی مفہوم :

حقیقی عالم کی تعریف قرآن حکیم کی روشنی میں ہم بیان کر چکے لیکن رفتہ رفتہ علماء دین کا اطلاق ان بزرگوں پر ہونے لگا جو قرآن و حدیث ، فقہ و کلام میں بالخصوص اور دوسرے علوم مختلفہ میں بالعموم مہارت رکھتے ہوں ، اور ان تمام علوم سے ان کا مقصد یہ ہو کہ وہ ان تمام علوم سے اپنے ایمان و عمل کی قوتوں کو اجاگر کریں ، چنانچہ علمائے دین نے اگرچہ علم و حکمت کا چراغ ہر فن میں روشن کیا ، تاکہ مسلمانوں کی روحانی اور مادی زندگی کو سنوارا جائے اور برصغیر پاک و ہند میں معاشرے کی تشکیل و تہذیب میں نہایت اہم کردار کیا ہے ، لیکن انہوں نے حصول علم میں بنیادی حیثیت علم کے متعلق قرآنی تصور کو دی اور دوسرے تمام علوم و فنون کو ضرورت اور وقت کے تقاضوں کے مطابق حاصل کیا ، لیکن ان کی حیثیت ثانوی تھی اور وہ اصل مقصد ، ایمان و معرفت الٰہی کو بنائے ہوئے تھے ۔

برصغیر کے علماء نے معاشرے کی بنیاد دینی تعلیمات و تصورات پر رکھی اور انہوں نے روحانی اور مادی زندگی کے آراستہ و پیراستہ بنانے

۱- علماء اور پولیٹکس ، ص ۲۸۸ ، ۳۵۷ ، ۳۶۳ ، ۳۸۴ ۔

Marfat.com

پر نہایت زور دیا ہے۔ اس حقیقت کو بھی پیش نظر رکھیئے کہ ایک طویل عرصے تک علماء اور صوفیہ ایک ہی تھے، اکابر صوفیہ میں اکثر عالم تھے، دونوں کا مقصد ترویج دین، اشاعت اسلام اور معاشرے کی اجتماعی اور انفرادی زندگی کو سنوارنا اور نکھارنا تھا، لیکن بتدریج وقت کے تقاضوں نے علماء کو اس پر مجبور کیا کہ وہ برصغیر میں علوم اسلامیہ کے نشر و اشاعت کی جدوجہد کو فروغ دیں، علماء نے اپنا مرکز مدارس کو بنایا اور وہ درس و تدریس اور تالیف و تصنیف میں مشغول ہو گئے۔ صوفیہ نے اپنا مرکز خانقاہوں کو بنا کر ان میں رشد و ہدایت، عرفان و تصوف کے چراغ روشن کئے اور وہ اپنی خانقاہوں میں روحانی تربیت اور دینی و اخلاقی زندگی کی اصلاح میں مصروف ہو گئے۔

صوفیائے کرام نے اگرچہ برصغیر میں اشاعت اسلام اور تبلیغ دین میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے اور ان کی دینی خدمات سے تاریخ کے صفحات پُر ہیں، لیکن ہم اس باب میں صرف ان علماء کرام کا تذکرہ کریں گے جو علماء دین کے ضمن میں آتے ہیں یا وہ اصطلاحاً علماء دین کہلاتے ہیں۔

اسلام میں پہلی درسگاہ :

علم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں نہایت اہمیت دی ہے کیونکہ علم کے بغیر عمل کی آبیاری نہیں ہوتی اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے علم کی نشر و اشاعت کی طرف توجہ فرمائی، مدینۃ العلم نے تمام علوم کے دروازوں کو یہ فرما کر کھول دیا کہ علم کو طلب کرو خواہ اس کے لئے تمہیں چین کا سفر کرنا پڑے۔

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد آپ نے اسی مسجد میں تعلیم کے لئے ایک درسگاہ اور دارالاقامہ قائم فرمایا۔

دارالاقامہ :

درسگاہ نبوی کے طالب علم دو طرح کے تھے، ایک تو وہ جو زراعت اور دوسرے کاروبار کرتے تھے اور اپنے فرصت کے اوقات میں قرآن مجید

Marfat.com

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم حاصل کرتے ۔

اصحابِ صفہ :

دوسرے وہ طالب علم تھے جو اپنا سارا وقت قرآن مجید اور سنت کی تعلیم میں گزارتے تھے ، ان کا مقصد صرف تعلیم کا حصول اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تربیت حاصل کرنا تھا ، یہ سوائے حصول علم کے کسی قسم کا کاروبار نہ کرتے تھے ، اس دوسری جماعت کے لوگوں کو " اصحابِ صفّہ " کہتے تھے ، صفّہ عربی میں چبوترے کو کہتے ہیں ۔ یہ دن بھر مسجد نبوی میں رہتے اور تعلیم و تربیت حاصل کرتے تھے اور رات کو ایک چبوترے پر سو رہتے جو ان ہی کے لئے مسجد نبوی کے ایک کنارے بنوایا گیا تھا اور جس پر ایک سائبان بھی ڈال دیا گیا تھا ۔

مسلمانوں کا پہلا دارالاقامہ :

یہ مسلمانوں کا پہلا دارالاقامہ تھا جو طالب علموں کی رہائش کے لئے مسجد نبوی میں قائم کیا گیا تھا[1] ۔

صفہ کے طالب علموں کی تعداد :

صفّہ کے طالب علموں کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی ، ان کی تعداد چار سو تک پہنچتی ہے ، لیکن ییک وقت کبھی اتنی تعداد نہیں ہوئی ۔

ان کے علاوہ جو مسلمان ہجرت کرکے مدینۂ طیبہ آتے وہ بھی قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے صفہ کی درسگاہ میں شریک ہو جاتے[2] ۔

معلمین :

مسجد نبوی میں خود بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابہ اور اصحاب صفہ کی تعلیم و تربیت فرماتے تھے ، اور آپ کی اجازت

۱- سیرۃ النبی ، جلد اول ص ۲۹۳ ۔

۲- صفہ کے متعلق یہ تمام تفصیل اسوۂ صحابہ جلد دوم ، بحوالہ کتاب اللمع ، ص ۳۸۰ سے ماخوذ ہے ۔

Marfat.com

سے دوسرے معلم بھی اصحابِ صفہ کو تعلیم دیتے تھے ۔

صفّہ کے ایک معلّم حضرت عبادہ بن صامت کا بیان ہے کہ میں نے صفہ کے بعض طالب علموں کو قرآن مجید کی تعلیم دی اور لکھنا سکھایا اُن میں سے ایک طالب علم نے ایک کمان تحفۃً مجھے بھیجی[1] ۔

تعلیم کا طریقہ :

اس درسگاہ کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ ایک آدمی قرآن مجید پڑھتا جاتا تھا اور دوسرے لوگ سنتے جاتے تھے ۔

صفہ کے طالب علموں کا تعلیمی ذوق :

صفہ کے طالب علم حصولِ علم کے لئے نہایت مشقتیں اٹھاتے تھے دن میں وہ لوگوں کا پانی بھرتے ، جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے اور اس کو فروخت کرکے جو پیسے ملتے اُن کو اپنے کھانے پینے میں خرچ کرتے جس کی وجہ سے ان کو دن میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا ، اس لئے یہ لوگ رات کو ایک اُستاد کے پاس جاتے اور صبح تک پڑھتے تھے[2] ۔

تعلیم کے بعد :

جب یہ لوگ تعلیم و تربیت سے فارغ ہو جاتے تو جہاں مسلمانوں کی تعلیم کی ضرورت یا اشاعتِ اسلام کے لئے کہیں بھیجنا مقصود ہوتا تو یہ ہی لوگ بھیجے جاتے تھے[3] ۔

ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک عہد کے نظام تعلیم و تربیت کو اس لئے تفصیل سے لکھا ہے ، تاکہ اس دور کا نظام تعلیم مقصد تعلیم ، اس دور کے طالب علموں کا خلوص ، للھیت اور بے غرضی کا صحیح خاکہ سامنے آ سکے ، علم کا اصل مفہوم واضح ہو

١- ابو داؤد ، کتاب البیوع باب کسب المعلم ۔
٢- مسند احمد ، جلد سوم ، ص ١٣٧ ۔
٣- اسوۂ صحابہ ، جلد دوم ، ص ٣٨١ ۔

Marfat.com

سکے ، اور حصول علم کی صحیح غرض و غایت اور علماء کا صحیح مصداق قرآنی تعلیمات کی روشنی میں متعین ہو سکے ۔

اِسی درسگاہ نبوی میں جو علم کی شمع روشن کی گئی ، اُس کی ضیا باریوں نے چار دانگ عالم کو بتدریج منور بنا دیا ، اِسی شمع سے علم کی روشنی عام ہوئی ۔

برصغیر پاک و ہند کے علماء :

برصغیر پاک و ہند میں محمد بن قاسم فاتح سندھ نے سب سے پہلے اس برصغیر کو اسلام سے آشنا کیا اور اس بگڑے ہوئے معاشرے کو اسلام کا پیغام دے کر محبت و اخوت اور بھائی چارے کی فضا کو عام کیا ، اُن کے انداز فکر کو بدلا ، جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے کو دور کرکے پاک و ہند میں علم کی روشنی کو پھیلایا ، علم کے ذوق کو عام کیا ، جس کی وجہ سے اسلامی علوم و معارف نے ان کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا ، ایمان کی زندگی نے جو کل تک غرض کے بندے بنے ہوئے تھے ، ان میں باطل کے مقابلے میں حق گوئی و بے باکی کی جرأت عطا کی ، یہاں تک کہ وہ حق گوئی اور صداقت کے مقابلے میں اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے تھے اور بڑے سے بڑے ظالم اور جابر فرمانروا کے سامنے سچائی کا علم بلند کرنے سے نہ چونکتے تھے ۔ اگرچہ سندھ میں محمد بن قاسم کی مدت حکومت تقریباً چار سال ہے ، لیکن آن کے دور کے متبحر علماء میں ہمیں کئی نام ملتے ہیں ۔

مولانا اسلامی :

دیبل کے رہنے والے تھے ، غالباً انھوں نے علم کی دولت محمد بن قاسم کے زمانے ہی میں حاصل کی ، اور محمد بن قاسم سے مولانا اسلامی کا لقب پایا ، وہ لڑائی سے پہلے راجہ داہر کے پاس سفیر بنا کر بھیجے گئے ، جب مولانا اسلامی داہر کے پاس پہنچے تو انھوں نے راجہ داہر کے دربار کے رواج کے مطابق نہ اس کے سامنے سر جھکایا ، نہ سجدہ کیا ، راجہ داہر کو بہت غصہ آیا ، اُس نے کہا کہ تم اس ملک کے باشندے ہو ، تم شاہی آداب کیوں نہیں بجا لائے ؟ مولانا اسلامی نے جواب دیا کہ میں مسلمان

Marfat.com

ہو چکا ، ہم مسلمان اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے - داہر کو اور بھی غصہ آیا ، اس نے کہا اگر تم ایلچی بن کر نہ آئے ہوتے تو میں تم کو ضرور قتل کرا دیتا - مولانا اسلامی نے کہا کہ میرے قتل کرنے سے عربوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ، لیکن میرے خون کا بدلہ مسلمان اس طرح لیں گے کہ آپ اندازہ نہیں کر سکتے [1] -

مولانا اسلامی کی ظالم اور جابر فرمانروا کے سامنے ایک عالم جرأت حق گوئی کی ایک اعلیٰ مثال ہے -

عربوں کی حکومت کے زمانے میں بیشمار محدثین اور علماء سر زمین سندھ میں پیدا ہوئے ، جن میں ابو معشر سندھی جو علم حدیث ، مغازی اور فقہ میں خاص درک رکھتے تھے ، جن کے علمی مرتبے کا ائمہ فن نے اعتراف کیا ہے - امام اوزاعی نسلاً سندھی تھے ، حافظ ابو محمد سالم سندھی جنھوں نے حدیث میں نام پیدا کیا ، ابو عبدالملک محدث سندھی ، موسی بن یعقوب ثقفی قاضی القضات سندھ ، اگرچہ نسباً یہ سندھی نہ تھے ، لیکن ان کا شمار سندھی علما میں ہوتا ہے -

قرآن مجید کا پہلا ترجمہ جو سندھی زبان میں ہوا :

عجائب الہند میں ہمیں تیسری صدی ہجری میں برصغیر پاک و ہند میں ایک ایسے عالم کا تذکرہ ملتا ہے جو اصل میں تو عراق کے رہنے والے تھے ، لیکن ان کی تعلیم و تربیت منصورہ میں ہوئی تھی ، یہ نہایت ذہین ، سمجھ دار اور شاعر تھے اور برصغیر کی مختلف زبانیں جانتے تھے ، یہ عبداللہ بن عمر ہباری کی حکومت کا زمانہ تھا ، عبداللہ بن عمر ہباری سے ایک ہندو راجہ نے جس کا نام مہروک تھا ، درخواست کی کہ سندھی زبان میں مذہب اسلام کی تعلیمات لکھ کر بھیج دے ، عبداللہ بن عمر ہباری نے اس کا تذکرہ اس عراقی عالم سے کیا ، انہوں نے ایک قصیدے کی صورت میں اسلامی تعلیمات کو منظوم کرکے راجہ کو بھجوا دیا ، راجہ نے اس قصیدے کو سنا تو بہت خوش ہوا اور عبداللہ سے درخواست کی کہ اس

۱- یعقوبی ، جلد اول ، ص ۳۴۶ -

Marfat.com

عالم کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے ، چنانچہ یہ عراقی عالم اس راجہ کے دربار میں تین برس رہے اور اس کی خواہش پر انھوں نے قرآن مجید کا ترجمہ سندھی زبان میں کیا ۔ قرآن مجید کا یہ پہلا ترجمہ تھا جو سندھی زبان میں ہوا[1] ۔

مولانا ابو حفص ربیع محدث بصری :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں تالیف و تصنیف کا آغاز بھی سندھ میں ہوا ، مولانا ابو حفص ربیع محدث بصری وہ پہلے مصنف ہیں جنھوں نے ۱۶۰ھ (۷۷۷ع) میں سندھ میں وفات پائی ۔

مختصر یہ ہے کہ محمد بن قاسم کی فتوحات نے سندھ اور ملتان کے علاقوں کو علمی اعتبار سے بلند مرتبہ کیا ، اور عربوں کے دور حکومت میں سر زمین سندھ میں ایسے جلیل القدر عالم پیدا ہوئے ، جنھوں نے عرب و عجم میں سندھ کے نام کو روشن کر دیا ۔

عربوں کی حکومت کے بعد برصغیر میں جس کی حکومت قائم ہوئی وہ محمود غزنوی کی ہے ، اس نے برصغیر پر سترہ حملے کئے ، اس کی مملکت کا شمار دنیا کی عظیم الشان مملکتوں میں ہوتا ہے ، لیکن اس کے دور میں بھی برصغیر کا وہ حصہ جو اس کے قبضے میں تھا اسلامی تہذیب و تمدن کا گہوارا بنا رہا ، غزنوی حکومت کے قیام کے زمانے میں اس سر زمین پر علماء اور مشائخ نے درس و تدریس اور روحانی تعلیم و تربیت کا کام شروع کیا ، غزنوی فتوحات کے زمانے میں جن بزرگوں نے برصغیر پاک و ہند میں رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا ، ان میں مولانا اسماعیل سب سے پہلے عالم دین ہیں ، جو مفسر بھی تھے اور محدّث بھی ، جنھوں نے سب سے پہلے لاہور کو اپنے قدم میمنت لزوم سے مشرف فرمایا اور درس تفسیر و حدیث شروع کیا ، ان کے مواعظ بڑے پُر اثر ہوتے تھے ، جن میں ہزارہا لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ مولانا اسماعیل نے ۴۴۸ھ (۱۰۵۶-۵۷ع) میں وفات پائی[2] ۔

۱- تاریخ سندھ ۔

۲- تذکرہ علمائے ہند ، ص ۱۱۱ (اردو ترجمہ) ۔

Marfat.com

ان کے بعد تاریخ میں جو نام سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے وہ حضرت داتا گنج بخش ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے ، جو جلیل القدر عالم بھی تھے اور عظیم المرتبت صوفی بھی ، جنھوں نے لاہور کو اپنے رشد و ہدایت کا محور بنایا وہ اگرچہ مولانا اسماعیل کے بعد میں تشریف لائے ، لیکن اس برصغیر میں شہرت و بزرگی میں اُن کا کوئی ہمسر نظر نہیں آتا ۔ لاہور میں انھوں نے ایک مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا ، آپ کی تعلیم و ارشاد سے ہزاروں لوگ مستفیض ہوئے ، بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا ۔ کچھ دن تک درس و تدریس دیتے رہے ، آخر میں تالیف و تصنیف میں مشغول ہو گئے ، کشف المحجوب آپ کی تصانیف میں تصوف پر فارسی میں وہ معرکہ آرا کتاب ہے ، جو پاک سر زمین میں سب سے پہلے لکھی گئی ۔

غزنوی دور کے علماء میں محمد بن احمد البیرونی بھی ہے ، جس نے سلطان مسعود بن محمود کے زمانے میں کئی کتابیں لکھیں ، اس کی کتاب ، کتاب الہند بہت اہمیت رکھتی ہے ، البیرونی پہلا مسلمان محقق ہے ، جس نے ہندی علوم کا مطالعہ خود اس برصغیر میں رہ کر کیا ، اور ہندی کی کتابیں یہیں کے پنڈتوں کی مدد سے پڑھیں ۔ البیرونی کی کتاب الہند نے ہندی علوم سے ربط کا ایک نیا دروازہ کھولا اور اس حقیقت کو واضح کیا کہ جس ملک میں رہو اس کی زبان سے دلچسپی لو ۔ البیرونی پہلا شخص ہے کہ جس نے پاک و ہند کے علمی و ثقافتی رشتے کو عالم اسلامی سے جوڑنے میں نہایت اہم کردار ادا کیا ہے ۔

سلطان معزالدین سام نے ۱۱۷۵ع میں اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور سلطنت دہلی کی بنیاد پڑی ، سلطان معزالدین علم اور علماء کی بڑی قدر افزائی کرتا تھا ۔

سلطان معز الدین کے بعد قطب الدین ایبک ۱۲۰۶ع میں ہندوستان کا بادشاہ بنا ، اس نے باقاعدہ دہلی کو اپنا پایۂ تخت بنایا ۔

اس کے دور کے علماء میں بہاؤ الدین اوشی ، جمال الدین محمد اور قاضی حمید الدین اور حسن نظامی نیشا پوری مصنف تاریخ تاج الماثر خاص طور

Marfat.com

پر قابل ذکر ہیں ۔

۱۲۱۰ء میں سلطان شمس الدین ایلتمش دہلی کے تخت پر بیٹھا ، وہ ایک خدا ترس ، قابل اور بیدار مغز بادشاہ تھا ۔

ناصر الدین قباچہ حاکم آچ اور سلطان شمس الدین ایلتمش کے درمیان جنگ جاری تھی کہ مولانا منہاج الدین سراج جوزجانی مصنف طبقات ناصری درۂ گومل کے راستے مٹھن کوٹ ہوتے ہوئے ، پنج ند کے راستے ۲۶ جمادی الاول ۶۲۴ھ (نومبر ۱۲۲۷ء) میں آچ پہنچے ، سلطان ناصرالدین قباچہ نے مولانا منہاج سراج کی نہایت پذیرائی کی ، مدرسہ فیروزیہ کا اہتمام اور اپنے بیٹے علاء الدین بہرام شاہ کے لشکر کا منصب قضا ان کے سپرد کیا ، لیکن کچھ دن گزرے تھے کہ سلطان شمس الدین ایلتمش لشکر لے کر آچ پہنچا ، قباچہ کو آچ چھوڑ کر بکھر جانا پڑا ۔ مولانا منہاج سراج نے سلطان شمس الدین ایلتمش سے ملاقات کی ، فتح آچ کے بعد مولانا سلطانی لشکر کے ساتھ دہلی آ گئے ۔

۶۲۹ھ (۱۲۳۲ء) گوالیار کے محاصرے میں مذکّر مقرر ہوئے ، شاہی قیام گاہ کے سامنے ہفتے میں تین مرتبہ وعظ فرماتے تھے ، محاصرہ گیارہ ماہ جاری رہا ، مولانا نے اس عرصے میں پچانوے وعظ بیان فرمائے ، جن میں انھوں نے مجاہدین کو عزم و استقلال کی تلقین کی اور ان کا دل بڑھایا ۔

۲۶ صفر ۶۳۰ھ (۱۲۳۲ء) میں سلطان ایلتمش نے مولانا کو قضا ، خطابت اور احتساب جیسے اہم مناصب سپرد کئے ، مولانا چھ سال تک گوالیار میں ان مناصب پر فائز رہے ، معز الدین بہرام شاہ کے عہد میں مولانا سلطنت ہند کے قاضی القضات قرار پائے ، لیکن جب بہرام شاہ تخت سے معزول ہوا تو مولانا نے بھی اپنے عہدے سے استعفا دے دیا ۔

ناصر الدین محمود کے عہد میں انھوں نے فاسندہ کی فتح کے حالات نظم کئے اس کتاب کا نام انھوں نے ناصری نامہ رکھا ۔ دو تین سال مولانا لکھنوتی میں مقیم رہے ، جب مولانا ۱۲۴۴ء میں دہلی واپس آئے تو

Marfat.com

انہیں مدرسہ ناصریہ کا مہتمم اور جامع مسجد کا خطیب مقرر کیا گیا ، سلطان ناصر الدین محمود کی تخت نشینی کے زمانے میں مولانا کا ستارۂ اقبال عروج پر تھا ، سلطان ناصر الدین محمود اور بلبن دونوں مولانا کے قدر دان تھے ، انھوں نے مولانا کو صدر جہاں کا خطاب دے کر سلطنتِ ہند کا قاضی مقرر کیا ۔

اسی زمانے میں مولانا نے اپنی تاریخ طبقات ناصری لکھنی شروع کی اس وقت مولانا کی عمر تقریباً ستر سال کی تھی ۔

اس زمانے میں اشاعت دین میں وعظ و تذکیر کو نہایت اہمیت حاصل تھی ۔ مولانا منہاج کا شمار اس دور کے اعلیٰ درجے کے خطیبوں اور مذکروں میں ہوتا تھا ۔ آن کے مواعظ میں یہ تاثیر تھی کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی جیسے جلیل القدر بزرگ ہر پیر کے دن ان کا وعظ سننے کے لئے پابندی سے جاتے تھے[1] ۔

سلطان التمش کے زمانے میں کتابوں کے مطالعے اور کتابوں کی تصنیف کا ذوق عام ہوا ۔ آداب السلاطین اور مآثر السلاطین جیسی کتابیں باہر سے منگوائی گئیں کئی کتابیں تصنیف یا ترجمہ کی گئیں ، اداب الحرب تاریخ مبارک شاہی کے مصنف نے لکھنی شروع کی ، بادشاہ کے نام پر احیاء العلوم کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا ، التمش کے بیٹے نے امام رازی کی کتاب سر مکتوم کا فارسی میں ترجمہ کیا[2] ۔

سلطان ناصر الدین محمود کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن تخت نشین ہوا اس کے عہد کے علماء میں جنھوں نے معاشرے کو سنوارا اور نکھارا ، تعلیم و درس و تدریس کو عام کیا آن میں جو نام سر فہرست نظر آتے ہیں وہ یہ ہیں ۔

مولانا برہان الدین بلخی ، مولانا برہان الدین بزاز ، مولانا نجم الدین

۱- یہ تمام تفصیل طبقات ناصری اردو ترجمہ ، ص ۱۳-۱۸ اور موج کوثر ص ۱۴۴ - ۱۴۸ سے ماخوذ ہیں ۔

۲- موج کوثر ، ص ۱۳۷ ۔

Marfat.com

دمشقی ، مولانا سراج الدین سجزی ، مولانا شرف الدین ولوالجی ، مولانا منہاج جوز جانی ، قاضی جلال الدین کاشانی ، قاضی رفیع الدین گازرونی ، قاضی سدید الدین ، قاضی ظہیر الدین وغیرہ ، یہ سب وہ آفتاب و ماہتاب علم تھے جن سے اس دور کے علم کی شمع روشن ہوئی[1] اور جو اس کے دربار کی زینت تھے -

بغرا خاں نے اپنے بیٹے کیقباد کو جو عیش پرست تھا کچھ نصیحتیں کی تھیں ، اگرچہ اس کی نصائح سے ہمارے موضوع کا کوئی تعلق نہیں ، لیکن اس نے ایک نصیحت میں اس نے کیقباد کو علماءِ حق اور علماءِ سوء کے فرق اور علامات کو واضح کرتے ہوئے کہا تھا کہ

> "میں نے اپنے والد سے بارہا سنا ہے کہ علماء کے دو طبقے ہیں ، ایک علمائے آخرت ، جنھیں خدائے تعالیٰ دنیا اور دنیا کی محبت اور حرص و لالچ سے بچائے رکھتا ہے - اور دوسرے علمائے دنیا ، جو دنیا کی محبت ، طمع و لالچ میں کتوں کی طرح بھاگتے ہیں یہ لوگ امرا کے مکانوں پر جاتے ہیں ، اور قضا و بلا اور نقصان پہنچانے والی تاویلیں اور حیلہ گری ان کا پیشہ ہوتا ہے (خوب یاد رکھو) کہ سمجھ دار اور دین دار بادشاہ وہ ہے کہ جو دنیا دار علماء کی باتوں پر عمل نہ کرے اور جن علماء کے نزدیک دنیا جان سے زیادہ عزیز ہے ان کے ہاتھ میں اوامر اور احکام شرعی کی باگ ڈور نہ دے دے اور نہ دینی مسئلے ان حریصوں اور لالچیوں سے جو فی الحقیقت دنیا کے پرستار ہیں پوچھنے چاہیں ، بادشاہ کو چاہئے کہ شرع کے احکام ان علماء کے حوالے کرے جنھوں نے دنیا کی طرف اپنی پشت کر لی ہے اور دنیا کا مال و دولت ان کی نظر میں سانپ بچھو معلوم ہوتا

---

[1] - تاریخ فیروز شاہی (برنی) اردو ترجمہ ، ص ۱۹۲-۱۹۳ -

Marfat.com

ہے ، مذہبی مسائل بھی ان ہی علماء سے پوچھنے چاہئیں[1]۔

بلبن نے علمائے حق اور علماء سوء کی حقیقت جس انداز میں بیان کی ہے یہی وہ معیار ہے ، جس سے ہمیں علماء کو پرکھنا چاہئے۔

خلجی عہد کے علماء :

بلبن کے بعد ہندوستان میں خلجیوں کی حکومت کا آفتاب طلوع ہوا ، اس حکومت کا پہلا فرمانروا سلطان جلال الدین خلجی (۶۸۸ھ-۶۹۵ھ) تھا ، عہد جلالی کے اکابر علماء میں جو اس کے دربار کی زینت تھے ، ان میں ملک قطب الدین علوی ، ملک تاج الدین کیراسی ، ملک موید جاجرمی ، مولانا جلال الدین بکھری مستوفی ممالک ، خواجہ جلال الدین امیرچہ نائب وزیر ، ملک سعد الدین امیر بحر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ضیاء برنی نے لکھا ہے کہ یہ علماء نہایت اہم عہدوں پر فائز تھے جب یہ حکومت کے ایوانوں میں مسند نشین ہو کر احکامات جاری کرتے تو کسی حالت میں بھی شریعت کے خلاف اُن کی زبان سے ایک حرف نہ نکلتا تھا[2]۔

۶۹۵ھ (۱۲۹۵-۹۶ع) میں جلال الدین خلجی کے بعد سلطان علاء الدین خلجی مسند سلطنت پر متمکن ہوا ، وہ اگرچہ بد خو اور سخت گیر تھا۔

اس کے دور کے قاریوں میں مولانا جمال الدین شاطبی ، مولانا علاء الدین مقری ، خواجہ زکی تھے۔

اُس دور کے واعظین میں جو اپنے واعظ کے ذریعہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے اُن میں مولانا عماد الدین حسام درویش ، مولانا ضیاء الدین سفامی ، مولانا شہاب الدین خلیلی ، مولانا کریم الدین اور مولانا بدر الدین

۱- تاریخ فیروز شاہی (برنی) اردو ترجمہ ، ص ۲۴۹-۲۵۰۔
۲- تاریخ فیروز شاہی (برنی) اردو ترجمہ ، ص ۳۱۰۔

Marfat.com

پنھو کھودی تھے ، یہ سب مسجد و محراب کی رونق تھے ، اور ان کے مواعظ حسنہ سے دہلی کی مسجدیں گونجتی تھیں ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ علائی میں تالیف و تصنیف کا ذوق بھی عام ہوا ، مولانا ضیاء الدین سنامی اس عہد کے وہ عالم ہیں جنھوں نے نصاب الاحتساب کے نام سے ایک کتاب لکھی ، شریعت پر اس قدر عامل تھے کہ حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر کی مونچھیں بہت بڑھی ہوئی تھیں ، کسی کی جرأت نہ تھی کہ ان سے مونچھیں کٹوانے کے لئے کہے ، مولانا ضیاء الدین کو پتہ چلا تو قینچی لے کر اور اپنے ہاتھ سے قلندر صاحب کی مونچھیں کاٹ دیں ۔ حضرت سلطان المشائخ ، خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی ان کا ادب کرتے تھے ، خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے ان کی وفات کی خبر سن کر آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ : وہ برگزیدہ ذات تھے جو حامی شریعت تھے ، افسوس ہے کہ وہ بھی نہ رہے ۔ شعرا میں اس کے دربار کی رونق امیر حسن سجزی اور طوطی شیرین مقال حضرت امیر خسرو تھے[1] ۔

عہد علائی میں قاریوں اور واعظوں کے علاوہ علماء مذہبی کی کثرت تھی ، ان کی جلالت شان کو بیان کرتے ہوئے ، ضیاء برنی اس عہد کے ۴۶ علماء مذہبی کی اسماء کی فہرست دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ وہ علماء تھے جن کو علامہ وقت سمجھا جاتا تھا یہ منقولات و معقولات ، تفسیر ، فقہ ، اصول فقہ ، لغت ، معانی ، بدیع ، بیان ، کلام غرضکہ ہر فن میں اپنی جولانی طبع دکھاتے تھے ۔ ان میں سے بعض تو علوم و فنون میں کمال حاصل کرکے غزالی اور رازی کے مرتبے پر پہنچ چکے تھے[2] ۔

خلجیوں کا عہد حکومت ختم ہو کر تغلقوں کے عہد حکومت کی بنیاد پڑی ، تغلق خاندان کا دوسرا فرمانروا محمد بن تغلق (۷۲۵ھ) تھا ، یہ خود بھی نہایت فاضل شخص تھا ، ضیاء برنی نے اس کے علم و فضل کو سراہتے ہوئے

---

۱ - آبِ کوثر ، ص ۱۹۴-۱۹۵ ۔

۲ - تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ) برنی ، ص ۵۱۳ - ۵۱۴ ۔

Marfat.com

کئی صفحے لکھے ہیں ، وہ نہایت خوش عقیدہ اور باعمل مسلمان تھا اس نے جنوبی ہند میں دولت آباد کو دارالحکومت بنا کر تبلیغ اسلام کا زبردست مرکز بنانا چاہا ، چنانچہ اس نے اعیان دولت ، امراء کے علاوہ دہلی کے علماء و مشائخ کو بھی حکم دیا کہ وہ دولت آباد میں آباد ہوں ، چنانچہ دہلی کے علماء اور مشائخ کا بڑا حصہ دولت آباد چلا گیا ۔ دولت آباد ایک خوبصورت شہر اور اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز بن گیا ، اس کے اس عمل سے جنوبی ہند میں اسلامی تہذیب و تمدن کے ارتقا کا بڑا موقع ملا ۔

ضیاء برنی نے جو اس کا سترہ سال ملازم رہا اس کی شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ وہ طب میں بڑا تجربہ رکھتا تھا ، معقولات و فلسفے سے اسے بے حد دلچسپی تھی ، وہ اس پر افسوس کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ان فضائل و اوصاف کے باوجود سعد منطقی بدمذہب ، عبید شاعر، بد اعتقاد اور نجم انتشار فلسفی کی صحبت میں پڑ گیا اور مولانا علیم الدین جو فلسفے کے بہت بڑے عالم تھے تنہا ہی اس کے پاس آنے جانے لگے، چنانچہ جو بات بھی معقولات کے خلاف ہوتی وہ ہرگز نہ سنتا ۔ سلطان محمد تغلق نے ۷۵۲ھ میں وفات پائی[۱] ۔

سلطان فیروز شاہ تغلق :

۲۴ محرم ۷۵۲ھ میں سلطان فیروز شاہ جو سلطان محمد تغلق کا چچا زاد بھائی تھا شاہی لشکر میں تخت نشین ہوا ، مخدوم زادہ عباسی ، حضرت چراغ دہلی اور دوسرے علماء و مشائخ نے جو لشکر میں موجود تھے تخت نشین کیا ۔ وہ ایک خدا ترس اور نیک دل بادشاہ تھا ، اس کو علوم و فنون سے غیر معمولی دلچسپی تھی ، وہ علماء دین کی بے حد قدر کرتا تھا ، ضیاء برنی کا بیان ہے کہ بہت سے وہ علماء جن کے جوتے تک پھٹے ہوئے تھے ، سلطان فیروز شاہ کی معارف نوازیوں کی وجہ سے عمدہ لباس پہننے لگے اور عمدہ گھوڑوں پر سوار ہونے لگے اور اپنا وقت علوم دین اور احکام شرع کی تعلیم حاصل کرنے میں صرف کر رہے ہیں ۔

۱- تاریخ فیروز شاہی (برنی) اردو ترجمہ ، ص ۶۶۰ - ۶۶۱ -

Marfat.com

فیروز شاہ کو علم دین کی نشر و اشاعت کا بہت خیال تھا ۔ وہ لوگ جو علمی اور دینی خدمات میں مصروف رہتے تھے ، اُن کو شاہی خزانے سے بیش بہا رقمیں دی جاتی تھیں ۔

مدارس دینیہ :

فیروز شاہ نے علوم دینیہ کے فروغ کے لئے متعدد مدارس بھی قائم کئے تھے ، ایک بڑی درسگاہ دہلی میں حوض علائی کے کنارے قائم کی تھی جس کا نام مدرسہ فیروز شاہی تھا ، اُس کے تعمیر کردہ مدارس کی تعداد تیس بتلائی جاتی ہے ۔

تالیف و تصنیف کا ذوق :

فیروز شاہ کو فقہ سے بہت دلچسپی تھی فتاوی فیروز شاہی اُسی کے حکم سے مرتب کی گئی ۔ فتاویٰ تتار خانیہ اُسی کے دور کی مستند کتاب ہے اُس نے دوسرے علوم و فنون کے فروغ کے لئے بھی بعض کتابوں کے ترجمے کرائے ایک ہندو مصنف کی کتاب اُسے نجوم کے موضوع پر جوالا مکھی کے مندر میں ملی ، فیروز شاہ نے اس کا ترجمہ کرایا ، اس کا فارسی نام دلائل فیروز شاہی رکھا ، اس کے علاوہ بار اہمیر کی کتاب کا بھی ترجمہ کرایا[۱] ۔

مختصر یہ ہے کہ علوم دینیہ کی نشر و اشاعت اور علماء دین کی سر پرستی کے اعتبار اس کے دور کو زریں دور کہا جا سکتا ہے ۔

سادات اور لودی خاندان :

سادات اور لودی خاندان کے عہد میں ہمیں وہ علوم و فنون کی ترقی جو فیروز شاہ تغلق کے عہد میں نظر آتی نہیں ملتی ، لیکن سلطان سکندر لودی بڑا عالم ، فارسی کا جید شاعر اور علماء کا قدر دان تھا ، کھانے کے وقت بہت سے علماء کو بلاتا ۔ اور اُن کے کھانے کا انتظام دربار کی طرف سے کرتا تھا اُسی نے دہلی کی جگہ آگرے کو پایہ تخت بنایا ۔

۱- معاشری و علمی تاریخ (ڈاکٹر معین الحق) ، ص ۱۰۷ و ۱۰۹ ۔

Marfat.com

سکندر لودی کے دور میں جو علماء و مشائخ نظر آتے ہیں ان میں شیخ سماء الدین مولانا جمالی اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ہیں ، جو دسویں صدی ہجری کے بڑے عالم بھی ہیں اور جلیل القدر صوفی بھی ، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی ابتدآء اہلِ حکومت و سیاست سے احتراز کرتے تھے ، لیکن بعد میں آپ کو سیاست میں حصہ لینا پڑا ، آپ نے شاہان وقت سے ربط قائم کر کے شاہان وقت اور ان کے امرا کو تلقین و ہدایت کے متعدد خطوط لکھے ، ان خطوط کے ذریعہ آپ نے ان کو اعلاء کلمۃ الحق ، اتباع سنت ، ترویج شریعت ، عدل و انصاف اور احترامِ علماء کی طرف توجہ دلائی ، یہ خطوط سکندر لودی اور لودی امرا کے نام ، مغل فرمانرواؤں میں بابر ، ہمایوں اور اس کے امرا کے نام ہیں ، مکاتیب قدوسیہ میں یہ خطوط ہمیں ملتے ہیں ، شیخ کے ان خطوط کو سرمایۂ ادب و تصوف میں بڑی اہمیت حاصل ہے ، حضرت شیخ نے علمی اعتبار سے تالیف و تصنیف کا ذخیرہ چھوڑا ، جن کی تعداد (۱۵) ہے[1] ۔

افغانوں کے بعد برصغیر پاک و ہند میں مغلیہ خاندان کا آفتاب حکومت طلوع ہوا ۔

مغلیہ خاندان میں بابر پہلا فرمانروا ہے ، جس نے ۱۵۲۶ء میں لودیوں کی بساطِ سلطنت الٹ کر برصغیر پاک و ہند میں مغل خاندان کی حکومت کا سنگ بنیاد رکھا ۔ وہ ایک مستقل مزاج اور بلند ہمت انسان تھا ، اس کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ وہ صاحب سیف و قلم تھا ، سیکری کی لڑائی میں رانا سانگا کو شکست دے کر جہاں اس نے اپنی تلوار کے جوہر منوائے ، وہیں وہ علم و ادب کے افق پر ستارہ درخشاں بن کر طلوع ہوا وہ فارسی اور ترکی کا بلند پایہ شاعر بھی تھا ، اس کی تصنیف تورک بابری ایک نہایت شاندار تصنیف جو اس کی خود نوشت سوانح ہے جو آج بھی اس کے نام کو علمی دنیا میں درخشاں کئے ہوئے ہے ، وہ خط بابری کا موجد تھا ، اس نے قرآن مجید کے کئی نسخے لکھ کر مکۂ معظمہ بھجوائے تھے ، وہ علم و ادب کا غیر معمولی ذوق

۱- شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات ، ص ۲۲۲ تا ۲۳۲ ۔

Marfat.com

رکھتا تھا ۔

اس نے اپنے بیٹے کامران کے لئے مذہبی اور فقہی مسائل پر مثنوی سبین لکھی تھی جو دو ہزار اشعار پر مشتمل تھی ۔

اس کے علاوہ وہ علماء و فضلا و شعرا کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا کتابوں کے مطالعے سے اسے غیر معمولی دلچسپی تھی ، غازی خاں کا کتب خانہ ہاتھ لگا تو اس نے اس کتب خانے کی کتابیں تقسیم کیں ، کچھ اپنے کتب خانے میں رکھیں اور کچھ ہمایوں اور کامران کو بھجوائیں ۔

مغلیہ عہدِ حکومت میں علوم و فن اور تہذیب و تمدن کی غیر معمولی ترقی :

برصغیر پاک و ہند میں مغلوں کا عہدِ حکومت جہاں علم و فنون اور تہذیب و تمدن کے ارتقا کا دور ہے وہیں اس کو علماء کی قدر افزائیوں کا زریں دور بھی کہا جا سکتا ہے ، مغلیہ فرمانرواؤں نے مختلف علوم و فنون کی سر پرستی کرکے علماء پر خوش حالی کے دروازے کھولے ، ان فرمانرواؤں نے علماء کی قدر دانی کرکے ناقدری ہنر کے داغ کو مٹایا ، دولت کی فراوانی عیش و عشرت کو ساتھ لائی ، عجمی تکلفات کی رنگینیوں سے عوام و خواص کی زندگی بھرپور طریقے پر آشنا ہوئی ۔

علماء دولت کے خنک سائے میں فراغت کی زندگی بسر کرنے لگے ، بعض مغل سلاطین کی بے راہ روی اور خواہشات نفس نے دین کو اپنے سانچوں میں ڈھالنا چاہا ، علماء کی تائید کے بغیر یہ منزل سر ہونا آسان نہ تھی بعض علماء نے طمع و لالچ سے اپنے فتووں کو نئی نئی تاویلات کرکے بادشاہوں کی خواہش کے مطابق ان سانچوں میں ڈھالا اور چند روزہ عیش کے لئے انھوں نے دینِ حق سے رو گردانی کی ، یہ وہ علماءِ سؤ تھے جنھوں نے آخرت کو برباد کرکے دنیا کو حاصل کیا ، اور بعض وہ علماءِ حق تھے جنھوں نے دین حق کے لئے ہر قسم کی مصیبتیں اٹھائیں یہاں تک کہ اس راہ میں بعض نے جان دے کر حق کو سر بلند کر دیا ، یہ وہ علماء

Marfat.com

حق تھے ، جن کی تابانیوں سے ہماری تاریخ درخشاں ہے۔

علماء حق اور علماء سوء دونوں کا کردار ہمیں مغل عہد حکومت میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

مغل عہد حکومت بہت تفصیل چاہتا ہے ، پھر بھی علم دین کی نشر و اشاعت اور علماء حق اور علماء سوء کے کردار کے اعتبار سے اکبر ، جہانگیر اور عالمگیر کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں۔

عہد اکبری میں علوم و فنون کا ارتقاء :

مغل عہد حکومت میں اکبر کے دور کو علوم و فنون کی اشاعت ، تالیف و تصنیف کی کثرت اور تراجیم کے بہتات کا زمانۂ عروج کہا جا سکتا ہے ، وہ ابتداًء ایک خوش عقیدہ مسلمان تھا ، علماء و مشائخ سے گہری عقیدت رکھتا تھا ، علماء کا قدر دان تھا ، شاہان سوری نے جو اقتدار علماء دین کو دے رکھا تھا ، اکبر نے علماء کے اس اقتدار کو اور بڑھا دیا ، اس نے شریعت کی ترویج کے لئے ہر جگہ قاضی و مفتی مقرر کئے ، مخدوم الملک شیخ الاسلام کے اقتدار کو بڑھا دیا ، شیخ عبدالنبی جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے پوتے تھے اور زہد و تقویٰ میں یگانہ روزگار ان کو پورے ہندوستان کا صدر الصدور مقرر کرکے وہ اختیارات دئے کہ کسی صدر الصدور کو اتنے اختیارات نہیں دئے گئے ، وہ ان کا بے حد معتقد تھا ، ابتداً ان کا اس قدر معتقد تھا کہ خود اذان دیتا اور مسجد میں جھاڑو دیتا ، ان کے جوتے سیدھے کرتا۔

۱۵۷۵ء میں اکبر نے فتح پور سیکری میں ایک عمارت تیار کرائی ، جس کا نام عبادت خانہ رکھا ، یہاں علماء و مشائخ و سادات جمع ہو کر دینی مسائل پر بحث کرتے تھے ، اکبر خود بھی اِن مباحثوں میں شریک ہوتا ، لیکن رفتہ رفتہ ان مباحثوں نے مجادلوں کی صورت اختیار کی ، معاشرے میں علماء کے رسوخ اور عبادت خانے میں اُن کی کج بحثیوں کو دیکھ کر اکبر کے عقائد میں تزلزل پیدا ہوا ، اور وہ سوچنے لگا کہ علماء کے رسوخ اور وقار کو معاشرے میں کم کیا جائے ، اُسی زمانے میں فیضی اور ابوالفضل اُس کے دربار سے وابستہ ہوئے ، ان کی شرپسندانہ ذہانت نے

Marfat.com

اِن کے باپ شیخ مبارک کو جو بہت بڑا عالم تھا ، دربار اکبری سے وابستہ کیا اکبر نے علماء کے معاشرے میں بڑھے ہوئے اقتدار و اثر کو آس سے بیان کیا ، شیخ مبارک نے کہا کہ بادشاہ عادل خود امام وقت اور مجتہد ہے ، وہ احکام شرعی و ملکی میں علماء کا محتاج نہیں ، اِس لئے آپ خود اجتہاد کا دعویٰ کریں ، چنانچہ اکبر کو ایک محضر میں جو شیخ مبارک نے مرتب کیا آس میں اکبر کو سلطان عادل قرار دیا گیا اور اس کے مرتبے کو مجتہد کے مرتبے سے زیادہ بڑھایا گیا ، اس محضر پر علماء کے دستخط ہوئے ، اس محضر پر مہریں لگانے والوں میں شیخ عبدالنبی ، مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری ، قاضی جلال الدین ، قاضی خاں بدخشی اور میراں صدر جہاں تھے ، نزعتہ الخوالمر میں ہے کہ بادشاہ نے مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کو محضر پر دستخط کرنے کے لئے بلایا ، لیکن کوئی شخص ان کی تعظیم کے لیے کھڑا نہ ہوا ، وہ دونوں صف لغال میں بیٹھ گئے ، ان دونوں نے اس محضر پر بالا کراہ دستخط کئے[1] ۔

اس طرح دین الٰہی کی بنیاد پڑی ، اس دین میں اکبر کی ذات کو دینی تقدس ، علم و عرفان کا سرچشمہ قرار دیا گیا ، آس کے لئے سجدے کا جواز ثابت کیا گیا ، داڑھی منڈوانے کی حوصلہ افزائی کی گئی ، سورج کی پرستش کی جانے لگی ، ذبیحہ گاؤ پر پابندی لگائی گئی ، بارہ سال سے کم عمر بچے کی ختنہ سے روکا گیا ، سلام کی بجائے اللہ اکبر اور جل جلالہ کو رواج دیا گیا ، رسالت کو قطعی طور پر نظر انداز کر دیا گیا دین الٰہی اسی قسم کی بہت سی گمراہیوں کا مجموعہ تھا ۔

عہدِ اکبری میں علماء حق کا کردار :

اکبر کی دین سے اِس بے راہ روی اور مذہب الٰہی کی گمراہیوں کو دیکھ کر جونپور کے قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے فتویٰ دیا کہ بادشاہ بے دین ہو گیا ہے اس کے خلاف جہاد واجب ہے ۔ ادھر معز الملک قاضی انقضات بنگال کے قاضی القضات معز الملک نے بادشاہ کی اس ضلالت اور گمراہی کے خلاف آواز بلند کی ۔ اکبر نے ملا محمد یزدی اور معزالملک کو کسی بہانے سے آگرے بلا بھیجا ، جب وہ دونوں آگرے سے دس

Marfat.com

سیل دور فیروز آباد پہنچے تو حکم دیا کہ ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ گوالیار کے قلعے میں بند کر دیا جائے ، ابھی وہ گوالیار پہنچنے نہ پائے تھے کہ دوسرا شاہی حکم پہنچا کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے ، پہرہ داروں نے دونوں کو ایک ٹوٹی ہوئی کشتی میں بٹھا کر دریا میں غرق کر دیا ، قاضی یعقوب کو بنگال سے بلوا کر ان کو ختم کر دیا ۔

غرضکہ اکبر نے ان سب علماء حق کو جن سے دین الٰہی کی مخالفت کا ذرا بھی اندیشہ تھا ، قتل کرا دیا ۔ اس کے بعد علماء لاہور پر مظالم توڑے ، علماء کے علاوہ مشائخ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا ۔ مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کے متعلق حکم دیا کہ وہ دونوں حج کے لئے چلے جائیں ، دونوں مکۂ معظمہ چلے گئے ۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ اکبر کے خلاف مرزا حکیم نے بغاوت کر دی تو دونوں بغیر اجازتِ شاہی یہ سمجھ کر کہ اب اکبر کی حکومت ختم ہو جائے گی ، ہندوستان واپس آ گئے لیکن مرزا حکیم کی مخالفت ختم ہو چکی تھی ، اکبر نامے میں ہے کہ مخدوم الملک تو احمد آباد ہی وفات پا گئے ، لیکن شیخ عبدالنبی کو ۱۵۸۲ع میں گرفتار کرکے فتح پور سیکری لایا گیا ، اکبر نے بھرے دربار میں انھیں نہایت سخت و سست کہا اور ایک مکا مارا ، شیخ عبدالنبی نے کہا مکا کیا مارتے ہو چھری سے کیوں نہیں مارتے ، آخر ۹۹۱ھ میں بندی خانے میں اِس پاکباز صاحبِ علم و فضل کو گلا گھونٹ کر شہید کر دیا گیا ۔

یہ اکبری دور میں علماء حق کا وہ کردار تھا ، جو اسلامی تاریخ کے لئے مایۂ صد و افتخار و نازش ہے ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی :

عہدِ اکبری کے علماء حق کا تذکرہ نامکمل رہے گا اگر ہم شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا تذکرہ نہ کریں جو اسلام شاہ سوری کے زمانے میں ۱۵۵۱ع میں پیدا ہوئے ان کو ہماری علمی و مذہبی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے ، حجاز میں شیخ عبدالوہاب متقی نے ان کو درس حدیث کے علاوہ باطنی تعلیم بھی دی ، حجاز جانے سے پہلے وہ شیخ موسیٰ گیلانی

81076

Marfat.com

سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہو چکے تھے ، چند سال کے بعد وہ سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ باقی باللہ سے بیعت ہوئے ۔ انھوں نے اکبر اور جہانگیر کا عہد حکومت دیکھا اور شاہجہان کے زمانے میں ۱۰۵۲ھ میں ۹۴ سال کی عمر میں وفات پائی ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ علوم دینیہ سے بے اعتنائی بڑھتی جا رہی تھی ، دین الٰہی کی گمراہیاں پھیل چکی تھیں ، علماء سوء دنیا کے جاہ و اقتدار کو اپنا مقصد بنائے ہوئے تھے ، صوفیائے خام کا دنیا طلبی شعار بنا ہوا تھا ، صحیح فکر و عمل ، اخلاق و کردار کا توازن بگڑ چکا تھا ، قرآن و حدیث سے ربط ٹوٹ چکا تھا ، عقل بے لگام قرآن و حدیث میں طرح طرح کی تاویلات کرکے قرآن و حدیث کو اپنے منشا کے مطابق ڈھال رہی تھی ، حجاز سے آنے کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ایک علمی انقلاب برپا کیا ، علوم دینیہ کے فروغ و اشاعت کی طرف توجہ دی ، کتاب و سنت کے مطابق ان کی کوششوں نے اصلاح کے ایک نئے دور کی بنیاد ڈالی اور اپنی زندگی کا مقصد احیاءِ دین اور فروغ شریعت کو قرار دیا ، حقیقت یہ ہے کہ شمالی ہندوستان میں علوم دینی کی نشو و نما میں ان کا اہم کردار ہے ، ان کی تصانیف دینی ہزاروں صفحات سے متجاوز ہیں ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا ایک خط عہدِ جہانگیر کے ایک امیر شیخ فرید بخاری کے نام ہے ، جو انھوں نے اکبر کی وفات پر لکھا تھا اور تاکید کی تھی کہ یہ خط جہانگیر تک پہنچا دیا جائے اس خط کا منشا یہ تھا کہ وہ ان حرکات کا اعادہ نہ کرے جو اس کے باپ اکبر نے کی تھیں ۔

عہدِ اکبری کے علماء سوء :

ہمیں اکبر کے عہد میں علماء سوء کا کردار بھی نمایاں نظر آتا ہے ، جنھوں نے جاہ و اقتدار کے حصول کے لئے دنیا کو اپنا مقصد بنایا تھا ، اُن کے دارالافتاء میں بادشاہ اکبر کے مطابق فتوے ڈھلتے ، ان کی خواہش تھی کہ وہ مذہبی رنگ میں بادشاہ کی خوشنودی حاصل کریں اور اس کی گمراہیوں کے لئے رکیک تاویلات و توجیہات سے شریعتِ حقّہ کو مسخ کرکے پیش کریں ۔

Marfat.com

میل دور فیروز آباد پہنچے تو حکم دیا کہ ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ گوالیار کے قلعے میں بند کر دیا جائے ، ابھی وہ گوالیار پہنچنے نہ پائے تھے کہ دوسرا شاہی حکم پہنچا کہ دونوں کو قتل کر دیا جائے ، پہرہ داروں نے دونوں کو ایک ٹوٹی ہوئی کشتی میں بٹھا کر دریا میں غرق کر دیا ، قاضی یعقوب کو بنگال سے بلوا کر ان کو ختم کر دیا ۔

غرضکہ اکبر نے ان سب علماء حق کو جن سے دین الٰہی کی مخالفت کا ذرا بھی اندیشہ تھا ، قتل کرا دیا ۔ اس کے بعد علماء لاہور پر مظالم توڑے ، علماء کے علاوہ مشائخ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا ۔ مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کے متعلق حکم دیا کہ وہ دونوں حج کے لئے چلے جائیں ، دونوں مکۃ معظمہ چلے گئے ۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ اکبر کے خلاف مرزا حکیم نے بغاوت کر دی تو دونوں بغیر اجازتِ شاہی یہ سمجھ کر کہ اب اکبر کی حکومت ختم ہو جائے گی ، ہندوستان واپس آ گئے لیکن مرزا حکیم کی مخالفت ختم ہو چکی تھی ، اکبر نامے میں ہے کہ مخدوم الملک تو احمد آباد ہی وفات پا گئے ، لیکن شیخ عبدالنبی کو ۱۵۸۲ع میں گرفتار کر کے فتح پور سیکری لایا گیا ، اکبر نے بھرے دربار میں انہیں نہایت سخت و سُست کہا اور ایک مکا مارا ، شیخ عبدالنبی نے کہا مکا کیا مارتے ہو چُھری سے کیوں نہیں مارتے ، آخر ۹۹۱ھ میں بندی خانے میں اِس پاکباز صاحبِ علم و فضل کو گلا گھونٹ کر شہید کر دیا گیا ۔

یہ اکبری دور میں علماء حق کا وہ کردار تھا ، جو اسلامی تاریخ کے لئے مایۂ صد و افتخار و نازش ہے ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی :

عہد اکبری کے علماء حق کا تذکرہ نامکمل رہے گا اگر ہم شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا تذکرہ نہ کریں جو اسلام شاہ سوری کے زمانے میں ۱۵۵۱ع میں پیدا ہوئے ان کو ہماری علمی و مذہبی تاریخ میں خاص اہمیت حاصل ہے ، حجاز میں شیخ عبدالوہاب متقی نے ان کو درس حدیث کے علاوہ باطنی تعلیم بھی دی ، حجاز جانے سے پہلے وہ شیخ موسیٰ گیلانی

81076

Marfat.com

ے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہو چکے تھے ، چند سال کے بعد وہ سلسلۂ شبندیہ میں خواجہ باقی باللہ سے بیعت ہوئے ۔ انھوں نے اکبر اور جہانگیر عہد حکومت دیکھا اور شاہجہان کے زمانے میں ۱۰۵۲ھ میں ۹۴ سال ی عمر میں وفات پائی ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ علوم دینیہ سے بے اعتنائی بڑھتی جا رہی تھی ، این الٰہی کی گمراہیاں پھیل چکی تھیں ، علماء سوء دنیا کے جاہ و اقتدار کو اپنا مقصد بنائے ہوئے تھے ، صوفیائے خام کا دنیا طلبی شعار بنا ہوا ہا ، صحیح فکر و عمل ، اخلاق و کردار کا قوام بگڑ چکا تھا ، قرآن و دیث سے ربط ٹوٹ چکا تھا ، عقل بے لگام قرآن و حدیث میں طرح ، تاویلات کرکے قرآن و حدیث کو اپنے منشا کے مطابق ڈھال رہی تھی ، جاز سے آنے کے بعد شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ایک علمی انقلاب پا کیا ، علوم دینیہ کے فروغ و اشاعت کی طرف توجہ دی ، کتاب و نت کے مطابق ان کی کوششوں نے اصلاح کے ایک نئے دور کی بنیاد ڈالی ر اپنی زندگی کا مقصد احیاءِ دین اور فروغ شریعت کو قرار دیا ، حقیقت ۔ ہے کہ شمالی ہندوستان میں علوم دینی کی نشو و نما میں ان کا اہم کردار ہے ، ان کی تصانیف دینی ہزاروں صفحات سے متجاوز ہیں ۔ شیخ بدالحق محدث دہلوی کا ایک خط عہدِ جہانگیر کے ایک امیر شیخ فرید ماری کے نام ہے ، جو انھوں نے اکبر کی وفات پر لکھا تھا اور تاکید کی ہی کہ یہ خط جہانگیر تک پہنچا دیا جائے اس خط کا منشا یہ تھا کہ ہ ان حرکات کا اعادہ نہ کرے جو اس کے باپ اکبر نے کی تھیں ۔

ہدِ اکبری کے علماء سوء :

ہمیں اکبر کے عہد میں علماء سوء کا کردار بھی نمایاں نظر آتا ہے ، انھوں نے جاہ و اقتدار کے حصول کے لئے دنیا کو اپنا مقصد بنایا تھا ، ن کے دارالافتاء میں بادشاہ اکبر کے مطابق فتوے ڈھلتے ، ان کی خواہش ھی کہ وہ مذہبی رنگ میں بادشاہ کی خوشنودی حاصل کریں اور اس کی گمراہیوں کے لئے رکیک تاویلات و توجیہات سے شریعتِ حقہ کو مسخ کرکے پیش کریں ۔

Marfat.com

چنانچہ زعفرانی اور لال کپڑوں کے جواز کا فتویٰ حاجی ابراہیم سرہندی لائے ، بادشاہ کو سجدہ کرنے کا فتویٰ قاضی بدخشانی نے دیا ، ملا عالم کابلی ہمیشہ اس پر افسوس کرتے ہوئے کہا کرتا تھا کہ کاش یہ بات اسے قاضی بدخشانی سے پہلے سوجھی ہوتی ، داڑھی منڈوانے کی حدیث شیخ امان پانی پتی کے بھتیجے کہیں سے ڈھونڈ کر لائے ، اختلاف مذاہب مٹانے اور ان سب کو ملا کر ایک نیا معجون مرکب تیار کرنے کی راہ بھی ان ہی علماء نے دکھائی تھی[1] ۔

لیکن ان گمراہیوں کے باوجود یہ ماننا پڑتا ہے کہ اکبر کے عہد میں علوم اسلامی کی اشاعت ، معقولات کی وسعت ، فنون لطیفہ کی ترقی میں غیر معمولی اضافہ ہوا ، اور اس کی پیدا کردہ گمراہیوں کا اثر عوام پر نہیں ہوا ، اسلامی اعتقادات کو استقامت و ارتکاز حاصل ہوا ۔

عہدِ جہانگیری :

اکبر کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر ۲۴ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو تخت نشین ہوا لیکن اس کے دور کے علماء و مشائخ میں یوں تو ملا روز بہائی تبریزی ، ملا شکر اللہ شیرازی ، میر ابو القاسم گیلانی ، قاضی نور اللہ شوستری ، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی ، ملا فاضل کابلی ، ملا عبدالرحمان بھورہ گجراتی ، ملا حسن مراغی اور ملا محمود جون پوری تھے[2] ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی ، حضرت مجدد الف ثانی اور میاں میر لاہوری کو خاص شہرت و عظمت حاصل ہے ، جہانگیر اپنے باپ کی طرح تقریباً ناخواندہ تو نہ تھا اس کی تعلیم بھی اچھی ہوئی تھی ، اس اپنے باپ کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کا اثر نہیں لیا تھا ، بلکہ بعض مورخوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اکبر اور جہانگیر کی کشیدگی کا ایک بڑا سبب مذہبی عقائد کا اختلاف تھا اور علم و ادب کی سرپرستی اسے وراثتاً ملی تھی ، تـوزک جہانگیری اس کی

۱- رود کوثر ، ص ۱۴۷ ۔

۲- توزک جہانگیری (اردو ترجمہ) جلد اول (ترجمہ اعجاز الحق قدوسی) ص ۳۵ و ۳۶ ۔

Marfat.com

خود نوشت سوانح اور روز نامچہ ہے ۔ اس کی قوت مشاہدہ بہت قوی ہے ، جن چیزوں کو اس نے نہایت گہری نظر سے دیکھا ، اپنی روزمرہ کی زندگی کے واقعات میں قلم بند کر دیا ۔

توزک جہانگیری میں وہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے متعلق اپنے تاثر کو قلم بند کرتے ہوئے لکھتا ہے :

> اس مرتبہ شیخ عبدالحق نے جو اہل علم و فضل اور ارباب سعادت میں ہیں شرف حضوری حاصل کیا ، انھوں نے ایک کتاب ہندوستان کے مشائخ و صوفیہ کے حالات پر مشتمل ہے تصنیف کی ہے ، انھوں نے اس تصنیف پر بہت محنت کی ہے ، وہ ایک مدت سے دہلی میں گوشہ نشین ہو کر متوکلانہ اور درویشانہ زندگی بسر کر رہے ہیں ، قابل قدر انسان ہیں ۔ ان کی ملاقات لطف سے خالی نہیں[1] ۔

شیخ عبدالحق نے جہانگیر کی ہدایت کے لئے ایک رسالہ نورانیہ سلطانیہ مرتب کیا تھا ، اِس رسالے میں انھوں نے بادشاہ و امرا کے کردار اور مغلیہ سلطنت کی پالیسی کو سنبھالنے کی کوشش کی ہے[۲] ۔

جہانگیر کے عہد میں اگرچہ اکبر کے دور کی بہت سی گمراہیاں دور ہو چکی تھیں ، لیکن پھر بھی ان کے اثرات باقی تھے، دوسرے بزرگ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے رشد و ہدایت کا چراغ سرہند میں روشن کیا ۔ وہ اگرچہ اکبر کے عہد میں پیدا ہوئے ، لیکن یہ آپ کا ابتدائی دور تھا ، وہ اکبری عہد میں آ گرہ بھی گئے تھے او فیضی اور ابوالفضل سے کئی بار ملے تھے ، ہاشم کشمی نے حضرت مجدد الف ثانی اور ابوالفضل کی ایک ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس ملاقات میں ابوالفضل نے فلسفیوں اور اُن کے علوم کی تعریف اس انداز سے کی کہ

۱- توزک جہانگیری اردو ترجمہ جلد دوم (اعجاز الحق قدوسی) ص ۱۴۰-
۲- معاشری و علمی تاریخ (ڈاکٹر معین الحق) ص ۳۰۵-

Marfat.com

جس سے علمائے اسلام کی توہین ہوتی تھی ، حضرت مجدد صاحب سے یہ برداشت نہ ہو سکا آپ نے حضرت امام غزالی کی ایک کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے اس کی تردید کی ابوالفضل نے دریدہ دہنی اختیار کی اور کہا کہ غزالی نے یہ بات نامعقول کہی ہے ۔ حضرت مجدد صاحب فوراً ہی اس کی مجلس سے اٹھے اور فرمایا کہ اگر اہل علم کی صحبت کا شوق ہے تو اِس طرح بے ادبی کے الفاظ زبان سے نہ نکالنے چاہئیں ، اِس واقعہ سے حضرت مجدد الف ثانی کی دینی غیرت و حمیت کا اندازہ اُن کے ابتدائی زمانے سے ہوتا ہے ۔

جہانگیر تخت نشین ہوا تو وہ حضرت مجدد کے درویشانہ شکوہ کو دیکھ کر گھبرانے لگا کہ کہیں ان کی درویشی قصر شاہی کے اقتدار کو متزازل نہ کر دے اس نے حضرت مجدد الف ثانی کے ایک خط کو بہانہ بنا کر ان کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا ، لیکن حق کوشی و حق آگہی کے جذبے کو پابند سلاسل نہیں کیا جا سکتا ، حق سر بلند ہوا اور حضرت مجدد الف ثانی اُس کی قید سے آزاد ہوئے ۔

حضرت مجدد الف ثانی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اکبری عہد کی پھیلائی ہوئی بعض وہ گمراہیاں جو نظام سلطنت میں باقی رہ گئی تھیں اُن کا قلع قمع کیا ، سبحتہ المرجان میں ہے کہ اس وقت جب کہ حضرت مجدد صاحب کو دربار میں طلب کیا گیا ۔ کسی نے کہا کہ شیخ کا تکبر تو دیکھئے کہ آپ کو سجدہ نہیں کیا ، حالانکہ آپ ظل اللہ اور خلیفہ الٰہی ہیں ، اِس پر بادشاہ غضبناک ہوا اور شیخ کو قلعہ گوالیار میں قید رکھنے کا حکم دے دیا ۔[۱]

اس عبارت کے نقل کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اکبری عہد کی گمراہیوں کے اثرات جہانگیر کے عہد میں کچھ نہ کچھ باقی تھے ، جن کو آپ نے مٹایا اور اُن کی مخالفت کی ۔

حضرت مجدد کا بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے اُس دور کے

۱- رود کوثر ، ص ۲۱۰ و ۲۱۱ ۔

Marfat.com

امرا سے ربط پیدا کرکے ترویج شریعت کی کوشش کی اور اُن کو ان کا فرض یاد دلایا ۔

اس کے علاوہ جو اکبری عہد کی گمراہیوں کا رد عمل ہوا اور شریعت و دین کو بتدریج تقویت حاصل ہوئی ، اس میں حضرت مجدد الف ثانی کی کوششوں کا بڑا دخل ہے ۔

ان کا ایک زریں کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے تعلیم دینی کو تعلیم سلوک پر مقدم رکھا ۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ حال تابع شریعت ہے ، شریعت تابع حال نہیں ، ان کے عظیم کارناموں میں ایک کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے طریقت کو شریعت کے جہاں سے اِس قدر آراستہ کیا کہ ان دونوں میں دوئی کا فرق مٹ گیا ۔

انھوں نے وحدت الشہود کا نیا نظریہ پیش کرکے صوفیہ اور علماء کے اختلاف کو رفع کیا ۔

آپ نے ردِ بدعات میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا ۔

اکبر نے وحدت ادیان اور صلح ُکل کا جو ڈھونگ رچایا تھا ، حضرت مجدد الف ثانی نے وطنیت سے ہٹ کر ملت کی بنیادوں پر مسلمانوں کو متحد کیا اور ہندوستان میں اس تصور کو قوی کیا کہ اِس برصغیر میں دو قومیں آباد ہیں ، جن کا مذہب علیحدہ ہے ، جن کی تہذیب و معاشرت جداگانہ ہے ، دونوں قوموں کا مستقل وجود ہے ۔ یہ دونوں قومیں یک جہتی کے ساتھ زندگی تو بسر کر سکتی ہیں ، لیکن علیحدہ علیحدہ اپنے مستقل وجود کو فنا نہیں کر سکتیں ، نہ ایک دوسرے میں ضم ہو سکتی ہیں ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کے گمراہ کن رویوں نے اور ہندوؤں کی حوصلہ افزائی نے انھیں مطلق العنان کر دیا تھا اور ان میں یہ جرأت ہو گئی تھی کہ وہ مسلمانوں کے اقتدار کو ختم کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے تھے ، اِسی لئے حضرت مجدد الف ثانی کو صوفیہ کے طریقے کے خلاف سخت رویہ اختیار کرنا پڑا اُن کے مکاتیب میں جو شدت غیر مسلموں کے ساتھ نظر آتی ہے ، وہ اکبر کی گمراہ کن پالیسیوں کا رد عمل ہے ، یا یوں

Marfat.com

کہنا مناسب ہو گا کہ اس وقت ہندوؤں میں ایک احیائی تحریک جنم لے رہی تھی اور حضرت مجدد کا شدت آمیز رویہ اس طوفانی تحریک کے لئے ایک بند تھا۔

دو قومی نظریے کا پہلا نقطہ حضرت مجدد نے رکھا :

لیکن اس میں شک نہیں کہ حضرت مجدد صاحب نے سب سے پہلے اِس برصغیر میں دو قومی نظریے کو اجاگر کیا اور اِس شعور کو بیدار کیا کہ قومیت کی اساس مذہب پر ہے وطن پر نہیں ، یہ دو قومی نظریے کا پہلا نقطہ ہے جو حضرت مجدد الف ثانی نے رکھا اور صدیوں پھلتا پھولتا رہا ، شاہ ولی اللہ ، حضرت سید احمد شہید ، مولانا محمد علی جوہر ، علامہ اقبال نے برسوں حضرت مجدد الف ثانی کے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری کی ، یہاں تک کہ کئی صدیوں کے بعد ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مسلمانوں نے حضرت قائد اعظم علیہ الرحمۃ کی رہنمائی میں پاکستان کی صورت میں اپنی منزل مقصود کو پا لیا۔

شاہجہان :

جہانگیر کی وفات کے بعد ۱۶۲۶ء میں شاہجہان تخت نشین ہوا ، وہ جہانگیر کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور پابند شریعت تھا ، اکبر کے خلاف جو ردِ عمل جہانگیر کے عہد میں شروع ہوا تھا ، شاہجہان کے زمانے میں وہ ردِ عمل تیز ہو گیا ، اسلام اور شعارِ اسلامی پر زیادہ زور دیا جانے لگا۔ شاہجہان متبعِ شریعت تھا ، وہ چاہتا تھا کہ حکومت کی پالیسی شریعت کے مطابق ہو ، وہ علماء و فضلا کا بڑا قدر دان تھا جہانگیر کے زمانے میں دربار میں سجدہ ہوتا تھا ، شاہجہان نے اسے موقوف کر دیا ، اس کے دور کے علماء و مشائخ میں میاں میر ، شیخ عبدالرشید جونپوری ، شیخ حسام الدین ، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اور شیخ سعد اللہ چنیوٹی (وزیر شاہجہان) شیخ عبدالقوی برہان پوری ، ملا غوص و جسہ سمرقندی ، ملا عبداللہ ، قاضی عبدالوہاب ، قاضی شیخ الاسلام ، میر محمد زاہد ہروی ، ملا محمود جونپوری وغیرہ مشہور ہیں۔

Marfat.com

عہدِ عالمگیر :

شاہجہان کے بعد عالمگیر تخت نشین ہوا ، عالمگیر کا عہد مذہبی اعتبار سے نہایت زریں عہد شمار کیا جاتا ہے ۔ علامہ اقبال نے اسے ترکشِ ملت اسلامیہ کا آخری خدنگ قرار دیا ہے ، اس میں وہ تمام صفات موجود تھیں جو ایک مثالی بادشاہ میں ہونی چاہئیں ، اس نے اپنی خداداد صلاحیت کی وجہ سے اسلامی حکومت کے دامن کو وسیع سے وسیع تر کر دیا ۔ اس کے جوہر قابل کو ملا عبداللطیف جونپوری ، مولانا ہاشم ، مولانا محی الدین معروف بہ ملا موہن ، مولانا سید محمد قنوجی اور ملا جیون[1] جیسے یگانہ روزگار اور باعمل علماء نے سنوارا اور نکھارا تھا ، طبیعت میں صلاحیت ، تقویٰ اور نیکی کے جوہر پہلے سے موجود تھے ، ان اساتذہ کی تعلیم و تربیت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ۔ سیاسی فتوحات اور معاشری و دینی خدمات میں اس کا کردار مثالی اور شاندار ہے علمی اور دینی خدمات کے اعتبار سے کوئی مغل فرمانروا اس کا ہمسر نظر نہیں آتا ۔ وہ امام غزالی کی تصانیف سے بے حد دلچسپی رکھتا تھا ، پینتالیس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا ، اس نے اپنے اخلاق و سیرت کو قرآن و حدیث کی روشنی میں تشکیل دیا تھا ، ہمیشہ باوضو رہتا ، نماز کا بے حد پابند تھا ، رمضان میں روزے رکھتا ، تراویح میں شرکت کرتا ، جمعہ جامع مسجد میں ادا کرتا ، رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف میں بیٹھتا ، تزکیہ نفس کے لئے تقلیل غذا پر عمل کرتا ، اہلِ علم اور صاحبان عرفان کی صحبت میں اپنا وقت گزارتا ۔ ان تمام ریاضتوں اور عبادتوں سے اس کا مقصد یہ تھا کہ ضلالت و گمراہی دور ہو ، دین مبین فروغ پائے اور اس طرح وہ اللہ اور اس کے رسول کو خوش کرے ۔

عالمگیر کے دور اقتدار کو اسلامی نقطۂ نظر کے انتہائی عروج کا زمانہ کہا جا سکتا ہے ، اس کے زمانے میں علماء دین کی نہایت قدر افزائی ہوئی اور مذہبی علوم و فنون کو غیر معمولی فروغ ہوا ۔ اس کی بشری

۱۔ معاشری و علمی تاریخ ، ص ۳۸۴ ۔

Marfat.com

کمزوریوں کے باوجود ، مجموعی حیثیت سے اُس کے کارناموں کو ہماری اسلامی تاریخ میں نہایت عظمت حاصل ہے اور وہ اسلامی کردار و اخلاق کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے ۔

فتاویٰ عالمگیری :

عالمگیر کا ایک عظیم الشان مذہبی و علمی کارنامہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین ہے ، وہ چاہتا تھا کہ حکومت کا نظم و نسق شریعت کے مطابق ہو ، اس کے لئے ضرورت تھی کہ فتاویٰ کا ایک مجموعہ تیار کیا جائے جس سے قضات رہنمائی حاصل کر سکیں ۔ اس کتاب کا اہتمام شیخ نظام کے سپرد کیا گیا علماء و فضلا کا ایک گروہ جو دارالسلطنت میں موجود تھا ان کا انتخاب کیا گیا کتاب جوں جوں مرتب ہوتی جاتی تھی ، شیخ نظام ہفتے میں تین دن مسودے کا وہ حصہ جو مرتب ہو جاتا تھا عالمگیر کو دکھاتے تھے اور علماء کو حسب قابلیت و صلاحیت اس کا معاوضہ دیا جاتا تھا ۔

شیخ رضی الدین بھاگلپوری ، ملا وجیہ الدین گوپاموی ، ملا حامد جونپوری اور کچھ دن شاہ ولی اللہ کے والد محترم شاہ عبدالرحیم اس کتاب کی تدوین میں شریک ہوئے ، آٹھ سال کی محنت کے بعد یہ کتاب مکمل ہوئی ۔

عہد عالمگیر کے علماء :

عالمگیر علوم اسلامی کا بڑا قدر دان تھا ، بہت سے علماء و فضلا اُس کے دربار سے وابستہ تھے ۔ اس کی مدتِ حکومت پچاس سال کے قریب ہے لیکن اس دور کے علماء میں ہمیں کثرت سے مدرسین اور فقیہ تو نظر آتے ہیں ، مگر علمی حیثیت سے حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث جیسی بلند و بالا شخصیت کوئی نظر نہیں آتی ۔

اورنگ زیب کے زمانے میں فن موسیقی اور مصوری کا ذوق روبہ انحطاط ہوا وہ خود ذوق شاعری رکھتا تھا ، اس کے دور کے شعرا میں مرزا بیدل ، فطرت ، ناصر علی سرہندی اور نعمت خاں عالی ہیں ۔

Marfat.com

عالمگیر کے دور میں دینی درسگاہوں کی رونق بڑھی ، اکبر کے دور کی تمام ملحدانہ رسمیں عہد عالمگیر میں ختم ہوئیں ، سونے اور چاندی کے برتنوں کی ممانعت ہوئی ، عالمگیر نے اپنے دور حکومت میں معاشرے میں زبردست اصلاحیں کیں ، جن سے معاشرے کی زندگی شریعت سے ہم آہنگ ہوئی - مختصر یہ ہے کہ عالمگیر نے معاشرے کو اصلاحی و مذہبی نقطۂ نظر سے بام عروج پر پہنچا دیا ، مغلیہ دور حکومت میں اس متقی بادشاہ کا دور سب سے اعلیٰ دور حکومت تھا ، جس میں مذہبی علوم و فنون کو غیر معمولی فروغ ہوا اور زندگی کے تمام شعبے شریعت اسلامیہ کے سانچے میں ڈھلے -

عالمگیر کے بعد :

۳ مارچ ۱۷۰۷ء کو عالمگیر نے وفات پائی ، آس نے ایک طویل و عریض حکومت چھوڑی ، وہ سیاسی اصلاحیں اور اپنے عہد حکومت میں معاشرے کی بگڑی ہوئی حالت کو درست کرنے میں لگا رہا ، وہ اپنے دور کا ایک کامیاب فرمانروا تھا ، آس نے اپنے بیٹوں کو اپنی وفات کے وقت وصیت کی کہ وہ خوش دلی کے ساتھ سلطنت کو تین حصوں میں تقسیم کر لیں ، لیکن ناعاقبت اندیش بیٹوں نے دانش مند باپ کی نصیحت پر عمل نہیں کیا اور آپس میں لڑنے لگے ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے ایک مستحکم نظام سلطنت کو متزلزل کر کے رکھ دیا ، باغیوں نے سر آٹھایا ، مرکزی حکومت کو کمزور پا کر صوبے خود مختاری کا خواب دیکھنے لگے - بادشاہ گردی شروع ہوئی - ملک کا اقتصادی توازن اس قدر بگڑا کہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ کے کہ ملازمین شاہی کے ہاتھوں میں کاسۂ گدائی آ گیا - سکھ ، مرہٹے ، روہیلے ، جاٹ ہنگامہ آرائی کے لئے تیار ہو گئے ، ایرانی اور تورانی سیاست رنگ لائی ، اخلاقی گراوٹ اور معاشی زبوں حالی کو دیکھ کر انگریزوں کی بیرونی طاقت بر صغیر پر قبضہ جمانے کی سوچنے لگی ، ایک عجیب خلفشار تھا جو پورے ملک پر مسلط تھا -

امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی :

عین اس زمانے میں جب کہ یہ طوفان بلا آنے والا تھا کہ عالمگیر

Marfat.com

کی وفات سے ۴ سال پہلے ۲۱ فروری ۱۷۰۳ع میں اِس برِصغیر کے آفق پر علم و عمل کا وہ آفتاب طلوع ہوا ، جس نے مسلم اقتدار کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالنے کی کوشش کی ، جس کی سیاسی ، مذہبی ، اصلاحی ، سماجی اصلاحوں سے اِس برِصغیر کے علماء اور مشائخ نے نئی راہیں پائیں اور حضرت شاہ ولی اللہ کی روشن کی ہوئی شمع کی روشنی میں اُن کے قافلے آگے بڑھے ، حضرت شاہ ولی اللہ کی سیاسی اور اصلاحی جد و جہد کی تفصیل ہم شاہ صاحب کے حالات میں دے چکے ہیں ، اِس لئے یہاں اُن کے اعادے کی ضرورت نہیں ۔

اُس دور کے علماء حق :

اُس دور کے علماء میں جنھوں نے حضرت شاہ صاحب کے اصلاحی پروگرام کو آگے بڑھایا اور شاہ صاحب سے تربیت حاصل کی ۔ اُن میں حضرت شاہ صاحب کے صاحبزادے اور جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز ، مولانا محمد عاشق پھلتی ، مولانا نور اللہ بڈھانوی ، مولانا عبدالحی ، مولانا محمد امین کشمیری ، حضرت شاہ ابو سعید ساکن رائے بریلی وغیرہ تھے ۔

حضرت شاہ صاحب کے جن نظریات کو ان بزرگوں نے عام کیا اُن میں خدا پرستی ، خوف خداوندی ، ملوکیت اور شاہ پرستی کے جذبے کو ختم کرنا ، جذبۂ فدائیت یعنی نصب العین کے لئے قربان ہونے کا جذبہ پیدا کرنا ، خدمتِ خلق کے شعور کو بیدار کرنا ، زندگی کو سادہ بنانا ، فوجی اسپرٹ پیدا کرنا ، جفا کشی کا عادی بنانا ، ایسی رسومات کا انسداد جو معاشرے کو پستی کی طرف لے جاتی ہیں ، اقتصادی بد حالی کو دور کرنا ، عیاشی کے اڈے ختم کرنا اور ایسے جرائم کی اصلاح جو معاشرے کو عیش پرست اور پست ہمت بناتے ہوں ۔

۱۷۶۳ع (۱۱۷۶ھ) میں حضرت شاہ ولی اللہ نے وفات پائی ، لیکن اصلاحی و سیاسی جد و جہد کی جو شمع انھوں نے روشن کی تھی وہ فروزاں

۱- علماء کا شاندار ماضی - جلد ۲ : ص ۳۲ -

Marfat.com

رہی -

لیکن مسلم معاشرے کے باہمی نفاق نے علماء حق کی اِن تمام کوششوں کو بظاہر ناکام بنا دیا ، بر صغیر پاک و ہند میں انگریزوں کی غلامی کی شب دیجور شروع ہوئی ، مغل حکومت کے اقبال کا آفتاب گہن میں آیا -

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت اور علماء حق کا کردار :

۱۸۰۳ع میں انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہوئی ، جس کا نعرہ یہ تھا کہ خلق خدا کی ، ملک بادشاہ سلامت کا اور حکم کمپنی بہادر کا - یہ انگریزی حکومت کا پہلا سنگِ بنیاد تھا جو بڑی شاطرانہ چال سے رکھا گیا تھا -

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی :

اگرچہ انگریزی حکومت کا سنگِ بنیاد رکھا جا چکا تھا ، لیکن علماء حق کے جذبۂ حق پرستی میں آسی طرح استقامت تھی ، حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالعزیز آن کے جانشین تھے ، انھوں نے انگریزوں کی اس دسیسہ کاری کو سمجھ کر فتویٰ دیا کہ اس حکومت میں قانون سازی کے تمام اختیارات انگریزوں کے ہاتھ میں ہیں ، شہری آزادیاں سلب ہو چکی ہیں ، مذہب کا احترام ختم ہو چکا ہے ، لہذا ہر محبِ وطن کا فرض ہے کہ اس بیرونی طاقت سے اعلانِ جنگ کرے - اور جب تک اس کو ملک بدر نہ کر دے اس ملک میں زندہ رہنا اپنے لئے حرام جانے [1]-

دور شاہ عبدالعزیز کے علماء :

اس فتویٰ کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز کی رہنمائی میں جن علماء نے حضرت شاہ عبدالعزیز کی سیاسی، علمی، مذہبی ، تعلیمی تحریک میں حصہ لیا جس کی شمع شاہ ولی اللہ نے روشن کی تھی - آن میں شاہ محمد اسحاق دہلوی ، شاہ رفیع الدین ، شاہ عبدالقادر ، شاہ عبدالغنی ، شاہ محمد اسماعیل شہید ، شاہ

۱- علماء کا شاندار ماضی ، جلد ۲ ، ص ۸۸ -

Marfat.com

عبدالحی اور اور سید احمد شہید ، مفتی الٰہی بخش کاندیلوی اور شاہ غلام علی[1] خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ، یہ وہ علماء ہیں جو سر زمین ہندوستان کے اُفق پر بدرِ کامل بن کر طلوع ہوئے اور ان کا نام حریت پسندی، دفاعی جد و جہد ، سیاسی ، مذہبی اور قومی خدمات کی وجہ سے ہماری تاریخ میں ہمیشہ درخشاں و تاباں رہے گا ۔

حضرت سید احمد شہید بریلوی :

حضرت شاہ عبدالعزیز کے مریدوں میں ، جس نے اس برصغیر کو دارالاسلام بنانا چاہا وہ حضرت سید احمد شہید ہیں ۔ وہ اپنے پیر کے فتویٰ کے مطابق ہندوستان کو اسلامی حکومت کے بعد دارالحرب سمجھتے تھے ۔ حق و باطل کی یہ جنگ ۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ع کو شروع ہوئی ۔ اس جہاد سے اُن کی تمنا یہ تھی کہ خدا کا کلمہ سربلند ہو ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت کا احیا ہو اور یہ ملک صحیح معنی میں دارالاسلام بن جائے ۔ اسی تمنا میں انھوں نے سرحد کو مرکزِ جہاد بنا کر سکھوں اور انگریزوں سے جنگ کی ۔ اگرچہ حضرت سید احمد شہید ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ (۶ مئی ۱۸۳۱ع) بالا کوٹ میں راہِ حق میں شہید ہوگئے۔ بظاہر یہ حضرت سید احمد شہید کی تحریک کی ناکامی تھی ، لیکن اُن کا اور اُن کے رفقأ کا خون پروان چڑھتا رہا ، یہاں تک کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ع کو حضرت قائد اعظم علیہ الرحمہ کی سرکردگی میں پاکستان کی صورت میں وہ خواب پورا ہوا جو ایک سو سولہ سال قبل سید احمد شہید نے دیکھا تھا ۔

جنگ آزادی (۱۸۵۷ع)

۱۸۵۷ع میں انگریز ہندوستان پر پوری طرح قابض ہوگیا ، مغل سلطنت کا آخری تاجدار بہادر شاہ ظفر تخت و تاج سے محروم کر دیا گیا ، رعایا کے دل میں مختلف شبہات گھر کرتے جاتے تھے ، ہندو اور مسلمان مشترک طور پر ان غیر ملکی فرمانرواؤں کی حکومت سے بیزار تھے ، اُس وقت کے وائسرائے لارڈ کینگ نے محسوس کر لیا کہ رعایا کے دل میں

۱۔ علماء کا شاندار ماضی ، جلد ۲ ، ص ۴۹ ۔

Marfat.com

شک و شبہات پیدار ہو رہے ہیں بلکہ فوج کے دلوں میں یہ شک و شبہات جڑ پکڑ رہے ہیں، فوج میں اشتعال پیدا ہوا، سب سے پہلے ۲۲ جنوری ۱۸۵۷ء کو ڈم دم کی فوج میں یہ بے چینی شروع ہوئی ، کارتوسوں کا قضیہ پیدا ہوا - اپریل ۱۸۵۷ء میں میرٹھ میں بھی یہ بے چینی پیدا ہوئی ، بغاوت کا آتش فشاں پہاڑ الاؤ دینے لگا ، فوجوں نے بارکیں جلا دیں اور دہلی چلو کے نعرے بلند ہونے لگے،کشت و خون کا بازار گرم ہوا ، رعایا میں ہندو اور مسلمان سب نے بلا امتیاز مذہب اس جنگ آزادی میں حصہ لیا - انگریزوں کی دسیسہ کاریوں نے ایک نئی چال چلی ، وہ یہ کہ ۱۲ مئی ۱۸۵۷ء کو حکم سرکار کمپنی کے الفاظ کو اُڑا دیا گیا اور اس کی جگہ حکم بادشاہ کا کر دیا گیا ، تاکہ لوگوں کو مغل بادشاہ کی فرمانروائی کا یقین دلایا جا سکے -

اس جنگ آزادی میں ہندو اور مسلمان اس طرح شیر و شکر ہوئے کہ جنگ آزادی کے دنوں میں دونوں مل کر انگریزوں کے مقابلے میں فتح کی دعا مانگتے تھے - لیکن یہ سب باتیں مغلیہ حکومت کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا نہ دے سکیں -

۱۹ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بہادر شاہ انگریزوں کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر مقبرہ ہمایوں میں پناہ گزیں ہوا ، ہماری رائے میں مقبرہ ہمایوں میں بادشاہ کے مزار کے ساتھ مغل بادشاہت کا مقبرہ بھی ہے ، جسے چشم بصیرت دیکھتی ہے کیونکہ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو ولسن نے قلعہ میں داخل ہو کر دیوان خاص کو اپنا صدر مقام بنایا اور ملکہ وکٹوریہ کا جام صحت پیا ، اور مغلیہ حکومت بہادر شاہ پر ختم ہو گئی -

اس دور کے علماء سوء !

انگریز ، علماء کے اثر سے ناواقف نہ تھا ، اس نے علماء سوء سے فتویٰ حاصل کیا ، جس میں حضرت سید احمد شہید اور شاہ محمد اسماعیل شہید کو وہابی اور لادین قرار دیا گیا ، انگریز کو حاکم وقت بتایا گیا ، مسلمان اس کی پناہ میں قرار دیئے گئے ، انگریزوں کی اطاعت واجب قرار دی گئی -

Marfat.com

علماء حق :

اس دور کے علماء جن کی فہرست میں مفتی صدرالدین خان صدرالصدور، مولانا احمد اللہ شاہ اور میرٹھ ، مظفر نگر ، سہارنپور وغیرہ کے علماء میں حضرت حاجی امداد اللہ ، مولانا رشید احمد گنگوی ، مولانا محمد قاسم نانوتوی ، مولانا فضل حق خیر آبادی ، مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی ، مولانا فیض احمد بدایونی اور سینکڑوں علماء کرام ہیں جنہوں نے جنگ آزادی میں حصہ لے کر قید و بند اور دریائے شور کی سزائیں بھگتیں اور بیسیوں کو اس جرم میں پھانسیوں پر لٹکایا گیا ۔

کانگریس کا قیام :

جب جنگ آزادی ۱۸۵۷ع کا ہنگامہ فرو ہوا تو مارچ ۱۸۸۵ع میں ایک انگریز مسٹر ہیوم نے کانگریس کی بنیاد رکھی ، اس طرح ہندوستان کی عوامی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا ، کانگریس کے قیام کے مقاصد یہ تھے ، برطانوی تاج کے ساتھ وفاداری کا اعلان ، ہندوستان کی دفتری حکومت کی شکایات اور اس کی نا اہلی پر تنقید ، مزید اصلاحات کے لئے مودبانہ گزارش ۔ کانگریس انگریزی پارلیمان سے یہ توقع بھی رکھتی تھی کہ وہ اس ملک میں جمہوری حکومت قائم کر دے گی ۔

کانگریس کا پہلا اجلاس ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ع میں بمبئی میں منعقد ہوا ، ہندوؤں میں وحدت قومی کا تصور اسی ادارے کا رہین منت ہے جس کی ابتدائی نشو و نما انگریزوں نے کی ، یہ ادارہ مدتوں تک انگریزوں کے زیر سایہ فروغ پاتا رہا ، انگریزوں نے اس کی بھی کوشش کی کہ کچھ مسلمان بھی کانگریس میں شریک ہو جائیں تاکہ وطنیت کو متحدہ قومیت کا روپ دیا جا سکے ۔ مزید ستم ظریفی یہ کی گئی کہ اخباروں میں پروپیگنڈہ کیا گیا کہ مسلمان بھی کانگریس میں شریک ہیں ۔ حالانکہ اس وقت ہندوستان میں ہندو ، مسلم دو قومیں آباد تھیں ، جن کا مذہب ، طرز معاشرت ، تہذیب و ثقافت بالکل علیحدہ علیحدہ تھی ، انگریزوں کی یہ کوشش درپردہ مسلمانوں کو ہندوؤں کا غلام بنانے کی کوشش تھی ، اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو ۔

Marfat.com

سر سید احمد خاں جنھوں نے متحدہ قومیت کا پردہ چاک کیا :

مسلمانوں میں اس وقت ایک سر سید احمد خاں تھے جو انگریزوں اور ہندوؤں کے اس خوش نما فریب کو سمجھ رہے تھے، اس وقت جب کہ پوری مسلم قوم یاس و حزن ، اقتصادی بد حالی اور جہالت کا شکار تھی ، سرسید نے مسلمانوں کے گرتے ہوئے حوصلوں کو سنبھالا ، انھوں نے مسلمانوں کی سماجی ترقی کے ساتھ ساتھ تعلیمی ترقی کے لیے انتھک کوششیں کیں ، آن کا سب سے بڑا کارنامہ علی گڑھ کالج کا قیام ہے ، آن کے عظیم سیاسی کارناموں میں ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اس وقت جب کہ ہندو اور انگریز کانگریس کے ذریعہ سے مسلمانوں کے وجود کو متحدہ قومیت میں گم کرنا چاہتے تھے ، انھوں نے برملا ایک قومی نظریے کی شدید مخالفت کی ، چنانچہ جب ہندوؤں کی طرف سے وائسرائے کی کونسل کے لیے مخلوط انتخاب کا مطالبہ کیا گیا تو سر سید احمد خاں نے کہا کہ :

> کانگریس کی یہ تجویز ایسے ملک کے لیے جہاں دو مختلف قومیں مل کر آباد ہیں، ایک کنویں کا پانی پیتی ہیں ، ایک شہر کی ہوا کھاتی ہیں ایک کی زندگی دوسری پر منحصر ہے بد اندیشی کی تجویزیں ہیں[1] ۔

اِس طرح دو قومی نظریے کا سنگ بنیاد جو حضرت مجدد الف ثانی کی زندگی میں بہت ہی مبہم ملتا ہے ، سر سید احمد خاں کی زندگی میں واضح شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے ۔ سر سید احمد خاں پہلے شخص ہیں جنھوں نے دو قومی نظریے اور اس کی بنیاد پر جداگانہ انتخاب کی بنیاد رکھی ۔

ہم سر سید احمد خاں کے خلوص ، قومی و تعلیمی اور سیاسی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں ۔

مسلم لیگ کا قیام :

سر سید احمد خاں نے مسلمانوں میں دو قومی نظریے کے شعور کو بیدار

---

۱ ۔ علامہ اقبال اور قائد اعظم کے سیاسی نظریات (محمد حنیف شاہد) ص ۔ ۲۴

Marfat.com

کیا ، جس کے نتیجے کے طور پر دسمبر ۱۹۰۶ع میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا ۔

قائد اعظم کی مسلم لیگ میں شرکت :

قائد اعظم علیہ الرحمۃ نے جو ۱۹۰۶ع میں دادا بھائی نوروز جی کے پرائیویٹ سکریٹری بنے اور کانگریس میں شریک ہو کر خود اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا ، اُن کا بھی ابتداًء کانگریسی لیڈروں کی طرح خیال تھا کہ جب تک ہندوستان کی دو بڑی قومیں (ہندو ، مسلم) متحد ہو کر اپنے سیاسی حقوق کا مطالبہ نہ کریں گی اُس وقت تک ہندوستان کے باشندے اپنے سیاسی حقوق کے حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے ، انھوں نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ ، اپنی ساری صلاحیتیں اس پر صرف کیں کہ کانگریس کے نظریات کو فروغ ہو ، اُن کی تمنا تھی کہ مسلمان کانگریس میں شریک ہو کر ہندوؤں کے دوش بدوش ملک کی آزادی میں حصہ لیں ۔

تقسیم بنگال :

اُسی زمانے میں جولائی ۱۹۰۵ع میں تقسیم بنگال کا واقعہ پیش آیا ۔ مسلمان اِس تقسیم سے خوش تھے کہ ان کی اکثریت کا ایک صوبہ بن رہا تھا ۔ لیکن ہندووں نے اِس تقسیم کے خلاف بہت شور مچایا ، ہندو اور مسلمانوں میں اختلاف و افتراق کا لاؤ پھوٹ پڑا آخر ہندوؤں نے ۱۳ دسمبر ۱۹۱۱ع کو انگریزوں سے تقسیم بنگال کو منسوخ کروا کے چھوڑا یہ کانگریس کی بڑی کامیابی تھی غالباً اس واقعہ نے بھی قائد اعظم کو متاثر کیا اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آئی کہ ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ ایک فریب ہے ، جس کے پردے میں اکثریت اقلیت کے حقوق غصب کر لینا چاہتی ہے اور یہ راز بھی فاش ہو گیا کہ انگریز اقلیت کے مقابلے میں اکثریت کا ساتھ دیں گے ، اس واقعہ نے اہلِ نظر کی آنکھیں کھول دیں ۔

۱۹۱۳ع میں قائد اعظم مسلم لیگ میں شریک ہوئے ، لیکن کانگریس کے بھی ممبر رہے ، قائد اعظم کا دونوں اداروں کی ممبری سے مقصد یہ تھا کہ دونوں اداروں کے مقاصد میں ہم آہنگی پیدا ہو ، لیکن قائد اعظم کی ان کوششوں کو بھی کانگریس نے ناکام بنا دیا ۔

Marfat.com

بالآخر ۱۹۲۰ء میں قائد اعظم نے کانگریس سے قطع تعلق کرکے صرف مسلم لیگ کی خدمات کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا آپ نے برصغیر پاک و ہند میں ملت اسلامیہ کے اس شعور کو بیدار کیا کہ مسلم لیگ برصغیر کے مسلمانوں کی واحد نمایندہ جماعت ہے اور برصغیر میں دو قومیں (ہندو ، مسلم) آباد ہیں ، جن کا مذہب ، تہذیب و تمدن علیحدہ علیحدہ ہے ، حضرت قائد اعظم نے برصغیر کے مسلمانوں کو ان کی خودی سے آشنا کرکے اُن میں ایک عظیم انقلاب رونما کر دیا ، جو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد تاریخ کا سب سے زیادہ روشن باب ہے ۔ انھوں نے مسلم لیگ کو ایک فعال جماعت بنا کر ایک منزل کا پتا دیا اور برصغیر کے مسلمانوں نے اس کے حصول کو اپنا مقصود بنا لیا ، ۱۹۳۴ء میں حضرت قائد اعظم آل انڈیا مسلم لیگ کے مستقل صدر قرار پائے ۔

تحریک خلافت :

۱۹ء خلافت تحریک نے برصغیر کے ہندو مسلمانوں کو پھر متحد کر دیا اگرچہ یہ مسلم تحریک تھی ، لیکن برصغیر کے ہندوؤں نے بھی اس کی حمایت میں بھرپور حصہ لیا اور پھر ہندوستان کی فضا ہندو ، مسلم بھائی بھائی کے نعروں سے گونجنے لگی ۔

شدھی و سنگٹھن کا قضیہ :

لیکن انگریز جس کی یہ پالیسی رہی ہے کہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو وہ کہاں اس اتحاد کو گوارا کر سکتا تھا ، اس نے دونوں قوموں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے شدھی اور سنگھٹن کے جھگڑے کو پروان چڑھایا ۔ شدھی کی تحریک کے ہوا دینے میں شردھا نند پیش پیش نظر آتا ہے ۔

جمعیت العلماء کا قیام :

اگرچہ جمعیت العلماء ہند کی بنیاد ۲۳ نومبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کے پہلے اجلاس دہلی میں پڑی ، ابتدا میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ علماء کی یہ جماعت صحیح رہبری کرے گی ، لیکن رفتہ رفتہ علماء کی یہ جماعت کانگریس کی ہمنوا ہوتی گئی اس کا نعرہ بھی وہی بنا جو کانگریس کا تھا یعنی متحدہ

Marfat.com

قومیت اور مخلوط انتخاب جمعیت العلماء ہند نے ۱۹۳۱ کے سہارنپور کے اجلاس میں پنجاب اور بنگال کی معین نشستوں کے ساتھ مخلوط انتخاب کی قرار داد پاس کر دی[1] ۔

جمعیت العلماء کے سرگرم کارکن علماء میں جو نام سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں ، وہ مولانا ابوالکلام آزاد ، مولانا حسین احمد مدنی مولانا حفظ الرحمان ، مولانا کفایت اللہ ، مولانا احمد سعیدوغیرہ کے ہیں ۔

ہم نے اُن علماء کے متعلق جو ہمارے موضوع میں آتے ہیں اس کتاب میں جہاں جہاں اُن کے حالات آئے ہیں ، ان کے سیاسی افکار و رجحانات کے متعلق اجمالاً موقع بموقع تذکرہ کر دیا ہے ۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق پاکستان کےمشہور مورخ ڈاکٹراشتیاق حسین قریشی نے اپنی کتاب علماء اور پالیٹیکس میں لکھا ہے کہ :

> مولانا ابوالکلام آزاد سر سید کے طریقہ کار سے متفق نہ تھے ، وہ ہر چیز کا ذمہ دار انگریز کو قرار دیتے تھے ، ان کی تحریروں نے مذہب کے بارے میں خود اعتمادی تو پیدا کی ، لیکن انھوں نے زندگی کے عملی میدان میں کوئی واضح پروگرام نہیں پیش کیا ، وقتی مسائل میں جو تجویزیں ان کی طرف سے پیش ہوئیں ، وہ اکثر نامناسب تھیں مثلاً انھوں نے کہا کہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے قائم کرنے کا خیال ایک غلطی تھا ، وہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی سرگرمیوں سے بھی متفق نہ تھے ، انھوں نے کانگریس میں بھرپور شرکت کی وکالت کی اور اقلیت کے حقوق کی حمایت کو نظر انداز کر دیا[2] ۔

مولانا حسین احمد مدنی کے سیاسی افکار کے متعلق ہم ان کے حالات میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں ، یہاں اُن کے اعادے کی ضرورت نہیں ، وہ

۱- روشن مستقبل ، ص ۵۴۴ -

۲- علماء اور پالٹیکس - (ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی) ص ، ۲۳۵ -

Marfat.com

آن جلیل القدر علماء میں ہیں کہ جن کی رائے سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے ، لیکن آن کے خلوص میں شک نہیں کیا جا سکتا ۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی تصنیف سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابتدآء متحدہ قومیت کے نظریے کے قائل نہ تھے، کیونکہ انھوں نے خلافت کانفرنس کے اجلاس ۱۹۲۸ع میں نہرو رپورٹ کے خلاف تقریر کی تھی لیکن انھوں نے سب سے پہلے متحدہ قومیت کی حمایت کا اظہار اپنی ایک تقریر میں جنگل والی مسجد باڑہ بندو راؤ دہلی میں کیا تھا ۔ علامہ اقبال نے مولانا حسین احمد کے خلاف اس وقت وہ مشہور قطعہ کہا ، جب قیام پاکستان کے وقت جمعیت العلماء ہند کی جانب سے سرحد میں ریفرنڈم کی حمایت کی گئی اور سلہٹ مولانا حسین احمد اس غرض سے تشریف لے گئے کہ یہ علاقے پاکستان میں شامل نہ ہوں[1] ۔

کانگریسی علماء کے متحدہ قومیت پر دلائل :

کانگریسی علماء کے متحدہ قومیت اور مخلوط انتخابات کے نظریات کے متعلق براہین و دلائل کے ترکش میں جو تیر تھے وہ یہ ہیں :

(۱) کانگریس نے اپنے آئین میں اقلیتوں کو تحفظ دیا ہے ، پھر مسلمانوں کا دو قومی نظریہ اور جداگانہ انتخاب پر اسرار کیوں ہے ؟

(۲) موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں نہ کہ نسل و مذہب سے ۔

(۳) قوم کا اطلاق ایسی جماعت پر کیا جاتا ہے ، جس میں کوئی وجہ جامعیت ہو ، خواہ وہ مذہب ہو یا وطینت یا نسل یا پیشہ یا رنگت یا کوئی اور صفت معنوی ہو یا مادی [۲] ۔

(۴) مسلمانوں کے لیے نظریہ پاکستان مضر ہے اور ہندوؤں کے لیے مفید ہے[۳] اس لیے کہ مسلم اکثریت والے صوبوں میں بھی

۱۔ علماء اور پالیٹکس (ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی) ص ۳۵۶

۲۔ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء (چودہری حبیب احمد) ص ، ۳۵۸ ۔

۳۔ ایضاً ، ص ، ۳۷۳ و ۳۷۴ ۔

Marfat.com

ہندوؤں کی اقلیت اتنی زبردست ہے کہ مسلمان اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے ، مسلمانوں کو پاکستان سے کوئی بھی فائدہ نہ ہوگا ، ۵۳ فیصدی مسلمانوں کی اکثریت ۴۷ فیصدی غیر مسلم اقلیت کے ہمیشہ عملاً تابع و محکوم رہے گی ، سکھ نہایت جنگ جو قوم ہے وہ بھی مسلمانوں کو چین سے نہ بیٹھنے دیں گے ۔

(۵) پاکستان بننے کے بعد تین کروڑ کی مسلم اقلیت ہندو صوبوں میں رہے گی اُن کی حفاظت کا ہندوستان میں کیا ہوگا ۔

(۶) مسلم لیگ ٹوڈیوں ، رجعت پسندوں اور انگریز پرستوں کی جماعت ہے ، مسلم لیگ نے جو نظریۂ پاکستان پیش کیا ہے وہ انگریزوں کی تجویز پر مبنی ہے ۔

(۷) انگریز کی پالیسی ٹکڑے کرنا ہے ، پاکستان کے قیام سے ہندوستان کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے ، جو انگریزوں کی پالیسی کے عین مطابق ہے ۔

(۸) پاکستان کے قیام کے بعد ہندوستان کا دفاع کیسے ہوگا ، روس نے اگر بالفرض مسلمانوں پر حملہ کیا تو سرحد کے مسلمان پس جائیں گے ۔[1]

ہم نے یہ اقتباس اس گفتگو کا پیش کیا ہے جو علماء کانگریس مولانا حسین احمد مدنی ، مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی ، مفتی عتیق الرحمان ، مولانا مفتی کفایت اللہ ، مولانا احمد سعید ، مولانا عبدالحلیم صدیقی ، مولانا عبدالحنان کے رو برو مولانا شبیر احمد عثمانی اور ان علماء کے درمیان ہوئی جو کانگریسی علماء میں نہایت عظیم المرتبت ہیں ، یہ اُن دلائل و خدشات کا خلاصہ ہے جو کانگریسی علماء پاکستان کے قیام کے خلاف رکھتے تھے اور ان ہی دلائل کو وہ اپنی تقریروں اور تحریروں میں استعمال کرتے تھے ۔

۱- تفصیل کے لیے دیکھیے تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء ، ص ، ۳۶۵ و ۳۸۱ (مکالمۃ الصدرین) ۔

Marfat.com

ہمیں یہاں یہ بھی واضح کر دینا چاہیے کہ برطانوی دور میں جب سیاست ہند دو گروپوں کانگریس اور مسلم لیگ میں تقسیم ہوئی تو علماء ہندوستان کے بھی دو مکتبہ فکر قائم ہوئے ایک علماء کانگریس اور دوسرے علماء مسلم لیگ ۔

مسلم لیگی علماء اور اُن کا سیاسی مسلک

(علامہ اقبال علیہ الرحمتہ) :

قائد اعظم علیہ الرحمتہ کے سامنے جو برصغیر پاک و ہند کی اسلامی سیاست کے آسمان پر بدر کامل بن کر چمکا وہ علامہ اقبال علیہ الرحمتہ تھے ، اِس عظیم مفکر ، سیاس اور عظیم المرتبت شاعر کا نام پاکستان کی تاریخ میں قائد اعظم کے بعد ہمیشہ زریں حروف میں روشن و درخشاں رہے گا ، ایک معمار پاکستان ہے تو دوسرا مصور پاکستان ، ابتداء ان کی شاعری میں وطن پرستی کی جھلکیاں ملتی ہیں ، لیکن یورپ کے قیام کے زمانے میں وہ وطنیت سے ملیت کی طرف آئے ، گو وہ رسمی عالم نہ تھے ، لیکن ہزاروں عالموں سے بہتر تھے ، انھوں نے متحدہ قومیت کے خلاف دو قومی نظریہ اور تصور پاکستان پیش کرکے اسلامی ہند کی وہ عظیم الشان خدمت انجام دی ، جس کو صدیوں سے برصغیر کے علماء دین اس برصغیر میں ہندوؤں کی اس کوشش کے خلاف کہ وہ مسلمانوں کو ہندوؤں میں ضم کرنا چاہتے تھے کوشش کرتے چلے آ رہے تھے ۔ نظریہ وطنیت کے فریب سے علامہ نے جلد ہی چھٹکارا حاصل کر لیا اور اپنی شاعری کے رخ کو اس صاحب بصیرت شاعر نے ملت اسلامیہ کی طرف موڑ لیا ۔ اپنے خیالات کی تبدیلی کو استعاروں اور کنایوں کی زبان میں اپنے آشنائے راز شیخ عبدالقادر مرحوم کو آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ :

> بت کدۂ چین سے اپنا منہ موڑ کر نہ صرف خود کو بلکہ اپنے ساتھ سب کو محو رخ سعدی و سلیمٰی کر دینا چاہتا ہوں ، میرے قلب میں قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کرنے کی تمنا بیدار ہو گئی ہے[1] ۔

۱- اقبال کا سیاسی کارنامہ (محمد احمد خاں) ص ۳۵ و ۳۶ ۔

Marfat.com

علامہ اقبال کے سیاسی افکار :

علامہ کے خاندانی اسلامی ماحول اور والدین کی تربیت نے آن کے قلب میں شروع ہی سے اسلام کی محبت کا بیج بویا تھا ، وہ یورپ گئے تو اقوام یورپ کو اس میں مصروف دیکھ کر کہ اسلام کی وحدت دینی کو کس طرح پارہ پارہ کیا جائے ، ان کی زندگی کا ایک نیا ورق الٹا پھر علامہ نے یورپ کے جدید نظام زندگی اور اس نظام کے پس منظر میں جو فلسفہ کارفرما تھا اس کا گہرا مطالعہ کیا ، اسلامی علوم کے مطالعے اور اسلامی تصوف کے ذوق نے انھیں ایک بہتر نظام زندگی اور فلسفہ حیات کی تلاش پر آبھارا اور اس تلاش نے انھیں اسلامی نظام حیات کا والہ و شیدا بنایا ۔

اِدھر آن کے وطن (برصغیر پاک و ہند) کے سیاسی حالات نے ایک نئی کروٹ لی اور ہندوؤں کی چیرہ دستی کی وجہ سے مسلمانوں میں علیحدہ پسندی کے رجحان کو تقویت ملی ، اس طرح بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں متحدہ وطنی قومیت کی دیوار میں شگاف پڑا ۔

مسلمانانِ برصغیر میں بحیثیت ایک مستقل قوم کے اپنے وجود کا احساس بیدار ہوا ۔ مسلمانوں میں جداگانہ انتخاب اور تحفظ حقوق کے رجحان نے زور پکڑا ، اس تحریک کے بالکل آغاز میں مسلم سیاسی زعما میں جنھوں نے مسلم لیگ کی بنیاد رکھی اور ابتدائی قیادت کی متحدہ قومیت اور علیحدہ مسلم قومیت کے متعلق کوئی واضح تصور موجود نہیں تھا ۔

ہندوستان میں مسلم قومیت کا پہلا مفکر :

بلا شبہ یہ مسلم سیاسی زعما جنھوں نے متحدہ وطنیت کی بنیاد پر قومیت کی تشکیل کی مخالفت کی وہ ہمارے شکریے کے مستحق ہیں اور ان کی خدمات ہماری تاریخ میں سنہرے حروف لکھی جائیں گی ، لیکن وہ نقوش دھندلے تھے ۔

علامہ اقبال ہندوستان کے پہلے مفکر ہیں جنھوں نے علی الاعلان واضح تصور کے ساتھ متحدہ وطنی قومیت کی مخالفت کی اور مسلم قومیت کا ایک

Marfat.com

واضح تصور پیش کیا ، علامہ کے اسلامی نظریات نے بعد کی سیاست پر نہایت گہرے اور دوامی نقوش چھوڑے اور اپنے ملی نغموں سے مسلمانان ہند میں ایک نیا شعور پیدا کیا ، ان کے فکر بلیغ نے دو قومی نظریے کو مرتب و منظم شکل میں ابھارا ۔

حضرت قائد اعظم علیہ الرحمتہ اگرچہ سیاست میں علامہ اقبال کے قائد تھے اور علامہ آن کا سب سے زیادہ احترام کرتے تھے ، لیکن وہ تحریکیں جو علامہ کے اسلامی اور سیاسی مسلک سے ٹکراتی تھیں ، علامہ نے اس کی برملا مخالفت کی ۔

۱۹۱۶ء میں متحدہ قومیت کے فروغ کے لئے میثاق لکھنؤ ہوا ، لیکن چونکہ یہ چیز علامہ کے نظریے کے خلاف تھی ، انھوں نے میثاق لکھنؤ کے متعلق اپنے خطبہ صدارت مسلم لیگ ۱۹۳۰ء میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا :

> دو خندقیں تھیں جس میں مسلمان سیاسی قائدین گر چکے تھے ۔ ایک تو لکھنؤ کا میثاق شکستہ تھا جس کا ہیولٰی ہندوستانی قومیت کے جھوٹے نظریے سے تیار ہوا تھا اور جس نے مسلمانانِ ہند کو ہندوستان میں کسی قسم کے سیاسی اقتدار کو حاصل کرنے کے موقع سے محروم کر دیا[1] ۔

۱۹۲۷ء میں دہلی میں مسلم زعما کا اجلاس ہوا حضرت قائد اعظم اس اجلاس کے صدر تھے، اس اجلاس میں جو تجاویز پیش ہوئیں ، قائد اعظم ان کی تائید میں ہیں ، علامہ اقبال آن تجاویز کے خلاف ہیں ، وہ اپنی اس رائے پر مصر ہیں کہ مسلمان جداگانہ انتخاب سے دست بردار نہ ہوں ۔

۱۹۲۸ء میں سائمن کمیشن آیا ، قائد اعظم نے اس کی سخت مخالفت کی ، لیکن علامہ اقبال اس سے تعاون کرنے والے گروہ میں ہیں ، ۱۹۲۸ء میں "نہرو رپورٹ" شائع ہوئی تو قائد اعظم اسے چند ترمیموں کے ساتھ قبول کرنے پر تیار ہیں لیکن علامہ اس کے یکسر مخالف تھے ۔ حضرت

۱۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ ، ص ۴۷ ۔

Marfat.com

قائد اعظم نے آل پارٹیز کنونشن میں چند ترمیمات کے ساتھ شرکت کی تو اس کے مقابلے میں جو آل پارٹیز مسلم کانفرنس قائم ہوئی ، اس میں علامہ اقبال پیش پیش تھے -

برصغیر کی سیاست دو گروپوں میں تقسیم ہو چکی تھی ایک گروپ وحدانی طرز حکومت اور مشترکہ انتخابات چاہتا تھا اس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھے - دوسرا گروپ خالص مسلمانوں کا تھا جو دو قومی نظریے اور جداگانہ انتخاب پر ڈٹا ہوا تھا - ان میں علامہ اقبال بھی تھے ، حضرت قائد اعظم کی انتہائی کوشش یہ رہی کہ کسی طرح ان دونوں گروپوں کو یعنی ہندو اور مسلم قوم کو تحفظ حقوق کے ساتھ سیاست کے ایک محور پر لائیں ، لیکن ہندوؤں کے مسلمانوں کے حقوق غضب کرنے کی خواہش کی بنا پر حضرت قائد اعظم کی یہ کوششیں ناکام رہیں - بالآخر مارچ ۱۹۲۹ع میں حضرت قائد اعظم نے آل پارٹیز مسلم کانفرنس کے نقطۂ نظر کو قبول کر لیا اور اپنے مشہور و معروف چودہ نکات کو پیش کیا ، اس طرح علامہ اور قائد اعظم کے سیاسی عقائد ایک ہو گئے[1] -

ان دونوں کا یہ اختلاف دو سیاسی نظریوں کا اختلاف تھا ، ان نظریوں کے اختلاف میں نہ باہمی جذبات میں شدت اور نہ آپس میں کوئی تلخی تھی ، ایک دوسرے کا احترام تھا ، اسی اختلاف کو رحمت کہا گیا ہے -

علامہ کے سیاسی افکار کی بنیاد قرآن حکیم اور سنت رسول تھی :

اسی زمانے میں ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ع کو آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد کے اجلاس میں علامہ اقبال نے خطبہ صدارت دیا - اسی خطبہ صدارت میں علامہ نے تصور پاکستان کا نظریہ پیش کیا ، مسلم سیاست میں اس خطبے

۱- علامہ اقبال اور قائد اعظم کے سیاسی نظریات (محمد حنیف شاہد) ص ۳۱ و ۳۲ -

Marfat.com

کو غیر معمولی حیثیت حاصل ہے ، کیونکہ یہی خطبہ پاکستان کی بنیاد بنا ۔

علامہ اقبال ابتدا ہی سے اسلام کے والہ و شیدا تھے ، جب علامہ دوسری گول میز کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے جا رہے تھے تو ہندوستان ٹائمز کے نمائندے نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا خاص بات لے کر شریک ہو رہے ہیں ، علامہ نے جواب دیا کہ :

> میرے پاس کچھ اور نہیں ہے ، لیکن قرآن ہے میں اسی کو پیش کروں گا[1] ۔

علامہ بنیادی طور پر اسلام کے ایک مایۂ ناز مفکر تھے ، انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اسلام اور اس کے حقائق ، اس کے نظامِ قانون کو سمجھنے پر صرف کیا ، ان کی تمنا تھی کہ قرآن کریم پر عہدِ حاضر کے افکار کی روشنی پر چند نوٹ تیار کریں وہ چاہتے تھے کہ اسلام کے نظام عمرانی کو بھی قلم بند کریں ، وہ تشکیل جدید فقہ اسلامی پر بھی لکھنا چاہتے تھے ، لیکن ان کی صحت جواب دے چکی تھی ، ان کا یہ کام مبادیات سے آگے نہ بڑھ سکا ۔ ایک دن شکستہ خاطر ہو کر فرمایا کہ :

> میں یہ کتاب لکھ سکتا تو اطمینان سے جان دیتا[۲] ۔ ۔ ۔

علامہ اقبال کا سب سے بڑا نظریہ یہ تھا اور ایک حکیم ، مفکر اور فلسفی ہونے کی حیثیت سے وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ بنی نوع انسان کے لئے اگر کوئی نظام زندگی ہے تو اسلام ہے ، اسی سے دنیا کی مشکلات حل ہو سکتی ہیں ۔ انہوں نے لکھا کہ :

> اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن ، سلامتی اور ان کی موجودہ اجتماعی ہئیتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے تو سوائے نظام اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آ سکتا[۳] ۔

۱۔ اقبال کے سیاسی افکار ، ص ۱۳۵ ۔
۲۔ اقبال کا سیاسی کارنامہ ، ص ۳۳۵ ۔ بحوالۂ مضامین اقبال ، ص ۱۸۳ ۔

Marfat.com

اور ایک جگہ انھوں نے نبوت محمدیہ کی غایت الغایات کو واضح کرتے ہوئے لکھا کہ :

نبوت محمدیہ کی غایتہ الغایات یہ ہے کہ ایک ہئیت اجتماعیہ انسانیہ قائم کی جائے ، جس کی تشکیل اس قانون الٰہی کے تابع ہو جو نبوت محمدیہ کو بارگاہ الٰہی سے عطا ہوا تھا[1] ۔

وحدت اخوت انسانی کے متعلق علامہ نے اپنے تصور کو واضح کرتے ہوئے لکھا کہ :

وحدت ایک ہی معتبر ہے اور وہ وحدت اخوت انسانی ہے جو نسل ، قومیت ، رنگ اور زبان سے ماورا ہے ، ——— جب تک انسان اپنے اعمال سے اس ایقان کا اظہار نہیں کریں گے کہ تمام مخلوق عیال اللہ اور جب تک نسل ، رنگ اور جغرافیائی قومیتوں کے امتیازات بالکلیہ ملیامیٹ نہیں ہو جائیں گے ، اس وقت تک انسان ایک مسرور اور پُر سکون زندگی بسر نہیں کر سکیں گے اور حریت ، اخوت و مساوات کا دل فریب نصب العین کبھی حاصل نہ ہو سکے گا[2] ۔

اس تڑپ کا جو وہ اسلام کے لئے رکھتے تھے اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ ایک خط میں جناب صوفی غلام مصطفٰی تبسم کو لکھتے ہیں کہ :

ایک مدت سے ہم یہ سن رہے ہیں کہ قرآن کامل کتاب ہے لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے کمال کو عملی طور پر ثابت کیا جائے کہ سیادتِ انسانی کے لئے تمام

۱- اقبال کا سیاسی کارنامہ ، ص ۳۳٦ - بحوالہ اسپیچس اینڈ اسٹیٹ منٹس ، ص ۲۳٦ -
۲- ایضاً ، ص ۳۳۷ -

Marfat.com

ضروری قواعد اس میں موجود ہیں ـــــ میرا عقیدہ یہ ہے کہ جو شخص اس وقت قرآنی نقطۂ نگاہ سے زمانہ "جورس پروڈنس" (اصول فقہ) پر ایک تنقیدی نگاہ ڈال کر احکام قرانیہ کی ابدیت کو ثابت کرے گا وہی اسلام کا مجدد ہو گا اور بنی نوع انسان کا سب سے بڑا خادم بھی وہی شخص ہو گا[1] ۔

وہ ہر اس راہی کا استقبال کرتے تھے جو اسلامی سیاست کو اپنا شعار بناتا تھا ، نہرو رپورٹ کی اشاعت کے بعد جب مولانا محمد علی جوہر کانگریس سے قطع تعلق کرکے آل پارٹیز مسلم کانفرنس میں شریک ہو گئے تو انھوں نے مولانا محمد علی کے متعلق ایک خط میں لکھا کہ :

ان کی اسلامی سادگی اور آخری سالوں میں اپنی بعض آرا کے بدل لینے میں جس امانت و دیانت کا انھوں نے ثبوت دیا اس کا بہت احترام کرتا ہوں ۔

مغربی نظریۂ وطنیت اور اس کی بنیادوں پر قومیت کی مخالفت جس قدر علامہ نے کی اتنی مخالفت ہندوستان کے کسی مفکر اور لیڈر نے نہیں کی ، وہ دو قومی نظریے کو اسلام کے مسلک سیاسی و اجتماعی کی روح سمجھتے تھے اور یہ عقیدہ ان کی روح میں پیوست ہو گیا تھا ۔

علامہ نے اس موقع پر جب کہ آل انڈیا نیشنل کنونشن قائم ہوئی ، ۲۰ مارچ ۱۹۳۷ء کو اپنے خط میں حضرت قائد اعظم کو مشورہ دیا :

ایشیاء میں اسلام کے اخلاقی و سیاسی اقتدار کا دارومدار تمام تر ہندوستانی مسلمانوں کی مکمل تنظیم پر ہے ـــــ آپ کو چاہئے کہ دہلی میں جلد از جلد ایک آل انڈیا مسلم کنونشن منعقد کریں ـــــ اور پوری قوت اور قطعی وضاحت کے ساتھ ہندوستان میں مسلمانوں کی جداگانہ سیاسی وحدت کا بطور نصب العین اعلان کر دیں ۔

۱- اقبال نامہ حصہ اول ، ص ۴۹ و ۵۰ ۔

Marfat.com

علامہ نے محسوس کیا کہ مسلم لیگ کے دستور و پروگرام میں ایسی تبدیلی کی جائے کہ وہ ایک عوامی جماعت بن جائے ، ان کو اس امر پر یقین تھا کہ کوئی جماعت عوام کی تائید کے حاصل کئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی ، وہ اس کے قطعی خلاف تھے کہ لیگ صرف اونچے طبقے کے مسلمانوں کی نمائندگی کرے ، انھوں نے مسلم لیگ میں اِس کمی کو شدت سے محسوس کیا اور ۲۸ مئی ۱۹۳۷ع کو قائد اعظم کو لکھا کہ :

> لیگ کو بالآخر فیصلہ ہی کرنا پڑے گا کہ وہ صرف ہندوستانی مسلمانوں کے اونچے طبقے کی نمائندہ جماعت بن کر رہے گی یا ایسے عام مسلمانوں کی جماعت بنے گی جنھوں نے ابھی تک معقول وجوہ کی بناء پر اس میں کوئی دلچسپی نہیں لی ، شخصی طور پر میں یہ یقین کرتا ہوں کہ وہ سیاسی تنظیم جو عام مسلمانوں کی بہتری کی کوشش نہ کرے ہمارے عوام کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی -

اسی خط میں علامہ نے مسلم لیگ کے نئے دستور پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ :

۱- اس دستور کے تحت بڑی بڑی اسامیاں تو اعلیٰ طبقات کے بچوں کے لئے اور چھوٹی چھوٹی وزراء کے دوستوں اور رشتہ داروں کی نذر ہو جاتی ہیں - عوام مسلمان بری طرح تباہ حال ہیں -

۲- روٹی کا مسئلہ مسلمانوں کے لئے شدید تر ہوتا جا رہا ہے ان کے افلاس و غربت کی ذمہ داری ہندوؤں کے ساہوکارے اور سرمایہ دارانہ ذہنیت اور غیر ملکی حکومت پر ہے اگر اس مصیبت سے نجات دلانے کی کوشش نہ کی گئی تو عام مسلمان اب بھی مسلم لیگ سے بے تعلق رہیں گے -

۳- مسلمانوں کے معاشی مسائل کا حل اسلامی قانون کے نفاذ میں ہے - اگر اسلامی قانون کے نظام کو پوری طرح سمجھ کر نافذ کیا جائے تو ہر شخص کو زندگی بسر کرنے کی طمانیت

Marfat.com

حاصل ہو گی[1] ۔

۳. اکتوبر ۱۹۳۷ء کو قائد اعظم کو ایک خط میں لکھا کہ :

ہمیں مسلمانوں کی تنظیم کے لئے اپنی تمام قوتیں ہمیشہ سے زیادہ گرم جوشی کے ساتھ وقف کر دینی چاہئیں اور اس وقت تک دم نہ لینا چاہئے جب تک پانچ صوبوں میں مسلمانوں کی حکومت قائم نہیں ہو جاتی اور بلوچستان کو اصلاحات نہیں ملتیں[۲] ۔

ایک خط میں لکھا کہ :

اس ملک میں شریعت اسلامیہ کا نفاذ اور اس کا ارتقاء ایک یا ایک سے زائد مسلم مملکتوں کے قیام کے بغیر ممکن نہیں —— یہ ضروری ہے کہ ملک کو از سر نو تقسیم کیا جائے اور ایک یا ایک سے زائد ایسی مسلم مملکتیں قائم کی جائیں جہاں (مسلمانوں کی) کامل اکثریت ہو ۔ کیا آپ کی رائے میں اس مطالبے کا وقت نہیں آن پہنچا ہے ؟

حضرت قائد اعظم نے علامہ کی اس اصابت رائے کو تسلیم کیا اور اسی کے بعد مسلم لیگ کے اجلاس لاہور ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء میں وہ قرارداد پاکستان پیش ہوئی ، جس کی تحریک علامہ نے اپنے اس خط میں کی تھی ، جس سے ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوا ۔

باوجود اس کے کہ مشورت میں جب کبھی علامہ نے مسلم لیگ کے کسی شعبے میں بھی کمزوری پائی تو برملا حضرت قائد اعظم کو توجہ دلائی ، قائد اعظم نے بھی ان کے مخلصانہ مشوروں کو قبول کیا ، اور لیگ کے منشور میں وقتاً فوقتاً علامہ کی رائے کے مطابق تبدیلیاں کیں ، لیکن

۱- ماخوذ از علامہ اقبال اور قائد اعظم کے سیاسی افکار (محمد حنیف شاہد) ص ۲۳۳ ۔

Marfat.com

دونوں میں بے پناہ خلوص تھا ، اس جذبہ احترام کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے جو وہ اپنے قائد کے متعلق اپنے دل میں رکھتے تھے- ۲۱ جون ۱۹۳۷ء میں قائد اعظم کو انھوں نے لکھا :

آپ کے اس خط کے لئے بہت بہت شکریہ جو مجھے کل ہی وصول ہوا ، آپ ایک بہت ہی مصروف انسان ہیں لیکن میں ساتھ ہی یہ توقع رکھتا ہوں کہ آپ کو میری یہ بار بار کی مراسلت ناگوار خاطر نہ ہو گی ، کیونکہ ہندوستان میں آج آپ ہی وہ واحد مسلمان ہیں ، جس کی ذات سے مسلم جماعت اس طوفان بلا میں جو شمال مغربی ہندوستان اور شاید پورے ہندوستان میں آ رہا ہے ، محفوظ رہنمائی کی توقع کرنے کا حق رکھتی ہے[1] -

ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے ان جذبات احترام کے متعلق جو قائد اعظم کے متعلق علامہ رکھتے تھے لکھا کہ :

۱۹۳۶ء کے آخری ایام تھے ——— پنجاب میں اتحاد پارٹی اور مسلم لیگ کے درمیان زور آزمائی ہونے والی تھی - ڈاکٹر صاحب لیگ کے حامی اور مسٹر جناح کے بہت بڑے مداح تھے ——— ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ مسٹر جناح کو خدا تعالیٰ نے ایک ایسی خوبی عطا کی ہے جو آج ہندوستان کے مسلمان میں مجھے نظر نہیں آتی ، کسی نے پوچھا وہ خوبی کیا ہے تو آپ نے انگریزی میں کہا- (He is incorruptable and un-purcha·eable) اس محفل میں ایک شخص نے کہا کہ ——— مسٹر جناح تو شیعہ ہیں ، ڈاکٹر صاحب نے قدرے گرم ہو کر فرمایا آپ یہاں بھی شیعہ سنی کا

۱- اقبال کے سیاسی افکار ، ص ۲۰۸ و ۲۰۹ -
۲- اقبال جناح مراسلت ، ص ۲۴۱ -

Marfat.com

> جھگڑا کرنا چاہتے ہیں۔ جناح نے کب محدث و فقیہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے مگر بے چارے نے کب کہا کہ وہ عالم نہیں اور سنہ وقت ہے؟ اس نے کہا ایک ہے کہ مسلمان اس سے کتاب و سنت کا درس لیں بات یہ ہے کہ انگریز نے ہندوستان میں پارلیمانی طرز حکومت کے نام سے اپنی شہنشاہیت کو مضبوط کرنے کا جال بچھایا ہے۔ جناح اس جال کی ایک ایک گرہ سے واقف ہیں۔ وہ انگریزی سلطنت کی چالوں سے اس حد تک آگاہ ہیں کہ خود انگریز بھی اس سے خائف ہیں —— وہ اپنی سیاسی بصیرت کی روشنی میں آپ کو ہوشیار ہو جانے کی تلقین کرتا ہے۔[1]

قائد اعظم بھی ان کی عظمتوں کے بے حد معترف و معتقد تھے۔ قائد اعظم نے ۲۶ دسمبر ۱۹۳۸ء کو آل انڈیا مسلم لیگ پٹنہ کے اجلاس میں علامہ اقبال کی وفات حسرت آیات کو مسلم ہندوستان کے لیے ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیا۔ آپ نے فرمایا:

> علامہ اقبال میرے ذاتی دوست بھی تھے اور ان کا شمار دنیا کے عظیم شعراء میں ہوتا ہے۔ وہ اس وقت تک زندہ رہیں گے جب تک اسلام زندہ ہے۔ ان کی عظیم شاعری ہندوستانی مسلمانوں کی خواہشات کی صحیح عکاسی کرتی ہے۔ ان کی شاعری ہمارے لئے اور ہماری آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ کا کام دے گی۔[2]

قائد اعظم نے علامہ اقبال کے خطوط کو ۱۹۴۳ء میں شائع کیا۔ اس کے پیش لفظ میں قائد اعظم نے ان خطوط پر تبصرے کے بعد فرمایا

۱۔ ذکر اقبال، ص ۲۰۶ تا ۲۰۷۔

۲۔ علامہ اقبال اور قائد اعظم کے سیاسی نظریات، ص ۲۲۵۔ بحوالہ فاؤنڈیشنز آف پاکستان از شریف المجاہد جلد دوم، ص ۳۰۳۔

ہوئے اور آن خطوط کی روح کو اور علامہ کی خدمات کے عکس جمیل کو اس پیش لفظ میں منتقل کرتے ہوئے لکھا کہ :

> یہ خطوط بڑی تاریخی اہمیت کے حامل ہیں ، خصوصاً وہ خطوط جن میں انھوں نے مسلمانان ہند کے سیاسی مستقبل کے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے آن کے خیالات بنیادی طور پر میرے خیالات سے ہم آہنگ تھے اور ہندوستان جن دستوری مسائل سے دو چار تھا آن کے محتاط تجزیے اور مطالعے کے بعد ان ہی خیالات نے مجھے اِس نتیجے کی طرف رہبری کی اور کچھ عرصے کے بعد یہی خیالات مسلمانان ہند کی اس متحدہ خواہش کی صورت میں جلوہ گر ہوئے جس کا اظہار ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ع والی منظور شدہ قرارداد لاہور میں کیا گیا تھا اور جو عام طور پر قرارداد پاکستان کے نام سے موسوم ہے ۔

۱۹۴۰ع میں یوم اقبال کے دوسرے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے علامہ اقبال کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے حضرت قائد اعظم نے فرمایا :

> اقبال میرا پرانا دوست تھا — جب میں اپریل ۱۹۳۶ع میں پنجاب آیا تو پہلا شخص جس سے میں ملا وہ اقبال تھا ، میں نے اپنے خیالات آس کے سامنے پیش کئے آس نے فوراً لبیک کہی اور آس وقت سے تادم مرگ اقبال میرے ساتھ مضبوط چٹان کی طرح کھڑے رہے ۔ اقبال بہت بڑے آدمی تھے اور بلاشبہ بہت بڑے شاعر تھے ، جب تک مشرقی زبانیں موجود رہیں گی اقبال کا کلام زندہ رہے گا ، وہ خود ہندوستانی تھا لیکن دنیا میں شاعر اعظم کی حیثیت سے متعارف تھا ۔ اقبال نے مسلم سیاسی شعور پیدا کرنے میں گراں بہا خدمات انجام دیں ——

Marfat.com

شعرا اقوام میں جان پیدا کرتے ہیں —— کارلائل نے شکسپیئر کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے ایک انگریز کا ذکر کیا ہے کہ اسے جب شکسپیئر اور دولت برطانیہ میں کسی ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا گیا تو اس نے کہا کہ میں شکسپیئر کو کسی قیمت پر نہ دوں گا۔ گو میرے پاس سلطنت نہیں ہے، لیکن اگر (مجھے) سلطنت مل جائے اور اقبال اور سلطنت میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کی نوبت آئے تو میں اقبال کو منتخب کروں گا[1]۔

علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی زندگی کے مختلف پہلو، اُن کے مذہبی و سیاسی نظریات، اُن کے بلند و رفیع سیاسی مقاصد، اُن کے حریفوں کے دلائل اور اُن کے جوابات اور اسلامی طرز فکر کے مطابق ان کے خطوط کے آئینے میں جو انھوں نے قائد اعظم کے نام لکھے ہیں، مسلم لیگ کے منشور میں ان کی ترمیموں کی خواہش ہم پیش کر چکے۔ اب ہم مسلم لیگی علماء اور اُن کے دلائل و براہین کی طرف رجوع کرتے ہیں، یہ اِس باب کی آخری منزل ہے۔

مولانا شبیر احمد عثمانی :

اگرچہ مسلم لیگ میں بہت سے علمائے دین شریک ہو چکے تھے، لیکن مسلم لیگی علماء میں جو شخصیت سب سے بلند و بالا نظر آتی ہے، وہ مشہور مفکر عالم دین مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ کی ہے۔

علامہ عثمانی مسلم لیگ اور جمعیت العلماء ہند کے اختلاف سے سخت متفکر تھے، چنانچہ انھوں نے جمعیت العلماء ہند اور مسلم لیگ کو قریب تر کرنے کے لئے ۱۹۴۰ء میں حضرت قائد اعظم کی ملاقات مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت العلماء ہند سے کرائی تھی، تاکہ جمعیت العلماء ہند

۱۔ علامہ اقبال اور قائد اعظم کے سیاسی نظریات، ص ۳۰۲ و ۳۰۳۔ بحوالہ روز نامہ انقلاب ۲۹ مارچ ۱۹۴۰ء، ص ۳۔

Marfat.com

کو مسلم لیگ سے قریب تر کر دیا جائے ، لیکن یہ ملاقات ناکام رہی -

یہ ایک حقیقت ہے کہ جمعیت العلماء ہند سے باہر علماء کا بہت بڑا گروہ تھا جو کانگریس کی پالیسیوں کو شک کی نظر سے دیکھتا تھا اور برصغیر پاک و ہند کے علماء کی اکثریت جمعیت العلماء ہند کے اثر سے باہر تھی ، جمعیت العلماء ہند کی تنظیم کی تعداد محدود تھی ، جو خالصتاً دیو بند کے مکتبہ فکر کے علماء پر مشتمل تھی ، لیکن پھر بھی پورے دیو بندی علماء اُن کے ساتھ نہیں تھے -

۱۹۴۰ء میں مولانا شبیر احمد عثمانی مسلم لیگ میں شریک ہو گئے اور انھوں نے مسلم لیگ کی شاندار خدمات انجام دیں -

مولانا حسین احمد مدنی کے متعلق جو جمعیت العلماء ہند سے متعلق تھے اور شدت سے متحدہ قومیت پر یقین رکھتے تھے، مولانا شبیر احمد عثمانی نے مسلم لیگ میں شرکت کے بعد یہ مؤقف اختیار کیا کہ علماء کی ہر بات تسلیم کرنے کے قابل نہیں اور اُن کی اندھا دھند تقلید بھی ضروری نہیں ، ۱۹۴۵ء میں میرٹھ مسلم لیگ کانفرنس کی صدارت کرتے ہوئے مولانا عثمانی نے مسلم لیگ کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ یہ کہنا کہ مسلم لیگ انگریزوں کے ساتھ ساز باز کرکے ہندوستان کی آزادی میں روڑے اٹکا رہی ہے اسے ہندوؤں کا پراپیگنڈا قرار دیا اور اس پراپیگنڈے کو مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کیلئے نقصان رساں قرار دیا - انھوں نے ہندوؤں کے اس دعویٰ کو بھی باطل قرار دیا کہ متحدہ ہندوستان اقتصادی اعتبار سے پاکستان سے زیادہ مستحکم رہے گا -

انھوں نے جمعیت العلماء ہند کے مقابلے میں جمعیت العلماء اسلام کو مستحکم کیا جو پورے ہندوستان کے مسلم لیگ کے ہم خیال علماء پر مشتمل تھی -

مولانا عثمانی آخر وقت تک اُن اعتراضات و خدشات کو دور کرتے رہے جن کو کانگریسی علماء بڑے فخر کے ساتھ پیش کرتے تھے اور جن کی حقیقت تارعنکبوت سے زیادہ نہ تھی - ذیل میں ہم اُس گفتگو کے نکات پیش کرتے ہیں جو مولانا عثمانی اور کانگریسی علماء مولانا حسین احمد مدنی

Marfat.com

اور اکابر جمعیتہ العلماء ہند کے درمیان ہوئی ، یہ گفتگو مولانا ظاہر احمد قاسمی رکن مجلس عاملہ جمعیت العلماء اسلام نے مکالمتہ الصدرین کے نام سے ۱۹۴۵ء میں شائع کی تھی -

مولانا حفظ الرحمان نے کہا کہ کہا جاتا ہے کہ جمیعتہ العلماء اسلام کلکتہ میں گورنمنٹ کی مالی امداد سے قائم ہوئی اور یہ جمعیت العلماء ہند کے توڑ پر قائم کی گئی ، پھر آپ اس میں کیوں شریک ہیں ؟

مولانا عثمانی نے فرمایا کہ میں اس روایت کی تصدیق کرتا ہوں نہ تکذیب میں نے جو رائے پاکستان وغیرہ کے متعلق قائم کی ہے وہ بالکل خلوص پر مبنی ہے - میری رائے یہی رہے گی کہ مسلمانوں کے لئے پاکستان مفید ہے - رہا یہ امر کہ جمعیتہ العلمائے اسلام گورنمنٹ کے ایما سے قائم ہوئی اگر بالفرض صحیح بھی مان لیا جائے تو بتائیے کہ کانگریس کی ابتداء کس نے کی اور کس طرح ہوئی بلکہ ہم نے دیانتاً یہ رائے قائم کی ہے کہ مسلمانوں کا ایک مرکز اور ایک پلیٹ فارم ہونا چاہئے اور علماء ملت کو اس کی پشت پناہی اور اصلاح میں جدوجہد کرنی چاہئے -

پھر مولانا عثمانی نے مولانا حفظ الرحمان سہواروی سے پوچھا کہ یہ بتائیے کہ وہ فامولا جو جمعیتہ العلماء ہند نے پاکستان کا نعم البدل ظاہر کرکے ملک کے سامنے پیش کیا ہے ، کیا آپ حضرات نے اس فارمولے کو کانگریس سے منوا لیا ہے ؟ مولانا حفظ الرحمان نے کہا نہیں پھر مولانا حفظ الرحمان نے کہا کہ ہمارا یہ اصول نہیں کہ ہم جنگ آزادی کی شرط کے طور پر کوئی چیز منوا لیں -

مولانا عثمانی نے فرمایا کہ اب غور کیجئے کہ کون سا راستہ مسلمانوں کے لئے مفید ہے آیا وہ راستہ جو جمعیتہ العلماء ہند نے تجویز کیا ہے ، یا پاکستان کا راستہ جو مسلم لیگ اختیار کر رہی ہے -

مولانا حفظ الرحمان نے کہا کہ پاکستان کے قائم ہونے سے مسلمانوں کا سراسر نقصان ہے جن صوبوں میں مسلم اکثریت ہے وہاں غیر مسلم اقلیت اتنی زبردست ہے کہ وہاں کے مسلمان کسی طرح اُن سے عہدہ برآ نہ ہو سکیں گے اور مسلمانوں کو پاکستان سے کوئی فائدہ نہ ہو گا ، اس طرح

Marfat.com

۵۳ فیصدی مسلمانوں کی اکثریت غیر مسلم اقلیت کے تابع اور محکوم رہے گی ۔

مولانا عثمانی نے فرمایا کیا مسلم لیگ چھ پاکستان بنانا چاہتی ہے یا چھ صوبوں کا ایک پاکستان بنانا چاہتی ہے ۔

مولانا حفظ الرحمان نے جواب دیا نہیں صرف ایک پاکستان ۔

مولانا عثمانی نے فرمایا پھر تو صوبہ جاتی اعداد و شمار کی گفتگو بیکار ہے ۔

پھر مولانا عثمانی نے فرمایا کہ آپ کا دعویٰ ہے کہ پاکستان قائم ہونے میں سراسر ہندوؤں کا فائدہ ہے تو پھر بتائیے ہندو پاکستان سے کیوں اس قدر مضطرب و خائف ہیں اور اس کی انتہائی مخالفت پر تُلے ہوئے ہیں ۔

اس کے جواب میں مولانا حفظ الرحمان نے فرمایا کہ ان کی کوئی مصلحت ہو گی اور اس کے جواب سے گریز کیا ۔

علامہ عثمانی نے فرمایا جو کچھ بھی مصلحت ہو ، میرے نزدیک تو ہندو یہ چاہتا ہے کہ انگریزی حکومت کے زیر سایہ دس کروڑ مسلمانوں میں سے ایک شخص کی گردن پر سے ہندو اکثریت کا جوا کبھی اور کہیں اُترنے نہ پائے ۔

جمعیتہ العلماء ہند کے بعض ارکان نے پوچھا کہ اگر پاکستان بن جائے تو تین کروڑ کی مسلم اقلیت ہندو صوبوں میں رہے گی اس کی حفاظت کا کیا انتظام ہو گا ؟

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ اُن کے لئے معاہدات ہوں گے ، اور (ہر مملکت کی اقلیت کے باب میں) ہر ایک کا ہاتھ دوسرے ہاتھ کے تلے دبا رہے گا ۔

علامہ عثمانی نے اس اعتراض کے جواب میں کہ مسلم لیگ راجاؤں نوابوں ، خطاب یافتہ لوگوں کی جماعت ہے ، سر فیروز خاں نون حکومت کے اشارے سے مستعفی ہو کر مسلم لیگ میں داخل ہوئے ہیں ، فرمایا کہ میں سر فیروز خاں نون کے متعلق بحث نہیں کرتا آپ جو چاہیں کہیں ،

Marfat.com

لیکن مسٹر جناح کے متعلق کبھی میرا گمان یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ سرکاری آدمی ہیں ، یا وہ کسی دباؤ یا لالچ میں آ سکتے ہیں ، یا کسی قیمت پر خریدے جا سکتے ہیں ۔

اس موقع پر مولانا حسین احمد مدنی نے ایک انگریز کا مضمون پڑھ کر سنایا جس میں یہ تجویز کی گئی تھی کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے ، مولانا مدنی کا مقصد اس مضمون کے سنانے سے یہ تھا کہ مسلم لیگ نے جو نظریہ پیش کیا ہے وہ اس انگریز کی تجویز پر مبنی ہے ۔

علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ انگریز کی شخصی رائے اور تجویز ہے[1] اس قسم کی باتوں پر یہ مکالمہ ختم ہو گیا ۔

علامہ عثمانی کا ایک بڑا کارنامہ یہ بھی ہے کہ مسلم لیگ ، پاکستان اور دو قومی نظریے کے متعلق اہل فکر و نظر کے دلوں میں جو خدشات پیدا ہو رہے تھے ، مولانا عثمانی نے اپنے مکاتیب میں انہیں دور فرمایا ۔

ایم سعید الدین صاحب بہاری نے علامہ سے استفسار کیا کہ ۔

۱۔ پاکستان کیا ہے ؟

۲۔ جمعیتہ العلماء ہند دہلی میں آپ شریک ہیں یا نہیں ؟

علامہ عثمانی نے انھیں جواباً تحریر فرمایا کہ پاکستان ایک اصطلاحی نام ہے ،جس کا مطلب یہ ہے کہ جن صوبوں میں مسلم قوم کی اکثریت ہے وہاں ان کی آزاد حکومت قائم ہو ۔ وہاں کے دستور اور آئین کی تشکیل اہل حل و عقد کی مشاورت کے بعد بروئے کار آئے گی اور وہاں کی اکثریت اپنی قدرت کی حد تک اللہ کے مکمل ترین قانون عدل و حکمت اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے استناد و استفادے کی پوری سعی کرے گی ۔

۲۔ میں کچھ مدت سے جمعیتہ العلماء دہلی سے علیحدہ ہو چکا ہوں ۔۔

۱۔ مکالمتہ الصدرین ، ماخوذ از ص ۱ تا ۱۵ ۔

Marfat.com

میں نے انھیں لکھ دیا ہے کہ اب میں اس کا رکن بننا پسند نہیں کرتا ، مولانا بہاء الحق قاسمی کے ایک استفسار پر کہ اخبار نوائے وقت لاہور میں ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ دیں اور مسلم لیگ مسلمانوں کے لئے سفینہ نجات ہے ۔

آپ کے اس اعلان پر یقین نہیں آتا ۔

علامہ عثمانی نے اُن کے جواب میں لکھا کہ ۔

میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ اس وقت مسلمانوں میں کوئی جماعت بجز مسلم لیگ کے یہ دعویٰ لے کر کھڑی نہیں ہوئی کہ الیکشن میں یہاں کے مسلمان ایک جداگانہ اور مستقل قوم ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ کیا اِس خاص حیثیت سے مسلم لیگ سفینۂ نجات نہیں (رہا یہ امر کہ مسلم لیگ کے ممبر کمیونسٹ بھی ہیں اور دوسرے فرقوں کے بھی) ہزاروں رحمتیں ہوں امام محمد بن الحسن شیبانی پر کہ انہوں نے مشکل میں ڈالنے والا مسئلہ پہلے سے صاف کر دیا ہے اور تصریح کر دی ہے کہ اہل حق مسلمان خوارج کے ساتھ ہو کر مشرکین سے لڑیں تو اِس میں کوئی حرج نہیں ، کیونکہ یہ جنگ دفع فتنۂ کفر اور اظہار اسلام کے لئے ہوگی اور اس میں اعلاء کلمۃ اللہ اور اثبات اصل طریق ہے[1]۔

ہم نے یہ چند خطوط کے اقتباس اور اُن کے جوابات یہاں دیئے ہیں ، اِس قسم کے بیشمار خطوط علامہ عثمانی کے نام آتے تھے ، جن میں مسلم لیگ کے متعلق مختلف خدشات و شبہات کا اظہار کیا جاتا تھا اور علامہ عثمانی اپنے جوابات میں ان شکوک و شبہات کا ازالہ کرتے تھے جو مسلم لیگ کے موقف پر کیے جاتے تھے ، علامہ کے یہ خطوط کانگریسی علماء کے براہین و دلائل کے جوابات کے آئینہ دار بھی ہوتے تھے ۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے آخر دم تک تحریک پاکستان اور نظریہ پاکستان کے لئے جد و جہد کی ، یہاں تک کہ ملت اسلامیہ کے

١- (دیکھو شرح السیر الکبیر الاسر خسی - ص ۲۳۱/۳)
علامہ عثمانی کے خطوط کے یہ اقتباسات تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء (چودھری حبیب احمد) ص - ١٠١٧ - ١٠٢١ -

Marfat.com

کاروان نے قائد اعظم علیہ الرحمۃ اللہ کی رہنمائی میں اپنی منزل کو پا لیا اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بن گیا ۔ پاکستان بننے کے بعد وہ دستور ساز اسمبلی کے رکن رہے اور دستور کو اسلامی اساس فراہم کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوششیں جاری رکھیں ، یہاں تک کہ وہ پاکستان ہی میں رحمتِ حق سے جا ملے ۔

مختصر یہ ہے کہ علامہ عثمانی نے تحریک خلافت میں بھی حصہ لیا تھا ، لیکن وہ اسلامی تعلیمات کے اندر رہ کر ہندوؤں سے موالات کے قائل تھے ، اور موالات میں انتہا پسندی کے خلاف تھے ۔

علامہ عثمانی نے یہ خیال بھی ظاہر کیا تھا کہ متحدہ قومیت کی تحریک کو تسلیم کرنا ایسا ہی خطرناک ہوگا جیسے اکبر کا " دینِ الٰہی " تھا ۔

علامہ عثمانی کے علاوہ جن علماء کرام نے تحریک پاکستان میں اہم کردار ادا کیا ہے ، مناسب ہوگا کہ ان کا تذکرہ بھی کر دیا جائے کہ ان کے بغیر یہ باب نامکمل رہے گا ۔

حضرت اشرف علی تھانوی :

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کے ان مشہور و با اثر علماء میں تھے کہ جن کو تمام دیوبندی مکتبہ فکر کے علماء خواہ وہ کانگریسی ہوں یا مسلم لیگی سب کے سب ان کی شخصیت اور علمی مرتبت کو قابل احترام سمجھتے تھے ۔

محترمی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے اپنی کتاب "علماء اور پالیٹکس" میں مولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کے متعلق لکھا کہ :

> ادھر جمعیۃ العلماء ہند کے انتہا پسند عناصر تیزی سے اپنی راہ پر گامزن تھے ، ادھر علماء کا ایک گروہ تھا جو اپنی قسمت کا فیصلہ ہندوؤں سے کرانا نہیں چاہتا تھا ۔ مولانا اشرف علی اس کے خلاف تھے کہ مسلمان ، ہندو قیادت کو تسلیم کر لیں ، وہ اس کے بھی حامی تھے کہ دونوں قوموں کی شدید دشمنی کی بنا پر ہندوؤں سے

Marfat.com

کسی قسم کا تعاون ممکن نہیں ۔ مولانا سید سلیمان ندوی کا بھی یہی خیال تھا کہ انگریزوں کے بعد ہندو اسلام کو ختم کرنے کی کوشش کریں گے ۔

مولانا اشرف علی سے جب مسلم لیگ تعاون کی خواستگار ہوئی تو مولانا نے تحریری طور پر مسلم لیگ سے کچھ سوالات کئے اور مطمئن ہونے کے بعد کھلے طور پر مسلم لیگ کی تائید کی اور بدستور کانگریس کی مخالفت کی ۔ ۱۹۴۳ء میں مولانا کی وفات پر مسلم لیگ نے قرارداد تعزیت منظور کی [1] ۔

مفتی محمد شفیع :

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے "علماء اور پالیٹکس" میں مفتی محمد شفیع کے متعلق لکھا کہ :

اسلامی فقہ پر جن کے تبحر کو علمی اور دینی حلقوں میں تسلیم کیا جاتا ہے (وہ مفتی محمد شفیع تھے) وہ دیو بند کے مفتی اعظم تھے ، انھوں نے سیاست سے خود کو دور رکھا اور اپنے شعبے کے لئے مختص رہے ، وہ تحریکِ پاکستان سے متاثر ہوئے ، اور کانگریسی علماء کے جواب میں مولانا شبیر احمد عثمانی کی تحریک سے وابستہ ہو گئے ، اُن کے خیال میں تحریک پاکستان کی مخالفت ، اسلام اور اُس کے اہم مفادات کے خلاف تھی ، وہ دو قومی نظریے کے حامی تھے ، شمال مغربی صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں انھوں نے مولانا عثمانی کے ساتھ کام کیا تھا (پاکستان بننے کے بعد) انھوں نے دستور میں ایسی شقوں کو جو اسلامی خصوصیات کی حامل تھیں شامل کروائیں [2] ۔

۱۔ علماء اور پالیٹکس ۔ ص ۳۵۷ ۔ ۳۶۲ ۔

۲۔ علماء اور پالیٹکس ۔ ص ۔ ۳۶۳

Marfat.com

حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمۃ :

بریلوی مکتبہ فکر کے علماء میں ، جن کی علمیت ، فضیلت ، تقویٰ و تقدس تمام بریلوی فکر کے علماء میں مسلم ہے وہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ، ہم اُن کے "سیاسی نظریات" اُن کے حالات کے ضمن میں دے آئے ہیں ، ان کے مذہبی اور سیاسی فکر کا محور بھی دو قومی نظریہ تھا ، مولانا محمد علی جوہر جو اُس زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے ، جب انھوں نے مولانا کو اپنی تحریک میں شمولیت کی دعوت دی تو مولانا نے فرمایا :

> میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے ، آپ ہندو ، مسلم اتحاد کے حامی ہیں ، میں مخالف ہوں ۔

پھر فرمایا ۔

> میں مکمل آزادی کا مخالف نہیں ، ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں ۔

وہ ترک موالات کے بھی اِس لئے مخالف تھے کہ اس نظریے سے متحدہ قومیت کو مدد ملتی تھی ، اُن کے مسلم لیگ میں شریک ہونے کا پتہ ہمیں نہیں چلتا ، لیکن اُن کے نظریات قائد اعظم کے نظریات سے ہم آہنگ تھے اور اُن کا رجحان طبعی مسلم لیگ کی طرف تھا ۔

مولانا عبدالحامد بدایونی :

محترمی ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے لکھا کہ مولانا عبدالحامد بدایونی نے بہت ہی کم عمری سے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا ، انھوں نے پہلے خلافت تحریک میں حصہ لیا ، پھر مسلم لیگ سے اُس وقت وابستہ ہوئے ، جب اس کا کانگریس سے اختلاف شروع ہوا ، انھوں نے مسلم لیگ کی طرف سے صوبہ سرحد کے ریفرینڈم میں زبردست حصہ لے کر خصوصی شہرت حاصل کی ، پاکستان بننے کے بعد مولانا بدایونی کراچی میں مقیم ہوگئے اور انھوں نے یہاں جمیعۃ العلماء پاکستان کی بنیاد رکھی ، اب ہم باب ختم کر رہے ہیں ، جس میں ہم نے علم کا قرآنی تصور ، برصغیر میں علماء

Marfat.com

کی علمی اور سیاسی جد و جہد کی تاریخ ، برطانوی دور کے علماء کانگریسی اور مسلم لیگی علماء کا سیاست میں کردار ، علامہ اقبال کا تصور پاکستان اور نظریہ پاکستان پر علامہ کے دلائل ،کانگریسی علماء کے براہین و دلائل ، مسلم لیگی علماء کے جوابات کو سمو کر یہ باب مرتب کیا ہے ، جس سے پاکستان کی تحریک اور تاریخ کے سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے -

اس کے علاوہ جن علماء کرام کے حالات اِس کتاب میں آئے ہیں اُن میں اکثر کے سیاسی رجحان کا تذکرہ اُن کے حالات کے ضمن میں کر دیا گیا ہے -

Marfat.com

مفکر پاکستان شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمۃ

شاعر مشرق علامہ اقبال نے شاعری کے مقصد اور دور حاضر کے شعرا کو اصل شاعری کے خال و خد کا آئینہ دکھاتے ہوئے کہا ہے -

سینۂ شاعر تجلی زار حسن
خیزد از سینائے او انوار حسن

از نگاہش خوب گردد خوب تر
فطرت از افسون او محبوب تر

فکر او با ماہ و انجم ہمنشیں
زشت را ناآشناء خوب آفریں[1]

شاعر مشرق کے زمانے میں عاشقانہ شاعری کا رواج تھا ، گل و بلبل ، گیسو و سنبل کے نغموں سے مشرق کی فضائیں گونج رہی تھیں ، اس دور کے شعرا اپنے اشعار میں عشق مجازی کی شراب کو اپنے نغموں سے مئے دو آتشہ بنا کر پوری قوم کو خواب گراں سے دو چار کر رہے تھے ، گو علامہ اقبال نے اپنی شاعری کی ابتدا اسی نوعیت کی غزل سے کی تھی ، کیونکہ اس وقت تک ہندوستان اور ایران میں فلسفیانہ شاعری کا آغاز نہیں ہوا تھا کہ یکایک مولانا روم اقبال کی زندگی میں آن کے مرشد معنوی بن کر در آئے اور مثنوی مولانا روم کے مطالعے نے شاعری کے حقائق سے پردہ اٹھا کر انہیں اصل شاعری کا جلوہ دکھایا اور آن کی شاعری کو ایک نیا موڑ دیا ، یہاں تک کہ آن کی شاعری ایک انقلاب انگیز پیغام بن گئی - مولانا روم کے فیض کا اعتراف کرتے ہوئے خود شاعر قوم نے اس درس شاعری کو

۱- اسرار و رموز -

Marfat.com

جو آن کو مولانا روم کی کتابوں سے بحیثیت شاعر کے ملا ہے بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ

باز برخوانم ز فیضِ پیر روم
دفتر سربستہ اسرارِ علوم

جانِ او از شعلہ ہا سرمایہ دار
من فروغِ یک نفس مثلِ شرار

پیر رومی خاک را اکسیر کرد
از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد[1]

عالم مثال میں پیر رومی نے اپنے مرید ہندی کو جو شعر و حکمت کے گر سکھائے، ان کو بیان کرتے ہوئے شاعر مشرق یوں رطب اللسان ہیں :

از نیستان ہمچو نے پیغام دہ
قیس را از قوم طے پیغام دہ

نالہ را انداز نو ایجاد کن
بزم را از ہا و ہو آباد کن

خیز و جانِ نو بدہ ہر زندہ را
از قمِ خود زندہ تر کن زندہ را

خیز و پا بر جادۂ دیگر بنہ
جوش سودائے کہن از سر بنہ[2]

علامہ نے جب مولانا روم کی تلقین کو اپنی شاعری کا جادہ بنایا تو وہ اسرار حیات جو انہوں نے اپنی شاعری سے دوسروں پر کھولے ان کی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

بہر انسان چشمِ من شبہا گریست
تا دریدم پردۂ اسرار زیست

۱- کلیات اقبال (فارسی) اسرار و رموز، ص ، ۸ -
۲- ایضاً : ص ، ۱۰ -

Marfat.com

از درونِ کارگاہِ ممکنات
بر کشیدم سرِ تقویمِ حیات

وہ اپنے دور کی نافہمی اور ناقدری روزگار کو دیکھ کر اپنی شاعری کے متعلق کہتے ہیں :

نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم
من نوائے شاعرے فرداستم
عصرِ من دانندۂ اسرار نیست
یوسفِ من بہرِ ایں بازار نیست
نغمۂ من از جہانِ دیگر است
ایں جرس را کاروانِ دیگر است

پھر وہ حقیقی شاعری کی عظمتوں کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب اس کی زیست پر ترانوں کے دروازے بند ہوتے ہیں تو موت اس کی حیات کا کام شروع کرتی ہے ، اس کے نغمے اس کے حیات دوام کا سبب بن کر اسے حیاتِ جاودانی عطا کرتے ہیں :

اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد
چشم خود بربست و چشمِ ما کشاد

وہ دورِ حاضر کے شعرا کو ان کی روح شاعری کا آئینہ دکھاتے ہوئے کہتے ہیں :

وائے قومے کہ اجل گیرد برات
شاعرش وا بوسد از ذوقِ حیات

خوش نماید زشت را آئینہ اش
در جگر صد نشتر از نوشینہ اش

بوسۂ او تازگی از گل برد
ذوقِ پرواز از دلِ بلبل برد

وایۂ ہستی ز جانِ تو برد
لعلِ عنابی ز کانِ تو برد

Marfat.com

خستۂ ما از کلامش خستہ تر
انجمن از دور جامش خستہ تر[1]

وہ آن شعرا پر جو اپنے تخیل کو گل و بلبل، زلف و سنبل سے آگے نہیں بڑھاتے اور اپنی شاعری کا محور صرف عشق مجازی کو بنائے ہوئے ہیں افسوس کرتے ہوئے انہیں رہزن قلب اور ابلیس نظر بتاتے ہیں ۔

اے بسا شاعر کہ از سحر ہنر
رہزن قلب است و ابلیسِ نظر

شاعر ہندی خدایش یار باد
جانِ او بے لذتِ گفتار باد

عشق را خفیہ گری آموختہ
با خلیلاں آزری آموختہ

حرف او چاویدہ و بے سوز و داد
مرد خوانند اہلِ دل او را نہ مرد

ز ان نوائے خوش کہ نشناسد مقام
خوش تر آں حرفے کہ گوئی در مقام[۲]

وہ ان قارئین کو جو ان شعرا کی لذتیت کے دام میں پھنسے ہوئے ہیں اور زہر کو تریاق سمجھ کر پی رہے ہیں آگاہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

اے زبا افتادہ از صہبائے او
صبح تو از مشرقِ مینائے او

اے دلت از نغمہ ہایش سرد جوش
زہر قاتل خوردۂ از راہِ گوش

شیونش از جام تو سرمایہ نبرد
لطف خواب از دیدۂ ہمسایہ برد

۱- کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ) ، ص ، ۶۳۲ -
۲- ایضاً ، اسرار و رموز -

Marfat.com

وائے بر عشقے کہ نار او فسرد
در حرم زائید و در بت خانہ مرد

وہ ملت کے ناقدین کو نقد سخن کی دعوت دیتے ہوئے فکر روشن اور صالح ادب کو شعر کا بہترین سرمایہ قرار دیتے ہیں :

اے میانِ کیسہ ات نقدِ سخن
بر عیارِ زندگی او را بزن
فکرِ روشن بیں عمل را رہبر است
چوں درخش برق پیش از تندر است
فکر صالح در ادب می بایدت
رجعتے سوئے عرب می بایدت[1]

علامہ اقبال شاعرانہ کمال کے مدعی نہیں ہیں ، بلکہ وہ اپنی شاعری کو اپنے مقصد کا ذریعہ ابلاغ بناتے ہوئے کہتے ہیں :

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقہ بے زمام را

وہ مثنوی اسرار و رموز کے آخر میں کہتے ہیں :

شاعری زیں مثنوی مقصود نیست
بت پرستی ، بت گری مقصود نیست
ہندیم از پارسی بیگانہ ام
ماہِ نو باشم تہی پیمانہ ام
حسنِ اندازِ بیاں از من مجو
خوانسار و اصفہاں از من مجو
گرچہ ہندی در عذو بت شکر است
طرز گفتار دری شیریں تر است
فکرِ من از جاوہ اش مسحور گشت
خامہ من شاخِ نخل طور گشت

۱- کلیات اقبال فارسی اسرار و رموز ، ص ، ۱۱ -

Marfat.com

لیکن زمانہ جانتا ہے کہ آن کے شعر و حکمت کا ہلال ان کی زندگی ہی میں بدر کامل بن چکا تھا ، ان کی حیات ہی میں مشرق و مغرب آن کی غیر معمولی شہرت و عظمت سے گونج اٹھا تھا ، وہ اپنی زندگی ہی میں مولانا روم کے بعد عالم اسلامی کے بڑے شاعر اور مفکر مان لیے گئے تھے ، آن کے فکر عالی نے نظریۂ پاکستان کے تصور کی نعمت ہمیں بخشی ، اور ان کے اس خواب کی تعبیر کو حضرت قائد اعظم الرحمۃ نے پورا کر دکھایا ۔

افسوس ہے کہ علامہ اقبال اپنے خواب کی تعبیر کو عملی صورت میں نہ دیکھ سکے ، لیکن ان کی روح مقدس اپنی اِس پیشگوئی کے مطابق :

پس از من شعر من خوانند و دریا بند و میگویند
جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگا ہے [1]

ہم پاکستانیوں کو اس منزل مقصود سے ہمکنار دیکھ کر جس کی رہبری انہوں نے کی تھی کس قدر خوشی ہوئی ہوگی کہ آج سرزمین پاکستان ، آن کے نغموں ، ان کے ذکر و فکر سے گونج رہی ہے اور اقبال کی شاعری اور آن کا پیغام نہ صرف پاکستان میں بلکہ تمام عالم اسلامی میں عام ہو رہا ہے ۔

اقبال دور حاضر کے بہت بڑے اسلامی مفکر ہیں ، جنھیں خدائے تعالیٰ نے چشم بصیرت عطا کی تھی ، انھوں نے اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے نغموں سے بیدار کیا جب کہ ملت اسلامیہ ہند فرنگی استبداد کی غلامی میں جکڑی ہوئی تھی ۔ ان کی شاعری کا مرکزی محور کامل انسان کی نشو و نما ہے ان کی شاعری کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ انسان ذاتی محنت اور اصلاحی کوششوں سے طاعت ، ضبط نفس اور نیابت الٰہی کی منزلیں طے کرتا ہوا خودی کی بلندیوں پر پہنچے ، وہ انسانیت کے اعلیٰ معیار پر پہنچنے کے لیے مذہب کو ضروری قرار دیتے ہیں ، آن کے نزدیک مذاہب میں صرف مذہب اسلام ہی انسانیت کو معیار کمال تک پہنچا سکتا ہے ، وہ اسلام کی راہ دکھاتے ہوئے کہتے ہیں :

۱- کلیات اقبال فارسی (زبور عجم) ، ص ، ۳۹۲ -

Marfat.com

ہست دینِ مصطفٰی دین حیات
شرع او تفسیر آئین حیات

گر زمینی ، آسمان سازد ترا
آنچہ حق میخواہد آن سازد ترا

خستہ باشی استوارت میکند
پختہ مثل کوہسارت میکند

وہ توحید کے بعد ایمان بالرسالت اور محبتِ رسول پر سب سے زیادہ زور دیتے ہیں ، وہ خود بھی عشق رسول سے سرشار ہیں اور سارے عالم کو مئے محبت رسول سے سرشار بنا دینا چاہتے ہیں ۔ فرماتے ہیں :

در دل مسلم مقام مصطفٰی است
آبروئے ما ز نامِ مصطفٰی است

ہر کہ عشقِ مصطفٰی سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

اقبال نے اپنی شاعری سے ملت اسلامیہ کو نیا سوز عطا کیا ہے ۔ انہوں نے مغربی وطن پرستی کا بت توڑ کر رنگ و نسل ، علاقائی عصبیت پر اپنی شاعری میں کاری ضرب لگائی ہے ، انہوں نے قرآن حکیم کی روشنی میں اخوتِ اسلامی کی ایک نئی شمع روشن کی وہ رشتۂ اخوتِ اسلامی کو تمام رشتوں سے مستحکم بتاتے ہیں :

ما کہ از قید وطن بیگانہ ایم
چون نگہ نورد و چشمیم و یکیم

از حجاز و چین و ایرانیم ما
شبنم یک صبح خندہ انیم ما

مستِ چشم ساقی بطحا ستیم
در جہاں مثلِ مے و مینا ستیم

امتیازاتِ نسب را پاک سوخت
آتش او این خس و خاشاک سوخت

Marfat.com

چو گل صد برگ ما را بو یکسیت
اوست جان این نظام و او یکست[1]

وہ مغرب کے ان لوگوں کو جنھوں نے وطن پر ملت کی بنیاد رکھی ہے اُن کے نظریے کو غلط بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اُن کے اِس غلط نظریے نے انسانیت کو وطنیت ، قبائل ، نسل و رنگ میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے -

آنچناں قطع اخوت کردہ اند
بر وطن تعمیر ملت کردہ اند

تا وطن را شمع محفل ساختند
نوعِ انساں را قبائل ساختند

این شجر جنت ز عالم بردہ است
تلخیِ پیکار بار آوردہ است

مردمی اندر جہاں افسانہ شد
آدمی از آدمی بیگانہ شد

روح از تن رفت و ہفت اندام ماند
آدمیت گم شد و اقوام ماند

تا سیاست مسندِ مذہب گرفت
این شجر در گلشن مغرب گرفت[2]

وہ حبِ وطن کے اُس حد تک قائل ہیں ، جہاں تک اسلام حب وطن کی اجازت دیتا ہے لیکن ملتِ اسلامیہ میں اصل اخوت کا رشتہ صرف اسلام کو قرار دیتے ہیں ، جو تمام عالمِ اسلام کو متحد کرتا ہے -

علامہ مسلم معاشرے کے زوال کا سبب رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نقش قدم کے چھوڑ دینے کو بتاتے ہوئے کہتے ہیں :

۱- اسرار و رموز ، ص ، ۲۰ و ۲۱ -
۲- کلیات اقبال فارسی (اسرار خودی) ، ص ، ۱۱۵ و ۱۱٦ -

Marfat.com

مسلم از سرّ نبی بیگانہ شد
باز ایں بیت الحرم بت خانہ شد

شیخ ما از برہمن کافر تر است
زانکہ او را سومنات اندر سراست

رخت ہستی از عرب برچیدہ ای
در خمستانِ عجم خوابیدہ ای

ذوقِ حق دہ ایں خطا اندیش را
ایں کہ نشناسد متاعِ خویش را[1]

عشق رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ابتدا ہی سے علامہ کی سرشت میں تھا ، علم جوں جوں بڑھتا گیا ، حقائق کھلتے گئے ، عشق رسولؐ کی آتش تیز تر ہوتی گئی ، یہاں تک کہ انہوں نے عشق رسولؐ میں فنا ہو کر بقا کی منزل حاصل کی ۔

وہ عشق رسولؐ کو ہر مسلم قلب کی تمنا بنا دینا چاہتے ہیں ۔ فرماتے ہیں

سوزِ صدیقؓ و علیؓ از حق طلب
ذرۂ عشقِ نبی از حق طلب

زانکہ ملت را حیات از عشق اوست
برگ و ساز کائنات از عشق اوست[2]

خواب میں زیارت رسولِ اکرمؐ ہونے کی بنا پر مبارکباد دیتے ہوئے ایک خط میں جناب نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں کہ

> قرآن کثرت سے پڑھنا چاہیے تاکہ قلب محمدی نسبت پیدا کرے ، اس نسبت محمدیہ کی تولید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ قرآن کے معنی بھی آتے ہوں ، خلوص دل کے ساتھ محض قرات کافی ہے ، میرا عقیدہ ہے کہ نبی کریمؐ

۱- کلیات اقبال فارسی (اسرار خودی) ص ۱۶۷
۲- اقبال نامہ حصہ دوم ، ص ، ۳۱۷ -

Marfat.com

زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اسی طرح مستفیض ہو سکتے ہیں ، جس طرح صحابہ کرام ہوا کرتے تھے ، لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقاید کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا ، اس واسطے خاموش رہتا ہوں[1]

علامہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جو غیر معمولی عشق و محبت تھی ، اُس عشق و محبت نے دیار حبیب ؐ کی ہر چیز کو محبوب بنا دیا تھا ۔

علامہ کو کبوتر پالنے کا شوق تھا ، ۱۹۱۷ء میں علامہ اقبال نے مدینہٴ منورہ کا ایک کبوتر کہیں سے حاصل کر کے پالا تھا ، اور اس کے دانے دُنکے کی فکر خود کیا کرتے تھے ۔ ۲۰ نومبر کو وہ کبوتر ایک بلی کی چیرہ دستی کا شکار ہو گیا ، اِس واقع سے علامہ بہت متاثر ہوئے اور ایک نظم لکھی ، جس کا پہلا شعر یہ تھا :

رحمت ہو تیری جان پہ اے مرغ نامہ بر
آیا تھا آز کے ذرہٴ بام حرم سے تو[2]

عشق رسول کی کیفیت یہ تھی کہ جب حضور اکرم ؐ کا نام مبارک یا ذکر مبارک کسی کی زبان پر آ جاتا تو علامہ کی آنکھیں بے اختیار اشک آلود ہو جاتیں علامہ کی زندگی کے آخر دنوں کا ذکر ہے کہ "یوم اقبال" کے موقع پر مولانا اسلم صاحب جیراج پوری علامہ سے نیاز حاصل کرنے کے لیے آئے ، علامہ اِس سال حج کا ارادہ رکھتے تھے ، لیکن بیماری اور کمزوری کا یہ عالم تھا کہ کمرے سے باہر نکلنا بھی مشکل تھا ، علامہ نے فرمایا کہ میں دو سال سے ارادۃً سفر حج میں ہوں ، بلکہ وہ اشعار بھی لکھ لیے ہیں ، جو سفر سے متعلق ہیں ، ان میں سے علامہ نے کچھ اشعار سنائے بھی ، پھر فرمایا ابھی مکے سے مدینے کی طرف روانگی کے وقت ایک غزل لکھی ہے :

۱- اردو ڈائجسٹ ہما دہلی ، اقبال نمبر ، اکتوبر ۱۹۷۶ء ، ص ، ۱۲۴ ۔
۲- ایضاً ، ص ، ۶۵ ۔

Marfat.com

تو باش این جا و با خاصان بیامیز
کہ من دارم ہوائے منزل دوست

یہ شعر سناتے ہی گریہ ایسا گلوگیر ہوگیا کہ آواز بند ہوگئی اور آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے ۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے نہایت موثر انداز میں علامہ کی بارگاہ میں ان کے عشق رسول ؐ پر خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا کہ

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے ساتھ آن (علامہ) کی والہانہ عقیدت کا حال اکثر لوگوں کو معلوم ہے ، مگر شاید کسی کو نہیں معلوم کہ انھوں نے سارے تفلسف اور اپنی تمام عقلیت کو رسول عربی ؐ کی قدموں میں ایک متاعِ حقیر کی طرح نذر کرکے رکھ دیا تھا ، حدیث کی جن باتوں پر نئے تعلیم یافتہ نہیں پرانے مولوی تک کان کھڑے کرنے لگتے ہیں ، یہ ڈاکٹر آف فلاسفی آن کے ٹھیٹھ لفظی مفہوم پر ایمان رکھتا تھا اور ایسی کوئی حدیث سن کر ایک لمحے کے لیے بھی اس کے دل میں شک کا گزر نہ ہوتا تھا[1] ۔

ادب رسول کا یہ عالم ہے کہ علامہ روز محشر جب کہ ہر پنہاں آشکارا ہو جائے گا بارگاہِ الٰہی میں یہ تمنا کرتے ہیں کہ

بہ پایاں چوں رسد این عالم پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضورِ خواجہ ما را
حسابِ من ز چشم او نہاں گیر[2]

وہ قومی ترقی و بقا کا راز اتباع رسول کریم میں بتاتے ہیں :

۱- اقبال کا عمل ، ص ، ۶۳ و ۶۴ -
۲- کلیات اقبال فارسی (ارمغان حجاز) ، ص ، ۹۰۰ -

Marfat.com

ہست دین مصطفیٰ دینِ حیات
شرعِ او تفسیر آئین حیات

تا شعار مصطفیٰ از دست رفت
قوم را رمزِ بقا از دست رفت[1]

وہ قرآن حکیم کو عالم انسانیت کے لیے سرچشمۂ ہدایت قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں :

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم
حکمت او لایزال است و قدیم

نسخۂ اسرار تکوین حیات
بے ثبات از قوتش گیرد ثبات

نوعِ انساں را پیام آخریں
حاملِ او رحمة للعالمیں

حرف او را ریب نے ، تبدیل نے
آیہ اش شرمندۂ تاویل نے[2]

علامۂ اقبال کے فکر شاعری کا ملتِ اسلامیہ پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے فلسفۂ خودی دیا اور قرآن حکیم کی اس آیت سے کہ و للہ العزة ولرسولہ و للمومنین (عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے ہے اور مؤمنین کے لیے ہے) اِس آیت سے فلسفۂ خودی کو اخذ کرکے اسے نیابت الٰہی کی راہ دکھائی ، جس کے لیے وہ دنیا میں بھیجا گیا ہے ۔ علامہ نے خودی کے فلسفے کو اپنے افکار شاعری میں ایک مستقل حیثیت دی اور فلسفۂ خودی کے تمام بنیادی مضامین کو قرآن حکیم سے اخذ کرکے فکر و نظر کی ایک نئی محفل سجائی ہے ، خود اس فلسفے کے رہنمائے اول ہونے کی حیثیت سے اسرار خودی میں کہتے ہیں :

۱- کلیات اقبال فارسی (اسرار خودی) ، ص ، ۱۲۸ -
۲- ایضاً ، ص ، ۱۲۱ و ۱۲۲ -

Marfat.com

مفکر پاکستان شاعر مشرق علامہ اقبال علیہ الرحمہ

بر گرفتم پردہ از راز خودی
و انمودم سِرّ اعجازِ خودی

علامہ خودی کو نظامِ عالم کی بنیاد قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں :

پیکرِ ہستی ز آثار خودی است
ہر چہ می بینی ز اسرار خودی است

خویشتن را چوں خودی بیدار کرد
آشکا را عالم پندار کرد

پھر وہ اِس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وجود کی نفی
آرزوں کی موت ہے ، ہر شے کی فطرت آرزو ہے ، آرزو ایک جہانِ رنگ و
بو ہے اپنے وجود کی نفی کرکے آرزوں کے گلشن کو ویران نہ کرو ۔

آرزو را در دلِ خود زندہ دار
تا نگردد مشتِ خاک تو مزار

آرزو جانِ جہانِ رنگ و بوست
فطرتِ ہر شے امینِ آرزوست

ما ز تخلیق مقاصد زندہ ایم
از شعاعِ آرزو تابندہ ایم[1]

پھر وہ اِس نکتے کو ذہن نشین کرتے ہیں کہ خودی کا نور وہ نقطہ
ہے کہ جس کا شرارہ ہمارے خمیر میں پنہاں ہے ، لیکن یہ شرارہ شعلہ جب
بنتا ہے ، جب اس کو عشق و محبت سے مستحکم کیا جائے ، مگر علامہ
جس عشق کی دعوت دیتے ہیں ، اس کا تعلق اِس عالمِ آب و گلِ سے نہیں ،
وہ اِس عشق کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

عشق را از تیغ و خنجر باک نیست
اصلِ عشق از آب و باد و خاک نیست

وہ سارے عالم انسانیت کو قرآن حکیم کی تعبیر کے مطابق صبغۃ اللہ

۱۔ کلیات اقبال (فارسی) اسرار خودی ، ص ، ۱۶ و ۱۷ ۔

Marfat.com

میں رنگے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں :

قلب را از صبغة الله رنگ ده
عشق را ناموس و نام و ننگ ده

وہ اُن تمام علماء اور رہنماؤں سے خواہ وہ اس برصغیر پاک و ہند کے ہوں یا دوسرے ممالک کے انتہائی عقیدت و محبت رکھتے تھے ، جن مقدس ہستیوں نے مسلم معاشرے کو زوال سے نجات دلانے کی اور عالم اسلامی کے اتحاد کو مستحکم کرنے کی کوشش کی ہے ، وہ سید جمال الدین افغانی اور سعید حلیم پاشاہ کو جاوید نامہ میں جب وہ آسمانوں کی سیر کرتے ہوئے فلک عطارد میں پہنچتے ہیں ، تو اُن دونوں بزرگوں سے متعارف کراتے ہوئے علامہ اقبال مولانا روم کی زبان سے یوں نغمہ سرا ہیں ، فلک عطارد پر پہنچ کر علامہ اقبال نے دیکھا کہ وہاں دو آدمی نماز پڑھ رہے ہیں ، ایک تاتاری ہے جو مقتدی ہے اور دوسرا افغانی[1] ہے جو امام ہے ، علامہ مولانا روم سے پوچھتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ کون ہیں ؟ مولانا روم اُن کا تعارف کراتے ہوئے اُن دونوں کی عظمت کے راز کو اقبال پر یوں منکشف کرتے ہیں :

۱- سید جمال الدین افغانی : ۱۲۵۵ھ تا ۱۳۱۵ھ (۱۸۳۹ع - ۱۸۹۷ع) عالم اسلامی کے عظیم المرتبت رہنما تھے ، انھوں نے اس کی بڑی جد و جہد کی کہ مغربی طاقتوں نے اسلامی ممالک پر جو زبردستی قبضہ کر رکھا ہے ، ایسے مسلم ممالک کو آزادی دلائی جائے ، وہ عالم اسلامی کے اتحاد پر خاص طور پر زور دیتے تھے ، مولانا افغانی نے اپنی عمر کا بڑا حصہ ایران ، ترکی اور مصر میں رہ کر احیائے دین ، قرآنی تعلیمات کی اشاعت اور آزادی وطن کا درس دیا وہ مشرق ممالک کی مظلومیت پر نوحہ کناں ہیں اور مغربی استبداد کے مظالم کے دفیعے کے لیے پوری توانائیوں سے مصروف نظر آتے ہیں اُن کی راہ میں روڑے اٹکائے گئے ، لیکن وہ پست ہمت نہ ہوئے ، ان کی وفات کے بعد اُن کے شاگردوں اور ہم خیالوں نے اُن کے مقصد کو آگے بڑھایا (ماخوذ از اخبار جنگ ، اقبال ایڈیشن ۱۹۷۷ع مضمون ، رحیم بخش شاہین ، ص ، ٦)

Marfat.com

پیر رومی ہر زمان اندر حضور
طلعتش بر تافت از ذوق و سرور

گفت مشرق زین دو کس بہتر نزاد
ناخن شان عقدہ ہاے ما کشاد

سید السادات مولانا جمال
زندہ از گفتار او سنگ و سفال

ترک سالار آن حلیم[1] درد مند
فکر او مثل مقام او بلند

با چنین مردان دو رکعت طاعت است
ورنہ آن کارے کہ مزدش جنت است

من ز جا برخاستم بعد از نماز
دست او بوسیدم از راہ نیاز[2]

علامہ اقبال نے ایک موقع پر فرمایا کہ :

مولانا سید جمال الدین افغانی کی شخصیت کچھ اور ہی تھی ، قدرت کے طریقے بھی عجیب و غریب ہوتے ہیں ،

۱- سعید حلیم پاشا : ۱۲۸۲ھ (۱۸۶۵ع) تا ۱۳۳۱ھ (۱۹۱۲ت) محمد علی والی مصر کے خاندان سے تھے ، مجلس اتحاد و ترقی کے معتمد اعلیٰ تھے ، ترکی کے وزیر خارجہ اور وزیر اعظم بھی رہے - ان کا نظریہ یہ تھا کہ اسلام اعلیٰ ترین اقدار حیات کا علمبردار اور کامل و اکمل دین ہے ، عہد حاضر کے جملہ مسائل کا حل اسلام میں پنہاں ہے وہ مغرب کے نظریۂ وطن کے سخت مخالف ، عرب و ترک اتحاد کے مبلغ تھے ، علامہ اقبال کی فکری تحریک سید جمال الدین اور سعید حلیم پاشا سے ہم آہنگ ہے ، یہ تینوں ایک ہی سرچشمۂ ہدایت سے فیض یاب ہیں - (اخبار جنگ : اقبال ایڈیشن ۲۲ اپریل ۱۹۷۷ع مضمون رحیم بخش شاہین)

۲- کلیات اقبال فارسی (جاوید نامہ) ، ص ، ۶۳۸ و ۶۳۹ -

Marfat.com

مذہبی فکر و عمل کے لحاظ سے ہمارے زمانے کا سب سے ترقی یافتہ مسلمان افغانستان میں پیدا ہوتا ہے ، جمال الدین افغانی دنیائے اسلام کی تمام زبانوں سے واقف تھے ، ان کی فصاحت و بلاغت میں سحر آفرینی ودیعت تھی ، ان کی بے چین روح ایک اسلامی ملک سے دوسرے اسلامی ملک کا سفر کرتی رہی اور اس نے ایران ، مصر اور ترکی کے ممتاز ترین افراد کو متاثر کیا[1] ۔

. . . اُن کی روح اب بھی دنیائے اسلام میں سرگرم عمل ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کی انتہا کہاں ہوگی ۔

علامہ اقبال دوسرے اسلامی رہنما سعید حلیم پاشا کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

وہ ترک وطن پرستوں کے برخلاف دین و دنیا کی دوئی کے قائل نہ تھے اور اُن کے خیال میں اسلام حقیقت و مجاز اور مادہ و روح دونوں کے حسین امتزاج کا نام ہے ، اس پر اسلام نے حریت ، مساوات اور استحکام انسانیت کی ابدی صداقتوں کو چونکہ ایک وحدت میں سمو دیا ہے ، لہٰذا اُس کا کوئی وطن نہیں . . .

اب ہم آخر میں علامہ کی زندگی کا ایک مختصر سا خاکہ دے رہے ہیں ، جو اُن کی پوری زندگی کا عکس جمیل ہے ۔

علامہ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ۔ آپ کے والد محترم کا نام نور محمد تھا ، جو نہایت بزرگ اور متقی انسان تھے ، علامہ نسلاً کشمیری برہمنوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان کی گوت یعنی ذات سپرو ہے ، ان کے جدا علی میں سے ایک بزرگ مشرف بہ اسلام ہو کر کشمیر سے سیالکوٹ چلے آئے ، سیالکوٹ ہی میں علامہ

۱- اخبار جنگ اقبال ایڈیشن اپریل ۱۹۷۷ء بحوالہ تشکیل جدید ، ص ، ۲۴۰ و ۲۴۱ مضمون رحیم بخش شاہین ۔

Marfat.com

پیدا ہوئے ، ۱۸۹۱ء میں علامہ نے مڈل پاس کیا - ۱۸۹۳ء میں میٹرک پاس کیا ، ۱۸۹۵ء میں انٹرمیڈیٹ میں کامیابی حاصل کی ، ۱۸۹۷ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی - اے پاس کیا ، ۱۸۹۹ء میں فلسفے میں لاہور سے ایم - اے کیا ، جن اساتذہ نے خصوصیت سے اُن کے جوہر قابل کو نکھارا اور سنوارا ان میں مولانا سید میر حسن اور پروفیسر مسٹر آرنلڈ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں - علامہ کے شاعری استاد حضرت داغ دہلوی ہیں -

ایم - اے پاس کرنے کے بعد علامہ اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر مقرر ہوئے کچھ دن گورنمنٹ کالج لاہور میں بھی فلسفہ و انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر رہے ، ۱۹۰۵ء میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے انگلستان روانہ ہوئے ، یورپ جاتے ہوئے انھوں نے سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے مزار مبارک پر حاضری دی ، اور ایک دل گداز نظم کی صورت میں نذر عقیدت پیش کی - بار ایٹ لا' میں کامیابی حاصل کرکے وہ جرمنی گئے اور وہاں کی میونخ یونیورسٹی سے ایران کا فلسفہ مابعد الطبعیات پر ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر پی - ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۰۸ء میں وطن واپس آئے ، واپسی میں پھر سلطان المشائخ کے آستانے پر حاضری دی - ۱۸ ماہ تک گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے عارضی پروفیسر رہے - ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۸ء میں قانونی پریکٹس کا لاہور میں آغاز کیا -

انار کلی میں علامہ ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۲ء تک مقیم رہے ، پھر علامہ کا قیام ایک کوٹھی میں میکلوڈ روڈ پر ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۵ء تک رہا ، ۱۹۳۵ء سے اپنی وفات ۱۹۳۸ء تک علامہ جاوید منزل میو روڈ میں مقیم رہے ، یہ اس سرائے فانی میں ڈاکٹر صاحب کا آخری گھر تھا - جاوید منزل ہی سے راہیِ جنت الفردوس ہوئے - جنوری ۱۹۲۳ء میں علامہ کو سر کا خطاب ملا ، دسمبر ۱۹۲۶ء میں علامہ پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے ممبر منتخب ہوئے ، ۱۹۲۸ء میں مدراس جا کر اسلامیات پر چھ لیکچر دئے ، ۱۴ جنوری ۱۹۲۹ء کو علامہ حیدر آباد دکن تشریف لے گئے - ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ الہ آباد کے اجلاس کی صدارت کی اور اپنے خطبۂ صدارت میں انقلاب آفریں نظریۂ پاکستان پیش کیا اور یہ نظریہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء لاہور مسلم لیگ کے اجلاس میں قرداد پاکستان کی صورت میں

Marfat.com

منظور کیا گیا - ۱۹۳۱ء میں دوسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے علامہ لندن گئے، اسی سفر میں علامہ فرانس کے مشہور فلسفی پروفیسر برگسان سے ملے ، تیسری گول میز کانفرنس میں ۱۹۳۲ء میں علامہ نے شرکت کی ، اسپین کے قابل دید مقامات کی سیر کے بعد واپسی میں موتمر اسلامیہ کی شرکت کے لئے بیت المقدس تشریف لے گئے -

۲۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں مولانا سید سلیمان ندوی ، راس مسعود اور علامہ افغانستان کے جشن استقلال کی دعوت پر کابل پہنچے - ۱۰ جنوری ۱۹۳۴ء میں علامہ کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا ، جنوری ۱۹۳۵ء میں علاج کے لئے بھوپال تشریف لے گئے ، ۱۹۳۸ء کے آغاز میں بیماری نے شدت اختیار کی - شدید دوران علالت میں ایک روز آپ کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد بھائی کی عیادت کے لئے آئے اور علامہ کو تسکین دینے لگے، علامہ نے ان سے کہا بھائی جان ! میں مسلمان ہوں موت سے نہیں ڈرتا ، پھر اپنا یہ شعر پڑھا :

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چو مرگ آید تبسم بر لبِ اوست

۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کی شب بڑی قیامت خیز شب تھی ، وہ مفکر اسلام جس نے اپنے نغموں سے مسلم معاشرے پر خودی کے راز کو آشکارا کیا ، جس نے رنگ و نسل ، علاقائیت اور زبانوں کی عصبیت سے بلند ہو کر ساری انسانیت کی سر بلندی کا پیغام دیا ، جس نے اپنے شعر و ادب سے عالم اسلامی کو اتحاد کی راہ دکھائی ، جس نے اپنی شاعری میں شرفِ انسانی کے رموز کو واضح کیا ، جس نے اپنی شاعری سے قومی تشخص کے نقوش کو ابھارا ، جس نے اپنے فکر اور شاعری کو اتحاد اسلامی اور تحریک آزادی کو فروغ دینے کا ذریعہ بنایا ، یہ دانائے راز جاوید منزل کے ایک کمرے میں بستر مرگ پر اس وقت کا انتظار کر رہا ہے ، جب بندہ اپنے معبود حقیقی سے جا ملتا ہے اور موت بندۂ مومن پر حیات دوام کے دروازے کھولتی ہے -

اس قیامت خیز شب میں تمام تیار دار ساڑھے بارہ بجے شب کو رخصت

Marfat.com

ہو گئے ، علامہ کو پچھلے پہر رات میں بے چینی شروع ہوئی ، شب کے تین بجے علامہ نے راجا حسن اختر کو بلایا ، جب وہ حاضر ہوئے تو علامہ نے اپنے ملازم دیوان علی سے کہا کہ تم سو جاؤ ، البتہ علی بخش جاگتا رہے ، کیونکہ اب اس کے سونے کا وقت نہیں ، پھر راجا حسن اختر سے فرمایا کہ پیٹھ کی طرف کیوں بیٹھے ہو؟ راجا حسن اختر علامہ کے قریب ہو بیٹھے تو فرمایا قرآن مجید کا کوئی حصہ سناؤ ، کوئی حدیث یاد ہے ، یہ فرما کر علامہ پر غنودگی طاری ہو گئی ، اور راجا حسن اختر چراغ گل کرکے باہر تخت پر آ بیٹھے - تھوڑی دیر کے بعد علامہ نے راجا صاحب کو پھر بلوایا ، اور ان سے فرمایا آپ یہیں کیوں نہیں آرام کرتے ، پھر ان سے حکیم قرشی کے لانے کے لئے کہا جو علامہ کے معالج تھے ، انھوں نے عرض کیا کہ حکیم صاحب رات دیر سے گئے ہیں ، شاید ان کا بیدار کرنا مناسب نہ ہو گا ، اس پر علامہ نے فرمایا ! کاش ان کو معلوم ہوتا کہ مجھ پر کیا گزر رہی ہے ، پھر اپنی یہ رباعی پڑھی ، یہ ان کی آخری رباعی تھی جو شاعر مشرق نے اپنی زبان سے پڑھی -

سرودے رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگار ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید[1]

راجا حسن اختر نے ان اشعار کو سنتے ہی کہا کہ میں ابھی حکیم صاحب کو لاتا ہوں ، یہ پانچ بج کر پانچ منٹ کا واقعہ ہے ، پھر دفعتاً لیٹے لیٹے اپنے پاؤں پھیلائے اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہا یا اللہ ! پھر فرمایا میرے یہاں درد ہے ، پھر سر پیچھے کی طرف گرنے لگا ، علی بخش نے آگے بڑھ کر سہارا دیا ، علامہ نے قبلہ رو ہو کر آنکھیں بند کر لیں -

آخر ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ع کو علامہ واصل الی اللہ ہوئے -

سالہا زمزمہ پرواز جہاں خواہد بود
زیں نواہا کہ در ایں گنبد گردوں زدہ است

۱- اقبال کامل ، ص ۱۰۴ -

Marfat.com

علامہ نے تالیف و تصنیف کے بیش بہا خزانے چھوڑے ان تصانیف کے نام یہ ہیں ۔

(۱) علم الاقتصاد (۲) فلسفہٗ عجم (انگریزی) (۳) تاریخ ہند (اردو) (۴) اسرار خودی (فارسی) (۵) رموز بے خودی (فارسی) (۶) پیام مشرق (فارسی) (۷) بانگ درا (اردو) (۸) زبور عجم (فارسی) (۹) خطبات مدراس (انگریزی) (۱۰) جاوید نامہ (فارسی) (۱۱) بال جبریل (اردو) (۱۲) پس چہ باید کرد (۱۳) ضرب کلیم (اردو) (۱۴) ارمغان حجاز (فارسی)[1] ۔

مختصر یہ کہ علامہ علیہ الرحمہ نے اپنے شاعرانہ فکر کو اپنے ابتدائی دور کو چھوڑ کر بقیہ ساری عمر اپنے آپ کو احیائے دین کے لئے وقف رکھا ، وہ ایسے خاندان میں پیدا ہوئے ، جہاں اسلامی تعلیمات پر زور دیا جاتا تھا ، ان کے والد محترم خود ایک درویش صفت السان تھے ، آن کے ابتدائی استاد مولانا میر حسن مرحوم و مغفور تھے ، جنھوں نے ابتدا ہی میں آن کے قلب پر اسلامی تعلیم و تربیت کے نقوش کو مرتسم کیا تھا ۔ نہ صرف انھوں نے مذہب اسلام کا مطالعہ بغور کیا تھا ، بلکہ وہ مغربی علوم اور مغربی فلسفے پر ماہرانہ عبور رکھتے تھے ، پھر تحقیق و جستجو کی آن میں غیر معمولی لگن تھی ، آنھیں علمی اور دینی مسائل کے علمائے دین سے حل کرنے میں ذرا باک نہ تھا ، اتنے بڑے فلسفی اور شاعر ہونے کے باوجود کہ وہ جو پاک و ہند کی آبرو ، مشرق کی عزت اور اسلام کا فخر تھے ، وہ اس برصغیر کے اکابر علمائے دین کو خطوط لکھ لکھ کر اپنی علمی مشکلات حل کرتے ، استفادۂ علمی کے لئے ہر دروازے کو کھٹکھٹاتے اور اپنے دامن کو انواع و اقسام کے علمی پھولوں سے بھرتے تھے ، حضرت شیخ سعدی کا یہ شعر آن پر صادق آتا تھا کہ

تمتع زہر گوشہٗ یافتم
زہر خرمنے خوشہٗ یافتم

۱- اخبار جنگ اقبال ایڈیشن ، ۱۹۷۷ع ۔

Marfat.com

فرمودۂ اقبال

میرے آبا و اجداد برہمن تھے ، انھوں نے اپنی عمریں اسی سوچ میں گزار دیں کہ خدا کیا ہے ، میں اپنی عمر اسی سوچ میں گزار رہا ہوں کہ انسان کیا ہے ۔

(آثار اقبال ، ص ٦٦)

Marfat.com

آدمیت احترام آدمی
باخبر شو از مقامِ آدمی
(جاوید نامه)

Marfat.com

اقبال کا تصور پاکستان

میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحدی، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے، خواہ یہ ریاست سلطنتِ برطانیہ کے اندر حکومتِ خود اختیاری حاصل کرے خواہ اس کے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنی پڑے گی۔ . . . ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے، اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے۔ . . . میں صرف ہندوستان اور اسلام کی فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کا مطالبہ کر رہا ہوں کہ اس سے ہندوستان کے توازنِ قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ جدا گانہ انتخابات کا اصول قومیت کے منافی ہے اُن کے نزدیک لفظِ "قومیت" کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے تمام باشندے باہم اس طرح خلط ملط ہوجائیں کہ ان کے اندر کسی مخصوص ملت کا انفرادی وجود باقی نہ رہے، لیکن ہندوستان کی یہ حالت نہیں، نہ ہم اس کے آرزو مند ہیں، ہندوستان میں مختلف اقوام اور مختلف مذاہب موجود

Marfat.com

ہیں . . . . . اس سے آپ کی سمجھ میں آ جائے گا کہ مسلمان جداگانہ انتخابات کے لئے مضطرب ہیں ۔

خطبۂ صدارت علامہ اقبال ۔ آل انڈیا
مسلم لیگ الہ آباد کے اجلاس میں
۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ع کو پڑھا گیا
(حرف اقبال ، ص ۲۹ ، ۳۰ ، ۳۱ ، ۳۳)
المنار اکادمی ۔ لاہور

Marfat.com

(۱)

حضرت مجدد الف ثانی رح

علامہ اقبال کا تاثر :

علامہ اقبال نے حضرت مجدد الف ثانی پر جو نظم اور اشعار کہے ہیں اور اُن کے متعلق آپ نے خطوط میں جو اظہار کیا ہے ، وہ حضرت مجدد الف ثانی سے ان کی دلی محبت و عقیدت کے آئینہ دار ہیں ، ایک نظم میں پنجاب کے پیر زادوں کے عنوان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی قبر پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
اِس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اِس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اِسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمی اِحرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں مری بینا ہیں و لیکن نہیں بیدار
آئی یہ صدا سلسلۂ فقر ہوا بند
ہیں اہلِ نظر کشورِ پنجاب سے بیزار
عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
پیدا کلۂ فقر سے ہو طرۂ دستار

Marfat.com

باقی کلۂ فقر سے تھا ولولۂ حق
طرّوں نے چڑھایا نشۂ خدمتِ سرکار [1]

وہ حضرت مجدد الف ثانی کی بارگاہ میں آن کے فیوض و برکات کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی ! [2]

علامہ اقبال کے صاحب زادے ڈاکٹر جاوید اقبال جب پیدا ہوئے تو علامہ اقبال نے نذر مانی تھی کہ جاوید جب بڑے ہو جائیں گے تو ان کو حضرت مجدد الف ثانی کے مزار پر لے کر جائیں گے - چنانچہ ۲۹ جون ۱۹۳۴ء کو وہ اپنے صاحب زادے ڈاکٹر جاوید اقبال کو سرہند لے کر گئے اور بارگاہِ حضرت مجدد الف ثانی پر حاضری دے کر ۳۰ جون ۱۹۳۴ء کو لاہور واپس ہوئے ، علامہ کے قلب پر اِس بارگاہ کی حاضری سے جو اثر ہوا اس کے متعلق وہ اپنا تاثر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

> مزار نے میرے دل پر بہت اثر کیا ، بڑا پاکیزہ مقام ہے پانی اس کا سرد و شیریں ہے - سرہند کے کھنڈر دیکھ کر مجھے مصر کا قدیم شہر فسطاط یاد آ گیا ، جس کی بنا حضرت عمر بن العاص رض نے رکھی تھی ، اگر اِس شہر کی کھدائی ہو تو معلوم نہیں اس زمانے کی تہذیب و تمدن کے متعلق کیا کیا انکشافات ہوں ، یہ شہر فرخ سیر[3] کے زمانے تک بحال تھا اور موجودہ لاہور سے وسعت و آبادی میں دگنا [4] -

---

۱- بال جبریل - ص - ۱۵۸ - ۱۵۹ -
۲- کلیات اقبال اردو (بال جبریل ص - ۱۲) -
۳- فرخ سیر بن عظیم الشان بن عالم بہادر شاہ بن اورنگ زیب : عہدِ حکومت فرخ سیر (۱۱۲۴ھ - ۱۱۳۱ھ) فٹ نوٹس مقالات الشعرا - ص - ۲۰۸ -
۴- ذکر اقبال - ص - ۱۹۱ -

Marfat.com

ایک مبارک خواب :

۲۹ جون سنہ ۱۹۳۴ء کو علامہ اقبال نے ایک خط میں سید نذیر نیازی کو لکھا کہ

آج کی گاڑی سے سرہند جا رہا ہوں ، چند روز ہوئے صبح کی نماز کے بعد میری آنکھ لگ گئی ، خواب میں کسی نے مندرجہ ذیل پیغام دیا ۔

"ہم نے جو خواب تمہارے اور شکیب ارسلاں کے متعلق دیکھا وہ سرہند بھیج دیا ہے ، ہمیں یقین ہے کہ خدائے تعالیٰ تم پر بہت بڑا فضل کرنے والا ہے"
پیغام دینے والا معلوم نہیں ہو سکا کون ہے اس خواب کی بنا پر وہاں کی حاضری ضروری ہے ۔ اس کے علاوہ جاوید جب پیدا ہوا تو میں نے عہد کیا تھا کہ جب وہ ذرا بڑا ہوگا تو اسے حضرت کے مزار پر لے جاؤں گا ، وہ بھی ساتھ جائے گا ، تا کہ یہ عہد پورا ہو جائے ، چودھری محمد حسین ، منشی طاہر الدین اور علی بخش ہمراہ ہوں گے ، اتوار کی صبح کو لاہور واپس پہنچیں گے[1] ۔

علامہ اقبال حضرت مجدد الف ثانی کے اِس درجہ معرف و معترف تھے کہ علامہ نے ۲۸ جون ۱۹۱۶ء کو علم ظاہر و باطن پر ایک مضمون لکھا تھا ، جس میں انھوں نے تحریر فرمایا تھا کہ

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ اپنے مکتوبات میں کئی جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف شعارحقہ اسلامیہ میں خلوص پیدا کرنے کا نام ہے ، اگر تصوف کی یہ تعریف کی جائے تو کسی مسلمان کو اِس پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی ۔ راقم الحروف اُس تصوف کو جس کا نصب العین شعائر اسلام میں مخلصانہ استقامت

۱- مکتوبات اقبال بنام سید نذیر نیازی - ص - ۱۶۰ - ۱۶۱ -

Marfat.com

پیدا کرنا ہو عین اسلام جانتا ہے[1] ۔

حضرت علامہ حضرت مجدد الف ثانی سے اِس قدر متاثر ہیں کہ وہ اُن کے نظریے "ہمہ از اوست" کے قائل ہیں علامہ کے نظریۂ خودی کا ماخذ حضرت مجدد الف ثانی کا نظریۂ "ہمہ از اوست" ہی ہے ، حضرت مجدد سالک کی آخری منزل مقامِ عبدیت کو قرار دیتے ہیں ، جہاں سالک کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک بندۂ محض ہے بندہ بندہ ہے اور خدا خدا ہے ۔

حالات :

حضرت مجدد الف ثانی کا اسم گرامی احمد ، لقب بدر الدین ، کنیت ابوالبرکات ہے ، حضرت مجدد کے والد محترم کا نام شیخ عبدالاحد ہے ، حضرت مجدد الف ثانی کی ولادت با سعادت ۱۴ شوال روز جمعہ بوقت نصف شب ۹۷۱ھ (۱۵۶۴ء) میں ہوئی ، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے ۔

تعلیم :

قرآن مجید کی تعلیم کے بعد حضرت مجدد الف ثانی اپنے والد سے تعلیم حاصل کرتے رہے ، اِس کے بعد سیالکوٹ میں بعض کتابوں کی تعلیم مولانا کمال کشمیری اور علم حدیث مولانا محمد یعقوب کشمیری سے حاصل کیا ، پھر مولانا عبدالرحمان کی خدمت میں حدیثِ مسلسل بواسطۂ واحد اور دیگر مفردات کی اجازت حاصل کی ،

سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری سے فراغت حاصل کر کے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے ، اسی زمانے میں آپ آگرہ تشریف لے گئے وہاں اکابرِ علماء سے آپ کو ملنے کا اتفاق ہوا ، یہیں آپ کی فیضی اور ابوالفضل سے ملاقات ہوئی ، کچھ دنوں آگرے میں قیام کیا ،پھر آپ کے والد آپ کو آگرے سے لے آئے ، واپسی میں جب تھانسیر پہنچے تو وہاں کے ایک

۱ھ اسلامی تصوف اور اقبال ۔ ص ۲۱۱ - ۲۱۲ بحوالہ ذکر اقبال ص ۱۹۱

Marfat.com

رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے آپ کا نکاح ہوا [۱] ۔

حضرات القدس میں ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کی علمی بلندیوں کا اندازہ اس سے جاتا ہے کہ ابوالفیض فیضی جب قرآن مجید کی تفسیر بے نقط لکھ رہا تھا اور ہندوستان کے مشہور علماء مولانا جمال الدین تلوی وغیرہ اس کی امداد و اعانت کے لئے ہر وقت اس کی مجلس میں موجود رہتے تھے کہ اچانک ایک ایسا مشکل مقام آ گیا کہ اس کی توضیح و تشریح سے سب عاجز رہے ، چنانچہ فیضی نے حضرت مجدد الف ثانی کو لکھا کہ یہ وہ مقام ہے کہ جس کی تشریح سے علماء قاصر رہے ہیں اگر آپ اس کے مطالب و مفاہیم کو لکھیں تو میں شکر گزار ہوں گا ، حضرت مجدد الف ثانی نے قلم برداشتہ اس کے مفاہیم و مطالب کو بے نقط عبارت میں لکھا ، جسے پڑھ کر فیضی اور اس کی مجلس کے علماء حیران رہ گئے [۲] ۔

بیعت و خلافت :

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے والد محترم سے بیعت ہو کر سلسلۂ چشتیہ اور قادریہ میں خرقۂ خلافت حاصل کیا ، چنانچہ آپ نے خود رسالہ مبداء و معاد تحریر فرمایا ہے کہ

> اس فقیر کو نسبت فردیت اپنے والد بزگوار سے حاصل ہوئی اور والد بزرگوار کو ایک عزیز (شیخ کمال کیتھلی) سے جو جذب قوی رکھتے تھے ، اور خوارق میں مشہور تھے ، حاصل ہوئی ۔ اِس فقیر کو عبادات نافلہ خصوصاً صلواۃ نافلہ کی توفیق اپنے والد سے حاصل ہوئی اور انہوں نے یہ سعادت اپنے شیخ (شیخ رکن الدین [۳] بن شیخ

۱۔ اقبال کے محبوب صوفیہ ۔ ص ۴۴۳ - ۴۴۴ ۔

۲۔ حضرات القدس ، مطبوعہ محکمہ اوقاف ۔ پنجاب ۔ ص - ۳۲ - ۳۳ ۔

۳۔ شیخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی : ولادت : ۵ جمادی الاول ۸۹۷ھ (۱۴۹۲ء) بمقام شاہ آباد ۔ وفات : ۹۸۲ھ (۱۵۷۴-۷۵ء) مقام گنگوہ ۔ مزار مبارک گنگوہ ۔ متصل قبر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی جانب جنوب (شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات (تالیف اعجاز الحق قدوسی) ص - ۴۹۷ - ۵۰۳) ۔

Marfat.com

عبدالقدوس گنگوہی) سے حاصل کی ، جو سلسلۂ چشتیہ میں تھے ۔

عزم حج اور بیعت :

جب آپ کے والد ماجد نے ۱۰۰۷ھ (۹۶-۱۶۹۵ء) میں وفات پائی تو آپ حج کے ارادے سے وطن سے روانہ ہوئے ، دہلی پہنچے تو آپ کی ملاقات بعض قدیم دوستوں سے ہوئی ، آپ کے ایک دوست شیخ حسن کشمیری نے حضرت خواجہ باقی باللہ کی تعریف کی ، حضرت مجدد آن کی تعریف سن کر حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، حضرت خواجہ باقی باللہ نے آپ کا ارادۂ حج معلوم کر کے فرمایا کہ اگر ایک آدھ ہفتہ دھلی میں قیام کرو تو کچھ حرج نہیں ۔ چنانچہ تین چار روز کے بعد حضرت مجدد نے سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت خواجہ باقی باللہ کے دست حق پرست پر بیعت کی ، دو ماہ اور کچھ دن کے بعد آپ نے سلسلۂ نقشبندیہ میں خرقۂ خلافت حاصل کیا اور اِس مختصر عرصے میں حضرت خواجہ صاحب کی توجہ سے طریقت کی بہت سی منزلیں مثلاً مقام حیرت ، مقام فنائے حقیقی ، شرح صدر ، مقام حق الیقین وغیرہ سب طے کر لیں ، اِن نعمتوں سے سرفراز فرما کر خواجہ صاحب نے حضرت مجدد صاحب کو وطن روانہ کیا ۔

خواجہ باقی باللہ کی بشارت :

آسی زمانے میں خواجہ باقی باللہ نے اپنے ایک مخلص کو خط لکھا کہ

> سربند کے ایک شخص شیخ احمد نامی نے جو کثیر العلم اور قوی العمل ہے ، فقیر کے ساتھ چند روز نشست و برخاست رکھی ہے ۔ میں نے بہت سے عجائبات زمانہ اس کے اوقات میں مشاہدہ کیے ہیں ، اس کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا چراغ ہوگا کہ آن سے دنیا روشن ہو جائے گی ، الحمد للہ کہ اس کے احوال کاملہ نے مجھے اس کا یقین دلایا ہے [1] ۔

۱- زبدۃ المقامات ۔ مطبوعہ نول کشور ۔ ص ۔ ۱۴۵ ۔ ۱۴۴ ۔

Marfat.com

کبھی کبھی خواجہ صاحب اِس خوش اقبال مرید کے لئے ذوق و شوق سے یہ اشعار پڑھتے تھے -

عشق معشوقاں نہاں است و ستیر
عشق عاشق با دو صد طبل و نفیر

لیک عشق عاشقاں تن زہ کند
عشق معشوقاں خوش و فربہ کند[1]

دوبارہ پیر و مرشد کی خدمت میں حاضری :

کچھ عرصہ وطن میں رُشد و ہدایت کے بعد حضرت مجدد الف ثانی دوبارہ اپنے پیر کی خدمت میں دھلی حاضر ہوئے - اِس مرتبہ حضرت خواجہ باقی باللہ نے آپ کو اجازت ارشاد عنایت فرمائی ، وطن آنے کے بعد پھر آپ رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے کہ اچانک حضرت خواجہ باقی باللہ نے آپ کو حکم دیا کہ وہ لاہور جا کر رشد و ہدایت کی شمع روشن کریں چنانچہ وہ لاہور پہنچے ، -

خواجہ باقی باللہ کا وصال :

لاہور ہی میں حضرت مجدد الف ثانی کو اطلاع ملی کہ حضرت خواجہ باقی باللہ نے وصال فرمایا[2] ، اس خبر کے سنتے ہی حضرت مجدد الف ثانی دھلی تشریف لائے اور اپنے پیر کے مزار پر فاتحہ پڑھی اور اپنے وطن سرہند واپس ہوئے -

دین الٰہی کی گمراہیاں :

حضرت خواجہ باقی باللہ کی وفات کے بعد آن کے کاموں کو حضرت مجدد الف ثانی نے بڑی وسعت دی - اکبر کے دین الٰہی نے جو گمراہیاں

۱- رود کوثر - ص - ۲۱۵ -

۲- خواجہ باقی باللہ کا اسم مبارک رضی الدین تھا ، لیکن باقی باللہ کے لقب سے مشہور تھے - ولادت : ۱۲ جولائی ۱۵۶۴ء (۹۷۲ھ) بمقام کابل وفات : ۳۰ نومبر ۱۶۰۳ء (۱۰۱۲ھ) رود کوثر - ص - ۱۸۸ - ۲۱۷

Marfat.com

پیدا کی تھیں ۔ وہ جہانگیر کے دور میں بھی بعض اپنی اصلی صورت میں اور بعض دوسرے رنگ میں ظہور پذیر تھیں ۔ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے زمانے میں تجدد اور احیائے دین کی جو خدمات انجام دیں وہ دونوں عہدوں کی پیدا کردہ گمراہیوں کے خلاف تھیں ۔

اکبر کے عہد میں دینِ الٰہی کی صورت میں جو گمراہیاں رونما ہوئیں وہ علی الاعلان اسلام کے خلاف تھیں ، اس نے حکم دیا تھا کہ لاالہ اِلااللہ محمدؐ رسول اللہ کی جگہ لاالہ اِلااللہ اکبر خلیفتہ اللہ پڑھا جائے ، اس کے زمانے میں مذہب کا مدار روایت پر نہیں بلکہ محض عقل پر رکھا گیا تھا ۔

علماء سوء نے بادشاہ کی خوشامد میں اس دین کو تقویت پہنچانے میں طرح طرح کی تاویلیں کیں اور حدیثیں گھڑیں ۔ شیخ تاج الدین جو تاج العارفین کہلاتے تھے انھوں نے آیات قرآنی اور احادیث نبوی میں ایسی ایسی تاویلیں کیں کہ بادشاہ اکبر خود بھی حیران رہ گیا ، اس نے بادشاہ کے لئے سجدہ تجویز کیا ۔ غازی خان بدخشی نے بھی اس سجدے کی تائید کی اور اسے سجدۂ تعظیمی کا نام دیا ۔ شیخ امان پانی پتی کے بھتیجے مُلا ابو سعید نے داڑھیاں منڈوانے کے متعلق ایک حدیث نکالی ۔

ملا عبدالقادر بدایوانی نے لکھا کہ اکبر نے اپنے ہندو رعایا کو خوش کرنے کے لئے اپنا رُخ اسلام سے پھیر لیا تھا ، بادشاہ قرآن کا منکر ہو گیا تھا شراب حلال کی گئی تھی ، جزیہ موقوف کر دیا گیا تھا ، عربی کے مطالعے کو بنظر تحقیر دیکھا جانے لگا تھا ، ہر کوچہ و بازار میں ہندوؤں کی رسمیں منائی جاتی تھیں ، اس نے حکم دیا تھا کہ گائے ، بھینس اور اونٹ کو ذبح نہ کیا جائے ، بارہ سال سے کم عمر بچے کے ختنہ نہ ہوں ، اس کے علاوہ اکبر نے آفتاب کی تعظیم ، مریدوں کی معاشرت ، خوراک اور تدفین کے لئے جو طریقے اختیار کئے تھے اس سے مسلمانوں کا دل اکبر سے کھٹا ہو گیا تھا ۔

علمائے حق کا احقاق حق :

لیکن اس دور میں بھی کچھ علمائے حق موجود تھے ، جنھوں نے

Marfat.com

اس دور ضلالت و گمراہی میں اکبر کے خلاف آواز اٹھائی ، چنانچہ جونپور کے قاضی القضات ملا محمد یزدی نے علی الاعلان فتویٰ دیا کہ بادشاہ بدمذہب ہو گیا ہے ، اس سے جہاد واجب ہے ۔ اسی طرح بنگال کے قاضی القضات معزالملک نے بھی فتویٰ دیا ۔ اکبر نے ان دونوں علماء کو کسی بہانے سے بلا بھیجا ، جب یہ دونوں آگرے سے دس کوس پر فیروز آباد پہنچے تو دونوں کو الگ الگ قلعہ گوالیار میں قید کر دیا ، پھر حکم دیا کہ ان دونوں کو کشتی میں بٹھا کر غرق کر دیا جائے ، چنانچہ دونوں کو غرق کر دیا گیا ۔ دربار کے بعض امرا قطب الدین خان کوکہ اور شہباز کنبوہ نے جب بادشاہ کو سمجھانے کی کوشش کی تو ڈانٹ ڈپٹ کر ان کی آواز بند کر دی گئی ۔

جہانگیری عہد :

جہانگیر اگرچہ اکبری عہد کی بدعنوانیوں سے نالاں تھا ، لیکن اس عہد کی بعض گمراہیوں کو اس نے خود بھی جائز رکھا تھا ، مثلاً سجدۂ تعظیمی وغیرہ ، اکبر کے بعد دینِ الٰہی کی تیزی اگرچہ ختم ہو چکی تھی ، لیکن اس کے اثرات برابر باقی تھے ، جہانگیر کے عہد میں بعض گمراہیاں دوسرے رنگ میں ظاہر ہوئی تھیں اور بعض بدعتیں جاری تھیں ۔ حضرت مجدد الف ثانی نے عہدِ اکبری اور عہدِ جہانگیری کی گمراہیوں اور بدعات کے خلاف آواز بلند کی اور شریعتِ اسلامیہ کی ترویج کے لئے جو کوششیں کیں ، وہ پاک و ہند کی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں ۔

حضرت مجدد کے رشد و ہدایت کا طریقۂ کار :

عین اس زمانے میں جب کہ اکثر علماء و مشائخ عافیت اسی میں سمجھتے تھے کہ خاموش ہو کر گوشوں میں بیٹھ جائیں حضرت مجدد الف ثانی نے جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئے گی ، جہانگیر کے سامنے سجدہ نہ کرکے اور قید و بند کی سختیاں جھیل کر حق کو سر بلند کر دیا اور دوسرے علماء کے لئے ایک مثال قائم کی کہ وہ حق کی سربلندی میں دلیر ہوں ۔

Marfat.com

اس کے علاوہ آپ نے اپنے مریدین کی ایک بڑی تعداد رُشد و ہدایت کے پیغام کو عام کرنے کے لئے تیار کی اور انھیں ہر طرف بھیجا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں ۔

اس کے ماسوا مختلف ممالک کے نامور لوگوں سے خط و کتابت کی اور اُن پر دین کی حقیقت و اہمیت کو واضح کیا ۔

مزید یہ کہ بادشاہ (جہانگیر) کے اُمراء کو اپنے حلقۂ ارادت میں داخل کیا کہ وہ بادشاہ کے مزاج میں اسلام کے مطابق انقلاب پیدا کریں ۔

اکبر کی وفات کے بعد جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو آپ نے اس کی سعی کی کہ لوگوں سے عہد لیں کہ وہ اسلام کے خلاف احکامِ شاہی کی اطاعت نہیں کریں گے ۔ آپ نے اپنی اِس جدوجہد کو افواجِ شاہی تک پھیلا دیا ۔

یہ تھا وہ طریقۂ کار جس پر حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی تبلیغ و اصلاح کی بنیاد رکھی ۔

تعلیمات :

آپ کا تعلیم و تلقین میں بنیادی نقطہ نظر یہ تھا کہ حقیقت و طریقت دونوں شریعت ہی کی حقیقت ہیں ، جو طریقت چال شریعت سے آراستہ نہ ہو وہ گمراہی ہے ۔

آپ نے حالات کے مقتضا کے مطابق جن تعلیمات اسلامی پر زور دیا اُن میں دین سے بدعت کو نکال دینا تھا ، آپ نے فرمایا کہ یہ فقیر کسی بدعت میں خوبی اور نورانیت محسوس نہیں کرتا ، ظلمت اور کدورت کے سوا اُن میں مجھے کچھ محسوس نہیں ہوتا ۔

ایک خط میں اپنے ایک مرید فتح خاں افغان کو لکھا کہ سب سے اعلیٰ نصیحت سعادت مند دوستوں کے لئے یہ ہے کہ سنت کا اتباع کریں ۔

اُس دور میں بعض صوفیانہ اقوال سے شریعت و طریقت میں فرق بتایا جاتا تھا ، آپ نے اِس فرق کو مٹایا ، ایک خط میں مُلا بدر الدین کو

Marfat.com

لکھا کہ مستقیم الاحوال صوفیہ احوال و اقوال و اعمال اور علوم و معارف میں ہرگز شریعت سے تجاوز نہیں کرتے ، اگر کسی کا حال سکر کے وقت شریعت کے خلاف ہو تو معذور ہے اور اس کا کشف غیر صحیح ہے اس کی تقلید ناجائز اور نادرست ہے ۔

ایک اور خط میں فتح خاں کو لکھا کہ : استقامت کا طریقہ شریعت اور باطن کی دوستی کی علامت ہے ظاہر کو شرعی احکام سے سنوارنا ہے . . . سنت اور فرض کا زندہ کرنا سب سے بڑا کام ہے اور سب سے بڑا ثواب ان ہی پر مرتب ہوتا ہے ۔

آپ کا سب سے بڑا اہم کارنامہ شریعت کی ترویج ہے ، ایک خط میں شیخ محمد یوسف کو لکھا کہ اپنے ظاہر کو ظاہر شریعت سے اور اپنے باطن کو باطن شریعت سے آراستہ کریں ، اور حقیقت و طریقت دونوں شریعت ہی کی حقیقت ہیں ، نہ کہ شریعت اور ہے اور طریقت و حقیقت کچھ اور ، انہیں علیحدہ علیحدہ کرنا الحاد و زندقہ ہے ۔

وحدت الشہود :

حضرت مجدد الف ثانی سے پہلے اکثر پہلے تمام صوفیہ وحدت الوجود کے قائل تھے ، لیکن آپ نے سب سے پہلے وحدت الوجود کے مقابلے میں وحدت الشہود کا نظریہ قائم کیا ۔ وحدت الوجود کا خلاصہ "ہمہ اوست" اور وحدت الشہود کا مقصد "ہمہ از اوست" ہے ، وحدیت الوجودیوں کے نزدیک خارج میں احدیت مجردہ کے سوا کچھ موجود نہیں اور یہ کثرت جو نظر آتی ہے محض آن اعیان ثابتہ کا عکس ہے ۔

وحدت الشہودیوں کے نزدیک وہ کثرت جو نظر آتی ہے ، وہ عکس نہیں بلکہ خارج میں موجود ہے ، وہ ممکن کو واجب کا عین نہیں مانتے ، اسی لیے وہ ہمہ اوست کہنے کو درست قرار نہیں دیتے ہیں ۔

علامہ اقبال وحدت الشہود کے قائل ہیں اور اپنے نظریۂ خودی میں انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی سے فیض حاصل کیا ہے ۔

Marfat.com

شیخ بدیع الدین :

۱۶۱۹ع (۳۰ - ۱۰۲۹ھ) جب کہ حضرت مجدد الف ثانی کو رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیے ہوئے کئی سال گزر چکے تھے اور آپ کے خلفاء برصغیر پاک و ہند ، بلکہ افغانستان اور ترکستان میں بھی پھیل چکے تھے ، آپ نے اپنے ایک مرید شیخ بدیع الدین کو جہانگیر کے لشکر میں رشد و ہدایت کے لیے بھیجا ، شیخ بدیع الدین نے لشکرِ شاہی میں ارشاد و ہدایت کا کام بڑے زور و شور سے شروع کیا ، شاہی لشکر کے بہت سے آدمی اُن کے سلسلۂ ارادت میں داخل ہو گئے ، لیکن ساتھ ہی مخالفتوں نے بھی سر اٹھایا ، چند دن کے بعد شیخ بدیع الدین نے اپنے مرشد کی نافرمانی کی اور لشکر شاہی سے بغیر اجازت کے چلے آئے ، یہ امر حضرت مجدد صاحب کو ناگوار گزرا ، جب شیخ بدیع الدین اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے اُن کے اِس طریقے پر اظہارِ ناراضگی فرمایا ، شیخ بدیع الدین نے معافی چاہی اور دوبارہ لشکر شاہی میں جا کر نہایت سرگرمی سے رشد و ہدایت کا کام شروع کیا ، لیکن اِس مرتبہ ان کی مخالفت زیادہ بڑھ گئی -

جہانگیر کی مخالفت :

اُسی زمانے میں حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے ایک خط میں اپنے عروج روحانی کا ذکر کیا تھا - یہ مکتوب آپ کے مکاتیب کے دفتر اول میں گیارہواں مکتوب ہے ، یہ خط آپ نے اپنے مرشد خواجہ باقی باللہ کے نام لکھا تھا ، اس خط میں آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ

> دوسری عرض یہ ہے کہ اس مقام کے ملاحظے کے وقت اور بہت سے مقام ایک دوسرے کے اوپر ظاہر ہوئے ، نیاز و عاجزی سے توجہ کرنے کے بعد جب اِس مقام سے اوپر کے مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضرت ذوالنورین رضؓ کا مقام ہے اور دوسرے خلفاء کا اسی مقام میں عبور واقع ہوا ہے ، اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے . . . . اِس مقام کے اوپر ایک اور مقام نظر آیا ، جب اِس مقام پر پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت

Marfat.com

فاورق اعظم رض کا مقام ہے ، اِس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر رض کا مقام ظاہر ہوا ، بندہ اس مقام پر بھی پہنچا حضرت خواجہ نقشبند[1] قدس سرہ کو ہر مقام میں اپنے ہمراہ پاتا تھا . . . . اِس مقام سے اوپر سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اور کوئی نہیں ہوتا اور حضرت صدیق رض کے مقابل ایک اور نہایت عمدہ نورانی مقام کہ اس جیسا کبھی نظر میں نہ آیا تھا ظاہر ہوا ، وہ مقام اِس مقام سے تھوڑا سا بلند تھا ، جس طرح کہ صُفّہ کو سطح زمین سے ذرا سا بلند بناتے ہیں اور معلوم ہوا کہ یہ مقام محبوبیت کا مقام ہے اور وہ مقام رنگین اور منقّش تھا ، اپنے آپ کو اِس مقام کے عکس سے رنگین معلوم کیا ۔

اس خط سے حضرت مجدد الف ثانی کے خلاف مخالفت کا طوفان کھڑا کیا گیا ، لوگوں نے شیخ بدیع الدین پر اعتراض کیا کہ تمہارا پیر تو اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رض سے بھی افضل سمجھتا ہے شیخ بدیع الدین نے مخالفت کا یہ سارا حال اپنے مرشد کو لکھ کر بھیجا حضرت مجدد الف ثانی نے ان کو جواب میں لکھا کہ میں نے یہ خط اپنے مرشد کے نام لکھا تھا ، ہمارے سلسلے کا یہ اصول ہے کہ راہ تصوف میں مرید کو جتنے واقعات پیش آئیں وہ بعینہ اپنے مرشد کو لکھے ، تاکہ مرشد بتا سکے کہ ان میں سے کون سا صحیح ہے اور کون سا غلط ہے ، شیخ بدیع الدین نے یہ بات لوگوں سے کہی لیکن پھر بھی لوگوں کی تشفی نہیں ہوئی ، آپ کے مریدوں میں فتح اللہ گیلانی اور قاضی سنام نے آپ سے علیحدگی اختیار کر لی ، حضرت مجدد الف ثانی نے اس پر ایک مکتوب میرزا فتح اللہ کو لکھا ، جس میں ان کی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ، آپ نے اس مکتوب

۱- **خواجہ نقشبند** : نام محمد بن بخاری ہے ، آپ اویسی تھے ، روحانی تربیت خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے حاصل کی تھی : **وفات** : ۲۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ (۸۹ - ۱۳۸۸ع) نفحات الانس (آردو ترجمہ) ص ، ۳۱۵ تا ۳۱۹ -

Marfat.com

تحریر فرمایا جس کا خلاصہ یہ تھا : جو شخص اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رض سے افضل جانے یا تو وہ زندیق محض ہے یا جاہل . . . وہ شخص جو حضرت امیر رض کو حضرت ابوبکر صدیق رض سے افضل کہے وہ اہل سنت و جماعت کے گروہ سے نکل جاتا ہے تو پھر اس شخص کا کیا حال ہوگا جو (توبہ توبہ) اپنے آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رض سے افضل جانے ۔

جہانگیر کو اطلاع :

شدہ شدہ یہ بات جہانگیر کے کانوں تک پہنچائی گئی ، ادھر جہانگیر حضرت مجدد الف ثانی کی روز افزوں عقیدت ، شہرت اور مقبولیت کو دیکھ کر اپنی شاہی و دارائی کے لیے آپ سے خطرہ محسوس کر رہا تھا لیکن وہ کھلم کھلا آپ کی مخالفت سے ڈرتا تھا ، یہاں تک کہ اسے یہ موقع ہاتھ لگا ، چنانچہ اس نے سرہند کے حاکم کی معرفت آپ کو بلا بھیجا ، وہ خود آپ کو بلانے اور قید کا تذکرہ نہایت گستاخی اور سوء ادب سے اپنی توزک کے ۱۰۲۸ھ (۱۹ - ۱۶۱۸ء) کے واقعات میں لکھتا ہے کہ

> آن ہی دنوں مجھ سے عرض کیا گیا کہ شیخ احمد نامی ایک مکار سرہند میں مکر و فریب کا جال بچھا کر کئی نادان اور بے سمجھ لوگوں کو اپنے فریب میں پھانسے ہوئے ہے ، ہر شہر اور ہر علاقے میں اس نے اپنے مریدوں میں سے ایک کو جو معرفت کی دوکان داری ، معرفت فروشی اور لوگوں کو فریب دینے میں پوری مہارت رکھتے ہیں ، خلیفہ کے نام سے مقرر کیا ہے ،

۱- **مکتوبات امام ربانی :** حضرت مجدد صاحب کی زندگی میں مرتب ہو گئے تھے ، یہ تین دفتر ہیں ، دفتر اول کا نام "در المعرفت" ہے ، اسے خواجہ یار محمد بدخشی نے مرتب کیا تھا ۔ دوسرے دفتر کا نام نور الحقائق ہے ، یہ دفتر خواجہ عبدالحیٔ حصاری نے مرتب کیا ، تیسرے دفتر کا نام معرفت الحقائق ہے ، اس کے مرتب خواجہ محمد ہاشم کشمی برہانپوری ہیں ۔

Marfat.com

مذخرافات اور واہیات قسم کے خطوط اپنے مریدوں اور معتقدوں کے نام لکھ کر مکتوبات کے نام سے ایک مجموعہ جمع کیا ہے ، اس نے اِس مجموعے میں اکثر ایسی فضول اور بے ہودہ باتیں لکھی ہیں ، جو کفر اور زندیقیت تک پہنچتی ہیں ، از آنجملہ اس نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ سلوک کی منزلیں طے کرتے ہوئے میرا گزر مقام ذوالنورین رض میں ہوا جو عالی شان اور نہایت پاکیزہ تھا ، وہاں سے گزر کر میں مقام فاروق رض میں پہنچا اور مقام فاروق رض سے مقام صدیق رض میں آیا اُس نے ہر مقام کی تعریف اُس کے مناسبِ حال لکھی ہے ، پھر اُس نے لکھا ہے کہ وہ وہاں سے مقام محبوبیت میں پہنچا جو نہایت منوّر اور رنگین تھا ، اس مقام پر اس نے اپنے اندر مختلف انوار اور الوان کو منعکس پایا ۔ استغفر اللہ بزعمِ خویش وہ خلفاء کے مرتبے سے بھی آگے بڑھ گیا اور اُن سے بھی زیادہ عالی مرتبے پر فائز ہو گیا اِس کے علاوہ اُس نے اور بھی گستاخانہ باتیں لکھی ہیں ، جن کا تذکرہ طوالت کا باعث ہے ۔ اس بنا پر میں نے حکم دیا کہ اُسے بارگاہِ عدالت آئین میں حاضر کیا جائے ، حسب الحکم وہ حاضر کیا گیا ، میں نے اُس سے جو بھی پوچھا وہ اس کا معقول جواب نہ دے سکا ، بے وقوف اور کم عقل ہونے کے ساتھ نہایت خود پسند معلوم ہوا ، میں نے اُس کی اصلاح کے لیے یہی مناسب سمجھا کہ اُسے چند دن قید رکھا جائے ، تاکہ اس کے دماغ کی شوریدگی اور اس کے دماغ کی آشفتگی دور ہو اور عوام میں اس کے مذخرافات کی وجہ سے جو شورش پھیل رہی ہے ، وہ رک

Marfat.com

جائے ، چنانچہ میں نے انی رائے سنگھ دلن[1] کے حوالے کیا کہ وہ اسے قلعہ گوالیار میں قید کر دے[2] ۔

حضرت مجدد کی جہانگیر سے گفتگو :

سبحۃ المرجان میں ہے کہ جب حضرت مجدد ، جہانگیر کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے اس کو نہایت معقول جواب دیے ، جس پر جہانگیر خاموش ہو گیا لیکن اتنے میں کسی امیر نے کہا کہ شیخ کا تکبر تو دیکھئے کہ آپ کو سجدہ نہیں کیا ، حالانکہ آپ ظل اللہ اور خلیفۂ الٰہی ہیں ، اس پر بادشاہ غضبناک ہوا اور آپ کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا ۔

سبحۃ المرجان میں یہ بھی ہے کہ شاہجہان آپ کا بے حد معتقد تھا حضرت مجدد کے دربار میں آنے سے قبل اس نے حضرت مجدد صاحب کے پاس افضل خاں اور خواجہ عبدالرحمان مفتی کو بھیجا کہ علماء نے بادشاہ کے لیے سجدۂ تحیت جائز قرار دیا ہے ، آپ بھی بادشاہ سے ملاقات کے وقت سجدہ کریں ، میں ذمہ لیتا ہوں کہ آپ کو کسی قسم کا ضرر نہ پہنچے گا ، آپ نے فرمایا کہ علماء کا فتویٰ تو معذوروں اور کمزوروں کے لیے ایک اجازت ہے ، لیکن عزیمت یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو سجدہ نہ کیا جائے ۔

قید و بند :

حضرت مجدد الف ثانی ایک سال تک قلعہ گوالیار میں قید رہے ، "مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی" سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مال و اسباب اور کتابوں کو بھی نقصان پہنچایا گیا ۔ ایک خط میں اپنے

۱- **انی رائے سنگھ دلن** ولد بیر نراین ، عہد اکبری میں ملازم ہوا ، جہانگیر نے اسے انیر رائے سنگھ دلن کا خطاب دیا ، شاہجہان نے اسے راجا کے خطاب سے سرفراز کیا ۔ **انتقال :** شاہجہان کے جلوس کے دسویں سال اس کا انتقال ہوا (توزک جہانگیری اردو ترجمہ ، مترجم اعجاز الحق قدوسی) جلد : ۱ ، حواشی جشن پنجم ، ص ، ۳۲۶ ۔

۲- **توزک جہانگیری :** اردو ترجمہ ، جلد : ۲ (مترجم اعجاز الحق قدوسی) ص ، ۱۱۸ تا ۱۱۹ ۔

Marfat.com

صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم کو لکھتے ہیں کہ وہ راضی برضا رہیں ، اپنی والدہ کو بھی سمجھائیں ، پھر تحریر فرمایا :

"غم حویلی و سرا و چاہ و باغ و کتب و اشیائے دیگر خود سہل است ، باید کہ ہیچ چیز مزاحم وقتِ شما نشود و غیر از مرضیات حق جل و علا مراد و مرضی شما نباشد ، اگر ما مُردیم این ہمہ اشیاء می رفت کہ در حیاتِ ما رفتہ باشد ، ہیچ فکر نکنند والدۂ خود را تسلی دہند" ۔

مدتِ قید :

قلعۂ گوالیار میں حضرت مجدد الف ثانی ایک سال قید رہے ، حضرت مجدد الف ثانی نے اِس قید خانے کو تبلیغ و رشد و ہدایت سے ایک خانقاہ بنا دیا ، ذکر و فکر کی مجلیس قائم ہونے لگیں اور وہاں نیکی اور تقویٰ کا درس دیا جانے لگا ۔

رہائی :

یہاں تک کہ ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ء) میں جہانگیر نے آپ کو قلعۂ گوالیار سے طلب کر کے رہا کر دیا ۔ توزک میں جہانگیر نے ۱۰۲۹ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ

۲۱ خور دار ۱۰۲۹ھ (۱۶۲۰ء) اسی تاریخ میں میں نے شیخ احمد سرہندی کو جو اپنی دوکان کو خود فروشی اور بیہودہ گوئی سے سجانے کی وجہ سے بغرض تادیب چند روز سے قید میں تھا ، اپنے حضور میں طلب کر کے اُسے رہا کر دیا اور اسے خلعت اور ہزار روپے بطور خرچ عنایت کر کے جانے اور رہنے کا اختیار دیا ، شیخ نے از روئے انصاف کہا کہ یہ تنبیہ و تادیب در حقیقت ایک طرح کی ہدایت اور سبق ہے ، میرا نقش مراد آپ کی خدمت میں رہنے سے جلی ہوگا[1] ۔

۱- توزک جہانگیری (اردو ترجمہ ، اعجاز الحق قدوسی) جلد ۲ : ص ، ۲۱۸ ۔

Marfat.com

تیسرا اندراج جو توزک جہانگیری میں ہمیں حضرت مجدد صاحب کے متعلق ملتا ہے ، وہ یکم مہر ۱۰۳۲ھ (۱۶۲۳ع) کا ہے ، جس میں جہانگیر نے لکھا کہ : منجملہ ان کے شیخ احمد سرہندی کو دو ہزار روپے عنایت کیے [1] ۔

پوری توزک جہانگیری میں ان تین جگہ پر حضرت مجدد صاحب کا تذکرہ ہے ، جسے ہم نے اوپر نقل کر دیا ہے ، ان کے علاوہ پوری توزک میں ہمیں آپ کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا کہ جس سے یہ معلوم ہو سکتا کہ رہائی کے بعد جہانگیر اور حضرت مجدد صاحب کے تعلقات کی نوعیت کیا رہی ۔ البتہ توزک سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں جہانگیر پر مذہبی رنگ غالب ہوگیا تھا اور اُسے ترویج شریعت کا خاص خیال رہتا تھا ، ممکن ہے جہانگیر کی طبیعت میں یہ انقلاب حضرت مجدد صاحب کا فیض ہو ، لیکن توزک میں ہمیں اِس قسم کی کوئی صراحت نہیں ملتی ، قیاس غالب یہ ہے کہ آپ نے اس زمانے میں جب کہ آپ لشکر شاہی کے ساتھ رہے ارشاد و تلقین کا سلسلہ برابر جاری رکھا ہوگا ، حضرت مجدد صاحب کے اس زمانے کے بعض خطوط سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی جہانگیر سے ایسی گفتگو رہتی تھی ، جس میں آپ اس کے سامنے اصلاح و تلقین کے فرائض انجام دیتے تھے ، ایک خط میں مجلس شاہی میں بادشاہ سے ایک گفتگو کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

> عجیب و غریب صحبتیں گزر رہی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے امورِ دینیہ اور اصولِ اسلامیہ میں سرمو سستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی ۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں بھی وہی باتیں ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں ہوا کرتی ہیں ، اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو دفتر ہو جائے ، خاص کر آج ماہ رمضان کی سترھویں رات کو انبیاء علیہم الصلوۃ و السلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت کے ایمان اور

۱- ایضاً ، ص ، ۳۸ ۔

Marfat.com

اس کے عذاب و ثواب اور رویت دیدار کے اثبات اور حضرت خاتم الرسُل کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدینؓ کی اقتدا اور تراویح کی سنت اور تناسخ کے باطل ہونے اور جنوں اور جنیوں کے احوال اور اُن کے عذاب و ثواب کی نسبت بہت کچھ مذکور ہوا ، بادشاہ بڑی خوشی سے سنتا رہا ، اِسی اثنا میں اور بھی بہت سی چیزوں کا ذکر ہوا اور اقطاب و اوتاد اور ابدال کے احوال اور اُن کی خصوصیتوں وغیرہ کا بیان ہوا ، اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ سب کچھ قبول کرتے رہے اور کوئی تغیر ظاہر نہ ہوا اِن واقعات اور ملاقات میں کوئی اللہ کی پوشیدہ حکمت اور خفیہ راز ہوگا ۔

حضرت مجدد الف ثانی کے اِس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ قلعۂ گوالیار سے رہا ہونے کے بعد وہ شاہی لشکر میں کیوں رہے ، اور جب آپ کو جہانگیر نے قید سے رہا کیا اور رہنے اور جانے کا آپ کو اختیار دیا تو آپ نے لشکر شاہی میں رہنے کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا :

"نقش مرادم در ملازمت خواہد بست" وہ نقش مراد کیا تھا ، ہماری رائے میں وہ نقش مراد بادشاہ کی اصلاح و ہدایت تھی ، جب بھی آپ کو اصلاح و ہدایت کا موقع ملتا آپ اُس سے فائدہ اٹھاتے ، جیسا کہ آپ کے اِس خط سے ظاہر ہوتا ہے ۔

مختصر یہ کہ آپ نے اکبری الحاد اور جہانگیر کے عہد کی برائیوں کو قلع قمع کرنے میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی ۔

وفات :

حضرت مجدد الف ثانی تین چار سال لشکر شاہی میں رہے ، اور لشکر شاہی کے ساتھ ۱۰۳۲ھ (۲۳ - ۱۶۲۲ع) میں آپ اجمیر حاضر ہوئے اور خواجۂ بزرگ کے مزار مبارک کی زیارت کی ، مزار کے خادموں نے حضرت خواجۂ بزرگ کے مزار کا قبر پوش آپ کی خدمت میں پیش کیا ، آپ نے نہایت ادب سے لیا اور فرمایا کہ چونکہ یہ لباس حضرت خواجہ صاحب سے بہت نزدیک رہا ہے ، اِس لیے اسے میرے کفن کے لیے سنبھال کر رکھا جائے ۔

Marfat.com

اب عمر زیادہ ہو چکی تھی ، سفر کی زحمتیں برداشت نہیں ہوتی تھیں ، اِس لیے آپ بادشاہ سے اجازت لے کر اپنے وطن سرہند تشریف لے آئے ، اور تھوڑے ہی عرصے میں بروز سہ شنبہ قریب چاشت بتاریخ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ (دسمبر ۱۶۲۴ع) میں آپ رحمتِ حق سے جا ملے -

تصانیف :

آپ کی تصانیف میں (۱) شرح رباعیات (۲) رسالہ مبداء و معاد (۳) معارف لدنیہ (۴) رسالہ تعلیقات تہلیلیہ ، تعلیقات عوارف اور مکتوبات دفتر اول و دوم و سوم وغیرہ ہیں -

اولاد :

آپ کے چھ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں ، صاحبزادوں کے نام یہ ہیں - (۱) خواجہ محمد صادق[1] (۲) خواجہ محمد سعید[2] (۳) خواجہ محمد معصوم[3] (۴) خواجہ محمد یحییٰ[4] (۵) خواجہ محمد فرخ (۶) خواجہ محمد عیسیٰ[5] اور ایک صاحبزادی اُم کلثوم[6] تھیں -

---

۱- **خواجہ محمد صادق : ولادت :** ۱۰۰۰ھ (۹۲ - ۱۵۹۱ع) **وفات :** ۹ ربیع الاول - بروز دو شنبہ ۱۰۲۵ھ (۱۶۱۶ع) (حضرات القدس مطبوعہ محکمہ اوقاف پنجاب - لاہور ، ص ، ۲۲۰ تا ۲۳۳) -

۲- **خواجہ محمد سعید:** ولادت: ماہ شوال ۱۰۰۵ھ (۱۵۹۷ع) (حضرات القدس) -

۳- **خواجہ محمد معصوم : ولادت :** ۱۰۰۹ھ (۱ - ۱۶۰۰ع) (حضرات القدس ص ، ۲۶۲ تا ۲۹۵) -

۴- **خواجہ محمد یحییٰ :** حضرت مجدد صاحب کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے- خواجہ محمد معصوم سے خرقۂ خلافت حاصل کیا (حضرات القدس) -

۵- **خواجہ محمد فرخ و خواجہ محمد عیسیٰ :** ان دونوں صاحبزادوں نے حضرت مجدد صاحب کی زندگی ہی میں ایام و ما میں وفات پائی -

۶- **ام کلثوم :** حضرات القدس میں صرف ام کلثوم کا تذکرہ ملتا ہے ، لیکن زبدۃ المقامات میں تین صاحبزادیوں کا تذکرہ ہے ،[7] حضرت مجدد صاحب کے یہ تمام حالات اقبال کے محبوب صوفیہ (تالیف ، اعجاز الحق قدوسی) ص ، ۴۴۰ تا ۴۶۸ سے ماخوذ ہیں -

Marfat.com

(۲)

ملا محمود جون پوری

علامہ اقبال کا تاثر :

مخدومی ! السلام علیکم

—— (۳) ہندوستان میں بڑے بڑے اشاعرہ کون کون سے ہیں اور مُلا محمود جون پوری کو چھوڑ کر کیا اور فلاسفہ بھی ہندوستانی مسلمانوں میں پیدا ہوئے ؟ آن کے اسماء سے مطلع فرمائیے اگر ممکن ہو تو آن کی بڑی بڑی تصنیفات سے بھی -

آمید ہے کہ مزاج بخیر و عافیت ہو گا -

مخلص محمد اقبال

مکتوب اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی

(اقبال نامہ حصہ اول ، ص ۱۶۵)

حالات :

مُلا محمود جون پوری بن شیخ محمد بن شاہ محمد فاروقی علوم حکمیہ و ادبیہ میں بلند مرتبہ رکھتے تھے ، جون پور آن کے وجود باجود سے شیراز کی ہمسری کرتا تھا ، انھوں نے ابتداًء علم کی دولت اپنے دادا شاہ محمد سے حاصل کی ، اس کے بعد مولانا محمد افضل جون پوری سے تکمیل کی ، سترہ سال کی عمر میں وہ تحصیل علم سے فارغ ہو گئے ، وہ ہندوستان کے آن علماء میں تھے ، جنھوں نے معقولات میں خاص امتیاز حاصل کیا تھا ، وہ شیخ عبدالحق محدث کے ہمعصر تھے -

Marfat.com

وفات:

ملا محمود جون پوری نے اپنے آستاد مولانا محمد افضل کی حیات ہی میں ۹ ربیع الاول ۱۰۶۲ھ (۱۶۵۲ع) میں وفات پائی ، آستاد کو شاگرد رشید کی وفات سے اس قدر صدمہ ہوا کہ چالیس دن تک مسکرائے نہیں ، آخر یہ صدمہ جان لیوا ثابت ہوا اور مولانا محمد افضل[1] نے بھی آن کی وفات سے چالیس دن کے بعد وفات پائی ۔

تصانیف :

ملا محمود نے کئی اہم تصانیف یادگار چھوڑیں ، انھوں نے علم حکمت کی ایک کتاب شمس بازغہ تصنیف کی ، جو اب بھی درس نظامیہ پڑھائی جاتی ہے ۔ اس کے علاوہ علم بلاغت میں ایک کتاب فرائد فی شرح الفوائد ہے ، جو معانی و بیان کی مشہور کتاب فوائد غیاثیہ کی شرح ہے ، اس کے علاوہ فارسی زبان میں مختصر سا ایک رسالہ اقسام زبان کے بارے میں ہے[2] ۔

۱- مولانا محمد افضل : بن محمد حمزہ بن محمد سلطان بن فرید الدین بن بہاء الدین عثمانی جونپوری ، شیخ عثمان ہارونی کی اولاد میں تھے ۔
ولادت : ۲۷ رمضان ۹۷۷ھ ( ) ۔
وفات : ۱۹ ربیع الثانی ۹۶۲ھ (۱۵۵۵ع) ۔
مدفن : چاچک پور دفتر عندالحوالہ ج ۵ ، ص ۳۵۹ ۔

۲- تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۴۸۶ و ۴۸۷ - رود کوثر ص ۳۳۶ ۔

Marfat.com

(۳)

ملا عبدالحکیم سیالکوٹی

ریظ علامہ اقبال بر تصنیف منشی محمد دین فوق
سوانح علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی) :

مولوی عبدالحکیم علیہ الرحمہ سیالکوٹ کی سر زمین میں پیدا ہوئے ، جو شاہان مغلیہ کے زمانے میں اسلامی امور کی مشہور درسگاہ تھی ، اُن کی عالمگیر شہرت آخر شاہجہان تک پہنچی جس نے ان کی قدر افزائی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ، دربار دہلی میں بادشاہ کے اشارے سے بڑے معرکتہ الآراء مذہبی و فلسفیانہ مباحث کرتے تھے جن میں سیالکوٹی فلسفی کی نکتہ آفرینیاں اور موشگافیاں وسط ایشیا اور ایران کے حکماء کو محو حیرت کیا کرتی تھیں ۔

ان کی فلسفیانہ تصانیف میں "سیلکوتی علی التصورات" ایک مشہور رسالہ ہے ، جو شاہجہان کی فرمائش سے لکھا گیا تھا ، جو کچھ مدت ہوئی مصر میں شائع ہوا تھا ۔ اس کے علاوہ ان کی اور بھی کتابیں ہیں ، جو اسلامی ممالک میں مشہور ہیں ، توحید باری تعالیٰ پر بھی ان کا خاص رسالہ ہے ، جو شاہجہان کی فرمائش سے لکھا گیا تھا ، میری نظر سے گزرا ہے ، مگر غالباً آج

Marfat.com

تک شائع نہیں ہوا ، اس میں شک نہیں کہ اُن کے خیالات کا بیشتر حصہ اب تقویمِ پارینہ ہے ، لیکن اسلامی فلسفے کا مورخ اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا ۔

سیالکوٹ میں اُن کی مسجد اور تالاب اب تک ان کی یادگار ہیں ، ان کا مزار جو تالاب کے قریب واقع ہے ، نہایت کس مپرسی کی حالت میں اہلِ سیالکوٹ کی بے حسی اور مردہ دلی کا گلہ گزار ہے ۔

منشی محمد دین صاحب فوق نے جن کی تاریخی کرید مشہور ہے ، مولانا مرحوم کے حالات زندگی لکھ کر ملک اور قوم پر بہت بڑا احسان کیا ہے ، مجھے اُمید ہے کہ اُن کی یہ تصنیف نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائے گی ۔

اس رسالے میں ضمناً سیالکوٹ شہر کے تاریخی حالات ہیں ، جو نہایت تجسس اور تلاش سے فراہم کئے گئے ہیں اہلِ سیالکوٹ کو ان حالات سے بالخصوص دلچسپی ہو گی[1]

(مقالات اقبال ، ص ۲۱۰)

حالات :

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے حالات اجمالاً خود علامہ اقبال نے منشی محمد دین فوق کی کتاب سوانح علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی پر تبصرہ کرتے ہوئے مندرجہ بالا اقتباس میں دے دئے ہیں ۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے حالات قلم بند کرتے ہوئے لکھا کہ

۱- مقالات اقبال (سید عبدالواحد معینی) ، ص ۲۱۰ - مضمون ۳۱ دسمبر ۱۹۲۳ء -

Marfat.com

شیخ الاسام ، علامہ کبیر شیخ عبدالحکیم بن شمس الدین ، ہندوستان کے مشاہیر علماء میں شمار ہوتے ہیں ، آفاق کے علماء آن کے علم و فضل پر متفق ہیں اور آن کی تصانیف کا لوہا مانتے ہیں ، وہ پنجاب کے شہر سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ، اور شیخ کمال الدین کشمیری سے تعلیم حاصل کی ، شیخ کمال الدین ترکِ وطن کرکے سیالکوٹ آئے تھے ، سیالکوٹ میں انھوں نے مسند درس و تدریس کو زینت بخشی ، اور گلشن پنجاب میں علم و فضل کی آبیاری کی ، نواب سعد اللہ خان وزیر اعظم ہندوستان ، حضرت مجدد الف ثانی اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی آن کے ارشد تلامذہ میں ہیں ۔

شیخ محمد بن فضل اللہ نے خلاصتہ العصر میں لکھا ہے کہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی اکابر علماء میں تھے ، مستقیم العقیدہ ، صحیح الطریقہ ، حق پر جمے ہوئے تھے ، انھوں نے شاہجہان کے دربار میں غیر معمولی رسوخ حاصل کیا ، اور علماءِ ہند میں آن کے زمانے میں جو مرتبہ اور عظمت انھوں نے حاصل کی کوئی دوسرا وہ مرتبہ اور شان حاصل نہ کر سکا انھوں نے متعدد کتابیں لکھیں ۔

محمد صالح نے اپنی کتاب عمل صالح میں لکھا کہ وہ اکابر اساتذہ میں تھے اور آن کے ہمعصروں میں علم کی فراوانی اور کثرت درس میں کوئی ان کا ہمسر نہ ہو سکا ، ساٹھ سال تک وہ مسند درس و تدریس کی زینت رہے ، ان کی تصانیف میں حاشیہ تفسیر بیضاوی ، حاشیہ مطول حاشیہ مقدمات اربعہ تلویح ، حاشیہ شرح مواقف ، حاشیہ شرح عقائد تفتازانی شرح شمسیہ ، حاشیہ سید شریف ، حاشیہ شرح کافیہ ، حاشیہ عبدالغفور لاری حاشیہ سراح الارواح ، دارالثمینہ فی اثباتِ علم الواجب ، حاشیہ شرح حکمت العین ، حاشیہ شرح ہدایت الحکمتہ اور حاشیہ خیالی جس کی نسبت حسب ذیل شعر مشہور ہے :

خیالاتِ خیالی بس عظیم است
برائے حلِّ او عبدالحکیم است

Marfat.com

رود کوثر میں ہے کہ

حافظ عبدالرحمان امرتسری اپنے سفر نامے میں ملا عبدالحکیم کی نسبت لکھتے ہیں

عراق ، شام اور استنبول کی درسگاہوں میں مجھے آپ (ملا عبدالحکیم) کی تصانیف داخل درس دیکھنے کا موقع ملا —— ہندوستان سے باہر بلاد اسلامیہ میں علمی حیثیت سے جو شہرت مولوی عبدالحکیم صاحب کو حاصل ہوئی ، آسے کوئی ہندوستانی مصنف حاصل نہیں کر سکا ۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کا شاہجہان کی نظر میں قدر و منزلت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی قدر افزائیوں کی بدولت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کو دو مرتبہ شاہجہان نے چاندی سے تلوایا اور ہر مرتبہ اُن کا وزن چھ چھ ہزار روپے کے برابر ہوا ، دونوں مرتبہ وہ کل رقم شاہجہان نے علامہ عبدالحکیم کو دے دی ، اس کے علاوہ کئی دیہات دئے ، تاکہ مولانا مطمئن ہو کر درس و تدریس ، تالیف و تصنیف میں مشغول رہیں ۔

وفات :

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے ۱۸ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ (۱۶۵۶ع) میں سیالکوٹ میں وفات پائی[1]

۱- علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کے تمام حالات ، نزہۃ الخواطر ، جلد ۶ ص ۲۱۰ و ۲۱۱ - رود کوثر ص ۳۳۴ تا ۳۳۶ - تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ، ص ۲۸۰ و ۲۸۱ سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

(۴)

قاضی محب اللہ بہاری

علامہ اقبال کا تاثر :

علی ہذا القیاس مولانا شاہ اسماعیل شہید کی طبقات ، قاضی
محب اللہ کی جوہر الفرد اور حافظ امان اللہ بنارسی کی
تمام تصانیف کہاں سے دستیاب ہوں گی ۔

(مکتوب ۔ علامہ اقبال ۔ بنام مولانا سید سلیمان ندوی
اقبال نامہ ، حصہ اول ، ص ۱۲۲)

حالات :

قاضی محب اللہ بہاری ہندوستان کے ان جلیل القدر علماء میں ہیں کہ جن کی گراں قدر تصنیف الجواہر الفرد (بیان جزء لایتجزی) علامہ اقبال جیسے حکیم شاعر کا مرکز توجہ بنی ، اور اس کی طلب کے لئے مولانا سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ کو لکھا ۔

صاحبِ نزھۃ الخواطر نے قاضی صاحب کے علم و فضل کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ شیخ عالم کبیر علامہ محب اللہ بن عبدالشکور عالم کے اذکیا میں مشہور ہیں ۔ وہ کڑہ میں پیدا ہوئے جو محب علی پور سرزمین بہار میں واقع ہے ، وہ قبیلۂ ملک سے تعلق رکھتے تھے ، قاضی محب اللہ نے بعض کتابیں شیخ قطب الدین بن عبدالحلیم انصاری سہالوی سے پڑھی تھیں اور اکثر کتابیں علامہ قطب الدین حسینی شمس آبادی سے پڑھی تھیں ، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد عالمگیر کے لشکر کے ساتھ

Marfat.com

دکن چلے گئے ، عالمگیر نے اُن کو لکھنؤ کا قاضی بنا کر بھیج دیا ، پھر ان کو حیدر آباد کا قاضی بنایا ، اس کے بعد اُن کو قضا کے عہدے سے علیحدہ کرکے شاہ عالم کے بیٹے رفیع القدر کی معلمی پر فائز کیا ، جب شاہ عالم بادشاہ ہوا تو اس نے ان کو ممالک ہند کی صدارت اور فاضل خان کے خطاب سے سرفراز کیا ۔

وفات :

قاضی محب اللہ نے کئی تصانیف چھوڑیں ، جنھوں نے ان کو ہندوستان کی علمی تاریخ میں غیر معمولی مقبولیت و شہرت بخشی ۔

قاضی محب اللہ ۱۱۱۹ھ (۸ - ۱۷۰۷ء) میں وفات پائی اور احاطہ مزار شاہ فرید الدین طویلہ بخش محلہ چاند پور ، شہر بہار میں مدفون ہوئے ۔

تصانیف :

مختلف علوم و فنون پر قاضی صاحب نے متعدد کتابیں لکھیں جو آج بھی اُن کے نام کو آفتاب عالمتاب بنائے ہوئے ہیں ، قاضی صاحب کی تصانیف کے نام یہ ہیں ۔

منطق میں سلم العلوم ، اصولِ فقہ میں مسلم الثبوت ، الجوہر الفرد (بیان جز لایتجزی) فلسفہ ، یہ تینوں کتابیں ہندوستان کے مدارس عربی کے نصاب میں شامل ہیں ، اس کے علاوہ ان کا ایک رسالہ مغالطہ عامة الورود کے نام سے ہے ۔[1]

۱- نزهة الخواطر ، جلد ٦ ، ص ۲۵۰ - ۲۵۲ ، تذکرہ علمائے ہند (اُردو ترجمہ) ص ۳۰۵ و ۳۰٦

Marfat.com

(۵)

حافظ امان اللہ بنارسی

علامہ اقبال کا تاثر :

مولانا حکیم برکات احمد صاحب بہاری ثم ٹونکی کا رسالہ " تحقیق زماں " مطبوعہ ہے یا قلمی ، اگر قلمی ہے تو کہاں سے عاریۃً ملے گا ؟ علی ہذا القیاس مولانا شاہ اسماعیل شہید کی عبقات ، قاضی محب اللہ کی جوہر الفرد ، اور حافظ امان اللہ بنارسی کی تصانیف کہاں سے دستیاب ہوں گی -

(مکتوب اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی
اقبال نامہ ، حصہ اول ، ص ۱۲۲)

حالات :

حافظ امان اللہ بنارسی کے تبحر علمی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ اُن کی کتابوں کے متلاشی تھے -

اس یگانہ روزگار عالم کا اسم گرامی امان اللہ بن نور اللہ بن حسین ہے - وطن مالوف بنارس تھا ، علم فقہ و اصول فقہ اور علم کلام میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے ، حافظ قرآن مجید تھے اور علوم عقلیہ و منقولہ میں اپنے عہد میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے ، ان کے جوہر قابل کو جن اساتذہ نے نکھارا اور سنوارا اُن میں شیخ محمد ماہ دیوگامی ، شیخ

Marfat.com

قطب‌الدین حسینی شمس آبادی[1] اور مُلا قطب الدین سہالوی[2] مشہور ہیں ، اُن کے علم و فضل نے ان کو اس مرتبے پر پہنچایا کہ وہ عالمگیر کے عہدِ سلطنت میں لکھنؤ کے عہدۂ صدارت پر فائز ہوئے ، اس زمانے میں قاضی محب اللہ بن عبدالشکور بہاری صاحبِ سلّم و مسلّم قاضی تھے ، دونوں میں بہت سے علمی مباحث ہوئے ، حافظ امان اللہ نے اپنے وطن بنارس میں ایک درس گاہ بھی قائم کی تھی ۔

بیعت :

وہ آخر عمر میں شاہ خوب اللہ الہ آبادی[3] کے دست حق پرست پر سلسلۂ نقشبندیہ میں مرید ہوئے ۔

وفات :

حافظ امان اللہ بنارسی نے ۱۱۳۳ھ (۲۱ - ۱۷۲۰ع) میں بنارس میں وفات پائی ۔

۱- **شیخ قطب الدین حسینی شمس آبادی :** امیٹھی کے سادات سے تھے ، اور قصبہ شمس آباد نواح قنوج میں آ کر آباد ہوگئے تھے ، تمام عمر شمس آباد میں درس و تدریس میں مشغول رہے ، ستر سال کی عمر میں ۱۱۲۱ھ (۱۰ - ۱۷۰۹) وفات پائی ، (تذکرہ علمائے ہند اُردو ترجمہ) ص ۳۹۱

۲- **مُلا قطب الدین سہالوی :** ۱۱۰۳ھ (۹۲ - ۱۶۹۱ع) تذکرہ (علمائے ہند ، اُردو ترجمہ) ص ۳۹۰

۳- **شاہ خوب اللہ الہ آبادی :** اصل نام محمد یحیٰی تھا ، شیخ محمد افضل کے بھتیجے ، داماد اور خلیفہ تھے ، علوم ظاہر و باطنی کے جامع تھے ، اپنے مرشد سے تعلیم و تربیت کے بعد مسندِ سجادگی کو زینت بخشی ، ان کی تصانیف میں القول الصحیح فی صلواۃ التسبیح ، الکلام فیما یتعلق لمفید بالشیخ و المرید ، خلاصۃ الاعمال ، وفیات الاعلام اور اُن کے مکتوبات مشہور ہیں ۔ شاہ خوب اللہ نے ۱۱۴۴ھ (۱۷۳۱ع) میں وفات پائی ۔ تذکرہ علمائے ہند ، (اُردو ترجمہ) ، ص ۱۸۳

Marfat.com

تصانیف :

حافظ امان اللہ بنارسی کی تصانیف میں المفسر، اصول فقہ میں محکم الاصول، تفسیر بیضاوی کا حاشیہ، العضدی کی شرح، تلویح، حاشیہ قدیمہ، شرح مواقف، شرح عقائد دوانی، شرح رشیدیہ (شیخ محمد رشید جونپوری) محاکمہ (مسئلہ حدوث دہری پر سید محمد باقر داماد حسینی صاحبِ افق المبین اور علامہ محمود بن محمد جونپوری صاحب شمس بازغہ کے درمیان) اور شیخ محب اللہ الہ آبادی کی تسویہ کی شرح ۔ آن کی یہ تمام تصانیف آن کے نام کو ثبت دوام بخشے ہوئے ہیں[۱]۔

۱- حافظ امان اللہ بنارسی کے یہ حالات نزہۃ الخواطر، جلد ۶، ص ۳۹ و تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۱۱۹ سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

(٦)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رح

علامہ اقبال کا تاثر :

الکلام (یعنی علم کلام جدید) کے صفحہ ۱۱۴-۱۱۳ پر مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۲۳ کا ایک فقرہ عربی میں نقل کیا ہے ، جس کے مفہوم کا خلاصہ انھوں نے اپنے الفاظ میں بھی دیا ہے ، اس عربی کے فقرے کے آخری حصے کا ترجمہ یہ ہے -

" اس بناء پر اس سے بہتر اور آسان طریقہ کوئی نہیں کہ شعار تعزیرات اور انتظامات میں خاص اس قوم کے عادات کا لحاظ کیا جائے - جن میں یہ امام پیدا ہوا ہے ، اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کی جائے " -

مہربانی کرکے یہ فرمائیے کہ مندرجہ بالا فقرے میں لفظ شعار سے کیا مراد ہے اور اس کے تحت کون کون سے مراسم یا دستور آتے ہیں اس لفظ کی مفصل تشریح مطلوب ہے -

(مکتوب علامہ اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی)
(اقبال نامہ حصہ اول ، ص ۱۶۱ و ۱۶۲)

کیا کسی جگہ حضرت شاہ ولی اللہ نے حجتہ اللہ البالغہ

Marfat.com

میں شعائر کی یہ تشریح کی ہے جو آپ نے کی ہے دیگر عرض یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اِسی فقرے میں لفظ ارتفاقات[1] استعمال کیا ہے ، مولانا شبلی نے ایک جگہ اس کا ترجمہ انتظامات اور دوسری جگہ مسلمات کیا ہے ، اردو ترجمے سے یہ نہیں کھلتا کہ اصل مقصود کیا ہے ۔ کل سیالکوٹ میں حجتہ اللہ البالغہ نظر سے گزری ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے ارتفاقات کی چار قسمیں لکھی ہیں ، ان چار قسموں میں تمدنی امور مثلاً نکاح ، طلاق وغیرہ کے مسائل بھی آ جاتے ہیں ، کیا شاہ صاحب کے خیال میں اِن معاملات میں بھی سخت گیری نہیں کی جاتی ، میرا مقصد صرف شاہ صاحب کا مقصد سمجھنا ہے ، مہربانی فرما کر اسے واضح فرمائیے ۔

مکتوب علامہ اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی
(اقبال نامہ حصہ اول ، ص ۱۶۲ و ۱۶۳)

میں نے سنا ہے کہ شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی بدور البازغہ چھپ چکی ہے ، مہربانی کرکے اس کا ایک نسخہ وی - پی مجھے ارسال فرمائیے ۔

مکتوب علامہ اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی
(اقبال نامہ حصہ اول ، ص ۱۹۷)

اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کو اِس برصغیر پاک و ہند کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے ، یہی وہ دور ہے جب سلطنتِ مغلیہ کا آفتاب غروب ہو رہا تھا ، طاغوتی طاقتیں اِس برصغیر میں آبھر رہی تھیں ،

۱- ارتفاقات : شاہ ولی اللہ صاحب نے حجتہ اللہ البالغہ اور البدور البازغہ میں ارتفاقات کے عنوان سے بہت مفصل بحث کی ہے ، ارتفاقات کے معنی (مفاداتِ عامہ) کے ہیں ، ارتفاقات کا یہ ترجمہ مولانا محمد میاں نے اپنی کتاب علماء ہند کا شاندار ماضی ، جلد ۳ ، ص ۱۱ پر کیا ہے ۔

Marfat.com

مسلمانوں کی سیاست ، تمدن و معاشرت کا شیرازہ بکھر رہا تھا ۔

اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ نے غیر منقسم ہندوستان کے سیاسی حالات کو جس قدر منظم و مستحکم کیا تھا اسی قدر ان کے تنگ نظر اور خود غرض جانشینوں نے اس سیاسی نظام کو متزلزل کر دیا تھا ، یہ ایک طرف تو تخت نشینی کے لئے ایک دوسرے سے دست و گریبان تھے ، دوسری طرف انھوں نے تلوار سے رشتہ توڑ کر طاؤس و رباب سے اپنا رشتہ جوڑا تھا ، نتیجہ یہ تھا کہ ملک کے ہر گوشے میں بغاوتوں نے سر ابھارا ، قتل و غارت گری عام ہوئی ، اور زوال و انحطاط کی منزلیں جلد سے جلد طے ہونے لگیں ، ان کے امرا نے فرمانرواؤں کی عیش پرستی سے فائدہ اٹھا کر ایک مضبوط ، متحد اور مستحکم سیاست کو اپنے مفاد کے لئے گروہ بندی میں بدلا ، جس کا حشر یہ ہوا کہ مرکزی حکومت کو کمزور پا کر صوبائی حکومتوں نے پر پرزے نکالے ، سعادت علی خاں نے اودھ میں ، علی وردی خاں نے بنگال میں اور نظام الملک نے دکن میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا ، جوں ہی ملک کی وحدت پارہ پارہ ہوئی تو جاگیر داری اور اجارہ داری کے نظام نے زور پکڑا ، بڑے بڑے جاگیردار ایک طرف تو حکومت کا ٹیکس ادا نہ کرتے تھے ، دوسری طرف کاشتکاروں کا خون چوستے تھے ، اس طرح عوام پریشان اور سارا ملک اقتصادی بدحالی میں مبتلا تھا ، اقتدار کے بھوکوں اور عیش و عشرت کے متوالوں نے جب مرکزی وحدت کو ٹکڑے ٹکڑے کیا تو پہلے بیرونی اور اندرونی فتنوں نے سر اٹھایا ، ۱۷۳۹ء میں نادر شاہ نے حملہ کیا ۔ سکھوں ، مرہٹوں اور جاٹوں نے جو اندرون تخریب پسند قوتیں تھیں سر ابھارا ، ان تینوں کی ہنگامہ آرائی نے غیر منقسم ہندوستان کی زندگی کو ایک عذاب بنا دیا ۔ ادھر اقتصادی نظام کو تباہ کرنے کے لئے انگریزوں نے سب سے پہلے بنگال پر قبضہ جمایا ، جو اس وقت ملک کی اقتصادی شہہ رگ تھا ۔ دوسری طرف بادشاہوں کی عیش پسندی اور اسراف بیجا نے خزانے خالی کر دئے ۔ جہاں دار شاہ کی محبوبہ لعل کنور پر دو کروڑ روپے سالانہ خرچ ہوتے تھے ، فرخ سیر تخت پر بیٹھا تو اپنے ساتھ گھوڑوں کا شوق لے کر آیا ، اس کے اصطبل میں ہزاروں گھوڑے تھان پر کھڑے دانہ کھاتے تھے ،

Marfat.com

اور ہزاروں روپے اُن پر صرف ہوتے تھے، نادر شاہ نے غیر منقسم ہندوستان کی اقتصادی بدحالی پر ایک اور ضرب کاری لگائی ، اور ستر کروڑ روپے سے زیادہ ہندوستان سے لے گیا ۔ اِس طرح اُس نے ہندوستان کی رہی سہی اقتصادیات کی کمر توڑ دی ، مذہب و اخلاق کا قوام بگڑ چکا تھا ۔ جہاندار شاہ جو ۱۷۱۳ع میں تخت نشین ہوا ، اُس نے حکومت کی باگ ڈور اپنی محبوبہ لعل کنور کے حوالے کر دی ، وہ سیاہ و سپید کی مالک تھی ایک دن اِس عورت نے کہا کہ میں نے ڈوبتی کشتی میں انسانوں کی کیا حالت ہوتی ہے ، کبھی نہیں دیکھی ، بادشاہ کا حکم ہوا کہ اِس کی یہ خواہش پوری کی جائے ، فرخ سیر نمود و انمود کے جھوٹے نبوت کے دعوے کے چکر میں پڑ گیا ، اور بادشاہ کی اِس دلچسپی کی وجہ سے دین میں مفاسد کو بڑی تقویت ملی ۔ محمد شاہ پر افیون کا چسکا سوار تھا ، رات دن عیش و عشرت میں غرق رہتا ، وہ اپنے دور حکومت میں کبھی محل سے باہر نہیں نکلا ، اس کے جانشین احمد شاہ کی عیش پرستی کی یہ کیفیت تھی کہ ایک میل تک اُس کا لمبا محل تھا ، عورتوں کے ساتھ اختلاط میں غرق رہتا تھا ۔

اس زمانے کے صوفیائے خام اور علماءِ سوء بھی گمراہیوں میں مبتلا تھے ، اور کسی نہ کسی طرح اِن کے آمرا کے درباروں سے منسلک ہو کر اُس دور کی سیاست میں اِن آمرا کے مزاج کے مطابق حصہ لے رہے تھے ، صوفیائے خام نے اسلامی تصوف کے سرچشموں کو گدلا کر دیا تھا ۔

حضرت شاہ ولی اللہ :

یہ تھا وہ تاریک ماحول جس میں حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے آنکھیں کھولیں ، انھوں نے دیکھا کہ مسلم معاشرے کو ناسازگار حالات نے نا امیدی حزن و یاس کے دلدل میں پھنسا کر اُن سے ان کی قوت عمل چھین لی ہے ، یہاں تک کہ اب وہ موت کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں دیکھتے ، حضرت شاہ ولی اللہ نے سب سے پہلے مسلم معاشرے کے حوصلے کی گرتی ہوئی دیوار کو سنبھالا ، حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعات شہادت اور مصائب بیان کرکے ، اُن کے عزم کو نئی توانائی بخشی ، اُن

Marfat.com

کے شکست خوردہ حوصلوں کو بلند کیا ، ان کی مایوسی کو دور کیا ، اور از سر نو پوری قوم میں جذبۂ عمل کو بیدار کیا ۔ ساتھ ہی آپ نے اصلاحی نظریات مرتب کئے ، ساتھ ساتھ ٹریننگ سنٹر قائم کئے ، آپ نے فیصلہ کیا کہ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ایک ایسا ہمہ گیر اور مکمل انقلاب لانا چاہئے ، جو سماج کے معاشی ، سیاسی ، اقتصادی غرض ہر ایک ڈھانچے کو بدل ڈالے کوئی اصلاح اس کے بغیر ممکن نہیں کہ نظام کہنہ کو منہدم کرکے اس کی جگہ نظام نو تعمیر کیا جائے ۔

تمام خرابیوں کی بنیاد اقتصادی بدحالی ہے :

اِس کے بعد شاہ صاحب نے محسوس کیا کہ تمام خرابیوں کا سرچشمہ اقتصادی بدحالی ہے ، انھوں نے اپنے اصلاحی نظریات میں سب سے زیادہ اقتصادی بدحالی کو دور کرنے ، اور اُن تمام عوامل و محرکات کے روکنے کی کوشش کی ہے ، جن کی کوکھ سے اقتصادی بدحالی جنم لیتی ہے ۔

انھوں نے حجتہ اللہ البالغہ ، البدور البازغہ اور الخیر الکثیر میں اقتصادی اصولوں پر روشنی ڈالتے ہوئے جو تحریر فرمایا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے ۔

شاہ صاحب نے سب سے پہلے اقتصادیات کی بنیاد محنت کو قرار دیا ہے کہ کسی قوم اور ملک کی خوش حالی کا مدار اُس ملک کے رہنے والوں کی محنت پر ہے ، یعنی جس قدر وہ محنت کریں گے ، ان پر خوش حالی کے دروازے کھلیں گے[۱] ۔

پھر شاہ صاحب نے مزدور اور کاشتکار کو اصل کمانے کی قوت قرار دیا ہے ، پھر انھوں نے فرمایا کہ اقتصادیات کے فروغ و ترقی میں باہمی تعاون اور مدنیت کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔

۱۔ علماء ہند کا شاندار ماضی ، جلد ۲ ، ص ۸ ۔ بحوالہ حجتہ اللہ البالغہ ، باب سیاست المدینہ البدور البازغہ ، مبحث الارتفاق ، الخیر الکثیر ۔

Marfat.com

کاہل اور بے عمل انسانوں کا قومی دولت میں کوئی حصہ نہیں :

حضرت شاہ صاحب نے واضح طور پر لکھا کہ جب تک کوئی شخص ملک اور قوم کے لئے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں[1] ، حضرت شاہ صاحب نے اِس امر کو بھی واضح کیا ہے کہ آن کے نظام اصلاحی میں یہ ضروری ہے کہ جوے ، سٹے اور عیاشی کے اڈے ختم کئے جائیں کہ یہ وہ عفونت کے سنڈاس ہیں کہ جن کی موجودگی میں تقسیم دولت کا صحیح توازن قائم نہیں ہو سکتا ، یہ اڈے قومی دولت میں اضافہ نہیں کرتے ، بلکہ ان سے عظیم نقصان یہ پہنچتا ہے کہ دولت ایک طبقے کے پاس سمٹ آتی ہے[2] -

حضرت شاہ صاحب نے مزدوروں ، کاشتکاروں اور ان لوگوں کو جو ملک اور ملت کے لئے دماغی کام کرتے ہیں قومی دولت کا اصل مستحق قرار دیا ہے -

مزدوروں کے لئے کام کے اوقات :

حضرت شاہ صاحب اپنے اصلاحی نظام میں مزدوروں کے اوقات کار مقرر کرنے پر بہت زور دیتے ہیں ، ان کا ارشاد ہے کہ مزدوروں کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہئے کہ وہ اپنی اخلاق اور روحانی اصلاح کر سکیں ، اور آن میں مستقبل کے متعلق غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو سکے - جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے ، مزدوروں اور کاشتکاروں پر بھاری ٹیکس لگائے ، قوم کا دشمن ہے ، ضرورت مند مزدور کی رضا مندی قابلِ اعتبار نہیں جب تک کہ اس کی محنت کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جو امداد

۱- علماء ہند کا شاندار ماضی ، جلد ۲ : ص ۸ بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ ، باب سیاست المدینہ البدور البازغہ - مبحث الارتفاق - الخیر الکثیر

۲- علماء ہند کا شاندار ماضی ، جلد ۲ ، ص ۸ - بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ ، باب ابتغاء الرزق -

Marfat.com

باہمی کے اصول پر لازم ہوتی ہے ۔

تعاون باہمی کا بڑا ذریعہ تجارت ہے :

شاہ صاحب کے نزدیک تعاون باہمی کا بڑا ذریعہ تجارت ہے ، وہ تجارت کی بنیاد کو باہمی تعاون کے اصولوں پر رکھتے ہیں ، اور اپنے اصلاحی نظام میں تاجروں کو اس کا پابند بناتے ہیں کہ وہ بلیک مارکٹنگ ذخیرہ اندوزی یا ایسے اعمال و افعال سے جو دیانت اور راست بازی کے خلاف ہوں سختی سے احتراز کریں ۔ ایسے ہی حکومت کے لئے درست نہیں کہ بھاری ٹیکس لگا کر تجارت کے فروغ و ترقی میں رکاوٹ پیدا کرے یا رخنہ ڈالے ۔

ایسے تمام کاروبار جو دولت کی گردش کو روک دیں ، ممنوع ہیں :

شاہ صاحب نے اپنے اصلاحی نظام میں ایسے تمام کاروبار کو جو دولت کی گردش کو روک دے ، یا دولت کی گردش کو کسی طبقے میں محصور کر دے ملک کے لئے تباہ کن بتایا ہے ۔

اس صورت حال کی لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تمام دولت سمٹ کر چند افراد کے ساتھ مخصوص ہو گئی ۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ

> اقتصادی عدم توازن اور طبقۂ اعلی کی شان و شوکت اور عیش پرستی نے ایک تیسرا طبقہ پیدا کیا ، یہ تن آسان ، آرام طلب ، سرکار پرست خوشامدیوں کا طبقہ تھا ، جو بادشاہ اور شاہ پرستوں کے گرد جمع ہوگیا تھا اور مختلف عنوانات سے رقمیں وصول کرتا رہتا تھا ان میں سے بہت سے صاحبِ فن اور اہلِ علم بھی ہوتے تھے ، وہ فن اور علم کے نام پر روپیہ وصول کرتے تھے ، مگر ان کا مطمح نظر ملک کی خدمت نہیں بلکہ اپنی ذاتی اغراض ، ذاتی جاہ و جلال اور ذاتی اقتدار ان کی جد و جہد کا نصب العین تھا کوئی اس نام سے روپیہ وصول کرتا تھا کہ وہ فن سپہ گری کا ماہر ہے ، بہترین

Marfat.com

جنریل یا کمانڈر ہے ۔ کوئی اپنے علم و ہنر اور اپنی سیاست دانی کے نام پر روپیہ وصول کرتا تھا ۔ خانقاہ نشینوں کی ایک جماعت تھی جو تقدس کے نام پر وظیفے حاصل کرتی تھی ، ایک جماعت فنون لطیفہ و ادب اور شاعری کے نام پر رقمیں اینٹھتی تھی کہ شان خسروانہ یہی ہے کہ فنون لطیفہ کے ماہرین کی قدر کرتے ہیں ۔

بادشاہ یا اُمرا کو خوش کرنا ، خوش گپیوں سے گرمیء مجلس پیدا کرنا ایک فن قرار دے دیا گیا تھا اور اِس فن کے ماہرین طرح طرح کے ڈھونگ رچا کر آنے لگے تھے ، شاہانہ آداب ، درباری آداب ایک خاص فن بن گیا . . . یہ تمام جماعتیں جن کو لازمۂ تمدن مان لیا گیا تھا در حقیقت مفت خوروں کے گروہ تھے ، جو ملک اور قوم کی خدمت کے بجائے اپنی تمام صلاحیتیں مٹھی بھر شاہ پرستوں کی اغراض اور اُن کی خوش نودی کے لیے صرف کرتے تھے ، اور ملک کے مزدور اور کسانوں پر بار بنتے جا رہے تھے ، اس طرح خدا کی تمام مخلوق دن بدن افلاس ، فلاکت ، تباہ حالی میں مبتلا ہوکر روحانی فلاح و بہبود سے بھی محروم ہو رہی تھی ، یہاں تک کہ پورے ملک میں بھی کوئی شخص ایسا نہیں ملتا تھا ، جس کو عاقبت کی فکر ہو ، اللہ تعالیٰ جو تمام مخلوق کا پروردگار ہے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ روحانی اصلاحات کے ساتھ اقتصادی تباہ حالی بھی ختم فرمائیں اور معشیت کے لیے اصول تلقین فرمائیں ، جن سے اقتصادی امراض کے مسموم جراثیم کا قلع قمع ہو جائے [1] ۔

---

[1] ۔ علماء ہند کا شاندار ماضی ، جلد : ۲ ، ص ، ۱۷ تا ۲۰ بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ، باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم ۔

Marfat.com

حضرت شاہ صاحب اس طرز معاشرت کو جو امیر و غریب میں امتیاز پیدا کرتا ہے ، اور اُن تمام رسوم و تکلفات کو جو دولت مندوں کے دلوں میں غرور پیدا کرتا ہے ، اور غریبوں کے دلوں میں حرص و آز کی آگ روشن کرتا ہے ، جو اُن کو دولت مند بننے کی فکر میں چوری ، خیانت ، استحصال بالجبر اور عصمت فروشی پر امادہ کرتے ہیں ، ان تمام مفاسد کو اقتصادی بد حالی کا سرچشمہ قرار دیتے ہیں ، اُن کا خیال ہے کہ اِس سے سرمایہ داری کی جڑیں مضبوط اور غریب اور حریص لوگوں میں ارتکاب جرائم کا رجحان بڑھتا ہے ، وہ ایسے ایک طبقے کی خوش حالی کو معاشرے کے لیے بد ترین جرم قرار دیتے ہیں ۔

شاہ صاحب کی اصلاحی تحریک میں نظامِ حکومت کے بنیادی اصول :

حضرت شاہ صاحب اسلامی نظامِ حکومت کی بنیاد اِس اصول پر رکھتے ہیں کہ زمین کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے ، اور ظاہری انتظام کے لحاظ سے حکومت ہے ۔ سارے انسان حقوق (انسانیت) میں برابر ہیں ۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے آپ کو مالکِ مُلک ، مُلِیکُ النّاس یا انسانوں کی گردنوں کا مالک تصور کرے ۔ غذا ، لباس اور مکان ، اور اتنی استطاعت کہ وہ نکاح کر سکے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کر سکے بلا لحاظ مذہب و نسل ہر ایک انسان کا پیدائشی حق ہے[1] ۔

بغیر امتیاز مذہب و نسل یا رنگ بغیر کسی تفاوت کے عام باشندگانِ ملک کے معاملات ہیں یکسانیت کے ساتھ عدل و انصاف میں برابر ہوں گے ، ان کے جان و مال کی حفاظت ، حقِ ملکیت میں آزادی ، حقوق شہریت میں یکسانیت ملک کے ہر باشندے کا بنیادی حق ہے ۔ اِسی طرح زبان اور تہذیب زندہ رکھنا ہر ایک فرقے کا بنیادی حق ہے[۲] ۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے زندگی کے ہر گوشے پر گہری

۱- علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد ۲ ، ص ۱۰ ، تا ۱۱ بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ و البدو رالبازعہ ۔

۲- ایضاً ، ص ۱۱ ۔

Marfat.com

نظر ڈالی تھی، اور انھوں نے بچشم خود اُن تباہیوں کو دیکھا تھا ، جو اِس برصغیر کے مسلم معاشرے پر نازل ہو رہی تھیں اور اُن کے اسباب و علل کو معلوم کر کے اپنی سیاسی اور اصلاحی تحریک مرتب کی تھی جس کا مقصد ہر شعبہ' زندگی میں انقلاب پیدا کرنا تھا ، وہ اپنی تحریک کے ذریعہ سے ایک ایسا ہمہ گیر انقلاب لانا چاہتے تھے کہ جس سے اسلامی تعلیمات کو ذہن اور عمل میں استحکام حاصل ہو ، جس سے اخلاقی قدریں بلند ہوں ، اور جس سے معاشرے کے معاشی ، اقتصادی اور سیاسی بگڑے ہوئے حالات درست ہوں ، وہ اِس بلند نصب العین کے لیے ایسے مجاہدین کو تیار کرنا چاہتے تھے - جو اس مقصد کے لیے قربان ہونے کو حیات جاودانی تصور کریں -

اقتصادی حالات کا روحانی اصلاحات پر اثر :

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اِس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لیے کہ کامیاب اقتصادی حالات کا روحانی اصلاحات پر کیا خوش گوار اثر پڑتا ہے ایک مثال کے ذریعہ سے اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ

> ایک ایسی قوم فرض کرو ، جس میں ملوکیت نہ ہو شاہانہ شان و شوکت اور عیش پرستی کے لوازمات سے محفوظ ہو ، ہر شخص اقتصادی طور پر آزاد ہو اور ٹیکسوں کے بوجھ سے اس کی کمر دبری نہ ہوئی ہو ، ایسی قوم کو یہ فراغت میسر ہوگی کہ وہ دین و ملت کے کام انجام دے سکے ، اخلاق اور روحانی ترقی حاصل کر سکے ، لیکن اگر اس قوم کی گردن پر ملوکیت ، شاہ پرستی اور سرمائے کا بھوت سوار ہو جائے تو اس کے ہوش و حواس گم ہو جائیں گے اور وہ انسانی شرف و عظمت سے گر کر چوپاؤں کی زندگی پر مجبور ہو جائے گی ، جن کو رات دن پیٹ کا فکر رہتا ہے اور پھر بھی

Marfat.com

یہ جہنم بھرنے نہیں پاتا[1] ۔

حضرت شاہ ولی اللہ اس شاہانہ نظام زندگی کو جس میں چند افراد یا چند خاندانوں کی عیش و عشرت کا سامان ہو ، اور دولت کی صحیح تقسیم رک جائے ، وہ ایسے نظام کو باطل قرار دیتے ہوئے حکومت پر لازم ٹھہراتے ہیں کہ وہ اس نظام کو جلد از جلد ختم کرکے عوام کی مصیبت کو ختم کرے ۔

اقتصادی اصلاح ، روحانی کمالات کی سب سے پہلی سیڑھی ہے :

حضرت شاہ صاحب کا خیال ہے کہ وہ تباہی اور بد حالی جو مذہبی نقطۂ نظر سے معاشرے میں پائی جاتی ہے اس کا سب سے بڑا سبب اقتصادی بحران ہے ۔ وہ اپنے زمانے کے ہندوستان کی اقتصادی تباہ حالی کے اصل علل و اسباب کو بیان کرتے ہوئے اپنی مشہور تصنیف حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں :

> دولت و ثروت کے ساتھ فلسفہ اور سائنس کی تحقیقات نے ایجادات کا راستہ کھولا اور نئی نئی صنعتیں رو نما ہوئیں . . . لیکن بد قسمتی سے اہل ثروت اور حکمران طبقے میں عیش و عشرت ، وجاہت اور اقتدار پرستی نے تفاخر کا مرض پیدا کیا ، ارباب حکومت اور اہل ثروت نے اس ٹھاٹ کو نبھانے کے لیے ہر ایک صاحب اقتدار اپنے ماتحت کو لوٹنے لگا ، زمیندار اور جاگیر دار کاشتکاروں کا خون چوسنے لگے ، اور جو مزدوروں پر اختیار رکھتے تھے ، انھوں نے غریب مزدوروں کو نوچنا شروع کر دیا ۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ارباب اقتدار کی تمام عملی اور فکری صلاحیتیں قومی دولت کی ترقی کے بجائے عیش و عشرت اور شاہانہ ٹھاٹ باٹ ،

۱۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی ۔ جلد : ۲ ، ص ، ۱۷ ، ۲۰ بحوالۂ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ۔ باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم ۔

Marfat.com

نفع اندوزی اور استحصال بالجبر پر صرف ہونے لگیں ،
اور ماتحت طبقہ اتنا گر گیا کہ ان کی زندگی کھیت جوتنے
والے اور بوجھ اٹھانے والے گدھوں گھوڑوں کے مانند
ہوگی[1] ۔

رفاہیت بالغہ :

حضرت شاہ صاحب ایک طبقے کی ایسی خوش حالی کو جو ان آلائشات سے مرصع ہو جس سے اقتصادی توازن بگڑ جائے ، "رفاہیت بالغہ" سے تعبیر کرتے ہیں اور سوسائٹی کے لیے اس کو بد ترین جرم اور اس کے خلاف جنگ کو مقدس جہاد قرار دیتے ہیں ۔ ان کی تصانیف "رفاہیت بالغہ" کی مذمت سے بھری ہوئی ہیں[2] ۔

ذرایع ابلاغ کی کمی :

حضرت شاہ صاحب کی زندگی میں ذرایع ابلاغ بہت کم تھے ۔ نہ پریس تھا ، نہ نیوز ایجنسیاں ، نہ اخبارات و رسائل ، صرف ابلاغ کا ذریعہ اگر کوئی تھا تو وہ کتابیں تھیں ۔ شاہ صاحب نے اپنے ان نظریات کو اپنی کتابوں میں منتقل کیا ہے ، جو ان کی وفات کے ڈیڑھ سو سال بعد طبع ہوئیں ۔

افسوس ہے کہ شاہ صاحب کی عمر نے وفا نہ کی کہ وہ اپنی تحریک کو عملی جامہ پہناتے ، لیکن ان کے دیے ہوئے خاکے میں جنہوں نے اپنے خون سے رنگ بھرا ، وہ حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمعیل شہید تھے ، جنہوں نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف علم بلند کر کے مسلمانوں کی عظمت ماضی کو واپس لانے کے لیے عظیم جد و جہد کی ۔ ٹھیک ایک سو سال بعد حضرت قائد اعظم؀ نے پاکستان کی صورت میں اس خواب کو عملی جامہ پہنایا جو حضرت شاہ ولی اللہ نے دیکھا تھا ۔ حضرت شاہ صاحب کے جانشینوں حضرت سید احمد شہید اور حضرت شاہ اسمعیل شہید کی برکت

۱۔ علماء ہند کا شاندار ماضی ، جلد : ۲ ، ص ۲۰۰ ، بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ جلد اول باب اقامۃ الارتفاقات و اصلاح الرسوم ۔
۲۔ ایضاً ، ص ، ۲۰۲ ۔

Marfat.com

یہ ہے کہ سکھوں اور انگریزوں سے جہاد کے لیے جہاں جہاں آن کے قدم گئے سکھ اور انگریز وہاں سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے ، صوبہ سندھ اور صوبہ سرحد میں تو آن کا نام و نشان باقی نہیں رہا ۔

ہم نے اِس کتاب میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے یہ نظریات علماء کے شاندار ماضی تصنیف مولانا محمد میاں ، جلد۲ ، ص ۱ - ۳۲ میں حضرت شاہ صاحب کے ان تمام نظریات کے حوالے شاہ صاحب کی کتابوں سے دئے ہیں ، تفصیل اگر مطلوب ہو تو اس کتاب کو دیکھیے ۔

حالات :

حضرت شاہ ولی اللہ کا اسم گرامی قطب الدین احمد ولی اللہ بن عبدالرحیم[1] بن وجیہ الدین حنفی نقشبندی محدث دہلوی ہے ، آپ چہار شنبہ کے دن طلوع آفتاب کے وقت ۴ شوال ۱۱۱۴ھ (۱۷۰۳ع) میں پیدا ہوئے ، آپ کے آباء و اجداد سید ناصر الدین شہید کی اولاد سے تھے ، جن کا مزار سونی پت میں زیارت گاہ خاص و عام ہے ، آپ کا سلسلہ نسب پدری حضرت عمر فاروق رض سے اور سلسلہ نسب مادری حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے جا ملتا ہے آپ کے والد شیخ عبدالرحیم دہلی کے سربرآوردہ مشائخ میں تھے ، جو علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے ، وہ فہیم ، بلند پایہ عالم اور صاحبدل صوفی تھے ۔

تعلیم :

اگرچہ بیٹا علمی اور دینی خدمات میں باپ سے بازی لے گیا ، لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بیٹے کی تعلیم و تربیت میں باپ کو بڑا دخل تھا ، انفاس العارفین میں ہے کہ شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم فقہ کی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری کی تصحیح میں بھی کچھ دن شریک رہے ۔

۱- شاہ عبدالرحیم : **ولادت** : ۱۰۵۴ھ (۱۶۴۴ع) **وفات** : ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ (۱۷۱۸ع) تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ، ص ، ۲۹۶ ۔

Marfat.com

اپنے والد محترم کے محامد و اوصاف کو بیان کرتے ہوئے حضرت شاہ ولی اللہ نے لکھا کہ

حضرت ایشان بااخلاق سلیمہ مرضیہ از شجاعت و فراست و کفایت و غیرت بوجہ اتم موصوف بودند و عقلِ معاش مثلِ عقلِ معاد کامل و وافر داشتند و در مجلسِ صحبت حکمتِ عملی و آداب معاملہ بسیار می آموختند ۔

آپ نے پانچ سال کی عمر میں مکتبی تعلیم شروع کی اور سات سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا ، پھر فارسی اور عربی کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں ، سات سال ہی کی عمر میں آپ کے والد نے آپ کو نماز و روزے کی پابندی کرائی ، دس سال کی عمر میں شرح جامی پڑھی ۔ پھر معقولات کی تکمیل کی فقہ ، منطق ، حدیث کلام کے علاوہ اپنے والد سے طب ، معانی اور ہندسہ و حساب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی ۔

شادی :

۱۴ سال کی عمر میں آپ کی شادی ہوئی ۔

بیعت :

پندرہ سال کی عمر میں آپ کے والد محترم نے آپ کو سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت سے سرفراز کیا ، دو سال کے بعد آپ کے والد نے وفات پائی ۔ اگرچہ آپ کا اصل تعلق سلسلۂ نقشبندیہ باقریہ سے تھا ، مگر آپ بیعت کے وقت چاروں خانوادوں (یعنی نقشبندیہ ، چشتیہ ، سہروردیہ قادریہ سلسلوں کے مشہور بزرگوں کے نام بھی لیتے تھے) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسرے مشہور صوفی سلسلوں سے بھی منسلک تھے ۔

پچیس سال کی عمر میں آپ علوم ظاہریہ کی تکمیل سے فارغ ہوئے ۔

حج و زیارت حرمین شریفین :

بارہ سال تک دہلی میں درس و تدریس میں مشغول رہے ۔ اس کے بعد حرمین شریفین کی زیارت کا شوق پیدا ہوا ، ۱۱۴۳ھ (۱۷۳۰ء) میں اپنے خالو شیخ عبید اللہ بارھوی اور ماموں کے صاحبزادے شیخ محمد عاشق

Marfat.com

وغیرہ کے ساتھ حرمین شریفین روانہ ہوئے دو مرتبہ فریضۂ حج ادا کیا اور حدیث شریف جسے آپ نے مولانا محمد افضل سیالکوٹی[1] سے پڑھا تھا۔ اس کی سند شیخ ابی طاہر محمد بن ابراہیم مدنی سے لی اس کے علاوہ تمام صحیح بخاری اور کچھ حصہ صحیح مسلم و جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند امام احمد، جامع الکبیر کا پڑھا اور ان سے مسند حافظ دارمی کو مسجد نبوی میں محراب عثمانی کے پاس سنا۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے عظمت مرتبت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ شیخ ابی طاہر ان کے متعلق کہا کرتے تھے کہ ولی اللہ مجھ سے الفاظ کی سند لیتے ہیں اور میں ان سے معانی کی، حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے استاد محترم شیخ ابی طاہر کے متعلق لکھا کہ

> بالجملہ متصف بود بصفاتِ سلف صالح ازورع و اجتہاد و طاعت و اشتغال بعلم و انصاف در مذاکرہ۔ در ادنٰی مراجعت تا تامل وافی نکردے و تتبع کتب نہ نمودے، جواب ندادے۔

پھر آپ (۱۷۳۱ع) ۱۱۴۴ء میں مکۂ معظمہ حاضر ہوئے اور شیخ وفد اللہ مالکی مکی سے موطا امام مالک کی اجازت حاصل کی اور شیخ تاج الدین مکی کے درس میں چند روز حاضر ہوئے، وہ بخاری شریف کا درس دیتے تھے، ان سے آپ نے صحاح ستہ کے کچھ حصے سنے اور ان سے بھی حدیث کی اجازت لی۔

۱۔ مولانا محمد افضل سیالکوٹی ثم دہلوی: حدیث کے مشہور اساتذہ میں تھے، حدیث کی تعلیم شیخ عبدالاحد بن محمد سعید سے حاصل کی، دہلی میں سکونت اختیار کرکے مدرسہ غازی الدین خاں دہلی میں درس و تدریس کی خدمت انجام دی، ان کے شاگردوں میں شاہ ولی اللہ اور مرزا مظہر جانجاناں ہیں۔ مولانا محمد افضل نے ۱۱۶۴ھ (۱۷۵۰ع) میں وفات پائی۔ (نزھتہ الخواطر، جلد ۶، ص ۲۸۰ و ۲۸۱)۔

Marfat.com

ہندوستان کو واپسی :

۱۱۴۵ھ (۹ جولائی ۱۷۳۲ع) حضرت شاہ ولی اللہ ہندوستان تشریف لائے ، یہ وہ وقت تھا جب کہ آپ کے وطن پر زوال کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں ، اسلامی حکومت کا آفتاب گہن میں آ چکا تھا سنگدل انسانوں کی صورت میں مختلف عذاب تھے جو خدا کی مخلوق پر نازل ہو رہے تھے -

شاہ صاحب نے علم و عرفان کے ساتھ ایک دردمند دل پایا تھا ، وہ انسانیت کے دکھ سے بے حد متاثر تھے ، شاہ صاحب ایک ایسی اسلامی حکومت چاہتے تھے کہ جس کی بنیاد اسلامی اصولوں پر ہو - ان کا خیال مذہب کی روشنی میں یہ تھا کہ سونے چاندی کے انباروں سے زیادہ خطرناک وہ طرز معاشرت ہے جو امیر و غریب میں امتیاز پیدا کرکے غریب کے دل میں سرمایہ داری کی ہوس اور شاہ پرستی کا شوق پیدا کرتا ہے اور ناداروں کے دلوں میں حرص و طمع کا وہ اضطراب پیدا کرتا ہے ، جو ان کو رشوت ستانی ، چوری ، خیانت ، استحصال بالجبر اور عصمت فروشی پر آمادہ کر دیتا ہے -

شاہ صاحب ایک طبقے کی خوش حالی کو جو ایسے تکلفات سے آراستہ ہو ، جس سے اقتصادی توازن بگڑ جائے رفاہیت بالغہ سے تعبیر کرتے ہیں اور معاشرے کے لئے اس کو بدترین جرم اور اس کے خلاف جنگ کو مقدس جہاد قرار دیتے ہیں -

جہاد کی تشریح کرتے ہوئے خود شاہ صاحب فرماتے ہیں :

> جہاد ایک مقدس عداوت ہے (جو ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات سے بالکل پاک صرف عمومی مفاد اور بلند تر مصالح کے لئے ہو) -

شاہ صاحب جسے بھی یہ دیکھتے کہ وہ اسلامی حکومت کے قیام کے لئے سرگرم عمل ہے ، اس کی ہمت افزائی کے لئے خطوط لکھتے اور اپنے خطوط سے اس کے حوصلے کو بلند کرتے اور اس کی کامیابی کے لئے دعا فرماتے - پایندہ خان روہیلہ کے نام اور فوجدار زمان خان ، سہارنپوری کے نام دو خط شیخ محمد اکرام نے رود کوثر ، ص ۵۱۲ پر نقل کئے ہیں ،

Marfat.com

جو اِن ہی جذبات کے آئینہ دار ہیں ۔

مختصر یہ کہ حضرت شاہ صاحب ان تمام کوششوں سے دلچسپی لیتے تھے جو حکومتِ اسلامی کی بقاء اور خلق خدا کی فلاح و بہبود کے لئے کی جاتی تھیں ۔

روحانی سرگرمیاں :

حضرت شاہ صاحب نے مادی ترقیوں کے ساتھ روحانی اور دینی ترقیوں کے توازن کو برقرار رکھا ۔

فیوض الحرمین میں انھوں نے لکھا کہ : رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کام کے جاری رکھنے والوں کے لئے دو راستے ہیں ، خلافتِ ظاہری اور خلافتِ باطنی ، دونوں اپنی جگہ مفید اور ضروری ہیں ، فیوض الحرمین میں وہ تحریر فرماتے ہیں :

> رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی زندگی میں امتِ مرحومہ کے لئے نیک نمونہ ہے ۔ مثلاً خلافت ظاہری والوں کے لئے جو شرعی حدود اور جہاد کے ساز و سامان کی تیاری اور سرحدی علاقوں کی ناکہ بندی و حفاظت اور وفود کو انعام و اکرام دینے کی خدمت اور صدقات محصول مالگزاری وغیرہ کی وصولی ، ارباب استحقاق پر ان کی تقسیم ، مقدمات کے فیصلوں ، یتیموں کی نگرانی ۔ مسلمانوں کے اوقاف کا انتظام ، راستوں ، سڑکوں اور مساجد وغیرہ کی تعمیر اور اسی قسم کے اور کاموں کے لئے مقرر ہیں ، مسلمانوں میں جو ان خدمات اور مشاغل میں مصروف ہیں ، ان کو میں خلافتِ ظاہری والوں کے نام سے موسوم کرتا ہوں ۔
>
> جو لوگ باطنی خلافت والے ہیں یعنی اس کام پر مقرر ہیں کہ شرایع اور قوانین اسلامی قرآن و سنن و آثار کی تعلیم دیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں ، وہ لوگ جن کے کلام سے دین کی تائید ہوتی ہے خواہ

Marfat.com

وہ مناظرے اور مباحثے کی راہ سے ہو ، جیسا کہ متکلمین اسلام کا حال ہے ، یا وعظ و پند کے طریقے سے جیسا کہ اسلام کے خطباء اور مقررین اس خدمت کو انجام دیتے ہیں یا وہ لوگ جو اپنی صحبت اور توجہ و ہمت سے اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرتے ہیں ، جیسا کہ مشائخ و صوفیہ کا حال ہے ، اسی طرح جو نمازیں قائم کراتے ہیں - حج کراتے ہیں اور جو احسان کی راہ لوگوں کو بتاتے ہیں اور زہد و تقویٰ کی طرف لوگوں کو راغب کرتے ہیں ، ان لوگوں کو ہم خلفاء باطنی کے نام سے موسوم کرتے ہیں[1] -

طوائف الملوکی اور شب و روز کے قیامت خیز ہنگامے جن میں مرہٹوں کا دہلی پر یلغار ، نادر شاہ کا قتل عام ، دہلی کی بے پناہ لوٹ ، ان ہنگاموں میں حضرت شاہ صاحب کو اس کا موقع نہ مل سکا کہ وہ اپنی تحریک کا کوئی منشور مدون کر سکیں ، لیکن آپ نے اپنے انقلابی نظریات کو کبھی ترجمہ قرآن شریف کی شکل میں پیش کیا ، کبھی نصیحت و موعظت کے انداز میں بیان کیا اور کہیں اس کو تاریخ اسلام اور فضائل صحابہ رض کا جامہ پہنایا - خلافت ظاہری والوں کی ہمت افزائی کی ، عوام کی مشکلات پر کڑی نظر رکھی ، لیکن اپنی راہ کا انتخاب خلافت باطنی والوں کے ساتھ کیا ، کلام مجید کا فارسی ترجمہ کیا ، احادیث کے درس اور کتب حدیث کی تالیف سے کتاب و سنت کی اشاعت کو فروغ دیا ، اپنے پند و موعظت سے مسلمانوں کے قلوب کو گرمایا اور اسلامی ہندوستان کو دینی اور علمی نظام عطا کیا -

حضرت شاہ صاحب دینی و دنیوی خوبیوں کا مرکز اجتماع تھے اور اپنی تحریک میں ایک ہمہ گیر اجتماعی نقطہ نظر رکھتے تھے ، آپ ہی کی تحریک اور تعلیم کا نتیجہ یہ تھا کہ انھوں نے ایک ایسے جدید اسلامی ہندوستان کی بنیاد رکھی ، جس نے ملت اسلامیہ ہند کے گرتے ہوئے

۱- رود کوثر ، ص ۵۱۴ و ۵۱۵ - بحوالہ فیوض الحرمین -

Marfat.com

حوصلے کو سنبھالا اور ان کو ایک نیا شعور اور احساس عطا کیا ، جس سے ایک جدید اسلامی ہندوستان کا آغاز ہوا ، ملتِ اسلامیہ ہند کی خودی جاگ اٹھی اور شاہ صاحب کے دئے ہوئے تصور کے مطابق مذہبی نظام کی بنیادوں پر قوم کی تعمیر ہوئی ۔

مکہ معظمہ سے واپسی کے بعد :

مکہ معظمہ سے واپسی کے قبل حضرت شاہ صاحب درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے ۔ لیکن جب مکہ معظمہ سے واپس ہوئے تو آپ نے درس و تدریس کا مشغلہ کم کر دیا ، صرف حدیث پڑھاتے اور آپ کا سارا وقت تالیف و تصنیف میں صرف ہوتا تھا ۔

شاہ صاحب نے قلم سے جو موتی برسائے ہیں ، خود اُن کی کتابوں کو تفصیل سے پڑھنے کی ضرورت ہے کہ وہ ساری کتابیں انقلاب آفریں ہیں اور ایمان و عمل کے جذبے کو قوی کرتی ہیں ، یہ کتابیں وہ گنجینہ موعظت ہیں کہ جن سے اجتماعی اور انفرادی زندگی نکھرتی اور سنورتی ہے ۔

مولانا شبلی نے حضرت شاہ ولی اللہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے علم الکلام میں لکھا کہ

> ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود اُن ہی کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہو گا ، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ آخر زمانے میں جبکہ اسلام کا نفسِ باز پسیں تھا ، شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا ، جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی ، رازی اور ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے ۔

ہندوستان کے ایک اور دانشور نواب صدیق حسن خاں نے حضرت شاہ ولی اللہ پر اپنے عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہوئے لکھا کہ

> اگر آپ پہلے زمانے میں پیدا ہوتے تو آپ امام الائمہ اور

Marfat.com

تاج المجتہدین شمار ہوتے -

بلاشبہ حضرت شاہ ولی اللہ اپنی قومی ، مذہبی ، علمی خدمات کی وجہ سے دنیائے اسلام میں ایک عظیم شہرت کے مالک ہیں ، تفسیر ، حدیث تصوف ، فقہ تاریخ علم الکلام کا غرضکہ علوم دینیہ اور اسلامی سیاست میں کوئی شعبہ ایسا نہیں کہ جس میں ہمیں ان کی تصانیف نہ ملتی ہوں ، آن کی تصانیف سے ملت اسلامیہ کے گلشن میں ایک نئی بہار آئی ، اور آپ کی تصانیف نے مایوسی کے اندھیروں میں امید کا چراغ روشن کیا ، اور اپنی تحریک و تصانیف سے احیاء ملت اور اعلاء کلمتہ الحق کے لئے جو کوششیں کیں اس کا سلسلہ مختلف حیثیتوں سے حضرت شاہ ولی اللہ کے صاجزادے حضرت شاہ عبدالعزیز سے شروع ہو کر حضرت سید احمد شہید ، شاہ عبدالحی ، شاہ اسماعیل شہید سے ہوتا ہوا حضرت قائد اعظم علیہ الرحمہ پر منتھی ہوتا ہے ، جنھوں نے ایک سو پچاسی سال کے بعد ۱۴ اگست ۱۹۴۷ع مملکت جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کو حاصل کرکے اس خواب کی تعبیر کو پورا کر دیا ، جس کو ۱۷۶۲ع میں حضرت شاہ ولی اللہ نے دیکھا تھا -

تصانیف :

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ کی تصانیف کی تعداد تقریباً ۳۲ ہے ، آپ کی بعض مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں -

(۱) فتح الرحمان (ترجمہ قرآن کریم فارسی) (۲) الفوز الکبیر فی اصول التفسیر (۳) حجتہ اللہ البالغہ (۴) المسوی (شرح موطا عربی) المصفی (شرح موطا فارسی) (۵) القول الجمیل (۶) فیوض الحرمین (۷) عقد الجید فی احکام الاجتہاد و التقلید (۸) الطاف القدس (۹) لمعات (۱۰) انفاس المعارفین (۱۱) البدور البازغہ (۱۲) الدر المسلمین (۱۳) ازالتہ الخفا (۱۴) تفہیمات (۱۵) شفاء القلوب وغیرہ[1] -

شاہ صاحب کی تصانیف وہ گلشن جاوداں ہیں کہ جن سے ایمان و عمل کی وادیاں ہمیشہ مہکتی رہیں گی ، ان کی کتابیں ملت اسلامیہ کے

۱- تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص -

Marfat.com

حریت پسندوں کے لئے وہ چراغ راہ ہیں کہ جہاں کہیں بھی وہ سامراجی طاقتوں سے نبرد آزما ہوں گے ، وہ اُن کے لئے فتح و کامرانی کی نئی راہیں ہموار کریں گی -

شاہ صاحب کی کتابوں کے طویل اقتباسات دینے کی گنجائش نہیں ، لیکن ہم یہاں ان کی بعض کتابوں کے مختصر اقتباسات دیتے ہیں تاکہ ان کی افادیت اور اہمیت واضح ہو سکے -

قول الجمیل :

قول الجمیل کی تیسری فصل میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے مرشد کے فرائض پر بحث کرتے ہوئے لکھا کہ

> شیخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے مرید کے عقائد کو درست کرے ، توحید کا صحیح تصور اس کے دماغ میں بٹھائے ، نبوت کے متعلق صحیح اعتقادات قائم کرائے ، گناہوں کی تفصیل بتائے ، کبائر و صغائر سے اجتناب کی تاکید کرے - پھر ارکانِ اسلام کی پابندی کی ہدایت کرے اور ضرورتِ معاش سے آگاہ کرے[1] -

شاہ صاحب کو تصوف سے بڑی دلچسپی تھی ، لیکن وہ علامہ اقبال کی طرح صوفیائے خام اور علماء سوء کے سخت خلاف تھے ، انھوں نے اپنی تصنیف انفاس العارفین میں تصوف کے بہت سے مسائل کو ضمناً تحریر کیا ہے ، لیکن صوفیائے خام سے بیعت کرنے کی سختی سے ممانعت کی ہے -

شاہ ولی اللہ دہلوی نے بادشاہ ، وزیر اور اُمرا کے نام دس کلمات کا ایک اعلان جاری کیا تھا ، جس میں اُن سے مطالبہ کیا تھا کہ

> شاہانِ اسلام اور اُمراء کبار حرام عیش میں مشغول نہ ہوں اور گذشتہ باتوں سے توبۂ نصوح کریں اور آئیندہ

۱- قول الجمیل ص ۲۵ تا ۳۴ (مطبع نظامی) -

Marfat.com

پرہیز کریں[1] -

حجتہ اللہ البالغہ :

شاہ صاحب کی یوں تو تمام تصنیفات بہت اہم ہیں ، لیکن ان کی تصانیف میں حجتہ اللہ البالغہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے ، یہ کتاب انسانوں پر فہم و بصیرت کی راہیں کھولتی ہے - حضرت شاہ صاحب نے اس کتاب میں مذہب ، اسلامی سیاسیات اور اقتصادیات کے مشکل مسائل کو سمو کر دریا کو کوزے میں بند کیا ہے -

شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات :

شاہ ولی اللہ نے اپنے مکتوبات میں معاشی زندگی کے دوسرے گوشوں پر بھی بحث کی ہے ، اُن کی رائے میں جاگیر داری اور اجارہ داری کی رسمیں سب معاشی مصائب کا بنیادی سبب تھیں ، جن کی وجہ سے معاشی زندگی کا توازن بگڑ گیا تھا ، مغل شہنشاہ کو ایک خط میں لکھا کہ

> موجبِ ضعف امور سلطنت کمی خالصہ و قلتِ خزانہ است -

تفہیمات :

حضرت شاہ صاحب نے تفہیمات میں عام مسلمانوں کی مذہبی حالت کا جائزہ لیا ہے اور اُن مذہبی خرابیوں کی طرف اشارہ کیا ہے ، جنھوں نے مسلمانوں کی زندگی کے سرچشموں کو گدلا کر دیا ہے اور اُن برائیوں کے ازالے کی کوشش کی ہے ، جو اُس وقت کے مسلمانوں کی زندگی میں رونما ہو رہی تھیں :

(۱) شرک :

> تم غیر اللہ کی قربانیاں کرتے ہو اور مدار صاحب اور

۱- تاریخ مشائخ چشت ، ص ۳۳۷ - بحوالہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات ، ص ۴۲ -

Marfat.com

سالار صاحب کی قبروں کا حج کرتے ہو ، یہ تمھارے بدترین افعال ہیں ۔

تم نے یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے ۔

(۲) دین سے غفلت :

تم نمازوں سے غافل ہو —— کوئی اپنے کاروبار میں اتنا مشغول ہوتا ہے کہ نماز کے لئے وقت نہیں پاتا ، اور کوئی اپنی تفریحوں اور خوش گپیوں میں اتنا منہمک ہوتا ہے کہ نماز فراموش ہو جاتی ہے ۔

تم زکواۃ سے بھی غافل ہو —— تم میں کوئی مال دار ایسا نہیں کہ جس کے ساتھ بہت سے کھانے والے لگے ہوئے نہ ہوں ، وہ ان کو کھلاتا اور پہناتا ہے مگر زکواۃ و عبادت کی نیت نہیں کرتا ۔

تم رمضان کے روزے بھی ضائع کرتے ہو اور اس کے لئے طرح طرح کے بہانے بناتے ہو ۔

(۳) فسق و فجور :

چاہئے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پورا کرو ، خواہ تمھیں ایک سے زیادہ نکاح کیوں نہ کرنا پڑے —— تمھاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکواتے رہو ، اور نرم و گداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو ۔

Marfat.com

(۴) بُری رسومات :

تم نے ایسی فاسد رسمیں اختیار کر لی ہیں ، جن سے دین متغیر ہوتا ہے —— تم شب برات میں جاہل قوموں کی طرح کھیل تماشے کرتے ہو اور تم میں سے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اس روز مُردوں کو کثرت سے کھانا بھیجنا چاہئے ۔

پھر تم نے ایسی رسمیں بنا رکھی ہیں ، جن سے تمہاری زندگی تنگ ہو رہی ہے ، مثلاً شادیوں میں فضول خرچی بیوہ عورت کو بٹھا رکھنا تم نے موت اور غمی کو عید بنا رکھا ہے ۔

---

(۵) کاہلی اور فضول خرچی :

اتنا کمانے کی کوشش کرو ، جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں ، دوسروں کے سینوں کا بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو کہ اُن سے مانگ مانگ کر کھایا کرو ، تم اُن سے مانگو اور وہ نہ دیں ، اِس طرح بادشاہوں اور حکام کے اوپر بھی بوجھ نہ بن جاؤ ، تمہارے لئے یہی پسندیدہ ہے کہ خود کما کر کھایا کرو ، اگر تم ایسا کرو گے تو خدا تمہیں معاش کی راہ بھی سجھائے گا ۔

اپنے مصارف وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو ، اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو ۔

ازالتہ الخفا :

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی فاضلانہ کتاب ازالتہ الخفا میں بہت سے عقائد باطلہ کی تردید کی ہے ، مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے لکھا

Marfat.com

ہے کہ پورے اسلامی لٹریچر میں اس موضوع پر ایسی کتاب موجود نہیں۔

شاعری :

علم و عمل ، تالیف و تصنیف اور شاہ صاحب کی اصلاحی تحریک اور گوناگوں محامد و اوصاف کی فہرست میں حضرت شاہ ولی اللہ کی شاعری کا پہلو دب کر رہ گیا ہے ، بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ شاہ ولی اللہ بلند پایہ شاعر بھی تھے اور امین تخلص کرتے تھے ، شاہ صاحب نے اپنی فارسی کی غزلوں اور رباعیوں میں تصوف کے نہایت باریک نکات اور مضامین کو سمویا ہے ، غزلوں میں بعض اشعار رسمی شاعری کے بھی ملتے ہیں ، ہم تبرکاً شاہ صاحب کی ایک رباعی اور غزل کے چند شعر یہاں درج کرتے ہیں ۔

رباعی

علمے کہ نہ ماخوذ زمشکوٰۃ نبی است
واللہ کہ سیرابی از آں تشنہ بسی است
جائے کہ بود جلوۂ حق حاکم وقت
تابع شدنِ حکم خرد بو لہبی است

غزل کے چند شعر

تابکے محنت و مہجوری و دوری بکشم
نازنینِ وطنم سوئے وطن باز روم

تابکے ہمدمیِ سنگ بود شیوۂ من
گوہرے از عدنم عدن باز روم

بوئے جاں میرسد از بادِ یمن در دو جہاں
شاہِ ملکِ یمنم سوئے یمن باز روم[1]

۱۔ رود کوثر ، ص ۵۴۵ و ۵۴۶ ۔

Marfat.com

وفات :

حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے ۶۲ سال کی عمر میں یکم محرم ہفتہ کے روز ۱۱۷۶ھ (۱۷۶۲ع) میں دہلی میں وفات پائی اور اپنے والد محترم کے مزار پُر انوار کے قریب مدفون ہوئے ۔

اولاد :

حضرت شاہ ولی اللہ کے چار صاحبزادے یعنی مولانا شاہ عبدالعزیز ، مولانا رفیع الدین ، مولانا عبدالقادر ، مولانا عبدالغنی تھے ، جو علم و عمل کے آسمان پر آفتاب و ماہتاب بن کر طلوع ہوئے اور انھوں نے اس برصغیر کو اپنے گونا گوں فیوض و برکات سے منور اور تاباں بنایا ، خاندانِ ولی اللہی پر حقیقت میں یہ مثل صادق آتی ہے[1] کہ

ایں ہمہ خانہ آفتاب است

۱- یہ تمام حالات نزھتہ الخواطر ، جلد ۶ ، ص ۳۹۸ تا ۴۱۵ - تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۵۴۲ تا ۵۴۵ - رود کوثر ، ص ۴۸۷ -

Marfat.com

(۷)

شاہ عاشق حسین

(شیخ محمد عاشق)

علامہ اقبال کا تاثر :

ہاں ایک ضروری بات یاد آ گئی ، یہاں ایک صاحب کے پاس شاہ ولی اللہ کی تفہیمات الٰہیہ کی دوسری جلد ہے جو شاہ عاشق حسین (شاگردِ شاہ ولی اللہ) کی لکھی ہوئی ہے ۔ کیا ندوہ کے کتب خانے میں موجود ہے ؟ مولوی نواب صدر یار جنگ کے ہاں جو نسخہ ہے ، وہ پہلی جلد ہے یا دوسری یا دونوں ؟ کیا کسی نے اس کتاب کے اردو ترجمے کا انتظام کیا ہے ؟ مجھے ایسا یاد پڑتا ہے کہ شاید معارف میں اس کے اردو ترجمے کا اعلان کیا گیا تھا ۔ والسلام

مکتوب علامہ اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی
(اقبال نامہ حصہ اول ، ص ۱۸۸)

حالات :

شیخ محمد عشق بن عبیداللہ بن محمد صدیقی پھلت ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے ، آپ کا شمار اکابر علماء اور محدثین میں ہوتا ہے سلسلۂ نسب بواسطۂ حضرت محمدؓ بن ابی بکر صدیق حضرت ابوبکر صدیقؓ سے اکیس واسطوں سے جا ملتا ہے ، حضرت شاہ ولی اللہ کے ماموں زاد بھائی تھے ،

Marfat.com

ابتداء سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے رفقا میں تھے ، آپ نے علم کی تعلیم اور معرفت کی منزلیں حضرت شاہ ولی اللہ سے طے کی تھیں -

سفر حج :

شیخ محمد عاشق نے ۱۱۴۴ھ (۳۲-۱۷۳۱ع) میں حج کیا اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے وہاں کے اساتذہ سے استفادہ کیا ، ان اساتذہ میں شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی ہیں ، جنھوں نے آپ کو اجازت دی - آپ علم و معرفت کے اس درجے پر فائز ہوئے کہ شاہ ولی اللہ کے اصحاب میں کوئی اُن کا ہمسر نظر نہیں آتا ، شیخ ابو طاہر نے اپنے اجازت نامے میں لکھا کہ وہ کمالات کا آئینہ ہیں ، اور تمام عمدہ خصائل کا نچوڑ ہیں[1] -

خود حضرت شاہ ولی اللہ نے اُن کے متعلق تحریر فرمایا کہ

> یہ میرے راز داں ہیں ، میری تصانیف کی لائبریری ہیں ، ان ہی کے اصرار پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں ان ہی کے ذریعہ میرے بعد میرے اصول کی اشاعت ہو گی[2] -

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد شاہ صاحب کے فرزند و جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز[3] اور شاہ رفیع الدین[4] اور سید ابو سعید بریلوی اور دوسرے لوگوں کی تربیت شیخ محمد عاشق ہی نے کی تھی -

---

۱- نزہتہ الخواطر ، جلد ۶ : ص ۳۲۸ و ۳۲۹ -

۲- علماءِ ہند کا شاندار ماضی ، جلد ۲ ، ص ۳۲ - تالیف مولانا محمد میاں صاحب -

۳- شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ : ولادت : ۱۱۵۹ھ وفات : ۱۲۲۹ھ نزہۃ الخواطر ، جلد ۷ ، ص ۲۶۸ تا ۲۷۶ -

۴- شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ - ولادت : ۱۱۶۳ھ (۱۷۴۹ع) - وفات : ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷ع) تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۱۹۶ -

Marfat.com

وفات :

شیخ محمد عاشق پھلتی نے ۱۱۸۷ھ (۴-۱۷۷۳ء) میں وفات پائی ۔

تصانیف :

شیخ محمد عاشق کی تصانیف میں سبیل الرشاد (فارسی میں) قول الجلی فی مناقب الولی ، شرح دعاۃ الاعتصام (متن تصنیف حضرت شاہ ولی اللہ) آن کے آثار میں المسوی (شرح موطا شارح حضرت شاہ ولی اللہ) ، جس کا شیخ محمد عاشق نے مبیضہ کیا تھا ۔

مولانا محمد میاں نے اپنی تالیف علماء کا شاندار ماضی ، جلد ۲ ص ۳۲ پر لکھا ہے کہ مولانا نور اللہ ساکن بڈھانہ (ضلع میرٹھ) جو حضرت شاہ ولی اللہ کے شاگرد ہیں ، ان کی فرمائش پر حضرت شاہ ولی اللہ کی مشہور تصنیف تفہیمات الٰہیہ مرتب ہوئی[1] ۔

علامہ اقبال نے اپنے مکتوب میں مولانا سید سلیمان ندوی کو تفہیمات الٰہیہ کے جس نسخے کے متعلق لکھا ہے ، وہ نسخہ وہ ہے جو شیخ محمد عاشق کا نقل کیا ہوا ہے ۔

۱- علماء ہند کا شاندار ماضی ، جلد ۲ ، ص ۳۲ و ۳۳ ۔

Marfat.com

(۸)

حضرت شاہ اسماعیل شہید

علامہ اقبال کا تاثر :

اگر ہم حق پر ہیں تو خدا ہماری حمایت کرے گا اور اگر ہم ناحق پر ہیں تو ہم فنا ہو جائیں گے ۔

ابن تیمیہ ، ابن جوزی ، زمخشری[1] اور ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی ، حضرت عالمگیر غازی اور شاہ اسماعیل دہلوی نے یہی کام کیا ہے اور ہمارا مقصد صرف اِس سلسلے کو جاری رکھنے کا ہے اور کچھ نہیں ۔

(مقالات اقبال ، (سراسر خودی) ص ۱۷۸)

مولانا شاہ اسماعیل شہید کی عبقات ، قاضی محب اللہ کی جوہر الفرد اور حافظ امان اللہ بنارسی کی تمام تصانیف کہاں سے دستیاب ہوں گی ۔ زمان و مکان و حرکت کی

۱- زمخشری : جار اللہ ابوالقاسم عمر و بن عمر زمخشری ، عربی زبان کے مشہور ترین ادیبوں میں تھے ۔ ۲۷ رجب ۴۶۷ھ (۱۱۰۴ع) میں پیدا ہوئے ، علم و دانش کے لئے بہت سے سفر کئے ، ایک مدت تک مکہ معظمہ میں رہے ، اِسی لئے ان کا لقب جار اللہ ہے ، شہر جرجانیہ یا گرگانج خوارزم میں عرفے کے دن ۵۳۸ھ (۴۴-۱۱۴۳) میں وفات پائی ، اُن کی تصانیف میں تفسیر الکشاف ، کتاب المفصل ، المفرد و المؤالف (نحومیں) مقدمتہ الادب اور المستقصی فی الامثال اور ربیع الابرار مشہور ہیں (کارنامۂ بزرگان ایران ، ص ۱۳۷ و ۱۳۸) ۔

Marfat.com

بحث اس وقت فلسفہ و سائنس کے مباحث میں سب سے زیادہ اہم ہے ، میری ایک مدت سے خواہش ہے کہ اسلامی حکماء و صوفیہ کے نقطۂ نگاہ سے یورپ کو روشناس کرایا جائے ، مجھے یقین ہے کہ اس کا بہت اچھا اثر ہو گا ۔

مکتوب علامہ اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی
(اقبال نامہ حصہ اول ، ص ۱۲۲)

مجدد الف ثانی ، عالمگیر اور مولانا اسماعیل شہید رحمتہ اللہ علیہم نے اسلامی سیرت کے احیا کی کوشش کی ، مگر صوفیہ کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہ احرار کو کامیاب نہ ہونے دیا ۔

مکتوب اقبال بنام حضرت اکبر الہ آبادی
(اقبال نامہ حصہ دوم ، ص ۴۸)

حالات :

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اپنے مقالے میں حضرت شاہ اسماعیل کے متعلق جو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے ، ہم اس کو شاہ صاحب کے حالات کے آغاز میں نقل کر آئے ہیں ، وہ اُن مقاصد کو آگے بڑھانے میں پیش پیش ہیں اور اُن کے مقصد کو آگے بڑھانا علامہ کا مطمح نظر ہے ۔

تاریخ گواہ ہے کہ جن بزرگوں نے ملتِ اسلامیہ کو مستحکم کرنے اور معاشرے کی اصلاح کی خدمات انجام دیں اُن میں سے ایک حضرت شاہ اسماعیل شہید بھی ہیں ، اُنھوں نے اس وقت آوازِ حق کو بلند کیا ، جبکہ مغلیہ حکومت کا آفتاب گہن میں آ چکا تھا اور ہندوستان میں مسلمانوں کی مضبوط بنیادیں متزلزل ہو رہی تھیں ۔ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ (فروری ۱۷۰۷ع) کو عالمگیر علیہ الرحمہ نے وفات پائی ، وفات کے وقت اس نیک دل بادشاہ نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی کہ وہ آپس کی رضامندی اور خوش دلی سے پوری مملکت کو تین حصوں میں تقسیم کر لیں ۲ اور سلطنت کو مستحکم

Marfat.com

بنیادوں پر مضبوط کرنے میں مصروف ہو جائیں ، عالمگیر کی نگاہ دور بین نے اس طوفان کا اندازہ کر لیا تھا ، جو آنے والا تھا ، ان کا خیال تھا کہ اس طوفان کا مقابلہ ایک مرکز سے ممکن نہیں ، لیکن بیٹوں نے باپ کی وصیت کی پرواہ نہ کی اور آپس ہی میں دست و گریباں ہو گئے ، اس باہمی مخالفت نے مغلیہ جیسی عظیم سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا ۔

۱۱۱۸ھ (۱۷۰۶ع) سے ۱۱۲۴ھ (۱۷۱۲ع) تک ۱۸ سال میں یکے بعد دیگر چار شہزادے تخت نشین ہوئے ، ان شاہ گردیوں نے ملک کے المیے کو بالکل ڈانواں ڈول کر دیا ، مزید ستم ظریفی یہ تھی کہ وہ مذہبی معتقدات میں عالمگیر کے خلاف تھے ان کی عیاشیوں اور فضول خرچیوں نے ملک کو اقتصادی تباہی کے آخری گڑھے میں پہنچا دیا ، سیاسی زوال اخلاقی زوال کا پیش خیمہ بنا ، معاشرے کی اخلاقی قدریں تباہ ہو گئیں ، فرمانرواؤں کی بے راہ روی نے ملک کے ہر طبقے کو متاثر کیا ، صوفیائے خام نے عوام کو اصل اسلامی تصوف سے ہٹ کر تو ہم پرستی کے ڈگر پر ڈالا ، انھوں نے اسلامی تصوف کی اصل صورت کو مسخ کرکے رکھ دیا ۔ علماءِ سوء نے شاہ پرستی اور دنیا طلبی کو اپنا مطمحِ نظر بنایا ، اور قرآن و حدیث سے منہ موڑ کر وہ دین کو اپنی دنیا طلبی کے لئے باطل تاویلات کے مختلف سانچوں میں ڈھالنے لگے ، زندگی سکہء دوام میں تبدیل ہوتی رہی ، مذہب کی روح ختم ہوتی گئی ، عقائد اسلامیہ کے نقوش جو مسلمانوں کے دل و دماغ پر نقش کالحجر کی طرح مرتسم تھے مدہم پڑتے گئے اور ہر شعبۂ زندگی میں زوال و انحطاط کی رفتار تیز سے تیز تر ہوتی گئی ، آخر یہ کہ سلطنتِ مغلیہ نے دم توڑ دیا ۔

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اول ، طاؤس و رباب آخر

انگریزی حکومت :

یہاں تک کہ انگریز عذاب الٰہی بن کر نازل ہوئے ، انھوں نے ۱۱۷۱ھ (۱۷۵۷ع) میں پلاسی کا میدان جیت کر بنگال میں اِس طرح قدم جمائے کہ اُن کا اقتدار الہ آباد سے لے کر بنگال و آسام کے آخری کنارے

Marfat.com

تک تسلیم کر لیا گیا ، اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ پورے ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہو گئی ۔ صرف انگریزوں کے اقتدار سے پنجاب ، کشمیر ، سرحد اور ملتان بچا تھا ، مگر اس پر سکھوں نے قبضہ جما کر مسلمانوں کی رہی سہی امیدوں کا خاتمہ کر دیا ۔

یہ تھا وہ مایوس کن ماحول جس میں ملت اسلامیہ کے جلیل القدر فرزند اور مجاہد اعظم حضرت شاہ اسماعیل شہید نے آنکھیں کھولیں ۔

ولادت :

۱۱۹۳ھ (۱۷۷۹ع) حضرت شاہ اسماعیل شہید اس عظیم المرتبت خانوادے میں پیدا ہوئے کہ جس خاندان کا ہر فرزند علم و عمل ، زہد و ورع کا آفتاب و ماہتاب ہے ۔ یہ شاہ عبدالغنی محدث دہلوی[1] کے اکلوتے فرزند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پوتے شاہ عبدالعزیز[2] ، شاہ رفیع الدین[3]

۱۔ شاہ عبدالغنی محدث دہلوی بن حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ۔
اساتذہ : مولانا شاہ عبدالعزیز اور مولانا شاہ رفیع الدین ۔
وفات : ۱۲۲۷ھ (۱۸۱۲-۱۳ع) مزار حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کے قریب مدفون ہوئے (واقعات دارالحکومت دہلی ، جلد ۲ ، ص ۵۹) ۔

۲۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی فرزند اکبر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی :
ولادت : ۱۱۵۹ھ (۱۷۴۶ع) ۔
اساتذہ : حضرت شاہ ولی اللہ ، شیخ نور اللہ بڑھانوی ، شیخ محمد امین کشمیری اور شیخ محمد عاشق پھلتی ۔
وفات : ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۳ع) بعمر اسی سال ، اپنے والد کی قبر کے قریب مدفون ہوئے ۔ (نزهتہ الخواطر ، جلد ۷ ، ص ۲۶۸ تا ۲۷۶ ۔ رود کوثر ، ص ۵۲۴ تا ۵۷۵) ۔

۳۔ شاہ رفیع الدین بن حضرت شاہ ولی اللہ ۔
ولادت : ۱۱۶۳ھ (۱۷۴۹ع) ۔
وفات : ۱۲۳۳ھ (۱۸۱۷-۱۸ع) بعمر ستر سال اپنے والد کے پائین دفن ہوئے (تذکرہ اہل دہلی ، ص ۷۷ و ۷۸) ۔

Marfat.com

اور شاہ عبدالقادر[1] کے بھتیجے تھے ، آپ کی والدہ محترمہ کا نام فاطمہ تھا ، جو مولوی علاء الدین پھاتی کی صاجزادی تھیں ۔

تعلیم :

حضرت شاہ اسماعیل شہید نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم شاہ عبدالغنی سے حاصل کی ، ابھی آپ کی عمر دس سال ہی کی تھی کہ ۱۲ اپریل (۱۲۰۳ھ) ۱۷۸۹ء کو آپ کے والد کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا ۔ آن کے بعد آپ کی تعلیم و تربیت آپ کے چچا شاہ عبدالقادر دہلوی نے فرمائی ، آپ نے ابتدائی کتابیں زیادہ تر شاہ عبدالقادر سے پڑھیں اور شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین سے بھی فیض حاصل کیا ۔ حضرت شاہ عبدالعزیز بھتیجے پر فخر کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے الحمد اللہ الذی وهب علی الکبر اسماعیل و اسحاق ۔

آپ کی جودت و طباعی کا اعتراف کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خان نے اتحاف النبلاء میں لکھا کہ

جوہر ذکاوت او بغایت عالی افتادہ بود و حکایات ذہانت و فطانت وے نقل ہر مجلس و زیب ہر محفل اہل علم است ۔	آن کی ذکاوت کا جوہر نہایت عالی تھا ، ان کی ذہانت و فطانت کے قصے اب بھی اہل علم کی محفل کی زیب و زینت ہیں ۔

شادی :

آسی زمانے میں شاہ عبدالقادر نے اپنی نواسی سے جن کا نام کلثوم تھا ، حضرت شاہ اسماعیل کی شادی کر دی اور اپنی زندگی میں ہی اپنی کل جائیداد اپنی صاجزادی اور بھائیوں کے نام کر دی اور آن کی اجازت سے ایک حصہ شاہ اسمعیل کو بھی دیا ۔

۱۔ شاہ عبدالقادر دہلوی بن شاہ ولی اللہ ۔
ولادت : ۱۱۶۷ھ (۱۷۵۳ء) ۔
وفات : ۱۲۳۰ھ (۱۸۱۴ء) (تذکرہ علمائے ہند ۔ اردو ترجمہ ص ۳۱۵ و ۳۱۶) ۔

Marfat.com

جودت و طباعی :

حضرت شاہ اسماعیل کے تذکرہ نگاروں نے ان کی جودت و طبّاعی کا تذکرہ بڑے کھلے دل سے کیا ہے ۔ سر سید نے ان کی ذہانت و جودت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

> ایسے فرد کامل کا پیدا ہونا خدائے ذوالجلال کی قدرت کا ایک خاص کرشمہ تھا ، غیر معمولی ذہانت کے ساتھ طبیعت میں استغنا بھی بہت تھا ۔ پندرہ سال کی عمر میں علوم رسمیہ سے فراغت حاصل کر لی تھی ، بڑے بڑے علماء آپ سے راستے میں ایسے مسائل پوچھتے ، جن کا جواب دینا بغیر کتابوں کے مشکل ہوتا تھا ، لیکن وہ بغیر کسی کتاب کے دیکھے ایسا شافی جواب دیتے کہ بڑے بڑے علماء حیران ہو جاتے ۔

فقہ کے ہر مسئلے کی آیات و احادیث سے سند دیتے ، معقول کی بہت سی کتابوں پر حاشیے لکھے ، ایک رسالہ منطق میں تحریر فرمایا ، اس میں شکل اول کے بعد الطبائع اور شکل رابع کے ابدہ البدیہات ہونے کا دعویٰ کیا ۔

سر سید احمد خاں نے اِس رسالے کے متعلق اپنے تاثر کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ " اگر معلّم اول موجود ہوتا تو اپنے براہین کو تار عنکبوت سمجھتا " ۔

مولانا غلام رسول مہر نے اپنی کتاب جماعتِ مجاہدین کی تیسری جلد میں شاہ صاحب کے متعلق سعادت یار خاں رنگین کا ایک قول نقل کرتے ہوئے لکھا کہ وہ شاہ اسماعیل کی ذکاوت کو دیکھ کر کہا کرتا تھا کہ اس خاندان سے جو بھی اٹھتا ہے باون گز کا اٹھتا ہے ۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید کے مزید حالات قلم بند کرنے سے پہلے ہم اس حقیقت کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ وہ ابتدا ہی سے فطرۃً ملک و ملت کے سر فروش مجاہد تھے ، آن کا عمل حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفے

Marfat.com

اور تحریک کی عملی تفسیر تھا ، وہ ایثار و قربانی کی زندہ تصویر تھے ، ان کا دل درد کی دولت کا گنجینہ تھا ، وہ سوز محبت الٰہی کے امین تھے ، اُن کا علم سراپا اُن کا عمل تھا ۔ وہ آزادی فکر کے مبلّغ ، جمہوریت کے نقیب ، ملوکیت کے مخالف سرمایہ داری اور استحصال کے دشمن تھے ، ان کی زندگی یقین محکم اور عمل پیہم کا سراپا تھی ، انھوں نے اپنی زندگی کا آغاز جہاد سے کیا اور شہادت کے بلند مرتبے پر فائز ہو کر جان جاں آفریں کے سپرد کی اور اس طرح اپنی موت سے بھی حیات دوام کے نقش کو جلی کر دیا ۔

اسی کے ساتھ وہ علوم معقول و منقول کے متبحر عالم تھے ، منطق و فلسفہ ، ریاضی اور اقلیدس کے ماہر اور علوم منقولہ میں مفسر و محقق فقیہ اور محدث تھے ۔ اسی کے ساتھ انھوں نے فن سپہگری ، نشانہ بازی میں بھی کمال حاصل کیا تھا ، انھوں نے ابتدا ہی سے اپنے جسم کو نرم و نازک بنانے کی بجائے ، صلابتوں اور صعوبتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے محنت اور تکالیف سہنے کا عادی بنایا تھا ۔

تاریخ اور تذکرے گواہ ہیں کہ وہ گرمی کی چلچلاتی دھوپ میں جامع مسجد کی سنگین فرش پر اس لئے ٹہلتے تھے کہ جسم سے آفتاب کی گرمی کے احساس کو ختم کر دیں ، تاکہ میدان جہاد میں یہ احساس کم سے کم راہ میں حائل ہو سکے ۔

وہ دریائے جمنا کی موجوں میں تیرتے ہوئے زینت المساجد دہلی سے آگرے کے تاج محل تک اس لئے پہنچتے تھے کہ شاید خدا کی راہ میں یہ پیراکی کسی دن کام آئے ، ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد خدمت خلق تھا ، انھوں نے اس دور کی سیاست میں اس لئے حصہ لیا کہ وہ انگریزوں کے مظالم اور سکھوں کی چیرہ دستیوں سے خدا کی مخلوق کو پریشان دیکھ کر اسلامی نظام حکومت لانا چاہتے تھے ، جس میں عدل ہو انصاف ہو اور جو سب کے لئے مسرت کا پیغام بن سکے ، انھوں نے معاشرے کی اخلاقی ، مذہبی اور معاشرتی اصلاح کے لئے بھی عظیم جدوجہد کی وہ بنی نوع انسان کی خیر خواہی کے لئے وقف تھے ، وہ ان تمام رسومات کو ختم کر دینا

Marfat.com

چاہتے تھے ، جو معاشرے کو توہم پرست ، پست ہمت بنا دیتی ہیں ، وہ ان فضول خرچیوں کا سد باب کرنا چاہتے تھے ، جس نے معیشت کے ڈھانچے کو تباہ کر دیا تھا ۔

ہم نے یہ چند اشارات اس لئے شروع میں دے دئے ہیں کہ حضرت شاہ اسماعیل کی زندگی کو اسی نقطۂ نظر سے پڑھنا چاہئے ۔

بیعت :

جب تیسری مرتبہ حضرت سید احمد شہید[1] بریلوی رحمتہ اللہ علیہ دہلی تشریف لائے اور حسب عادت مسجد اکبری میں قیام فرمایا تو طالبان رشد و ہدایت آپ کی طرف رجوع ہوئے ، سب سے پہلے آپ کے دست حق پرست پر مولوی محمد یوسف پھلتی نے بیعت کی ، جو حضرت شاہ ولی اللہ کے بڑے بھائی شاہ اہل اللہ کے پوتے تھے ، کہتے ہیں کہ ان کی بیعت کے محرک مولانا عبدالحی[2] اور شاہ اسماعیل شہید تھے اور ان دونوں بزرگوں نے ان سے کہا تھا کہ پہلے تم ان سے بیعت کرو ، اس کے بعد حضرت شاہ اسماعیل بھی حضرت سید احمد بریلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے ، آپ نے انہیں دو رکعت نماز پڑھائی اور بیعت کر لیا ۔

بیعت ہونے کے بعد حضرت شاہ اسماعیل کی ساری زندگی تبلیغ دین ، اشاعت اسلام اور اعلاء کلمتہ الحق میں گزری ، انہوں نے تقریر و تحریر

---

۱ - حضرت سید احمد شہید بریلوی ۔ ولادت : ۶ صفر ۱۲۰۱ھ (۱۷۸۶ع) مقام ولادت : رائے بریلی ۔ صوبہ سرحد کو جہاد کے لئے روانگی کی تاریخ : ۷ جمادی الثانی ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۶ع) سکھوں سے آخری معرکہ (بالا کوٹ) میں تشریف آوری : ۱۷ اپریل ۱۸۳۱ع ۔
شہادت : ۲۴ ذیقعد ۱۲۴۶ھ (۶ مئی ۱۸۳۱ع) مدفن بالا کوٹ (تذکرہ صوفیائے سرحد (تالیف اعجاز الحق قدوسی) ، ص ۵۲۵) ۔

۲ - مولانا عبدالحی بن شیخ ہبتہ اللہ ۔ وطن : قصبہ بڑھانہ ضلع مظفر نگر ۔ وفات : ۸ شعبان ۱۲۴۳ھ (۱۸۲۷ع) بعارضہ بواسیر ۔ مدفن : قبرستان کھیر (تذکرہ صوفیائے سرحد (اعجاز الحق قدوسی) ، ص ۳۶۷ تا ۳۷۱)

Marfat.com

کے ذریعہ احیائے دین ، ردِ بدعات اور ترویج سنت کی جو کوششیں کیں وہ ہماری روحانی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں ، ان کی معرکہ آراء کتاب "تقویۃ الایمان" ردِ عمل تھا اُس دور کی گمراہیوں کا اور بدعتوں کا ، جن میں وہ مسلمانوں کو مبتلا پاتے تھے ، یہ کتاب اگرچہ آج بھی دو گروہوں کے درمیان متنازع فیہ ہے ، ہماری رائے میں اس کتاب کے اسلوب بیان اور طرز نگارش کے متعلق کہیں کہیں اختلاف کیا جا سکتا ہے ، لیکن شاہ اسماعیل کے خلوص اور للّٰہیت سے کسے مجال انکار ہو سکتی ہے۔

سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں تقویۃ الایمان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ان کی اہم ترین کتاب تقویۃ الایمان ہے ، جو انھوں نے اردو زبان میں اس وقت لکھی ، جب اس زبان کو گھٹنوں چلنا نہ آتا تھا ، حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں جب اردو نثر میں گنتی کی کتابیں تھیں ایک صاحب کمال نے اس میں کیا جادو بھر دیا ہے ، اور اس کی مدد سے اپنے خیالات کو کتنی خوبی سے ادا کیا ہے[1]۔

وعظ و تبلیغ :

حضرت سید احمد شہید علیہ الرحمہ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہونے کے بعد وہ سہ شنبہ اور جمعہ کو شاہی مسجد میں وعظ فرماتے تھے ، خلوص اور للّٰہیت نے آن کے مواعظ میں یہ تاثیر پیدا کی تھی کہ لوگ جوق در جوق آن کے مواعظ میں شریک ہوتے تھے ، دورانِ وعظ لوگ خشیتِ الٰہی سے کانپ اٹھتے تھے اور آنکھیں غمناک ہو جاتی تھیں۔

بعد میں حضرت سید احمد بریلوی کے ارشاد پر اپنے مواعظ میں جہادِ فی سبیل اللہ کے مسائل اور فضائل کا بھی اضافہ کر لیا اور لوگوں کے قلوب کو اس طرح گرمایا کہ لوگ جذبۂ جہاد سے سرشار نظر آنے لگے۔

مولانا شاہ اسماعیل کے مواعظ اور کتابوں نے مسلمانوں کی مذہبی اور

۱- موج کوثر ، ص ۳۵ - بحوالہ آثار الصنادید۔

Marfat.com

ذہنی زندگی میں جو انقلاب پیدا کیا ، اس کے متعلق مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا کہ

> شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ صاحب) نے مزاجِ وقت کے عدم تحمل و استعداد سے مجبور ہو کر بحکم :
>
> بہ رمز نکتہ اداسی کنم کہ خلوتیاں
> سرِ سبو بکشا دند و در فرو بستند
>
> دعوت و اصلاح اُمت کے جو بھید پرانی دلی کی کھنڈروں اور کوٹلہ کے حجروں میں دفن کر دئے تھے ، اب اس سلطانِ وقت و سکندر اعظم کی بدولت شاہجہان آباد کے بازاروں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ان کا ہنگامہ ہوا اور ہندوستان کے کناروں سے بھی گزر کر نہیں معلوم کہاں تک چرچے اور افسانے پھیل گئے ، جن باتوں کے کہنے کی بڑوں بڑوں کو بند حجروں کے اندر بھی تاب نہ تھی ، وہ اب سر بازار کہی جا رہی تھیں[1]۔

حج :

۱۲۳۷ھ (۱۸۲۱ء) جب حضرت سید احمد بریلوی حج کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت شاہ اسماعیل بھی سید صاحب کے رفقا میں تھے ، زمانۂ حج میں حرم شریف میں مولانا عبدالحی نے مشکوۃ شریف کا اور شاہ اسماعیل نے حجۃ اللہ البالغہ کا درس دینا شروع کیا ۔ ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۴ء) حضرت شاہ اسماعیل ، سید صاحب کے ساتھ واپس وطن لوٹے اور اس تحریک جہاد میں حصہ لیا جو حضرت سید احمد نے انگریزوں اور سکھوں کے خلاف چلائی تھی ۔

جہاد :

۱۷ جنوری ۱۲۴۱ھ (۱۸۲۶ء) کو حضرت شاہ اسماعیل حضرت سید

۱۔ موج کوثر ، ص ۳۴ و ۳۵ ۔

Marfat.com

احمد بریلوی کے ساتھ ترک وطن کر کے پاکستان کے صوبہ سرحد کی طرف جہاد کے لئے روانہ ہوئے۔

حضرت سید احمد بریلوی کی تحریک جہاد میں دو نام سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں، ایک مولانا عبدالحی اور دوسرے شاہ اسماعیل علیہ الرحمۃ کا۔ یوں تو اِس تحریک کے سارے ہی مجاہدین چندے آفتاب و چندے ماہتاب تھے لیکن یہ دونوں حضرات اِس تحریک کے روح رواں تھے، دونوں سید صاحب کے خاص مشیروں میں تھے، تنظیم جہاد کے لیے جب امامت کے مسئلے پر گفتگو ہوئی تو شاہ اسماعیل ہی نے اس مسئلے کے شرعی اور دوسرے پہلو واضح کئے اور حضرت سید احمد شہید کا امامت کے لئے انتخاب کرایا۔ ہم کو اِس تحریک میں وہ کبھی اعلیٰ درجے کے جنرل کی حیثیت سے فوجی کمان کرتے ہوئے نظر آتے ہیں انہوں نے جنگ شیدو میں حضرت سید احمد کی محافظت اپنی جان پر کھیل کر کی، "جنگ مردان" میں فتح انہیں کی جنگی تدابیر کی وجہ سے حاصل ہوئی، کبھی وہ اِسی میدان جہاد میں ایک ادنیٰ سپاہی کی حیثیت سے گھوڑوں کو کھریرا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ظاہری تمکنت سے بے نیاز، زیبائش و آرائش سے نا آشنا تھے، شجاعت و بہادری کے ساتھ زہد و تقویٰ ان کی سیرت کا جلی عنوان ہے۔

ارواح ثلاثہ میں ہے کہ ضلع بلند شہر کی تحصیل سکندر آباد میں حضرت شاہ اسماعیل کو کچھ زمین ملی ہوئی تھی، وہ تحصیل وصول کے لئے وہاں جایا کرتے تھے، راستے میں غازی آباد میں ایک بھٹیاری کے یہاں ٹھہرا کرتے تھے، اتفاق سے ایک دفعہ بیمار ہو گئے اور تحصیل وصول کے لئے شاہ رفیع الدین کے صاحبزادے شاہ موسیٰ کو بھیجا، رخصت کرتے وقت انہیں تمام تفصیلات سمجھائیں، یہاں تک کہ غازی آباد میں قیام کے لئے اس بھٹیاری کا بھی پتہ دیا اور کہا کہ اس سے کہہ دینا کہ میں اسماعیل کا بڑا بھائی ہوں، چنانچہ جب یہ غازی آباد پہنچے اور بھٹیاری کو اپنا پتہ بتایا تو اس نے رات کو شاہ موسیٰ کی چارپائی کے نیچے پانی کے دو لوٹے، ایک چٹائی اور ایک جانماز رکھ دی، شاہ موسیٰ نے یہ دیکھا تو بھٹیاری سے کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے، میں عشاء کی نماز مسجد میں پڑھوں

Marfat.com

گا اور صبح کی نماز بھی وہیں پڑھوں گا ، اُن کی یہ بات سن کر بھٹیاری نے نہایت حیرت سے کہا کہ میں پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ تم اسماعیل کے بھائی نہیں ہو ، اور اب تو تمہارے اِس کہنے پر مجھے اور بھی یقین ہوگیا ہے ، تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ مولوی اسماعیل بھی یہ دونوں نمازیں مسجد میں ہی پڑھا کرتے تھے ، مگر وہ تھوڑی دیر سو کر اُٹھ بیٹھتے ، اور وضو کر کے صبح تک نفلوں میں قرآن پڑھتے تھے ، تم کہتے ہو تمھیں اِس سامان کی ضرورت نہیں ، شروع میں میرا خیال تھا کہ تم اُن کے بڑے بھائی ہو ، اس لئے عبادت بھی زیادہ کرتے ہو گے ، مگر تم تو کچھ بھی نہ نکلے ۔ شاہ موسیٰ کا بیان ہے کہ میں بھٹیاری کی یہ بات سن کر بے حد شرمندہ ہوا اور آسے کوئی جواب نہ دے سکا [1] ۔

حق گوئی و جرأت ایمانی :

حق گوئی میں وہ نہایت بے باک تھے ، یہاں تک کہ شرعی مسائل میں وہ اپنے پیر کی بھی پروا نہیں کرتے تھے ۔

ایک دفعہ حسن زئی قبیلے نے سید صاحب سے عشر معاف کرا لیا۔ شاہ اسماعیل کو معلوم ہوا تو فرمایا عُشر ، زکوٰۃ و خمس کی طرح حقوقِ شریعت میں ہے ، اس کے معاف کرنے کا حق امام کو بھی حاصل نہیں ، حضرت سید احمد نے یہ سنا تو حضرت شاہ اسماعیل کی رائے سے اتفاق کیا [2] ۔

صوبہ سرحد کا گوشہ گوشہ اُن کی جرأت ایمانی کا گواہ ہے ، مشہد بالا کوٹ اس عظیم قربانی کا گواہ ہے جو اُنھوں نے حق کی سر بلندی کے لئے اِس میدان میں محض رضائے حق کے لئے اپنی جان کی پیشکش کی ، اُن کے ذوقِ شہادت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی تالیف "سیرت سید احمد شہید" میں لکھا کہ ۔

نگینے کے مولوی عبداللہ صاحب مرحوم جو جہاد میں شریک تھے ،

۱- ارواح ثلاثہ : ص - ۵۰ - ۵۱ -
۲- ماخوذ از جماعت مجاہدین ، جلد : ۳ مولفہ مولانا غلام رسول مہر - ص - ۱۲۴ -

Marfat.com

بیان کرتے ہیں کہ بالا کوٹ میں مولوی محمد اسماعیل صاحب نے میدان جنگ میں جانے کی اجازت چاہی ، حضرت نے فرمایا کہ مولانا ! اس لڑائی میں ہماری فتح نہیں ہے آپ نہ جائیے ، آپ کے جہادِ لسانی سے انشاء اللہ تعالیٰ بندگانِ خدا کو بہت فائدہ پہنچے گا ، مولوی صاحب نے ہاتھ جوڑ کر فرمایا حضرت ! یہ سر تصدق کرنے کو لایا ہوں آپ مجھ کو اجازت ہی دیجئے ، سید صاحب خاموش ہو گئے اور مولانا میدان میں گئے [۱] ۔

شہادت :

حضرت شاہ اسماعیل شہید نے مشہد بالا کوٹ میں شہادت پائی ، منظورہ میں ہے کہ ان کی پیشانی پر گولی لگی ، سید عبدالرحمان (خواہر زادہ سید صاحب) نے شیخ ولی محمد اور امان اللہ خاں لکھنوی سے سنا کہ مولانا کے سر پر ایک گولی لگی تھی اس سے اگرچہ خفیف زخم آیا ، لیکن داڑھی خون سے رنگی گئی ، پھر آپ ننگے سر امان اللہ خاں سے ملے ، بندوق بھری ہوئی تھی اور لبلبی چڑھی ہوئی تھی ، پوچھا امیرالمومنین کہاں ہیں ، امان اللہ خاں نے مٹی کوٹ کی طرف اشارہ کیا ۔ ادھر سے کثرت سے گولیاں آ رہی تھیں ، وہ یہ کہتے ہوئے گولیوں کی بوچھاڑ کی طرف گئے ، بھائی ! میں تو وہیں جاتا ہوں ۔

کریم اللہ خاں سیواتی کا بیان ہے کہ مولانا اس ہجوم کی طرف چلے گئے جہاں تلوار چل رہی تھی اور ہجوم میں گھس کر بڑی بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے [۲] ۔

مزار مبارک :

حضرت شاہ اسماعیل شہید کا مزار مبارک بالا کوٹ کی مغربی سمت مٹی کوٹ کے شمال مشرق میں ست بنے نالے کے پار واقع ہے ۔

۱- سیرت سید احمد شہید (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) ص ۳۵٦ ۔
۲- سید احمد شہید (مولانا غلام رسول مہر) جلد : ۲ ص : ۳۲۱ - ۳۲۲ ۔

Marfat.com

لوح مزار :

لوح مزار پر یہ عبارت اور اشعار درج ہیں -

مدفن

حضرت مولوی شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہم -

ولادت ، شنبہ ۲۸ شوال ۱۱۹۶ھ -

شہادت جمعہ ۲۴ ذیقعد ۱۲۴۶ھ (۱۸۲۱ء) -

اے ذبیح اللہ اسماعیل (؟)
شد بدایت صور اسرافیل (؟)

خون خودرا در کہہ و کہسار ریخت
لیک بیخ حریت در ہند بیخت

احقر العباد سید اسد علی الوری فرید آبادی ایں کتبہ را در ماہ محرم الحرام ۱۳۷۲ھ نصب کرد -

ایک اور پرانے پتھر پر یہ کتبہ کندہ ہے -

مزار شریف

غازی مولوی شاہ اسماعیل صاحب دہلوی

تصانیف :

حضرت شاہ محمد اسماعیل شہید نے اپنے بعد رشد و ہدایت کا تحریری خزانہ چھوڑا ، ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں -

۱- ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت و الضریح -
۲- الصراط المستقیم -
۳- منصب امامت فی تحقیق منصب نبوت -
۴- رسالہ مبحث امکان نظیر -
۵- تنویر العینین -

Marfat.com

۶۔ سلک نور ۔
۷۔ تقویۃ الایمان ۔
۸۔ منطق کا ایک رسالہ ۔
۹۔ رسالہ یک روزی وغیرہ ۔

حضرت سید احمد شہید کی تحریک کا پس منظر :

حضرت شاہ اسماعیل کی داستان حیات گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے ، ان کی حق گوئی اور جرأتِ ایمانی کے واقعات آپ پڑھ چکے ۔

اب ہمیں صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ حضرت سید احمد شہید کی تحریک کا پس منظر کیا تھا ، انھوں نے یہ تحریک سکھوں کے خلاف چلائی تھی ، یا ان کی تحریک انگریزوں کے خلاف تھی ، وہ کون سا جذبۂ شوق تھا ، جو مولانا عبدالحی اور حضرت شاہ اسماعیل دھلوی کو رزم گاہ بالا کوٹ میں لے کر آیا تھا ۔

حضرت سید احمد بریلوی کی تحریک جہاد کا ہدف نہ صرف انگریز تھے اور نہ صرف سکھ ، بلکہ وہ تمام مسلمانوں کو اسلامی جہاد کی روح سے معمور کر دینا چاہتے ۔ وہ ہر باطل قوت کے لئے سینہ سپر تھے جو اسلامی شہروں اور ملکوں پر قابض ہو چکی تھیں ، اُن کی آرزو تھی کہ کلمۂ حق سر بلند ہو اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت رواج پائے ، وہ ایک ایسی اسلامی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے جو قرآن و سنت کے مطابق ہو ، جس حکومت کے ذریعہ سے احیاء دین ہو ، اس حکومت کا زمام خدا پرستی اور خیر و صلاح پر چلے ، بھلائیوں کو نشو و نما نصیب ہو ، سب لوگ اس حکومت میں حق کے بندے بن کر رہیں اور ایک ایسا نظامِ حکومت قائم ہو ، جس میں سرکردگی اور سربراہی اور فرمانروائی اور نظامِ حکومت نیک مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو ۔ سید صاحب نے اپنے خطوط میں جو اُنھوں نے بادشاہوں اور ریاستوں کے رئیسوں کے نام لکھے ہیں، اُن میں اپنی اس تحریک کے مقصد کو واضح کرتے ہوئے لکھا کہ

میرے اس اقدام سے مقصد رضائے باری تعالیٰ کے سوا کچھ نہیں ،

Marfat.com

میں نہ کوئی علاقہ لینا چاہتا ہوں ، نہ حکومت و جاگیر کا طلب گار ہوں ، نہ جاہ و مال کا خواں ہوں ۔ صرف ایک غرض ، ایک مطلب اور ایک نصب العین میرے سامنے ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کا کلمہ سربلند ہو اور رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سنت تازہ ہو جائے ۔

ایک خط میں لکھا کہ

> سو زبان سے خدائے تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں کہ مالک حقیقی کی اطاعت میں مشغول ہوں اور صرف اسی کی رضا مطلوب ہے ، خدا کے سوا ہر چیز کی طرف سے آنکھیں اور کان بند کر لئے ہیں ، دنیا و مافیہا سے ہاتھ اٹھا لیا ہے اور محض لوجہ اللہ علم ِ جہاد بلند کیا ہے ، مال و متال ، جاہ و جلال ، امارت و ریاست اور حکومت و سلطنت کی طلب سے کاملاً الگ ہو چکا ہوں ، خدا کے سوا کسی کی جستجو نہیں رہی[1] ۔

ایک اور خط میں حضرت شاہ اسماعیل کو لکھا کہ

> تاج فریدوں اور تخت سکندر میری نظروں میں جو کے برابر بھی نہیں ہیں ، قیصر و کسریٰ کی مملکت کا خیال تک دل میں نہیں لاتا ، صرف یہ آرزو ہے کہ اکثر افراد بنی آدم بلکہ دنیا کے تمام خطوں میں رب العالمین کے احکام جاری ہو جائیں ، جنھیں ہم شریعت کے نام سے تعبیر کرتے ہیں ، اور اس بارے میں کسی کی طرف سے کشمکش کا امکان باقی نہ رہے ۔ صرف اس کام کی تکمیل مقصود ہے ، خواہ یہ میرے ہاتھ سے پورا ہو ، یا کسی دوسرے کے ہاتھ سے ، جو حیلہ اِس مدعا کے حصول کا بن سکتا ہے ، اُسے بروئے کار لاتا ہوں اور جو تدبیر اِس مقدمے کے لئے مفید نظر آتی ہے اُس سے کام لیتا ہوں ۔

---

۱ ۔ سید احمد شہید (مولانا غلام رسول مہر) ص ۲٦٣ - ۲٦۵ بحوالہ مکاتیب سید صاحب ۔

Marfat.com

یہ تھا وہ نصب العین جس کے لئے سید صاحب نے اپنی راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کر لیا تھا ، مولانا عبدالحی اور حضرت شاہ اسماعیل کے قلوب میں اسی تمنا کا چراغ روشن تھا وہ پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہوگئے تھے، ان سب کا مقصود ایک تھا ، منزل ایک تھی - فکر و خیال کی ہم آہنگی نے اتنا گہرا ربط پیدا کیا تھا کہ سید صاحب پیر تھے اور یہ دو مرید ، اِس اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے رزمگاہ بالا کوٹ میں ایک لشکر کے ساتھ آئے اور حق کی سر بلندی کے لئے اپنے آپ کو قربان کر دیا -

شکست در اصل فتح تھی :

بہت سی شکستیں بظاہر شکستیں ہوتی ہیں ، لیکن تاریخ آئندہ چل کر ان شکستوں پر فتح کے خیمے نصب کرتی ہے ، بالا کوٹ کے شہیدوں نے اپنے خون سے جو چراغ روشن کیا تھا ، اس وقت تو وہ چراغ عارضی طور پر مدہم ضرور ہو گیا ، مگر ان کی روشنی مختلف چراغوں کے روپ میں ہر دور میں اپنا نور بکھیرتی رہی ، کبھی یہ روشنی مولانا محمد علی جوہر کے روپ میں ظاہر ہوئی اور فرنگی استبداد کی سختیاں جھیلتی رہی ، اور کبھی علامہ اقبال کی نوا کی شکل میں ظاہر ہوئی ، جس نے اس برصغیر کو اپنے نغموں سے جگایا اور اس مفکر اسلام نے اسلامی مملکت کا تصور پیش کر کے ایک اور قدم آگے بڑھایا ، یہاں تک کہ ٹھیک ایک سو چھتیس سال کے بعد حضرت قائد اعظم علیہ الرحمہ نے مملکت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کو حاصل کر کے اُس خواب کی تعبیر کو پورا کر دیا ، جو حضرت سید احمد شہید ، حضرت شاہ اسماعیل شہید ، مولانا محمد علی جوہر نے دیکھا تھا جس سر زمین میں حضرت سید احمد شہید اور اُن کے رفقا اسلامی حکومت کا چراغ روشن کرنا چاہتے تھے ، آج ان بزرگوں کے یُمن و برکت کی یہ کھلی ہوئی نشانی نظر آتی ہے کہ جہاں جہاں ان بزرگوں کے قدم گئے تھے ، وہاں سے انگریز اور سکھ دونوں ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے -

---

۱- حضرت شاہ محمد اسماعیل کے یہ تمام حالات سیرۃ سید احمد شہید (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) ص - ٦۵ - ٦٦ ونزھۃ الخواطر ، جلد - ۷ ص ۵٦ - سید احمد شہید (مولانا غلام رسول مہر) ص ۱۱۵ - ۱۱٦ - ۱۱۷ - علماء ہند کا شاندار ماضی جلد : ۲ ص - ۱۹۰ سے ماخوذ ہیں -

Marfat.com

(۹)

مولانا نور الاسلام رامپوری

علامہ اقبال کا تاثر :

مخدومی ، السلام علیکم

عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم .ضافہ نہ کر سکے گا الحمد للہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا ۔

مولوی نور الاسلام کا رسالہ فی تحقیق المکان کی نقل رامپور کتب خانے سے آ گئی ہے ، اب آپ کے ایفائے وعدہ کا انتظار ہے ۔

مخلص محمد اقبال

(مکتوب علامہ اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی
اقبال نامۂ حصہ اول ۔ ص ۔ ۱۷۹)

حالات :

مولانا نور الاسلام متاخر دور کے ان فلاسفہ میں تھے کہ جن کی کئی کتابوں کی تلاش و جستجو علامہ اقبال جیسے مفکر اسلام کو تھی ۔

آن کا اسم گرامی نور الاسلام بن سلام اللہ بن شیخ الاسلام حنفی دھلوی ثم رامپوری ہے ، وہ مولانا عبدالحق[1] بن سیف الدین دھلوی کی

۱۔ مولانا عبدالحق محدث دھلوی ۔ ولادت : محرم ۹۵۸ھ (۱۵۵۱ء) وفات : ۱۰۵۲ھ (۴۳ - ۱۶۴۲ء) تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۔ ۲۷۶ - ۲۷۷ ۔

Marfat.com

اولاد سے ہیں ، رامپور میں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی ، جن اساتذہ نے ان کو علوم و فنون سے آراستہ کیا ان میں ملا حسن بن غلام مصطفیٰ اور ملک العلماء عبدالعلی[1] بن نظام الدین وغیرہ مشہور ہیں ۔

انھوں نے ہیئت ، ہندسہ اور حساب جیسے فنون میں غیر معمولی کمال حاصل کیا ۔ مولانا نور الاسلام کی تصانیف میں جن کتابوں نے غیر معمولی مقبولیت و شہرت حاصل کی ان میں ایثارالحق، رسالہ فی مبحث الزمان ، رسالہ فی مبحث المکان ، رسالہ فی اصول الحدیث ، حاشیہ شرح مسلم (قاضی) حاشیہ رسالہ میر زاہد اور تعلیق نفیس علی مبحث المشناة بالتکریر وغیرہ مشہور ہیں[۲]۔

۱- ملک العلماء عبدالعلی لکھنوی ، بن نظام الدین ، بن قطب الدین بن عبدالحلیم انصاری سہالوی لکھنوی جو بحرالعلوم اور ملک العلماء کے لقب سے ممتاز تھے ، فقہ اور اصول فقہ کے راس العلماء اور منطق و حکمت اور علم کلام کے امام تھے ، لکھنو میں پیدا ہوئے ، اپنے والد سے تعلیم حاصل کی ، ایک خاص واقعہ کی وجہ سے انہیں وطن چھوڑ کر شاہجہاں پور جانا پڑا ، حافظ الملک حافظ رحمت خاں نے ان کی نہایت تعظیم و تکریم کی ، نواب فیض اللہ ان کو رامپور لائے ، پھر منشی صدر الدین بھوہاروی نے اپنے مدرسہ کا جو بہارو میں تھا ، صدر مدرس مقرر کیا بعض اختلافات کی وجہ سے نواب والا جاہ محمد علی خاں رئیس کرناٹک نے ان کو مدراس بلا لیا ، نواب محمد علی نے مولانا کے لئے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی ، مولانا ایک عرصے تک درس و تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے ، ۸۳ سال کی عمر میں ۱۲ رجب ۱۲۳۵ھ (۲۰ - ۱۸۱۹ء) میں وفات پائی اور مدراس میں مدفون ہوئے ، ان کی تصانیف میں ارکان اربعہ (اصول فقہ) حاشیہ میر زاہد ، شرح تہذیب جلالیہ، شرح مسلم ، حاشیہ بر شرح صدرا ، رسالہ توحید وغیرہ مشہور ہیں ۔
نزهة الخواطر ، جلد : ۷ - ص ۲۸۳ (تذکرہ علمائے ہند) اردو ترجمہ ص ۳۰۴ - ۳۰۵ -

۲- مولانا نور الاسلام کے یہ حالات نزهة الخواطر ، جلد : ۷ ص - ۵۱۰ سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

(۱۰)

مولانا شبلی نعمانی

علامہ اقبال کا تاثر :

میں چاہتا تھا کہ جس طرح پنجاب والوں کو صوبۂ متحدہ کے علماء و فصحا سے اس سے پیشتر فائدہ پہنچا ہے اب بھی وہ سلسلہ آپ کے یہاں رہنے سے بدستور جاری رہے ، مولانا شبلی مرحوم کی زندگی میں میں نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح مولانا مرحوم پنجاب میں مستقل طور پر اقامت گزیں ہو جائیں مگر مسلمان آمرا میں مذاق علمی مفقود ہو چکا ہے ، میری کوشش بار آور نہ ہوئی - - -

(مکتوب اقبال - - - بنام مولانا سید سلیمان ندوی)
(اقبال نامہ - حصہ اول - ص - ۷۶)

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ استاد الکل ہیں ، اقبال آپ کی تنقید سے مستفید ہو گا -

(مکتوب اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی)
(اقبال نامہ - حصہ اول - ص - ۸۰)

اس وقت سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ فقہ اسلامی کی ایک مفصل تاریخ لکھی جائے - - - اگر مولانا شبلی زندہ ہوتے تو میں اُن سے ایسی کتاب لکھنے کی درخواست کرتا - موجودہ صورت میں سوائے آپ کے اس کام کو کون کرے گا -

(مکتوب اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی)
اقبال نامہ حصہ اول - ص ۱۴۳ -

Marfat.com

حالات :

مشرق کے ادب کو جس نے ہمدوش ثریا کر دیا ، آردو ادب کو جس نے نثر و نظم میں نئے نئے استعارے ، کنائے اور تشبیہیں دیں ، جس کا شمار آردو ادب کے عناصر خمسہ میں ہوتا ہے ، جس نے تاریخ و تنقید اور اسلامی موضوعات پر قلم آٹھا کر آردو میں نئے اسالیب و صور کو جذب کر کے آردو نثر کے نئے عناصر بنائے ، جو آردو نثر نگاری میں خداوندِ ادب کہلایا ، جس کے متعلق بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنی تصنیفات کے وہ گلہائے رنگا رنگ چھوڑے جن کی شگفتگی لافانی ، جن کی مہک جاودانی ، جن کی دل آویزی میں نقش دوام کا پرتو ہے - جس نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ آردو ادب کے حسن و جمال کی آراستگی و پیراسگی میں صرف کیا ، جسے یہ کہنے کا بجا طور پر حق پہنچتا ہے کہ

از نفس آنچہ داشتیم صرف ترانہ کردہ ایم

جس کی بارگاہ میں آردو کے یگانہ روزگار ادیب مہدی حسن افادی الاقتصادی نے گلہائے عقیدت نچھاور کرتے ہوئے لکھا کہ

> غالب زندہ ہوتے تو شبلی کو اپنی " آردوئے خاصہ'' کی داد ملتی ، جس نے ایک نوخیز بازاری یعنی کل کی چھوکری کو جس پر انگلیاں آٹھتی تھیں آج اس لائق کر دیا کہ وہ اپنی بڑی بوڑھیوں اور ثقہ بہنوں یعنی دنیا کی علمی زبانوں سے آنکھیں ملا سکتی ہے ، مدتوں شعرا سے گڑھا اتحاد رہا . . . آخر میں ملک کے منچلے یعنی ناول نویس تو یہاں تک ہاتھ دھو کر پڑے کہ اس کی پردہ دری میں کچھ آٹھا نہیں رکھا تھا ، لیکن دفعتاً اس کی حالت نے پلٹا کھایا ، کثرتِ فواحش ، باعثِ سنجیدگی ہوگئی ، اچھے دن آتے ہیں تو بگڑی بن جاتی ہے ، اب وہ مقدس علماء کی کنیزک میں داخل ہے ، لیکن سنا گیا ہے کہ خوش اوصاف شبلی سے زیادہ مانوس ہے اور قریب قریب آن ہی کے تصرف میں رہتی ہے . . .

Marfat.com

وہ مولانا شبلی ہیں ۔[1]

مولانا شبلی ہی کے ادب نے آردو کو وہ قوت عطا کی کہ سیرۃالنبیؐ کے عالمی مضامین کو اس میں سمو کر آردو کو سنجیدگی ، وقار اور متانت کی نعمتوں سے مالا مال کر دیا ۔

شبلی کے دور کا ماحول :

مولانا شبلی نے جس دور میں آنکھیں کھولیں ہمیں اس دور میں دو قسم کے علماء نظر آتے ہیں ، ایک علماء کی وہ جماعت دکھائی دیتی ہے جنہوں نے اپنی اصلاحی کوششوں کو زمانے کی ضرورتوں سے قطع نظر کرکے دینی ضروریات پر مرکوز کر لیا تھا ، ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اسلاف صالحین سے جو کچھ انہوں نے ترکے میں حاصل کیا ہے ، نہ صرف اس کی حفاظت کی جائے ، بلکہ ہندوستان میں اسلامی اقتدار کو بحال کیا جائے تا کہ علماء و صلحاء کو اسلامی جمہوری فضا میں کام کرنے کے مواقع آسانی سے ملیں ۔

علماء کے اس طبقے کے نمائندے مولانا محمد قاسم نانوتوی ، مولانا رشید احمد گنگوہی اور دوسرے مقدس علماء تھے ، جنہوں نے ولی اللٰھی تحریک کو آگے بڑھایا اور اپنے مقدور کے مطابق اس فرض کو اس خوبی سے انجام دیا کہ ہزاروں مسلمانوں کے قلوب کو اپنے فیض سے روشن کر دیا ، انہوں نے اپنے فکر کے ابلاغ کے لئے برصغیر پاک و ہند کی سب سے بڑی دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد جنگ آزادی ۱۸۵۷ع کے دس سال بعد ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۶ع) مسجد چھتہ دیوبند میں رکھی ، اس کے اصل محرک مولوی فضل الرحمان (والد مولانا مفتی عزیز الرحمن و مولوی حبیب الرحمان و مولانا شبیر احمد عثمانی) اور مولوی ذوالفقار علی والد حضرت شیخ الہند تھے ، اس درسگاہ کے پہلے مدرس مُلّا محمود تھے ۔

---

۱ - نقوش و افکار (مجنوں گورکھپوری) بحوالہ علامہ شبلی کا علمی رسالہ ، ص ۴۵ ، ۴۶ ۔

Marfat.com

دوسرا گروہ وہ تھا جو انگریزوں کے اقتدار کو بادل ناخواستہ گوارا کرکے ان تدبیروں میں مصروف تھا کہ کس طرح وہ مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرکے اس قابل بنائیں کہ وہ وقت کے مطالبوں اور تقاضوں کو پورا کرسکیں، اس گروہ کے سرخیل سرسید تھے، ان کے رفقاء محسن الملک، مولوی چراغ علی، مولوی سید کرامت علی جونپوری، مولوی نذیر احمد مولانا الطاف حسین حالی وغیرہ تھے۔ انگریزوں کے اقتدار کے بعد جو انحطاط مسلمانوں کی اقتصادی اور تمدنی زندگی میں رونما ہوا تھا اور اس وقت جو نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے تھے، سرسید کے خیال میں ان کا مداوا یہ تھا کہ مسلمان انگریزی تعلیم حاصل کریں، جس سے اس زمانے کے مسلمان بدکتے تھے، ان کا خیال یہ بھی تھا کہ قوم کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ ایک نئی زبان تیار ہو جو فارسی کی جگہ لے، ایک نیا ادب پیدا ہو جو شاندار ماضی اور قوم کی پستی کی تصویر کا آئینہ دکھائے اور ایک نئی نثر عام ہو، جس میں روزمرہ کے عام واقعات بیان کرنے کی صلاحیت ہو۔

ایم۔اے۔او ہائی سکول اور محمڈن کالج :

۱۲۸۷ھ (۱۸۷۰ء) میں سر سید ولایت گئے، وہاں انہیں انگریز قوم کی ترقیوں اور ان کی تعلیمی و معاشرتی خوبیوں کے مطالعہ کا بھی موقع ملا، وہاں سے آکر سب سے پہلے انہوں نے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا، اس کے دو چار پرچے ہی نکلے تھے کہ چاروں طرف سے اس کی مخالفت شروع ہوئی۔ اس رسالے کا پہلا شمارہ ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ (یکم شوال ۱۲۸۷ھ) کو شائع ہوا، اس رسالے کی تمہید میں سرسید نے لکھا کہ

> اس پرچے کے اجرا سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو کامل درجے کے سولیزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر راغب کیا جائے، تا کہ جس حقارت سے سولائیزڈ یعنی مہذب قومیں ان کو دیکھتی ہیں وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا میں معزز اور مہذب قوم کہلاویں۔[1]

۱۔ اخبار جنگ مورخہ ۳۰ مارچ ۱۹۷۷ء مضمون سرسید احمد خاں بحیثیت صحافی۔ مضمون نگار احمد نسیم درانی۔

Marfat.com

اشاعت تعلیم کے ساتھ ساتھ علی گڑھ کالج کے قیام سے پہلے جو کام شروع کیا ، وہ سائینٹفک سوسائٹی غازی پور کا افتتاح تھا جو ۱۸۶۲ع میں ہوا ، اس سوسائٹی کا مقصد مغربی علوم کو ہندوستان میں رائج کرنا تھا ، سر سید جب علی گڑھ آئے تو سوسائٹی بھی وہیں منتقل ہوگئی ، اس نے کئی مفید کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرائیں ۔

۱۸۷۵ع میں سر ولیم میور نے ایم ۔ اے ۔ او ہائی اسکول کا باقاعدہ افتتاح کیا اور ۸ جنوری ۱۸۷۷ع کو لارڈ لٹن نے محمڈن کالج کا افتتاح کیا ، جو آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ ہوگیا ۔

سر سید نے کالج کے اسٹاف میں یورپین اسٹاف کے انتخاب میں بڑی کوشش کی اور مسٹر بیک پرنسپل ایم ۔ اے ۔ او کالج کی مدد سے انھیں بڑے قابل اور ہونہار اساتذہ مل گئے ۔ پروفیسر ٹی ۔ ڈبلیو آرنلڈ جو بعد میں سر تامس آرنلڈ ہوئے ، فلسفے کے پروفیسر مقرر ہوئے ، انگریزی کے پروفیسر رالے مقرر ہوئے جو بعد میں مسٹر والٹر رالے کے نام سے انگریزی ادب کے بہترین نقاد مشہور ہوئے ، اس کے علاوہ سر تھیوڈ ماریسن اور مسٹر آرچی بالڈ وغیرہ بھی کالج کے اسٹاف میں مقرر کئے گئے ، فارسی کے استاد مولانا شبلی مقرر ہوئے ، جن کا انتخاب مولوی سمیع اللہ نے سر سید کے سامنے پیش کیا ۔

اِس جدت پسند جماعت میں مولانا شبلی سب سے آخر میں آئے مگر صفِ اول میں جگہ پائی ۔ اِس نئے فکر کے گروہ کی سرگرمیوں نے مسلمانوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرکے دنیاوی پستی کو دور کیا اور مسلمانوں پر مادی ترقیوں کے دروازے کھولے ، لیکن علی گڑھ تحریک کا رنگ مذہبی نہ تھا ، بلکہ وہ فی الحقیقت ایک تعلیمی ، ادبی اور کلچرل تحریک تھی ، جس نے اپنا مقصد پورا کیا ، مولانا شبلی اِن جدت پسندوں اور قدامت پسندوں کے گروہوں کے درمیان قران السعدین تھے ، قدیم علوم سے بھی آراستہ اور جدید سے بھی آشنا ، خود مولانا شبلی نے اِس حقیقت کو اپنے ایک شعر میں اِس طرح ڈھالا ہے

Marfat.com

شبلی ز خیلِ زمزمہ سنجاں حشم گرفت
با ایں کہ ہیچ گونہ ز خیل و حشم نداشت

آن کے شاگردِ رشید مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے استاد محترم کے اوصاف و محامد پر اپنی تصنیف "یادرفتگاں میں آن کا تقابل دوسروں سے کرتے ہوئے لکھا کہ

> تماشا گاہِ عالم میں کمال کا جو جوہر انہوں (مولانا شبلی) نے دکھایا ، یقین ہے کہ دنیا زمانے تک اس کی مثال نہ پیش کر سکے گی ۔ مولانا کے حریف تلوار کا صرف ایک وار جانتے تھے ، یا فقیہ و محدث یا متکلم و فلسفی تھے ، یا فقط انشاپرداز یا زبان آور خطیب یا سخن فہم و سخن سنج ، لیکن یہ یگانۂ روزگار ، مجموعہ ہر علم و فن تھا ، جس رستے پر قدم رکھا ، میدان میں سب سے آگے نظر آیا ، علومِ دینی و مشرقی میں جو تبحر آن کو نصیب تھا ، اس سے یہ جدید ارکان یکسر خالی تھے اور قدیم علماء جدید مسائل سے بے خبر تھے ، تاریخ کا وہ اس بازار میں تنہا جوہری تھا ، فلسفہ و کلام کا وہ امام تھا ، شاعری کا کہنہ مشق استاد تھا ، انشاپردازی کے پامال کوچے میں بھی اس کی راہ الگ تھی ، انشاپردازی (تحریر) و زبان آوری (تقریر) ان دونوں کشوروں میں یکساں صرف اسی کا سکہ رواں تھا ، سخن فہمی و سخن سنجی اس کے طائر کمال کے شہپر تھے ۔
>
> اس میں دوسری جامعیت یہ تھی کہ وہ صرف دماغ نہ تھا ، ہاتھ بھی تھا ، قومی تحریکوں کے عواقب پر جہاں اس کی نظر پہنچی ، حریف اس کے دیکھنے سے قاصر تھے ، اس کا دماغ جن دینی و ملی کارناموں کا تماشا دیکھتا تھا ، اور دکھانا چاہتا تھا ، بہت سی آنکھیں اس کے دیکھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی تھیں ، قومی ، تعلیمی ،

Marfat.com

مولانا اسلم جیراج پوری نے اپنے مضمون میری طالب علمی میں لکھا کہ

> ہمارے گاؤں سے ملا ہوا ایک دوسرا موضع بندول ہے ، جہاں کے ایک معزز وکیل کے بیٹے مولوی شبلی صاحب نعمانی اس زمانے میں تکمیل علوم کرکے آئے تھے ، ان کے اوپر تقلید کا غلبہ تھا ، اس وجہ سے انھوں نے والد کے ساتھ بعض امور میں مباحثہ کرنا چاہا ۔ والد بحث کو ناپسند کرتے تھے مگر ان کے بعض شاگردوں خاص کر مولوی اسد اللہ صاحب نے جو موضع رواں کے رہنے والے تھے جوابات دیے اور طرفین میں رسالہ بازی ہوئی ۔[1]

تعلیم :

اس دور میں فارسی شرفا کی زبان تھی ، مولانا نے گھر پر ہی فارسی نصاب کی تعلیم مکمل کی ، پھر عربی کی تعلیم شروع کی ، اور غازی پور میں مولانا محمد فاروق صاحب چریا کوٹی جو اس دور کے جلیل القدر علماء میں تھے اور مولانا عنایت رسول چریا کوٹی[2] سے عربی نصاب کی متوسط اور انتہائی کتابیں پڑھیں ، یہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور مولانا عنایت رسول اس زمانے میں مدرسہ غازی پور کے صدر مدرس تھے ، کہا جاتا ہے کہ دونوں بھائی فیضی اور ابو الفضل کی طرح علم کے آفتاب و ماہتاب تھے ، لیکن مولانا شبلی کے جوہر قابل کو نکھارنے اور سنوارنے میں مولانا محمد فاروق

۱۔ نوادرات ، ص ، ۳۷۰ ۔

۲۔ مولانا عنایت رسول چریا کوٹی : ولادت: ۱۲۴۴ھ (۲۹-۱۸۲۸ع) اساتذہ : مولانا احمد علی چریا کوٹی ، مولانا حیدر علی ٹونکی : تصنیف : بشریٰ جو ۱۹۳۸ع میں چھپی (تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ، ۳۵۸ و ۳۵۹) ۔

Marfat.com

> اجتماعی ، سیاسی ، ادبی ، مذہبی غرض عمل کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا ، جس کی طرف اس کا ہاتھ نہ بڑھا ، با ایں ہمہ اس کا مخصوص فن صرف تاریخ اور کلام رہا[1]

مولانا سید سلیمان ندوی نے جس بلاغت و جامعیت سے اپنے استاد محترم کے اوصاف و محامد کی تصویر کو انلارج کیا ہے وہ واقعیت اور حقیقت کا آئینہ دار ہے ۔

خاندان ۔ وطن :

اس وقت جب کہ ہندوستان ایک نہایت پُر آشوب دور سے گزر رہا تھا ، مغلیہ حکومت کا آفتاب غروب ہو چکا تھا انگریز اپنی حکومت کے استحکام کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے ، اور شمع حریت کے پروانے انگریزوں سے دست و گریباں ہوکر آزادی کی تمنا کے جرم میں دار و رسن پر لٹکائے جا رہے تھے، عین جنگ آزادی کے سال ۱۸۵۷ء میں مولانا شبلی صوبہٴ متحدہ کے ضلع اعظم گڑھ کے کے بندوَل نامی ایک گؤں میں پیدا ہوئے ، ان کا خاندان اس ضلع میں ممتاز اور صاحب ثروت خاندان تھا ، آن کے والد شیخ حبیب اللہ اعظم گڑھ کے ایک کامیاب وکیل تھے ۔

شبلی اور نعمانی کی وجہ تسمیہ :

ان کے استاد مولانا محمد فاروق آن کو "بیشہٴ دانش کا شیر" اور اپنے شاگرد کو "بچہٴ شیر" کہتے تھے ، استاد نے شاگرد کا سجع کہا تھا "انا اسد و انت شبلی" (یعنی میں شیر ہوں اور میرا شاگرد بچہ شیر) مگر اصل میں یہ نسبت شبلہ کی طرف ہے ، جو آن کا آبائی وطن ہے ۔

نعمانی وہ اپنے آپ کو اس لیے لکھتے تھے کہ ابتدا میں ان پر تقلید کا غلبہ تھا ، نعمان حضرت امام ابو حنیفہ کا نام ہے وہ تقلیدِ فقہ حنفی کی وجہ سے اپنے آپ کو نعمانی لکھتے تھے ۔

۱- یاد رفتگاں ، ص ، ۱۲ و ۱۳ ۔

Marfat.com

چریا کوٹی[1] کو بڑا دخل ہے ، معقولات سے مولانا فاروق نے مولانا شبلی کو اس طرح آراستہ کیا کہ اس زمانے کے ہندوستان میں اس سے زیادہ ممکن نہ تھا ۔

ہندوستان کے افق کے درخشندہ ستارے :

مولانا شبلی کے زمانۂ طالب علمی میں جن ستاروں سے پاک و ہند کا آسمان علم و فضل جگمگا رہا تھا ، ان میں مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی[2] ، میاں نذیر حسین محدث دہلوی[3]، مولانا فیض الحسن سہارنپوری،

۱۔ مولانا محمد فاروق چریا کوٹی بن قاضی علی اکبر : برادر خورد مولانا عنایت رسول چریا کوٹی : مولانا شبلی نے لکھا کہ "میں نے معقولات کی تمام کتابیں مثلاً میر زاہد ، حمد اللہ ، شرح مطالع ، صدرا ، شمس بازغہ آنہی سے پڑھیں ، میری تمام تر کائنات آنہی کی افادات ہیں ، فارسی کا مذاق بھی آن ہی کا فیض ہے" مولانا محمد فاروق نے ۲۸ اکتوبر ۱۹۰۹ع میں وفات پائی ۔ (مقالات شبلی ، جلد : ۸ ، ص ، ۳۸ تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ، ص ، ۳۶۳) ۔

۲۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی بن مولوی عبدالحلیم : کنیت ابو الحسنات ، ولادت : ۱۲۶۳ھ (۱۸۴۸ع) ، مقام ولادت : باندہ ، اساتذہ : آن کے والد مولوی عبدالحلیم و مولوی نعمت اللہ ۔ وفات : ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۶ع) ۱۹ ربیع الاول بمرض صرع ۔ مدفن ، لکھنؤ ۔ تصانیف : صاحب تصانیف کثیرہ ہیں ۔ (تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ، ۲۸۷ و ۲۸۸) ۔

۳۔ میاں نذیر حسین محدث دہلوی بن جواد علی ، ولادت : ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ع)، مقام ولادت : موضع سورج گڑھ ، ضلع مونگیر بہار، دہلی میں آمد: ۱۲۴۳ھ (۱۸۲۸ع)، اساتذہ : مولوی عبدالخالق دہلوی ، مولوی کرامت علی ، مولوی محمد بخش ، اجازت شاہ محمد اسحاق سے لی ۔ وفات : ۱۳ اکتوبر ۱۹۰۲ ع ، مدفن : دہلی (تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ، ۵۹۵) ۔

Marfat.com

مولانا عبدالحق خیر آبادی[1] ، مولانا ارشاد حسین[2] اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

دیوبند :

اپنے ایک عزیز مولوی محمد عمر کے بلانے پر مولانا شبلی دارالعلوم دیوبند گئے ، لیکن شریک تعلیم نہ ہوئے اور واپس چلے آئے ، پھر مولانا شبلی رامپور گئے ، مولوی عبدالحق خیر آبادی کی درسگاہ کی قدامت پسندی کو دیکھ کر دوبارہ وہاں نہیں گئے ، لیکن جناب اقبال احمد سہیل نے لکھا کہ مولانا شبلی نے کچھ دنوں دیوبند میں قیام کیا اور ایک چلے میں علم الفرائض کی تکمیل کی[3] ۔

رامپور میں مولانا ارشاد حسین جو ایک مشہور عالم دین اور فقیہہ تھے ان کی درسگاہ نے مولانا کے دل کو لبھایا اور ان کے درس میں شریک ہو کر فقہ کی کتابیں پڑھیں ۔ مولانا شبلی ان کی نقادی اور دینی تبحر کے بڑے مداح ، معترف و معترف تھے ۔

تعلیم ادب کے لیے لاہور میں :

پھر مولانا شبلی عربی ادب کی تکمیل کے لیے مولانا فیض الحسن

۱۔ مولوی عبدالحق خیر آبادی : ولادت : ۱۲۴۴ھ (۱۸۲۹-۱۸۲۸ء) بمقام دہلی ۔ اساتذہ : مولانا فضل حق خیر آبادی ۔ وفات : ۲۲ شوال ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۹ء) ، تصانیف : حاشیہ قاضی مبارک ، حاشیہ حمد اللہ ، شرح مسلم الثبوت وغیرہ مشہور ہیں (تذکرہ علمائے ہند اردو ترجمہ ص ۲۷۹ تا ۲۸۰) ۔

۲۔ مولانا ارشاد حسین رامپوری بن حکیم احمد حسین ولادت : ۱۰ صفر ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) بمقام رامپور ۔ بیعت : شاہ احمد سعید مجددی سے بیعت ہوئے ، وفات : ۱۵ جمادی الآخر ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳ء) تصنیف : انتصار الحق (تذکرہ علمائے ہند اردو ترجمہ ص ۱۰۳) ۔

۳۔ یادگار شبلی ، ص ۹۲ بحوالہ رسالہ الاصلاح ۔ جنوری ۱۹۳۶ء ۔

Marfat.com

سہارنپوری[1] کی خدمت میں لاہور پہنچے، جو اس زمانے میں لاہور میں اورینٹل کالج میں عربی ادب کے استاد تھے، اور مولانا فضل حق خیرآبادی[2] کے شاگرد تھے، پورے اسلامی دور میں قاضی عبدالمقتدر کے سوا یہی ایک فرد تھے جو عربی شاعری کا بلند مذاق رکھتے تھے، ان کی عربی ادب پر شرح حماسہ اور دوسری تصانیف اس کی گواہ ہیں - آن کا عربی دیوان بھی شائع ہو چکا ہے، لاہور میں مولانا شبلی چند ماہ رہے، مولانا فیض الحسن سے حماسہ شروع کی، مولانا فیض الحسن کے پاس عدیم الفرصتی کی وجہ سے اتنا وقت نہ تھا، مولانا فیض الحسن اورینٹل کالج آتے جاتے راستے میں ان کو پڑھاتے تھے -

مولانا احمد علی محدث سہانپوری کی خدمت میں :

لاہور سے مولانا شبلی مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی خدمت میں سہارنپور حاضر ہوئے، اور آن سے حدیث کی تکمیل کی، مولانا شبلی اپنے اساتذہ میں سب سے زیادہ آن کی تعریف کرتے تھے، اور ادب سے ان کو "ہمارے مولانا" کہا کرتے تھے -

فریضہ حج کی ادائیگی :

۱۹ سال کی عمر میں یعنی ۱۸۷۶ء میں، جب کہ مولانا شبلی ترمذی پڑھتے تھے آن کے بعض عزیز حج کے لئے گئے، مولانا نے بھی ان کے ساتھ فریضۂ حج ادا کیا، مدینۂ طیبہ دربار رسول ؐ میں حاضر ہوئے،

۱- مولانا فیض الحسن سہارنپوری : وفات : ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۷ء) (تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ)، ص ۵۸۶) -

۲- مولانا فضل حق خیر آبادی : ولادت : ۱۲۱۲ھ (۱۷۹۷ء) اساتذہ : مولوی فضل امام (والد مولانا فضل حق خیر آبادی)، حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی، انگریزوں نے انھیں ۱۸۵۷ء میں جزیرہ رنگون بھیج دیا وہیں ۱۲ صفر ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۱ء) میں وفات پائی - (تذکرہ علمائے ہند اردو ترجمہ، ص ۳۸۲ و ۳۸۳) -

Marfat.com

عشق رسولؐ سے سرشار ہو کر ایک قصیدہ اور ایک قطعہ فارسی میں کہا ، مدینۂ منورہ کے بہت سے کتب خانوں سے استفادہ کیا ۔

شاعری :

مولانا شبلی کو ابتدا ہی سے شاعری کا ذوق تھا ، اعظم گڑھ کے قیام کے زمانے میں جو مشاعرے ہوتے تھے ، مولانا ان مشاعروں میں صدر ہوتے تھے ۔ مولانا نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کی ہے ۔

مولانا شبلی کی شاعری اگرچہ اُن کی شخصیت کا مکمل عکس نہیں ، لیکن ان کے جذباتِ جمیل کی آئینہ دار ہے ، اگرچہ انھوں نے سر سید سے متاثر ہو کر اصلاحی اور قومی شاعری بھی کی ہے ، اور بلا شبہ اُن کے جوہر شاعری اِس صنف میں بھی کھلتے ہیں ، لیکن ان کی فارسی میں عاشقانہ غزلیں ان کی نفاست پسندی ، حسن پرستی ، سوز و گداز کی عکاس ہیں ؛ اُن کی شاعری پر عشق مجازی کی بڑی گہری چھاپ ہے ، ان کا محبوب اِسی عالم آب و گل کا محبوب ہے ، انھوں نے اپنی اِن وارداتی شاعری کی کیفیات و محسوسات کو چھپایا نہیں ، بلکہ برملا کہا ہے ۔

جامۂ زہد جو بر قامتِ من راست نبود
شیشۂ تقویٰ سی سالہ بہ سنداں زدہ ام

وہ جب شعرا کی محفل میں رونق افروز ہوتے ہیں ، اور اپنے دلی تاثرات کو اپنے شعر میں سموتے ہیں تو وہ اس حقیقت کو جس سے وہ گزرے ہیں بے نقاب کرنے میں ذرا تامل نہیں کرتے ، بلکہ اس پر شکر ایزد کرتے ہوئے نظر آتے ہیں :

کارِ مستوری و شاہد طلبی ہر دو خوش است
شکر ایزد کہ ہم ایں کردم و ہم آں کردم

وفور محبت نے مولانا شبلی کو ادب کی جن نعمتوں سے سرفراز کیا وہ ان کی عشقیہ شاعری کے علاوہ نثری ادب میں وہ "خطوط شبلی" ہیں جن کی داستان کا سرا بمبئی سے ملا ہوا ہے ، یہ خطوط انشائی نثر کا ایک شاہکار ہیں ، جن میں صراحت سے زیادہ کنائے کی بلاغت سے کام لیا گیا ہے ۔ خطوط انشائی

Marfat.com

ادب میں ایک نئی شاہ راہ کا پتا دیتے ہیں ۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ شروع میں مولانا شبلی نہایت متقشف تھے ، قدامت پسند علماء کی طرح درس و تدریس کے علاوہ انہیں کوئی دوسرا کام نہ تھا ، آن کے شاگرد رشید مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب "یاد رفتگاں" میں لکھا ہے کہ

> گھر کے لوگوں کو فکر تھی کہ اب یہ دنیا کا کوئی کام کریں ، گھر کی زمینداری کا کاروبار ان کے سپرد ہوا، لیکن علم و دانش کا رئیس اس سے عہدہ برآ نہ ہو سکا ۔

وکالت :

مولانا کے زمانے میں رواج تھا کہ فارسی اور عربی خواں لوگ آردو میں وکالت کا امتحان دے کر وکیل بن جاتے تھے ، مولانا شبلی نے بھی وکالت کا امتحان دیا اور کامیابی حاصل کر کے اعظم گڑھ اور بستی میں وکالت شروع کی ، لیکن وکالت میں جھوٹ سچ کی گرم بازاری دیکھ کر جلد ہی وکالت سے دل برداشتہ ہو گئے ۔

امینی :

کچھ دنوں امینی کے صیغے میں نوکری کی ، لیکن یہ بھی ساز گار نہ آئی ۔

درس و تدریس !

آخر مولانا شبلی مطالعۂ درس و تدریس اور قصائد و رسائل لکھنے میں مشغول ہو گئے ۔

علی گڑھ کالج کی معلمی :

یہ وہ زمانہ تھا کہ سر سید کی شہرت سے پاک و ہند کی فضائیں گونج رہی تھیں ، مولوی محمد حسین آزاد کی کتاب سنین اسلام نئی نئی شائع ہوئی تھی ، یہ کتاب اکثر مولانا کے مطالعہ میں رہتی ، اس کتاب کے مطالعہ نے مولانا شبلی کو قومی درد سے آشنا کیا ، اتفاق دیکھیئے کہ ۱۸۸۲ء میں

Marfat.com

مولانا شبلی اپنے بھائی مہدی مرحوم سے ملنے کے لیے علی گڑھ گئے جو علی گڑھ کالج میں پڑھتے تھے ، وہیں سر سید سے ملاقات ہوئی ، سر سید نے مولانا کی پیشانی سے جودت و طباعی ، علم و فضل کے غیر معمولی آثار دیکھ کر مولانا شبلی کو علی گڑھ کالج کی دعوت دی اور مولانا کے لئے بھی یہ جدید مرکز علمی جو ایک نئے انداز فکر کو اپنے دامن میں لئے ہوئے تھا باعث کشش بنا ، مولانا نے سر سید کی دعوت قبول کر لی اور کالج میں فارسی اور عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے ۔

سر سید نے مولانا شبلی کو اپنی کوٹھی میں ٹھہرایا ، مولانا حالی بھی وہیں مقیم تھے ، مسٹر آرنلڈ بھی کالج میں آ چکے تھے ، قدامت کو جدت نے آئینہ دکھایا ، قدیم فکر کے صحرا میں نئے طرز تخیل کے چمن کی آبیاری ہوئی ، سر سید کے دامن تربیت نے مولانا شبلی کی کایہ کلپ کی یہیں انھوں نے آرنلڈ سے فرانسیسی سیکھی ، یہیں ان میں صحیح معنی میں ذوق تصنیف اور وسعت نظر پیدا ہوئی ، یہیں کی فضاؤں نے انھیں قومی کام کرنے کا سلیقہ عطا کیا ، جو مستقبل میں ان کے لئے بڑا سازگار ثابت ہوا ، یہیں انھوں نے مستشرقین کی کتابوں تک رسائی حاصل کی ، یہیں انھوں نے سر سید کے کتب خانے سے استفادہ کیا جو یورپ کے نادر تاریخی جواہر ریزوں سے مالا مال تھا ، سر سید کے علاوہ مولانا پر جو اثر انداز ہوئے ، وہ سر سید کے دوسرے رفقاء بھی تھے ۔ خصوصاً مسٹر آرنلڈ کے علمی احسانات سے وہ گراں بار نظر آتے ہیں ، ایک قصیدے میں کہتے ہیں :

آرنلڈ آں کہ رفیق است و ہم استادِ مرا

علی گڑھ کالج کے ماحول ہی نے مولانا شبلی کو وہ کلید دانش عطا کی تھی ، جس سے ان پر جدید رنگ میں تالیف و تصنیف کے دروازے کھلے

سر سید کا برتاؤ مولانا شبلی کے ساتھ نہایت مشفقانہ و ہمدردانہ تھا انھوں نے مولانا شبلی کو نہ صرف علم و ادب کے کوچے کی راہ دکھائی بلکہ وہ ان کی صحت اور ان کے مفاد کا بڑا خیال رکھتے تھے ، خود مولانا شبلی کو اس کا اعتراف ہے کہ سر سید نے ان کی فکری و علمی زندگی کو نئے سانچوں میں ڈھالا ۔ مولانا شبلی نے شمس العلماء کے خطاب ملنے کی

Marfat.com

تقریب میں جو جلسہ منعقد ہوا تھا ، اس میں تقریر کرتے ہوئے کہا :

> حضرات ! یہ سچ ہے کہ اگر میری زندگی کا کوئی حصہ علمی یا تعلیمی زندگی قرار پا سکتا ہے تو اس کا آغاز ، اس کا نشو و نما ، اس کی ترقی ، اس کی نمود ، اس کا امتیاز جو کچھ ہوا ہے ، اس کالج سے ہوا ہے - - - غرض یہ کہ میں نے جو کچھ سیکھا ہے اور جو کچھ ترقی کی ہے ، اسی کالج سے کی ہے ، جس طرح میں اِس کالج کا پروفیسر ہوں اسی طرح اِس کا ایک تربیت یافتہ شاگرد بھی ہوں[1] -

علی گڑھ کالج سے بددلی اور علیحدگی :

لیکن رفتہ رفتہ مولانا شبلی علی گڑھ کالج سے بد دل ہوتے گئے ، یہاں تک کہ سولہ سال کی ملازمت کے بعد علی گڑھ کالج سے مستعفی ہو گئے ، شبلی نے علی گڑھ کالج سے کیوں علیحدگی اختیار کی اور وہ کیا وجوہ تھیں جو ان کی بد دلی کا باعث ہوئیں ، پھر اس بد دلی میں شدت بھی اس قدر آئی کہ انھوں نے سر سید کے کاموں اور کتابوں کی نہایت مخالفت کی ، یہ وہ معمہ ہے جو صحیح طور پر ابھی تک حل نہیں ہو سکا -

مولانا سید سلیمان ندوی نے مولانا شبلی کے استعفٰی کی وجہ بیان کرتے ہوئے یاد رفتگاں میں لکھا کہ سید صاحب اس زمانے میں کالج کے برائے نام سیکرٹری تھے ، اصل مالک سید محمود بن گئے تھے ، جن کے طرز عمل سے ہر شخص نالاں تھا - مولانا نے کئی بار استعفٰی دیا ، مسٹر بک نے نامنظور کر دیا ، آخر ۱۸۹۸ع کی مئی میں کالج سے رخصت لی ، سید صاحب اور مسٹر بک مصر تھے کہ مولانا یہاں شش ماہ قیام کریں کہ جون ۱۸۹۸ع میں سید صاحب نے وفات پائی ، سولہ سال کی خدمت کے بعد ۱۸۹۸ع میں کالج کی پروفیسری سے مستعفی ہو کر اپنے وطن اعظم گڑھ

۱- یادگار شبلی - (ڈاکٹر شیخ محمد اکرام ، ص - ۹۵ - ۹۶) -

Marfat.com

چلے آئے[1] ۔

بعض کہتے ہیں کہ سر سید سے اُن کی پرخاش کی وجہ سر سید کے مذہبی عقائد تھے ، لیکن یہ بات کچھ دل کو نہیں لگتی ، سر سید کی طرح انہیں بھی علماء کے کفر کے فتویٰ کا ہدف بننا پڑا ، چنانچہ علمائے دہلی نے باقاعدہ اُن کی تکفیر کا فتویٰ دیا[۲] ۔

رہا یہ امر کہ انہیں سر سید کی پالیسی سے اختلاف تھا ، ہماری رائے میں یہ بات بھی قرین قیاس نہیں۔ گو انھوں نے ایک زمانے میں سر سید کی سیاسی پالیسی پر بڑی نکتہ چینی کی ہے ، لیکن آخر میں دونوں کی سیاسی پالیسی بھی ہم آہنگ نظر آتی ہے ۔

رہا مولانا سید سلیمان ندوی کی بیان کردہ وجہ سید محمود کے سیکرٹری ہونے کا واقعہ جو مولانا شبلی کے لئے مستعفی ہونے کا باعث ہوا ، اُس کے متعلق شیخ محمد اکرام مرحوم نے موج کوثر میں لکھا کہ

> مذہبی اور سیاسی اختلافات کے علاوہ سر سید کے جس فعل سے کئی لوگ ناراض ہیں وہ ٹرسٹی بل کے متعلق ان کا رویہ ہے ، اِس کے منظور ہو جانے کے بعد مولوی سمیع اللہ اور اُن کی پارٹی سر سید کے کاموں سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ ہو گئے - شبلی کو اس مسئلے پر بجا طور پر اختلاف ہو سکتا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ اس بل کے پُر زور حامی تھے اور سید محمود کی حمایت اور مولوی سمیع اللہ کی مخالفت میں جس طرح انھوں نے غلو اور بے اعتدالی سے کام لیا ، سر سید نے خود اسے روا نہیں رکھا[۳] ۔

۱- یاد رفتگاں ، ص ۲۲ و ۲۳ - بحوالہ حیات شبلی ۔
۲- ایضاً موج کوثر ، ص ۲۴۶ ، حاشیہ نمبر ۱ ۔
۳- موج کوثر ، ص ۲۴۹ ۔

Marfat.com

اِس مخالفت کی ایک تیسری وجہ بیان کرتے ہوئے سولانا عبدالحلیم شرر نے لکھا کہ

> دنیا نے پہلے سولانا شبلی کو سر سید کی فوج کے ایک نامی پہلوان کی حیثیت سے دیکھا اور سولانا اس ثانوی حیثیت کو ناپسند کرتے تھے ، مولانا نے اس وجہ سے علی گڑھ کالج سے علیحدگی اختیار کرکے ندوۃ العلماء میں شرکت کی اور سمجھے کہ اس ذریعہ سے علماء کا سرتاج اور شیخ الکل بن کے اس درجے پر پہنچ جاؤں گا ، جو سید صاحب کے درجے سے بھی مافوق ہے ۔

مولانا عبدالحلیم شرر کا بیان کردہ قیاس اگرچہ تلخ بہت ہے اور نہ یہ قیاس سولانا شبلی جیسے یگانۂ روز گار عالم کے لئے زیب دیتا ہے لیکن ہم اس احترام و عقیدت کے باوجود جو ہمیں سولانا شبلی سے ملے ، سولانا شرر کے اس قیاس کو نظر انداز نہیں کر سکتے ، جب کہ ہمارے اہل علم و اہل کمال کی تاریخ ان معاصرانہ چشمکوں سے بھری پڑی ہے ۔

ہو سکتا ہے کہ سولانا شبلی اور سر سید کی چشمک بھی اسی نوعیت کی ہو ، کیونکہ علی گڑھ کالج سے علیحدہ ہونے کے بعد وہ اپنے محسن سے منحرف نظر آتے ہیں ، حیات جاوید چھپی تو بقول شیخ محمد اکرام مرحوم سولانا شبلی نے اپنے مختلف مکاتیب میں جا بجا اس کے خلاف لکھا ۔

شیخ محمد اکرام نے سوج کوثر میں مولوی عبدالحق بابائے اردو کے مضمون کا جو انہوں نے سولانا حالی کے متعلق لکھا ہے ، ایک ٹکڑا نقل کیا ہے :

> جب حیات جاوید شائع ہوئی تو سولانا نے تین نسخے مجھے بھیجے ، ایک میرے لئے ، ایک سولوی عزیز مرزا کے لئے ، تیسرا ایک محترم بزرگ اور ادیب (سولانا شبلی[1])

۱۔ مضمون میں مولانا شبلی کے نام کی صراحت نہیں ، لیکن شیخ محمد اکرام کے استفسار پر سولانا عبدالحق نے بتایا کہ اُن کا اشارہ مولانا شبلی کی طرف تھا (موج کوثر ، حاشیہ نمبر ۱ ، ص ۲۵۰) ۔

Marfat.com

> کے لئے جو اس وقت اتفاق سے حیدر آباد میں وارد تھے، میں نے لے جا کر یہ کتاب ان کی خدمت میں پیش کی ، شکریہ تو ایک طرف دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ کذب و افترا کا آئینہ ہے وہاں اور بھی کئی صاحب موجود تھے ، میں یہ سن کر دم بخود رہ گیا ، یوں بھی کچھ کہنا سوء ادب تھا لیکن جہاں پڑھنے سے پہلے ایسی رائے کا اظہار کیا گیا ہو ، وہاں زبان سے کچھ نکالنا بیکار تھا ۔

بہرحال جو وجہ بھی آن کے علی گڑھ کالج چھوڑنے کی ہو ، لیکن وہ دانش کدۂ علی گڑھ میں علی گڑھ کے پیر دانش کدہ کے بعد مجموعی حیثیت سے سب سے بڑے آدمی ہیں ۔ انھوں نے اردو زبان ، اردو شاعری ، اردو ادب ، اردو تاریخ و تنقید کو جو نئے اسالیب دئے ہیں ان کے ہمعصروں میں پیر دانش کدۂ علی گڑھ (سر سید) کے بعد اتنی قد آور بلند و بالا عامی شخصیت کوئی نظر نہیں آتی ، شبلی کے ادب کا تنوع اور بو قلمونیاں گلاب کی طرح ہیں ، جس کی مہک ، جس کی خوش بو ، جس کا خوش نما رنگ اسے چمن کے تمام پھولوں سے ممتاز کرتا ہے ۔

ندوۃ العلماء :

علی گڑھ کالج کے بعد ۱۸۹۴ع (۱۳۱۲ھ) میں لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کا قیام عمل میں آیا ، یہ علی گڑھ کالج کی ایک بدلی ہوئی صورت تھی ، روح ایک تھی مگر قالب دو ، فرق صرف اس قدر تھا کہ علی گڑھ کی مقصدیت میں انگریزی تعلیم کا حصول اور اقتصادی اور ذہنی پستی کی اصلاح تھی ، ندوۃ العلماء میں انگریزی زبان کی تعلیم کے ساتھ علوم دینیات کی تعلیم کا اضافہ کیا گیا تھا ۔

اس کے محرک مولوی عبدالغفور ڈپٹی کلکٹر تھے، اس خیال کی تکمیل مولوی سید محمد علی صاحب کانپوری خلیفہ حضرت مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی کے ہاتھوں ہوئی جو اس کے بانی اور ناظم اول تھے ، مولانا شبلی اور مولوی عبدالحق دہلوی صاحب تفسیر حقانی نے اس کے قواعد و

Marfat.com

ضوابط متعین کئے -

مولانا شبلی کی ندوہ میں آمد :

ستمبر ۱۹۰۴ع میں مولانا شبلی حیدرآباد کی ملازمت ترک کر کے لکھنؤ آئے ، اور ندوہ سے منسلک ہو گئے ، مولانا شبلی کی شرکت نے ندوۃ العلماء کو ایک نیا آب و رنگ بخشا ، شبلی کی نسبت نے قوم کو اس کی طرف سے مطمئن اور پُر اعتماد بنایا - ندوہ پر ترقی کی راہیں کھلیں - ۲۸ نومبر ۱۹۰۸ع میں سر جان ہیوٹ لفٹننٹ گورنر ممالک متحدہ نے ندوۃ العلماء کی عالی شان عمارت کا سنگ بنیاد رکھا ، ہز ہائی نس آغا خان اور والیان بھوپال اور بہاولپور نے سالانہ امداد دینی شروع کی -

باہمی اختلاف !

ندوہ مولانا شبلی کی معتمدی میں ترقی کی منزلیں طے کر رہا تھا کہ اچانک مولانا اور ندوہ کے دوسرے اراکین میں اختلاف رونما ہوا ، یہ اختلاف بڑھتا گیا اور اختلاف کی خلیج اس قدر بڑھی کہ جولائی ۱۹۱۳ع میں مولانا شبلی ندوۃ العلماء سے مستعفی ہو گئے ، وطن آنے کے بعد مولانا نے دارالمصنفین کا خاکہ مرتب کیا -

ندوۃ العلماء اب بھی قائم ہے ، اس درسگاہ نے جو عالم ، محقق ، اسکالر پیدا کئے ، یہ سب مولانا شبلی کے فیض کے مظہر ہیں ، مولانا شبلی کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی جو اُن کے بعد آفتابِ علم بنے اِسی سرچشمۂ علم سے سیراب ہوئے ، مولانا عبدالسلام ندوی نے اسی گہوارۂ علم میں تعلیم و تربیت حاصل کی ، سید نجیب اشرف ، مولوی ابو ظفر ، شاہ معین الدین ، مولانا سید صباح الدین عبدالرحمان موجودہ ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ ، مولانا سید ابو الحسن علی ، مولانا سید ابو الحسنات ، مولانا محمد حنیف ندوی ، مولانا حسن مثنی وغیرہ سب اسی آسمان علم و ادب کے روشن ستارے ہیں ، جنھوں نے برصغیر پاک و ہند کی فضاؤں کو اپنی تصانیف اور تقریروں سے جگمگایا -

ندوہ کے محققین سے اسلامی صحافت و ادب کو بھی بڑی مدد ملی ،

Marfat.com

رسالہ معارف کو رسائل کا سرتاج یہیں کے افاضل نے بنایا ، الہلال کی تحریریں اور مضامین آج بھی ان کی یاد کو تازہ کرتے ہیں ، دارالمصنفین اعظم گڑھ جس کے شبلی روح رواں ہیں اس ادارے میں ندوہ ہی کے اہلِ قلم نے قدیم اسلامی علوم کو اپنے طرز نگارش سے نئی تازگی بخشی یہ سب ندوہ ہی کے شجر بارآور کے پھل ہیں ۔

اُس دور کی اِن تین اہم درسگاہوں کے مقاصد اور قیام کا نقطۂ نظر ہم گذشتہ اوراق میں تفصیل سے پیش کر چکے ہیں ، اب آخر میں ہم وہ قطعہ پیش کرتے ہیں ، جس میں شاعر نے ان تینوں مدارس کے مقاصد کا بصیرت افروز اور صحیح تجزیہ کیا ہے ، فرماتے ہیں :

ہے مثال قلبِ روشن دیو بند
اور ندوہ ہے زبانِ ہوش مند

ہاں علی گڑھ کی بھی تم تشبیہہ لو
ایک معزز پیٹ بس اس کو کہو

پیٹ ہے سب میں ضروری اے عزیز
گو کہ فکر عاقبت ہے اصل چیز

مختصر یہ ہے کہ علی گڑھ کالج نے ہمیں روشن خیال بنایا ، قوم کی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالا ، مسلمانوں کے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کیا ، جدید مغربی تعلیم سے آشنا کیا ، اور جدید تعلیم سے آراستہ کرکے مسلمانانِ پاک و ہند کی معاشی راہیں ہموار کیں ۔

ندوۃ العلماء نے ہمارے اہلِ علم کو اسلامی علوم مغربی تعلیم کے ساتھ قوت تحریر و تقریر عطا کی ، اُن کی زبان اور اُن کے قلم کی زبان نے زبان ہوشمند کا کام دیا ، اور اس ادارے کی بدولت اردو ادب کے اسلامی لٹریچر میں غیر معمولی اضافہ ہوا ۔

دارالعلوم دیوبند نے دینی نقطۂ نظر سے اس برصغیر میں اسلام کی بڑی خدمت انجام دی ، اس میں اس کے بانیین کی روحانی پاکیزگی کو بڑا دخل ہے ، یہ قدیم طرز کی اسلامی درسگاہوں میں ، جنوبی ایشیا میں سب

Marfat.com

سے بلند مقام رکھتی ہے ، اس کے اساتذہ وہ تھے جن کا زہد و تقویٰ مسلم جنھوں نے علم میں عمل کو شامل کر کے اس درسگاہ کے طالب علموں کو اشاعتِ اسلام اور کردار کی بلندی کا سبق دیا ، اس ادارے کے طلباء جب استغنا ، قناعت اور استقامت کی دولت سے مالا مال ہو کر جنوبی ایشیا میں پھیلے تو انھوں نے ملک کے ہر گوشے میں اسلامی علوم کو پروان چڑھایا ، انھوں نے اپنے درس میں حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے جانشینوں کے نقشِ قدم کو اپنایا ، اور تقویٰ و پرہیز گاری کی ایک اعلیٰ مثال پیش کی -

علالت و وفات :

شبلی نے جولائی ۱۹۱۳ع میں ندوہ سے بادل ناخواستہ استعفیٰ دے دیا - ندوہ سے علیحدگی بڑی سوہان روح ثابت ہوئی لیکن انھوں نے اپنے عزم و استقلال سے اسے مردانہ وار برداشت کر لیا - وہ اس کی تلافی کی تدبیریں سوچنے لگے ، آخر قلم کے دھنی نے قلم کے سائے میں پناہ لی اور وہ دارالمصنفین اعظم گڑھ کے قائم کرنے پر غور کرنے لگے - ایک خط میں محمد امین زبیری کو لکھا کہ

> ہندوستان میں ہر کام کے لئے انجمنیں ہیں ، لیکن تصنیفی انجمن کا میدان خالی ہے ، یہ سب سے بڑا اہم کام ہے ، ایک لائق مصنف ہزاروں آدمیوں کے دل پر حکمرانی کرتا ہے -

ابھی ندوہ سے جدائی کا زخم بھرنے بھی نہ پایا تھا کہ تقدیر کے ترکش کے ایک تیر نے مولانا کو اور بھی مضمحل اور نڈھال کر دیا - اگست ۱۹۱۴ع میں ان کے بھائی مولوی محمد اسحاق نے وفات پائی ، اس صدمۂ جاں کاہ نے ان کی کمر توڑ دی اس وقت بمبئی میں مولانا سیرۃالنبی کی تالیف میں مشغول تھے ، وہ بھائی کی وفات کی خبر سن کر سیدھے اعظم گڑھ پہنچے - گو یہ صدمہ جاں کاہ تھا ، لیکن دارالمصنفین کی اسکیموں اور سیرۃ النبی کی تالیفی مشغولیتوں نے اس صدمے کو ہلکا کر دیا - مگر اندر ہی اندر مولانا کی صحت کو گھن کھائے جا رہا تھا ، قلب کمزور

Marfat.com

ہوتا گیا ، اسہال کی شکایت بڑھ گئی ۔ یہاں تک کہ ۷ نومبر ۱۹۱۴ء کو وہ عید الاضحیٰ کے لئے اپنے وطن بندول تشریف لے گئے ، دوسرے دن واپس آئے تو اسہال اور پیچش میں مبتلا تھے ، تین روز تک ڈاکٹری علاج ہوا مگر افاقہ نہ ہوا ، یونانی علاج بدلا گیا ، اس سے اور حالت خراب ہو گئی

مرض الموت میں سیرۃ النبی کا خیال :

مرض الموت میں بھی مولانا کو سیرۃ النبیؐ کا خیال سب سے زیادہ تھا ، انھوں نے بیماری کے شروع ہی میں سیرۃ النبی کے تمام مسودے اور مبیضے بستے میں بندھوا کر الماری میں مقفل کرا دیئے اور وصیت فرمائی کہ یہ تمام مسودے حمید الدین اور سید سلیمان ندوی کے سپرد کئے جائیں ۔

وفات سے تین دن پہلے ۱۵ نومبر ۱۹۱۴ء کو مولانا حمید الدین فراہی ، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا سید سلیمان ندوی کو تار دیئے کہ وہ آئیں تاکہ سیرۃ النبی کی تکمیل کا مشورہ کیا جائے ، غالباً مولانا ابوالکلام آزاد کو مولانا کا تار نہیں ملا ، مولانا سید سلیمان بغیر تار ملے ہی استاد کے بستر مرگ پر پہنچ گئے ، دو روز کے بعد مولانا حمید الدین بھی آ گئے ۔

مولانا کا دم واپسیں تھا ، قوت گویائی تقریباً جواب دے چکی تھی ، سید سلیمان ندوی اشک بار سرہانے کھڑے تھے ، استاد کی آنکھیں بند تھیں کہ اچانک مولانا شبلی نے آنکھیں کھولیں ، مولانا سید سلیمان ندوی کی طرف دیکھا اور دونوں ہاتھوں سے اشارہ کیا کہ اب کیا رہا ہے ، زبان سے یہ جملہ مکمل ادا نہ ہو سکا ، فرمایا اب کیا اب کیا ۔

قوت بحال کرنے کے لئے جواہر مہرے کا ایک چمچا دیا گیا ، فوری توانائی محسوس ہوئی ۔ معاہدے کے طور پر مولانا سید سلیمان ندوی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا ! " سیرت میری تمام عمر کی کمائی ہے ، سب کام چھوڑ کے سیرت تیار کرو" مولانا نے روہانسے ہو کر کہا ضرور ضرور ۔

Marfat.com

آخری وصیت :

دوسرے دن شام کو مولانا حمید الدین فراہی[1] بھی آ گئے۔ ۱۷ نومبر کی صبح کو انہیں اور مولانا سید سلیمان ندوی کو بلا کر فرمایا : سیرت ! سیرت ! اور انگلی سے لکھنے کا اشارہ کر کے کہا سب کام چھوڑ کے ۔

۱۷ نومبر کی شام کو ڈاکٹر محمد نعیم انصاری نے مولانا شبلی کا معائنہ کیا اور مریض کی حالت کو نازک پا کر جواب دے دیا ۔

مولانا شبلی ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ع کو بروز چہار شنبہ صبح ساڑھے آٹھ بجے رحمتِ حق سے جا ملے ۔ آخر وقت تک سیرۃ النبی کا خیال غالب رہا جو عشقِ رسولؐ اور خاتمہٗ بالخیر کی علامت ہے ۔

اس گنجینۂ علم و دانش کو اعظم گڑھ میں سپردِ خاک کیا گیا

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کئے

آخر عمر میں مولانا شبلی کی تمام تر توجہ سیرۃ النبی پر مرکوز رہی ، مولانا شبلی کی یہ آخری تالیف تھی، اگرچہ حیات مستعار نے اس کی تکمیل کی مہلت نہ دی، لیکن ان کی تمنا کے مطابق ان کی یہ تالیف اُن کے خاتمہ بالخیر کی بشارت بن گئی ، جس کی آرزو انہوں نے اپنے اِس قطعے میں کی تھی -

عجم کی مدح کی، عباسیوں کی داستاں لکھی
مجھے چندے مقیمِ آستانِ غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں ، سیرتِ پیغمبرِ خاتمؐ
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

۱- مولانا حمید الدین فراہی : ولادت : ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۲ع) بمقام موضع پربھا (صوبہ بہار) وفات : ۱۹ جمادی الثانی - ۱۳۴۹ھ (۱۱ نومبر ۱۹۳۰ع یاد رفتگاں ، ص ۱۶۴)

Marfat.com

تصانیف :

مولانا شبلی نے مختلف علوم و فنون پر کتابیں لکھ کر اُردو ادب کو مالا مال بنایا ، ان کتابوں کے نام یہ ہیں ۔

(۱) رسالہ گزشتہ تعلیم (۲) الجزیہ (۳) کتب خانہ اسکندریہ (۴) المامون (۵) رسائل شبلی (۶) سیرة النعمان (۷) الفاروق (۸) سفر نامہ (۹) الغزالی (۱۰) علم الکلام (۱۱) الکلام (۱۲) سوانح مولانائے روم (۱۳) موازنۂ انیس و دبیر (۱۴) شعر العجم (۱۵) مقالاتِ شبلی (۱۶) مضامینِ عالمگیر (۱۷) سیرة النبی (۱۸) دیوان اُردو (۱۹) عربی میں اسکات المعتدی ، بدء الاسلام ، الجزیہ ، النقد علی تمدن الاسلامی ۔ فارسی میں دیوان شبلی ، دستۂ گل ، بوئے گل ہیں[1]۔

۱۔ یادِ رفتگاں ، ص ۳۶ ۔

Marfat.com

(۱۱)

شیخ الهند مولانا محمود الحسن رح

علامہ اقبال کا تاثر :

معارف میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قبلہ کا ایک خط شائع ہوا ہے ، جس میں انھوں نے طرفہ کا ایک مقبول عربی شعر لکھا ہے - کیا آپ یہ بتانے کی زحمت کو گوارا کر سکتے ہیں کہ یہ خط مالٹا سے کون سی تاریخ کو لکھا گیا تھا . . .

(مکتوب اقبال - بنام مولانا سید سلیمان ندوی
مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۱۸ع - اقبال نامہ
حصہ اول - ص ۹۵ ، ۹۶)

وہ علمائے حق جنھوں نے ۱۸۵۷ع کی جنگِ آزادی کے بعد مردانِ حق آگاہ کو پیدا کیا ، جن کا مطمح نظر ایک مکمل اسلامی نظامِ زندگی تھا ان میں سے ایک مولانا محمود الحسن دیوبندی بھی تھے -

خاندان و ولادت :

مولانا شیخ الهند کا خاندان دیوبند کے معزز ترین خاندانوں میں شمار ہوتا تھا ، آپ کے جدِ امجد شیخ فتح علی صاحب تھے -

شیخ فتح علی کے تین صاحبزادے تھے ، ان کے ایک صاحبزادے مولانا ذوالفقار علی صاحب عثمانی دیوبندی بھی تھے جو عربی ادب میں غیر معمولی شہرت و عظمت رکھتے ہیں - دیوان حماسہ اور دیوان متنبی کی شروح اور سبعہ معلقہ کی شرح التعلیقات ان ہی کے قلم کا شاہکار ہیں -

Marfat.com

مولانا ذوالفقار علی صاحب ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ء) میں وفات پائی ۔

مولانا ذوالفقار علی کے چار صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں تھیں ، آن کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن تھے ، جنھوں نے اس برصغیر پاک و ہند میں اپنی علمی و سیاسی و مذہبی خدمات کی وجہ سے خاندان کے نام کو روشن سے روشن تر کر دیا ۔

مولانا شیخ الہند ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۱ء) جنگ آزادی سے چار سال پہلے بریلی میں پیدا ہوئے ، جہاں آن کے والد محترم انسپکٹر مدارس تھے ۔

تعلیم :

حضرت مولانا شیخ الہند کی چھ سال کی عمر میں تعلیم کی ابتدا ہوئی ، قرآن مجید ایک بزرگ میاں جی منگوری سے پڑھا ، فارسی کی ابتدائی درسی کتب اپنے چچا مولانا مہتاب علی سے پڑھیں ۔

چھتہ کی مسجد :

۱۲۸۳ھ (۶۷ - ۱۸۶۶ء) دیوبند میں جب چھتہ کی مسجد میں مدرسہ قائم ہوا اور ترقی کرتے کرتے دارالعلوم بنا[1] تو مولانا شیخ الہند اس مدرسے کے سب سے پہلے طالب علم تھے، حضرت شیخ الہند نے 'ملا محمود کے سامنے بھی زانوئے تلمذ کیا تھا ۔

۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ء) میں مولانا شیخ الہند کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ آپ صحاح ستہ اور بعض دوسری کتابیں مولانا محمد قاسم صاحب سے پڑھیں ۔

۱۲۸۹ھ (۷۳ - ۱۸۷۲ء) کو حضرت شیخ الہند علوم ظاہریہ کی تکمیل سے فارغ ہوئے اور ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ (۱۸۷۳ء) کو آپ کے

۱- یہی مدرسہ آئندہ دارالعلوم دیوبند بنا ، جو اس برصغیر کی سب سے بڑی دینی درسگاہ ہے ، یہ درسگاہ آئندہ چل کر علوم اسلامیہ کا سرچشمہ ٹھہری ، دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی ہوئے ۔

Marfat.com

سر پر دستار فضیلت باندھی گئی -

حج :

حضرت شیخ الہند نے ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ع) میں مولانا محمد قاسم صاحب ، مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا رفیع الدین مہتمم دارالعلوم کے ساتھ حج و زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی -

بیعت :

مکہ معظمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے اپنی بیعت سے سرفراز فرما کر اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا[1]۔

معین المدرس :

ابھی شیخ الہند انتہائی کتابیں پڑھ رہے تھے کہ ۱۳۰۹ھ (۱۸۹۱ع) میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کا معین المدرس مقرر کیا گیا -

۱۳۰۵ھ (۸۸ - ۱۸۸۷ع) حضرت شیخ الہند دارالعلوم دیوبند کی صدر مدرسی پر فائز ہوئے -

سیاسی خدمات

تحریک انقلاب (عرف ریشمی خطوط کی تحریک)

بلقان اور طرابلس کی جنگ نے حضرت شیخ الہند کے دل و دماغ پر نہایت گہرا اثر ڈالا تھا ، عالم اسلامی کی مظلومیت اور پریشانی کو دیکھ کر حضرت شیخ الہند نہایت پریشان رہتے تھے ، انگریزوں کی چیرہ دستیاں بڑھتی جاتی تھیں اور شیخ الہند اس حقیقت کو سمجھ چکے تھے کہ جب تک ہندوستان فرنگیوں کے چنگل سے آزاد نہیں ہوگا ، ہندوستان کو چین نہیں مل سکتا ، آخر اس زمانے میں جب کہ ہر شخص آزادی کا نام لیتے ہوئے ڈرتا تھا ، حضرت شیخ الہند نے اس فرض کی ادائیگی کو ضروری سمجھا -

---

۱- یہ تمام تفصیل بیس بڑے مسلمان ، ص ۲۲۸ - ۲۳۲ اور تذکرہ مشائخ دیوبند ص ۲۲۵ ، ۲۲۶ سے ماخوذ ہے -

Marfat.com

سیاست میں مولانا عبیداللہ سندھی کی رفاقت :

مولانا عبیداللہ سندھی حضرت شیخ الہند کے شاگرد رشید تھے اور دہلی میں ادارۂ نظارۃ المعارف القرانیہ کی خدمت انجام دے رہے تھے ، حضرت شیخ الہند دہلی تشریف لے گئے اور مولانا سندھی سے فرمایا کہ تم شاخوں کی اصلاح کر رہے ہو ، حالانکہ ہماری روایات و تہذیب کے شجر کی جڑ کو انگریزی روایات و تہذیب کا کیڑہ لگ چکا ہے ، جب تک کہ ہندوستان سے انگریزی حکومت کا خاتمہ نہیں ہوگا اس وقت تک ہماری تمنا پوری نہیں ہو سکتی ۔ حضرت شیخ الہند نے مولانا سندھی کو اپنا ہم خیال بنا کر اس تحریک آزادی کے لئے سربکف بنایا ۔

تحریک کی بنیاد :

اس تحریک کا بنیادی نقطۂ نظر جہاد تھا، اس لیے اس تحریک کے لئے سپاہی ، مجاہدین اور اسلحہ و سامان حرب ضروری تھا ۔

تحریک میں عمومیت :

اس تحریک میں شمع آزادی کے پروانے جو ہندوستان کو آزاد کرانا چاہتے تھے ، حضرت شیخ الہند کے کرائے کے مکان میں جو کوٹھی کے نام سے مشہور تھا آ کر ٹھہرتے تھے ، شیخ الہند ان سے تبادلہ خیال کرتے تھے ۔

تحریک کی شاخیں :

اس تحریک کی پانچ جگہ شاخیں قائم کی گئی تھیں ۔ (۱) دین پور ، (۲) امروٹ ، (۳) کراچی محلہ کھڈ ، (۴) دہلی ، (۵) چکوال ۔ اس تحریک کے معتمد علیہ اراکین یہ تھے (۱) حاجی ترنگ زئی (۲) مولانا سیف الرحمان (۳) مولانا منصور انصاری (۴) مولانا عزیر گل (۵) مولانا احمد اللہ پانی پتی (۶) مولانا ظہور محمد خاں سہانپوری (۷) شیخ عبدالرحیم سندھی (۸) مولانا غلام محمد دین پوری (۹) مولانا ابو الحسن تاج محمود امروٹی (۱۰) مولانا محمد صادق کراچوی (۱۱) مولانا فضل ربی (۱۲) ڈاکٹر انصاری مرحوم (۱۳) حضرت مولانا عبدالرحیم رائے پوری ۔

Marfat.com

ریشمی رومال :

مولانا عبیداللہ سندھی کو حضرت شیخ الہند نے افغانستان بھیجا ، چنانچہ مولانا سندھی کابل ہجرت کر گئے ، حضرت شیخ الہند نے آزاد مملکت کا جو خاکہ پیش کیا تھا اسے ہماری سیاسی تاریخ میں ریشمی خطوط کی تحریک کا نام دیا گیا ہے ۔

تحریک کا مرکز :

شروع میں اس تحریک کا مرکز یاغستان قرار پایا ، تحریک کا سب سے گہرا اثر یاغستان میں تھا ، اس علاقے میں انگریزوں کو جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا ، مجاہدین نے یاغستان میں ابتداً بڑی کامیابی دکھائی ۔ لیکن آخر میں اسلحہ اور رسد نہ ہونے کی وجہ بے دست و پا ہو گئے ، یاغستان کے مرکز نے حضرت شیخ الہند کو صورت حال سے مطلع کرتے ہوئے لکھا کہ کسی اسلامی حکومت کی پشت پناہی اور امداد حاصل کیجئے ۔

حج :

حضرت شیخ الہند نے مناسب سمجھا کہ حج کے لئے سفر حجاز کیا جائے اور چونکہ حرمین شریفین میں مسلمانان عالم کا اجتماع عظیم ہوتا ہے ، اس لئے وہاں اس تحریک کی امداد کے لئے بھی کوئی صورت نکل سکے گی ، چنانچہ مولانا ماہ شوال ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) میں عازم حجاز ہوئے ، اس سفر میں جو رفقا آپ کے ساتھ تھے ، ان میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری ، مولانا محمد سہول صاحب بھاگلپوری ، مولوی محمد میاں صاحب (عرف مولانا منصور انبہٹوی) ، مولوی عزیز گل صاحب ، حاجی خان محمد وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔

ادھر حکومت ہند کا شبہ اور قوی ہو گیا کہ مولانا شیخ الہند وہاں جا کر انگریزوں کے خلاف مسلم مملکتوں سے ساز باز کریں گے ، مولانا کی گرفتاری کے لئے گورنر یو پی کا حکومت بمبئی کے نام تار پہنچا کہ مولانا کو گرفتار کر لیا جائے ، مگر ہر اسٹیشن اور مقامات پر معتقدین کا غیر معمولی اجتماع ہونے کی وجہ سے مولانا کی گرفتاری عمل میں نہ آ سکی اور آپ حجاز پہنچ گئے ۔

حج کے بعد مولانا مدینۂ طیبہ تشریف لائے ، حج و زیارت سے فارغ

Marfat.com

ہونے کے بعد مولانا نے اپنے رفقاء سے فرمایا کہ چونکہ آپ لوگ حج و زیارت سے فارغ ہو چکے ہیں ، آپ لوگ وطن واپس جا سکتے ہیں ، البتہ میں یہاں قیام کروں گا ، چنانچہ تمام رفقا سوائے مولانا عزیر گل ، مولوی ہادی حسن و وحید احمد کے باقی سب روانہ ہو گئے ۔

انور پاشا سے ملاقات :

حضرت شیخ الهند کی ایک ملاقات مدینۂ طیبہ میں انور پاشا[1] سے ہوئی ، لیکن یہ ایک رسمی ملاقات تھی ، کہا جاتا ہے کہ اس ملاقات میں انور پاشا نے وعدہ کیا کہ ہم اہل ہند کی آزادی کے لئے جد و جہد کریں گے اور ان کی امداد و اعانت کریں گے ، چنانچہ دونوں وزیروں انور پاشا اور جمال پاشا نے حسب وعدہ ترکی ، عربی اور فارسی میں یہ تحریریں روانہ کیں ، جس میں تحریر تھا ہم اہل ہند کی آزادی کے لئے جدوجہد عمل میں لائیں گے ، حضرت شیخ الهند نے فیصلہ کیا کہ ان تحریروں کے فوٹو ہندوستان میں ہر مرکز اور برانچ کو پہنچائے جائیں ، لکڑی کے صندوق میں رکھ کر یہ تحریریں روانہ کی گئیں ۔ یہ تحریر اور وثائق ہندوستان پہنچے تو ایک ماہ کے بعد جب کہ مولانا محمد نبی صاحب ان تحریروں کی نقل کر رہے تھے پولیس نے چھاپا مارا ، مولانا نے فوراً ہی ان کاغذات کو توڑ مروڑ کر صدری کی جیب میں رکھ لیا اور جلدی سے صدری کو کھونٹی پر لٹکا دیا ، پولیس کئی گھنٹے کی تلاش کے بعد ناکام واپس ہو گئی ۔ حسب ہدایت حاجی احمد مرزا نے ان تحریروں کے فوٹو تیار کئے اور جہاں جہاں ان کاپیوں کے پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا وہاں وہاں یہ کاپیاں پہنچا دی گئیں ۔

۱- انور پاشا : (۱۸۸۱ع-۱۹۲۱ع) ترکی سیاست داں جو ۱۹۰۸ع میں انجمن اتحاد و ترقی کے سرگرم رکن تھے ، جنگ طرابلس میں اطالیہ کے دانت کھٹے کر دئے ، پہلی جنگ عظیم میں درہ دانیال کی حفاظت کی ۱۹۱۸ع میں وزارت سے علیحدہ کر دئے گئے اور نورانی تحریک کے سربراہ ہو کر بخارا چلے گئے ۔ روسی انقلاب میں فوجیوں سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے (اردو انسائیکلو پیڈیا ، ص ۱۹۷) ۔

Marfat.com

یہ تحریریں بہت کارآمد ثابت ہوئیں حکومت ترکی اور اس کے حلیف اس تحریک کی مدد کرتے رہے ، جرمنی اور ترکی کی فتح مندی کے بعد جب امریکہ انگریزوں کا حلیف بن گیا ، امریکہ کی بے شمار فوجیں اتحادیوں کی مدد پر آ گئیں ، ادھر شریف حسین نے غداری کرکے انگریزوں کی حمایت میں ترکوں کو نقصان پہنچایا اور اس نے عربوں اور ترکوں میں انتہائی نفرت پھیلا دی ، جس سے دنیائے اسلام کی اکثر تحریکوں کو نقصان پہنچا ۔

شیخ الہند ۲۰ رجب ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ع) کو مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر طائف پہنچے ۔ اسی عرصے میں شریف حسین نے بغاوت کر دی اور شیخ الہند اور آپ کے رفقا طائف میں محصور ہو کر رہ گئے ، مولانا کا رمضان طائف میں گزرا ، چھ شوال کو آپ اس حصار سے نکل کر مکہ معظمہ پہنچے ۔

ڈاکٹر انصاری اور آن کے بھائی حکیم عبدالرزاق صاحب نے یہ خیال کرکے کہ شیخ الہند کو مسافرت میں تکلیف نہ ہو ، ایک صاحب کو روپیہ دے کر اس لئے بھجوایا کہ مولانا کو سفر میں خرچ کی تنگی نہ ہونے پائے ، یہ ایک ہزار روپے تھے جو ڈاکٹر انصاری صاحب نے بھجوائے تھے ۔

طائف سے مولانا شیخ الہند اپنے رفقا کے ساتھ بہزار دقت ۱۰ شوال ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۶ع) کو مکہ معظمہ پہنچے ، حج کا زمانہ قریب تھا ، حج کے لئے مولانا نے مکہ معظمہ میں قیام کیا ، ہندوستان کے عازمین حج سے پتہ چلا کہ گورنمنٹ برطانیہ کی نگاہیں مولانا کی تاک میں ہیں ، ہر اگبوٹ پر پولیس کے عہدہ دار آتے ہیں اور مولانا کی نسبت ہر شخص سے پوچھتے ہیں ، مولانا محسوس کر چکے تھے کہ شریف حسین انگریزوں کا پٹھو ہے مولانا اس سے خطرہ محسوس کرتے تھے ۔

مکہ معظمہ میں گرفتاری :

آخر شریف حسین نے جدہ سے حکم بھیجا کہ فوراً مولانا محمود الحسن اور آن کے رفقا اور سید ہاشم اور حکیم نصرت حسین کو اور مولانا

Marfat.com

حسین احمد مدنی کو جو اس زمانے میں حجاز میں تھے گرفتار کرکے بھجوایا جائے۔ چنانچہ حضرت شیخ الہند آپ کے رفقا اور مولانا حسین احمد مدنی سب گرفتار کر لئے گئے۔

جدہ روانگی :

۲۳ صفر ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۶ء) یہ راہ حق میں گرفتار ہوئے مردان حق آگاہ زیر حراست جدہ پہنچے، جدہ میں تقریباً ایک ماہ زیر حراست رہے۔

خدیوی جہاز سے روانگی :

۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۶ء) کو ان تمام زیر حراست قیدیوں کو سوئز بھیجا گیا، جہاز جدہ سے روانہ ہو کر ۲۲ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ (۱۶ جنوری ۱۹۱۷ء) کو سوئز پہنچا، پھر سنگین پہرے کے ساتھ قاہرہ پہنچایا گیا۔

جیزہ کی سیاسی جیل میں :

اسی دن عصر کے بعد مولانا اور ان کے رفقا کو جیزہ کی سیاسی جیل (معتقل) میں داخل کر دیا گیا اور ایک انگریز کے سامنے ان اسیران فرنگ کے بیانات کا سلسلہ شروع ہوا، وہ اردو میں فائیلوں کو دیکھ کر ان سے سوالات کرتا تھا، ان بیانات کا سلسلہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا اور مولانا سے ریشمی خطوط کی حقیقت کے متعلق دریافت کیا گیا، مولانا نے جواب دیا کہ مجھے کچھ علم نہیں، نہ میں نے ان خطوط کو دیکھا ہے۔

جیزہ کی قید تنہائی :

شیخ الہند اور آپ کے رفقا کو جیزہ کی قید تنہائی میں جن مشکلات و مصائب سے گزرنا پڑا اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ شیخ الہند کو ایک کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا، مولانا حسین احمد مدنی کا بیان ہے کہ مولانا نے قرآن شریف، دلائل الخیرات اور تسبیح وغیرہ منگوائیں، یہ چیزیں شیخ الہند کو بھیج دی گئیں۔

Marfat.com

مالٹا کی روانگی :

۲۳ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ (۱۵ فروری ۱۹۱۷ء) کو جیل کے کمانڈر نے حضرت شیخ الھند کو بلا کر کہا کہ کل تم مالٹا بھیجے جاؤ گے ، تیار ہو جاؤ ، چنانچہ ۱۶ فروری ۱۹۱۷ء کو حضرت شیخ الھند اور آپ کے رفقا کو گورا گارڈ کی نگرانی میں قاہرہ کی گودی پہنچایا گیا ، جہاز کے بالائی حصے میں ایک کمرے میں سب کو یک جا رکھا گیا ، باہر کی کھڑکیوں کو بند کرکے کیلوں سے جڑ دیا گیا ، دروازے پر گوروں کا پہرہ قائم کر دیا گیا -

۱۶ فروری ۱۹۱۷ء کو اسیرانِ فرنگ کا یہ مظلوم کاروان مالٹا روانہ ہوا ، آگے آگے ایک جنگی جہاز کروز راس کی نگرانی کے لئے چلتا تھا - لیکن اس کاروان کے سب اسیر راضی برضائے الٰہی تھے -

۲۱ فروری ۱۹۱۷ء کو جہاز مالٹا میں لنگر انداز ہوا اور سب قیدیوں کو اتار کر مالٹا کے ایک پرانے قلعے میں قید کر دیا گیا اس قلعے میں دوسرے جنگی قیدی بھی تھے ، لیکن ان مقدس انسانوں کی سیرت کا بڑا گہرا اثر دوسرے جنگی قیدیوں پر پڑا اور وہ سب ان بزرگوں کا احترام کرنے لگے -

مالٹا کے قیدی :

حضرت شیخ الھند کے ساتھ جو مالٹا میں قید تھے ، ان میں مولانا حسین احمد مدنی ، مولانا عزیر گل ، مولانا وحید اور مولوی حکیم نصرت حسین مرحوم تھے - اس راہ حق کے مسافر حکیم نصرت حسین نے مالٹا کے قید خانے میں وفات پائی -

مالٹا کی قید سے آزادی :

۲۲ جمادی الثانی ۱۳۳۸ھ (۱۲ مارچ ۱۹۲۰ء) کو حضرت شیخ الھند اور آپ کے رفقا مالٹا کی قید سے تقریباً تین برس دو ماہ قید رکھ کر رہا کئے گئے -

Marfat.com

بمبئی کے ساحل پر :

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۳۸ھ (۸ جون ۱۹۲۰ع) کو ساحل بمبئی پر پہنچا کر آپ کو آزاد کیا گیا[1] ۔

۱۲ جون ۱۹۲۰ع کو دہلی پہنچے ، ۱۳ جون ۱۹۲۰ع کو دیوبند پہنچے ، ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ع کو جامعہ ملیہ علی گڑھ میں خطبہ صدارت دیا یہ خطبہ صدارت حضرت شیخ الہند کی شدت علالت کی وجہ سے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے پڑھا ۔

جامعہ ملیہ کا خطبہ صدارت :

۱۹۲۰ع میں حضرت شیخ الہند مالٹا کی قید فرنگ سے رہا ہو کر اپنے وطن تشریف لائے ، تین چار سال کی قید فرنگ نے مولانا کو نحیف اور کمزور کر دیا تھا ، لیکن عزم و ہمت میں کوئی فرق نہ آیا تھا ، افسوس ہے کہ حضرت شیخ الہند اسیری فرنگ سے رہا ہو کر صرف چھ ماہ حیات رہے ، لیکن موت نے جتنی بھی مہلت ان کو دی انھوں نے اپنے ہر لمحے کو ملت اسلامیہ کی خدمت میں صرف کیا ، علی گڑھ اور دیوبند کی تحریکوں میں ابتدا ہی سے ایک بڑا بعد چلا آتا تھا ، ان کے مقاصد اور طریقۂ کار میں بھی بہت بڑا فرق تھا ، علی گڑھ تحریک کا مقصد مسلمانوں کے دنیوی تنزل کو روکنا تھا اور دیوبند کے بانیوں کی نظر مسلمانوں کے دینی تقاضوں پر تھی ، لیکن مولانا شیخ الہند ان دونوں اداروں میں ایسا سنگم چاہتے تھے جو ایک دوسرے کو اِس طرح قریب تر کر دے کہ ان اداروں کے طلباء عقاید و فکر کی صحت کے ساتھ تعلیم جدید سے بھی آراستہ ہوں اور اپنی ثقافت و تہذیب اور روایات کو بھی فراموش نہ کریں ۔ چنانچہ اس سلسلے میں مولانا شیخ الہند نے جو پہلا قدم اٹھایا ، وہ ۱۹۰۹ع میں جمعیت الانصار کا قیام تھا ، جس کے سلسلے میں علی گڑھ کالج سے یہ معاہدہ عمل میں آیا کہ

۱۔ حضرت شیخ الہند کے یہ حالات بیس بڑے مسلمان اور اسیر مالٹا سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

علی گڑھ کالج کے جو طلبہ تبلیغ دین کا شوق رکھتے ہیں وہ دارالعلوم آ کر علوم دینیہ حاصل کریں اور جو طالب علم دیوبند سے فارغ ہو کر تعلیم جدید کے لیے علی گڑھ جانا چاہیں علی گڑھ ان کو تعلیم جدید سے آراستہ کرے ۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علی گڑھ اور دیوبند کے درمیان یہ کام رک گیا ، لیکن حضرت شیخ الہند نے اس تحریک کو فراموش نہیں کیا ، چنانچہ حضرت شیخ الہند ۱۹۲۰ء میں جب رہا ہوکر ہندوستان آئے تو ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جامعہ ملیہ کی تاسیس کے موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اپنے اس خطبے میں اس ضرورت کو پیش کرتے ہوئے فرمایا :

> اے نونہالانِ وطن ! جب میں نے دیکھا کہ میرے اس درد کے غم خوار ، جس میں میری ہڈیاں پگھلی جا رہی تھیں ، مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے چند مخلص احباب نے ایک قدم علی گڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے تاریخی مقاموں دیوبند اور علی گڑھ کا رشتہ جوڑا[1] ۔

وفات :

حضرت شیخ الہند نے ۱۶ صفر ۱۳۳۹ھ (۲۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء) کو ڈاکٹر انصاری کے گھر پر دہلی میں وفات پائی اور جسد مبارک کو ان کے وطن دیوبند لے جا کر دفن کیا گیا ۔

مرض الموت میں آخری تمنا :

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کا بیان ہے (جس کو مولانا جلیل نے نقل فرمایا) کہ حضرت شیخ الہند نے وفات سے کچھ پہلے آنکھیں کھول کر چھت کی طرف دیکھا پھر فرمایا مرنے کا کچھ افسوس نہیں ، افسوس تو یہ

۱- ماخوذ از موج کوثر ، ص ، ۲۲۱ تا ۲۲۴ -

Marfat.com

ہے کہ میں بستر پر مر رہا ہوں ، تمنا تو یہ تھی کہ میدان جہاد میں ہوتا اور اعلائے کلمۃ الحق کے جرم میں میرے ٹکڑے ٹکڑے کیے جاتے۔

اس کے بعد بلند آواز سے سات مرتبہ اللہ اللہ کہا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی[1]۔

۱- بیس بڑے مسلمان ، ص ، ۴۹۳۔

Marfat.com

(۱۲)

حضرت مولانا احمد رضا خانصاحب بریلوی رہ

علامہ اقبال کا تاثر :

ہندوستان کے دور آخر میں آن جیسا طباع اور ذہین فقیہہ پیدا نہیں ہوا ـــــ میں نے ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے یہ رائے قائم کی ہے اور آن کے فتاویٰ ، آن کی ذہانت ، فطانت ، جودت طبع ، کمال فقہ اور علوم دینیہ میں تبحر علمی کے شاہد عادل ہیں ـــــ مولانا ایک دفعہ جو رائے قائم کر لیتے ہیں ، آس پر مضبوطی سے قائم رہتے ہیں ، یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت غور و فکر کے بعد کرتے ہیں لہذا آنھیں اپنے شرعی فیصلوں اور فتاویٰ میں کسی تبدیلی یا رجوع کی ضرورت نہیں پڑتی ، بایں ہمہ آن کی طبیعت میں شدت زیادہ تھی ـــ اگر یہ چیز درمیان میں نہ ہوتی تو مولانا احمد رضا خاں گویا اپنے دور کے امام ابو حنیفہ ہوتے ۔

تاثر علامہ اقبال ۔ برائے مولانا احمد رضا خاں رہ
فاضل بریلوی اور ترک موالات مرتبہ پروفیسر
محمد مسعود صاحب ، ص ، ۱۵ و ۱۶ بحوالہ
محمد صدیق اکبر ، آسمان علم کا ایک
درخشاں ستارہ ماہنامہ عرفات (لاہور)
اپریل ۱۹۷۰ ، ص ، ۲۷ (بحوالہ
ڈاکٹر احمد عابد علی ، بیت القران
لاہور) ۔

Marfat.com

حالات :

برصغیر کے متاخر دور کے علماء میں حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ کا شمار سر خیل علماء میں ہوتا ہے ، وہ فضل و کمال کا مرقع ، علم و عمل کی تصویر ، علوم عربیہ کا گنجینہ ، علوم دینیہ کے ماہر ، جلیل‌القدر فقیہ ، عشق رسولؐ سے سرشار ، اردو اور فارسی کی نعت گوئی میں بلبل شیراز تھے ، وہ اپنے معتقدین میں اعلیٰ حضرت کے لقب سے مشہور ہیں ۔

خاندان و ولادت :

مولانا احمد رضا خاں بن مولوی نقی علی خاں بن مولوی رضا علی خاں بھڑیچ پٹھانوں کی شاخ سے تعلق رکھتے تھے جو پٹھانوں کا ایک معزز اور شریف قبیلہ ہے ، مولانا ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ (مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۶ع) کو اپنے وطن بریلی (روہیل کھنڈ) میں پیدا ہوئے ، تاریخی نام المختار ہے ، بعد میں خود مولانا نے اپنے نام کے ساتھ عبدالمصطفیٰ کا اضافہ فرمایا ، اپنے دیوان میں ایک جگہ فرماتے ہیں :

خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ
تیرے لیے امان ہے ، تیرے لیے امان ہے[1]

تعلیم :

مولانا احمد رضا خاں کے جوہر قابل کو جن بزرگوں نے نکھارا اور سنوارا اُن میں اُن کے والد محترم مولوی نقی علی خاں ، مرزا غلام قادر بیگ بریلوی ، مولوی عبدالعلی رامپوری اور شاہ ابوالحسین نوری میاں مارہروی خاص طور پر قابل ذکر ہیں ، غیر معمولی ذہانت اور حافظے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے ، مولانا فطرۃً نہایت ذہین ، طباع تھے ، ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۹ع) میں علوم متداولہ کی تعلیم سے فراغت حاصل کی ، فقہ سے طبعی مناسبت تھی ، اُن کے والد محترم نے فتویٰ نویسی کا کام اُن کے سپرد کیا ، اُسی دن رضاعت کے استفتاء کا جواب لکھا[2] ۔

۱- فاضل بریلوی اور ترک موالات ، ص ، ۱۲ ۔
۲- تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ، ص ، ۹۸ ۔

Marfat.com

بیعت :

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد مولانا تزکیۂ باطن کی طرف متوجہ ہوئے - ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ع) حضرت شاہ آل رسول مارہروی رح سے سلسلۂ قادریہ میں بیعت ہو کر تمام سلاسل میں اجازتِ خلافت سے سرفراز ہوئے ، سب نسبتوں کے یک جا ہونے نے مولانا کو ذوق و عشق ، سکون و محبت ، شریعت و طریقت کا مجمع البحرین بنا دیا تھا -

اپنے شیخ طریقت سے عقیدت و محبت کا یہ عالم تھا کہ جب یہ عقیدت و محبت شعر کے سانچے میں ڈھلتی ہے تو ایک قاری کے سامنے اپنے شیخ سے آن کی عقیدت و محبت کی تصویر سامنے آ جاتی ہے - فرماتے ہیں کہ

خوشا دلے کہ دہندش و لائے آلِ رسول؟
خوشا سرے کہ کنندش فدائے آلِ رسول[۱]

حج :

مولانا ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) میں عازم حج و زیارت حرمین شریفین ہوئے اور وہاں کے اکابر علماء یعنی سید احمد دہلان مفتی شافعیہ اور عبدالرحمان سراج مفتی حنفیہ سے حدیث ، فقہ ، اصول فقہ ، تفسیر اور دوسرے علوم کی اسناد حاصل کیں -

شیخ حسین بن صالح امام شافعیہ نے مولانا سے بغیر کسی سابقہ تعارف کے صرف مولانا کی پیشانی کو دیکھ کر فرمایا کہ میں اس پیشانی میں اللہ کا نور پاتا ہوں - یہ فرما کر شیخ حسین نے مولانا کو صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اپنے قلم سے اجازت مرحمت فرمائی[۲]-

دوسری دفعہ بھی مولانا نے حج و زیارت کی سعادت حاصل کی ، اس دفعہ بھی علماء حجاز نے بے حد قدر و منزلت کی[۳]-

---

۱- فاضل بریلوی اور ترک سوالات ، ص ۱۳ -
۲- تذکرہ علمائے ہند (آردو ترجمہ) ص ۹۸ ، ۹۹ -
۳- اخبار جنگ : ۱۲ فروری ۱۹۷۷ع مضمون جناب پروفیسر شاہ فرید الحق -

Marfat.com

مولانا کا شرف :

شہرت و مقبولیت نے مولانا کو اس منزل پر پہنچایا کہ شہر بریلی ، مولانا کا وطن ہونے کی وجہ سے پورے برصغیر پاک و ہند میں مشہور ہو گئی ، یہاں تک کہ بریلویت مسلم معاشرے میں مولانا کے معتقدین اور اس مکتبۂ فکر کے مسلمانوں کا سنبل بنی ، جس کے ترجمان مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ تھے ۔

عشقِ رسول ؐ :

عشق رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مولانا کے صحیفۂ سیرت کا عنوان جلی ہے ، مولانا عشق رسول کی مے سے بیخود و سرشار تھے اور اس راہ میں نکتہ چینی کرنے والوں کی پرواہ نہ کرتے تھے ، وہ عندلیب چمنستان رسالت تھے۔ آن کی نعتیں اُردو اور فارسی شاعری میں ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں ۔

محترمی ڈاکٹر سید عبداللہ نے مولانا احمد رضا خاں کو بڑی جامعیت کے ساتھ خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> وہ جیّد عالم ، متبحر حکیم ، عبقری فقیہ ، صاحبِ نظر ، مفسرِ قرآن ، عظیم محدّث اور سحر بیان خطیب تھے ، لیکن ان تمام درجاتِ رفیع سے بھی بلند ان کا ایک درجہ ہے اور وہ ہے عاشقِ رسول[1]۔

مولانا توحید خالص کے پرستار اور آن کے روئیں روئیں میں رسول اکرم صلی اللہ و علیہ و آلہ وسلم کا عشق پیوست تھا ۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرا سینہ چاک کیا جائے تو ایک طرف لا الہ الا اللہ اور دوسری طرف محمد الرسول اللہ لکھا ہوگا[۲]۔

۱- عاشق رسول (تالیف پروفیسر محمد مسعود احمد) ص ۱۰ بحوالہ پیغامات یوم رضا ۔

۲- مضمون شاہ فرید الحق صاحب مطبوعہ اخبار جنگ - ۱۲ فروری ۱۹۷۷

Marfat.com

استغنا و بے نیازی :

استغنا و بے نیازی مولانا کا وصف خاص تھا ، انھوں نے اپنے قلم کو امرا و جاگیرداروں کی مدح و ثنا سے ملوث نہیں ہونے دیا ۔

جب نواب ریاست نان پارہ نے مولانا سے قصیدے کی فرمائش کی تو یہ شعر فرما کر اس بات کو ٹال دیا :

کروں مدح اہلِ دول ذرا ، پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرا دین پارۂ نان نہیں[1]

سیاسی نظریات :

پہلی جنگ عظیم کے بعد مسلمانوں میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا ۔ اس تحریک کے رہنماؤں میں مولانا محمد علی جوہر ، مولانا شوکت علی ، حکیم اجمل خاں ، ڈاکٹر انصاری ، مولانا ظفر علی ، مولانا حسرت موہانی وغیرہ جیسے زعمائے ملت تھے ۔

کانگریس اور متحدہ قومیت کی مخالفت :

کانگریس اگرچہ ۱۸۸۵ع میں قائم ہو چکی تھی ، لیکن تقریباً ۱۹۲۰ع کے لگ بھگ قوم پرست ہندوؤں نے مسلمانوں سے مل کر اپنے مشترکہ دشمن انگریز کے خلاف تحریک ترک موالات کو جنم دیا ۔

مولانا احمد رضا خاں کو اگرچہ انگریزوں سے شدید نفرت تھی لیکن آن کی دور رس نگاہیں مستقبل میں اس تحریک کے انجام کو دیکھ رہی تھیں ، وہ جانتے تھے کہ اس برصغیر میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور وقتی طور پر یہ ایک فریب ہے جو اکثریت اقلیت کو دے رہی ہے ، نتیجتاً اگر یہ تحریک کامیاب بھی ہو جائے تو ہندوؤں کی اکثریت ہر شعبۂ زندگی میں اقلیت پر اثر انداز ہوگی ، اوز عجب نہیں کہ یہ اتحاد اکثریت میں ادغام کی صورت اختیار کر لے ۔

۱۔ فاضل بریلوی اور ترک موالات ، ص ۲۴ ۔

Marfat.com

پھر وہ وطنیت جس کا تصور اہلِ مغرب نے ہمیں دیا ہے اکثریت اس کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہے ، حبِ وطن کی نفی اگرچہ اسلام نہیں کرتا ، لیکن وہ وطن کی محبت کے بھی حدود قائم کرتا ہے ، اخوت و محبت کا اصل رشتہ اسلام ہے ، وہ رنگ و نسل ، علاقائیت اور اختلاف زبان کے بتوں کو پاش پاش کرکے ، سب سے زیادہ مستحکم رشتے کی دعوت دیتا ہے ، اور وہ اسلام ہے ۔

ان بنیادوں پر مولانا احمد رضا خاں نے ہندو مسلم اتحاد کی مخالفت فرمائی اور ترک موالات کی تحریک کو رد کر دیا ۔

علی برادران جب مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی اور تحریک میں شمولیت کی دعوت دی تو مولانا نے فرمایا :

> مولانا ! میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے ، آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں ، میں مخالف ہوں[1]۔

پھر فرمایا :

> مولانا ! میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں ، ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں ۔

ترکِ موالات کی مخالفت :

۲۸ مئی ۱۹۲۰ء کو بمبئی میں خلافت کانفرنس کا اجلاس ہوا ، جس میں گاندھی جی کی تحریک عدم تعاون (ترک موالات) کو تسلیم کیا گیا ، لیکن مولانا احمد رضا خاں کی نگاہ دوربیں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا کہ اس تحریک سے کانگریس کی متحدہ قومیت کے نظریے کو تقویت پہنچے گی ، اس لئے مولانا نے تحریکِ ترکِ موالات کی سخت مخالفت کی ، مولانا نے نہ صرف اس تحریک کی مخالفت کی بلکہ ”کل ہند مرکزی جماعت رضائے

۱- اعلیٰ حضرت کی مذہبی اور سیاسی خدمات ، ماہنامہ عرفات (لاہور) اپریل ۱۹۷۰ء - ۲- نصرۃ الابرار ، ص ۱۹ ، ۲۶ محرم ۱۳۰۶ھ

Marfat.com

مصطفٰی" قائم کر کے قابلِ قدر خدمات انجام دیں[1]۔

مولانا احمد رضا خاں نے ترک موالات کے سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا :

> حضرات لیاڈر نے مسئلۂ موالات میں سب سے بڑھ کر آدھم مچائی ، اوروں میں افراط یا تفریط ایک ہی پہلو پر گئے ۔ اس میں دونوں کی رنگت رچائی ۔ افراط وہ کہ نصاریٰ سے نرمی معاملت بھی حرام قطعی ، اور تفریط یہ کہ ہندوؤں سے اتحاد بلکہ ان کی غلامی فرض شرعی[2]۔

دو مکتبہ فکر کے جلیل القدر علماء
ترک موالات کی مخالفت میں متحد تھے :

عجیب بات یہ ہے کہ دو مختلف مکتبہ فکر کے جلیل القدر علماء یعنی حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی دونوں ترک موالات کی مخالفت میں متحد تھے ، دونوں نے ترک موالات کے خلاف علیحدہ علیحدہ فتوے دیئے تھے ۔

ان دونوں بزرگوں کی شان اپنے اپنے مکتبہ فکر میں اِس قدر اعلیٰ و ارفع ہے کہ ایک لمحے کے لئے بھی ان دونوں کے متعلق یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ خدانخواستہ انگریزوں نے اپنے توڑ کے لئے ان دونوں بزرگوں سے یہ فتوے لکھوا کر لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کئے تھے ۔

ہماری رائے میں تاریخی حقائق کو جذبات کی رو میں کبھی دیکھنا نہیں چاہیئے بلکہ واقعات کے پرکھنے میں عقل و قرائن کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے ، جو لوگ ان دونوں بزرگوں کے عالمانہ تبحر ، تقدس و دیانت سے واقف ہیں اور ان دونوں کے علم و عمل کی عظمت کو جانتے ہیں انہیں

۱۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت (از سید نور محمد قادری) ص ۱۸ - ۱۹

۲۔ فاضل بریلوی اور ترک موالات ، ص ٦٤

Marfat.com

یہ بھی علم ہے کہ وہ حق گوئی و جرات ایمانی میں عزم آہنی رکھنے تھے ، وہ انگریز کی تجارتی منڈیوں کا بکاؤ مال نہیں تھے کہ انگریز (توڑ) کے لئے ان دونوں سے اپنی تائید میں فتوے لکھوا سکتا بلکہ یہ خود آن کے ضمیر کی آواز تھی اور جسے وہ دینی اعتبار سے حق سمجھتے تھے ، یہ اور بات ہے کہ آن دونوں کے یہ فتوے انگریزوں کے وقتی طور پر موافق پڑتے تھے -

تحریک پاکستان :

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ مولانا نے متحدہ قومیت کے نظریے کی شدید مخالفت کی تھی ، وہ ترکِ موالات کے بھی اس لئے مخالف تھے کہ اِس سے نظریہ متحدہ قومیت کو مدد ملتی تھی ، انھوں نے متحدہ قومیت کے فریب کا پردا چاک کیا ، اور دو قومی نظریے کی راہیں فراہم کیں -

علمی خدمات :

مولانا احمد رضا خان صاحب صاحبِ تصانیف کثیرہ تھے ، تذکرۂ علمائے ہند کے مؤلف مولانا رحمان علی نے اپنی کتاب میں مولانا کی پچاس تصانیف کے نام دے کر لکھا ہے کہ اب تک ان کی تصانیف کی تعداد پچھتر تک پہنچ چکی ہے -

ان کے سرمایہ علمی و دینی میں باعث شرف و افتخار مولانا کا ترجمہ قرآن کریم ہے ، یہ ترجمہ کنز الایمان فی ترجمة القران کے نام سے ۱۳۳۰ھ (۱۲-۱۹۱۱ع) میں شائع ہوا ، مولانا کا دوسرا شاہکار فتاویٰ رضویہ ہے ، یہ مولانا کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے ، جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہے ہر جلد ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے -

مولانا نے ساری عمر رشد و ہدایت اور درس و تدریس میں گزاری ، آن کے تلامذہ کی تعداد کثیر ہے ، جنھوں نے مولانا کے فکر کو عام کیا اور مولانا کے نقطۂ نظر کو مختلف گوشوں میں پہنچایا -

خلفاء :

مولانا کے سرچشۂ باطنی سے جن حضرات نے فیض حاصل کیا ، اور

Marfat.com

اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے ، اُن میں سے چند نام یہ ہیں : ۔

(۱) مولانا حامد رضا خاں ۔ (۲)مولانا مصطفٰی رضا خاں ۔ (۳) مولانا ظفر الدین بہاری (۴) مولانا سید دیدار علی شاہ (۵) مولانا نعیم الدین مرادآبادی (۶) مولانا عبدالعلیم میرٹھی (۷) مولانا ابوالبرکات سید احمدقادری (۸) مولانا امجد علی (۹) مولانا سید سلیمان اشرف (۱۰) مولانا حشمت علی اور مولانا خجندی وغیرہ ہیں ۔

مولانا اپنے دور کی سیاست کے افق پر کبھی جلوہ گر نہیں ہوئے لیکن جب بھی سیاست اسلام کے اصولوں سے ٹکرائی ، مولانا سیاست میں مرد میدان بن کر آئے اور بغیر لومۃ لائم ، انھوں نے بے لگام سیاست کو اسلامی اصولوں میں محدود کرنے کی پوری جد و جہد کی ۔

حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی دینی مکتبہ فکر کے اعتبار سے ایک تھے جن کا سب احترام کرتے تھے ، وہ تحریک عدم تعاون و تحریک خلافت کے لیڈروں میں تھے ، پہلے مولانا احمد رضا خاں نے ان کو خطوط لکھے ، لیکن یہ کوشش بار آور نہ ہو سکی ، پھر مولانا نے "الطاری الداری طعفوات عبد الباری" کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور عدم تعاون سے ان کے اتفاق و تائید کے سلسلے میں لکھا کہ آپ جس راہ پر گامزن ہیں ، یہ راہ کوئے یار کی طرف نہیں جاتی بلکہ وادیِ کفر کی طرف جاتی ہے ۔ اِس رسالے میں لکھا کہ آپ اپنے اسلاف کے علی الرغم غلط راستے پر پڑھ گئے ہیں ۔ مسلمان قوم کی تباہی کا بار بحیثیت ایک روحانی پیشوا ہونے کے آپ پر پڑے گا ، چنانچہ اس رسالے سے مولانا فرنگی محلی پر صراطِ مستقیم واضح ہوگی[۱] ۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے نزدیک دین اور سیاست کا محور قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات مبارک تھی ، اِس کے سوا وہ تمام سیاستوں کو وقت کا ضیاع سمجھتے تھے ۔

مولانا کے تبحر علمی ، اوصافِ روحانی اور کثیر خوبیوں میں آن کی

۱۔ اعلیٰ حضرت بریلوی کی سیاسی بصیرت (سید نور محمد قادری) ص ۔ ۱۹ ۔ ۲۰ ۔

Marfat.com

شاعرانہ عظمت کا پہلو دب کر رہ گیا ہے ، اس کا بہت کم لوگوں کو اندازہ ہے کہ وہ فارسی اوو اردو کے بلند پایہ شاعر بھی تھے ؛ شاعری کی کوئی صنف ایسی نہیں جس میں آن کی طبع رسا نے جولانی نہ دکھائی ہو ، لیکن عشق رسولؐ نے ابتدا ہی سے انھیں اپنایا اور مولانا نے نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا اور اس صنف میں زمین شاعری کو آسمان بنا دیا ، کم ازکم اردو شاعری میں ان کی نعتوں کی مثالیں کم ملتی ہیں ۔ آن کے نغمہائے سرمدی سے برصغیر پاک و ہند کی فضائیں گونج آٹھیں ، ان کی شاعری کا تقدس محافلِ میلاد اور محراب و منبر کی رونق بنا ۔ فرماتے ہیں :

مصطفٰی جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

لیلۃ القدر میں مطلع الفجر حق
مانگ کی استقامت پہ لاکھوں سلام

معنی قدر ا ایٰ ، مقصد ماطغیٰ
نرگسِ باغ قدرت پہ لاکھوں سلام

آن کی نعت گوئی کا استاد بھی قرآن حکیم ہے ، فرماتے ہیں :

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی

عشق رسولؐ آن کے خمیر میں تھا ۔ فرماتے ہیں :

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخیِ طبع رضا کی قسم

عشق رسولؐ نے دولت نعت گوئی کو مولانا کا مقدر بنا دیا تھا ، فرماتے ہیں :

ز حسنت تا بہار تازہ گل کرد
رضایت را غزل خواں آفریدند

۱- یہ تمام اشعار فاضل بریلوی اور ترک موالات ۔ ص ۲۰ - ۲۱ - سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

مولانا احمد رضا خاں نے مرزا داغ دھلوی کو جب مولانا حسن رضا برادر خورد مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع سنایا :

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار! پھرتے ہیں

تو مرزا داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے [1]۔

شاعری نے مولانا کی شخصیت کو نہیں بنایا بلکہ مولانا کی شخصیت سے شاعری کو چار چاند لگے ۔ دیکھئے کس انداز سے اپنی غزل خوانی کا تذکرہ اس شعر میں فرماتے ہیں :

اے رضا ! وصفِ رُخِ پاک سنانے کے لئے
نذر دیتے ہیں چمن مرغ غزل خواں ہم کو

چشمِ بصیرت کو وا کرنے کے لئے مولانا کے ان اشعار میں کتنا پاکیزہ تاثر ہے ، فرماتے ہیں :

سُونا جنگل ، رات اندھیری ، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو جاگتے رہیو ، چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف اڑا لیں یاں وہ چور بلا کے ہیں
تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے
یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

مولانا قلبی واردات کو جب شعر کے سانچے میں ڈھالتے ہیں اور شعر میں اپنی دلی تمناؤں کا اظہار کرتے ہیں تو شعر کو ایک نیا کیف عطا کر دیتے ہیں ، فرماتے ہیں :

کعبے کے بدر الدجیٰ تم پہ کروڑوں درود
طیبہ کے شمس الضحیٰ تم پہ کروڑوں درود

۱۔ عاشق رسول ص ۱۳ بحوالہ فاران کراچی ص ۴۴ - ۴۵ -

Marfat.com

مولانا کی شاعری میں لف و نشر مرتب کی بڑی عمدہ مثالیں ملتی ہیں ، فرماتے ہیں :

دل بستہ ، بے قرار ، جگر چاک ، اشک بار
غنچہ ہوں ، گل ہوں ، برقِ تپاں ہوں ، سحاب ہوں

صنعتِ ملمع میں شعر کہنا شاعر کی قادر الکلامی کی بڑی دلیل ہے ، مولانا احمد رضا خاں نے صنعتِ ملمع میں ایسے اشعار کہے ہیں ، جس میں عربی ، فارسی ، ہندی (بھاکھا) اور اردو چاروں زبانوں کے الفاظ ہیں ، فرماتے ہیں :

لَم یاتِ نظیرک فی نظرِ مثلِ تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہہ دوسرا جانا

البحر علا و الموج طغیٰ ، مَن بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں ، بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا[1]

مولانا کا دیوان " حدائقِ بخشش " کے نام سے شائع ہو چکا ہے ۔

وفات :

مولانا احمد رضا خاں نے ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ع) وصال فرمایا۔ ۶۵ سال تک مولانا برصغیر پاک و ہند میں رشد و ہدایت ، علم و عمل کی وادیوں کو اپنی خوشبو سے مہکاتے رہے ، ان کی ساری زندگی علم دین اور ملت کی خدمت میں صرف ہوئی انہوں نے اپنے قلم اور زبان سے مسلمانوں کی عظیم خدمات انجام دیں ، وہ اپنے علم و عمل میں پہاڑ کی طرح مستقیم تھے ، بایں ہمہ بقول علامہ اقبال اُن کے مزاج میں شدت زیادہ تھی ، وہ اپنے مکتبہ فکر کے مخالفین کو برداشت نہیں کر سکتے تھے ، لیکن اُن کی یہ شدت نفسانیت سے پاک اور اُن کے عشق و محبت کا مظہر تھی ، اُن کے

۱- یہ تمام اشعار مولانا احمد رضا خاں کی اردو شاعری مضمون محترمی ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب مدفیو ضہم مطبوعہ اخبار جنگ مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۷۷ع سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

مکتبۂ فکر سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور کیا گیا ہے ، لیکن انؒ کے ہمعصر مخالف محتاط علماء نے اُن سے نفس مسائل سے اختلاف کیا ہے اور ہمیں اُن کی کوئی ایسی بات نہیں ملتی جس پر نکتہ چینی کی جا سکے ۔

مختصر یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں پاک و ہند کے خزانۂ علمی کا وہ گوہر گراں مایہ تھے جن کی تابانی سے غیر منقسمہ ہندوستان منور و روشن تھا ، وہ بریلوی مکتبۂ فکر کے مؤسس تھے ، نہ صرف انھوں نے بریلی کے نام کو روشن کر دیا بلکہ ان کا کمال یہ ہے کہ بریلویت کو ایک مکتبۂ فکر کے علماء کی علامت بنا دیا ۔

بعد از وفات تربتِ مادر زمیں مجو
در سینہ ہائے مردم عارف مزار ما

Marfat.com

(۱۳)

مولانا مفتی عزیز الرحمان

علامہ اقبال کا تاثر :

مجھے ماسٹر عبدالرؤف سے ابھی معلوم ہوا کہ آپ انجمن خدام الدین کے جلسے میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرمائیں گے ، میں اسے اپنی بڑی سعادت تصور کروں گا اگر آپ کل شام اپنے (دیرینہ) مخلص کے ہاں کھانا کھائیں ، جناب کی وساطت سے حضرت مولوی حبیب الرحمان صاحب قبلہ عثمانی حضرت مولانا شبیر احمد صاحب اور جناب مفتی عزیز الرحمان صاحب کی خدمت میں بھی یہی التماس ہے ، مجھے امید ہے کہ جناب اس عریضے کو شرفِ قبولیت بخشیں گے ، آپ کو قیام گاہ سے لانے کے لئے سواری یہاں سے بھیج دی جائے گی ۔

(مکتوبات علامہ اقبال ، بنام مولانا سید انور شاہ کشمیری)
اقبال نامہ ، جلد دوم ص ۲۵۷

حالات :

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے بھائی ہیں ، آپ دیوبند کے شیوخ عثمانی سے تعلق رکھتے ہیں ۔

تعلیم :

مولانا عزیز الرحمان ، مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے ارشد تلامذہ میں ہیں ۔

Marfat.com

دارالعلوم دیوبند کے گہوارۂ علمی میں تعلیم و تربیت پانے کے بعد ۱۲۹۸ھ (۸۱-۱۸۸۰ع) میں مفتی صاحب کی دستار بندی ہوئی ، جنھوں نے آپ کے ساتھ درس کی تکمیل کی ان میں مولانا احمد سکندر پوری ، مولوی محمد اسحاق صاحب فرخ آبادی ، مولوی بشیر احمد صاحب ہندولہ ، مولوی منفعت علی صاحب دیوبندی ، مفتی رحیم بخش صاحب شیرکوٹی ، مولوی سراج الحق صاحب دیوبندی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں -

معلمی :

جس گہوارۂ علمی میں مولانا مفتی عزیز الرحمان صاحب نے تعلیم و تربیت مکمل کی ، اسی درسگاہ میں مفتی صاحب اور مولانا حافظ محمد احمد صاحب جو آئندہ چل کر مہتمم دارالعلوم دیوبند ہوئے اس وقت بغیر تنخواہ کے مدرس مقرر ہوئے -

مدرسہ عالیہ رامپور کی معلمی :

کچھ دن کے بعد مفتی صاحب مدرسہ عالیہ رامپور میں دس روپے ماہوار پر ملازم ہو کر چلے گئے اور ۱۳۰۹ھ (۹۲-۱۸۹۱ع) تک مدرسۂ عالیہ میں مدرس رہے -

دارالعلوم دیوبند کی نائب مہتممی :

۱۳۰۹ھ (۹۲-۱۸۹۱ع) میں دارالعلوم دیوبندی کی نائب مہتممی پر فائز ہوئے اور دیوبند آ کر اپنی خدمات انجام دینے لگے -

مفتی دارالعلوم :

۱۳۱۰ھ (۹۳-۱۸۹۲ع) میں مجلس شوریٰ نے آپ کو دارالعلوم کے مفتی کے عہدہ پر فائز کیا ، آپ سے پہلے یہ خدمت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب انجام دیتے تھے -

مولانا کے افتاء کے متعلق مشاہیر علماء کی آراء :

مولانا نے اس فرض دینی کو جس دیانت اور محنت سے ادا کیا ، اس کا لوہا اس دور کے اکابر علماء نے مانا ہے ، حضرت مولانا رشید احمد

Marfat.com

گنگوہی مفتی صاحب کو ابو حنیفہؒ عصر کہا کرتے تھے ، حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری جو متاخر علماء کے سرتاج ہیں ، مفتی صاحب کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ

آپ سے ایک صدی پہلے تک اس شان کا فقیہ النفس علماء کی جماعت میں نظر نہیں آتا[1] ۔

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ درس حدیث میں مفتی صاحب کے بارے میں فرمایا :

بلا شبہ حضرت مفتی صاحب کی رگ رگ میں فقہ رچا ہوا تھا ، اگر وہ زمانہ سابق میں ہوتے تو فقہ میں صاحب مسلک ہوتے ، لیکن باوجود فقیہہ النفس ہونے کے امام اعظم ابو حنیفہ کی تقلید کا قلاوہ گردن میں ڈالے ہوئے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے ۔

لاریب حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دارالعلوم کی مسند افتا کی وہ زیب و زینت تھے کہ ان کی مثال مشکل سے مل سکے گی ۔

بیعت :

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن حضرت شاہ رفیع الدین کے دست حق پر بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے ۔ چونکہ حضرت شاہ رفیع الدین پر نسبت نقشبندیہ غالب تھی ، اس لئے مفتی صاحب پر بھی نسبت نقشبندیہ کا غلبہ تھا ۔

اخلاق :

آپ کے آئینہ اخلاق میں خشیت الٰہی ، اتباع رسولؐ ، تواضع و انکسار ، زہد و تقویٰ کے آثار نمایاں نظر آتے ہیں ۔

۱۔ تذکرہ مشائخ دیوبند ، مرتبہ مفتی عزیز الرحمٰن بجنوری ، ص ۵۰ ، بحوالہ مقدمہ فتاوی دارالعلوم دیوبند ۔

Marfat.com

خدمت خلق کا یہ عالم تھا کہ نہ صرف اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے بلکہ ہمسایوں اور پڑوسیوں کا سامان بھی اپنے دامن میں لے آتے تھے اور پڑوسیوں تک پہنچاتے تھے لوگ کہتے کہ آپ یہ زحمت کیوں کرتے ہیں ، مسکرا کر فرماتے کہ یہی حضرت علیؓ کا طرز عمل تھا ۔

اس عظیم تبحر علمی اور تفقہ کے باوجود مزاج میں احتیاط اس قدر تھی کہ نماز و وضو کے مسائل بھی کتاب دیکھ کر بتلاتے تھے ، فرماتے تھے کہ ڈرتا ہوں کہیں مسئلے کے بتانے میں سہو نہ ہو جائے ۔

شکوک و شبہات میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی طرف رجوع فرماتے تھے ۔

وفات :

۱۳۴۴ھ (۱۹۲۵-۲۶ع) میں مفتی صاحب دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو کر ڈابھیل چلے گئے ، کچھ دن کے بعد اپنے وطن دیوبند واپس آئے اور دیوبند ہی میں رحمت حق سے جا ملے اور دارالعلوم دیوبند کے قبرستان میں مدفون ہوئے ۔

۱- یہ تمام حالات تذکرہ مشائخ دیوبند ، ص ۴۰۱ تا ۴۰۶ سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

(۱۴)

حکیم برکات احمد ٹونکی

علامہ اقبال کا تاثر :

۲۲ اگست ۱۹۲۲ع

مخدومی جناب مولانا السلام علیکم

. . . . مولانا حکیم برکات احمد صاحب بہاری ثم ٹونکی کا رسالہ "تحقیق زماں" مطبوعہ ہے یا قلمی ، اگر قلمی ہے تو کہاں سے عاریۃً ملے گا . . . . زمان و مکان و حرکت کی بحث اس وقت فلسفہ اور سائنس کے مباحث میں سب سے زیادہ اہم ہے ، میری ایک مدت سے خواہش ہے کہ اسلامی حکماء و صوفیہ کے نقطۂ نگاہ سے یورپ کو روشناس کرایا جائے ، مجھے یقین ہے کہ اس کا بہت اچھا اثر ہوگا ۔

مکتوب اقبال بنام سید سلیمان ندوی
اقبال نامہ ، حصہ اول ، ص ،
۱۲۲ و ۱۲۳ ۔

از ان بعد آپ (علامہ اقبال) نے حسب معمول حکمت کے موتی بکھیرنے شروع کیے ، میں خاموشی کے ساتھ ان موتیوں سے اپنا دامن تہی بھرنے کی کوشش کرتا رہا ۔ موضوع گفتگو بار بار بدلتا رہا ۔ مولانا برکات احمد نے

Marfat.com

زمان و مکاں کی بحث پر کیا خامہ فرسائی کی ہے ؟ افسوس ہے کہ گذشتہ ایک صدی مسلمانانِ ہند نے ادق فلسفیانہ مسائل پر جو کچھ لکھا ہے وہ عوام بلکہ خواص سے بھی پوشیدہ ہے ۔

قرآن میں ایک سورۂ دہر اور ایک سورۂ عصر ہے دہر اور عصر میں کیا فرق ہے اور سورۂ دہر کو سورۂ عصر اور سورۂ عصر کو سورۂ دہر کیوں نہیں کہا گیا ۔ ۔ ۔ ۔

شام ہمدرد حصہ اول ، ص ، ۲۲۵
ایک یادگار صحبت ، مضمون مجید
ملک صاحب

حالات :

جس نے انیسویں صدی عیسوی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں امام منطق و فلسفہ مولانا عبدالحق خیرآبادی کے شمع شبستان سے اکتساب نور دانش کرکے علوم عقلیہ و حکمیہ کو عام کیا وہ مولانا حکیم برکات احمد بہاری ثم ٹونکی ہیں ۔

خاندان :

حکیم برکات احمد کے والد محترم حکیم میر سید دائم علی کا آبائی وطن میر نگر (پٹنہ ، بہار) تھا ، ذوق علم میں وطن سے نکلے ، اس دور کے اساتذۂ علم و فن مولانا محمد احسن گیلانی ، علامہ فضل حق خیر آبادی ، مولانا عالم علی نگینوی[1] اور حکیم احسن اللہ خاں دہلوی جیسے یگانہ روزگار علماء اور اہل فن نے ان کے جوہر قابل کو نکھارا اور ان بزرگوں کے خرمنِ فیض

۱۔ مولانا عالم علی نگینوی : نے ضلع بجنور مراد آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی ، عالم ، حافظ اور طبیب تھے ، رسالہ فضائل صیام آن کی تصنیف ہے ، مولانا عالم علی نے ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) میں وفات پائی (تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ، ص ، ۲۶۰ و ۲۶۱) ۔

Marfat.com

سے خوشہ چینی کی علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد ٹونک میں متوطن ہو گئے، رئیس ٹونک کے مزاج میں وہ رسوخ حاصل کیا کہ طبیب خاص اور دیوان خزانہ مقرر ہوئے۔

روحانی فیوض و برکات حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے حاصل کیں اور آن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے، حکیم میر سید دائم علی نے ۱۳۲۵ھ (۸-۱۹۰۷ع) میں وفات پائی۔

حکیم برکات احمد کے نانا شیخ ولی محمد پھاتی تھے جو حضرت شاہ اسماعیل شہید کے رشتے کے بھتیجے تھے۔

ولادت :

ٹونک ہی میں ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ع) حکیم برکات احمد کی ولادت باسعادت ہوئی، حکیم برکات احمد نے درس نظامیہ کی متوسط کتابوں کی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی، ان کے علاوہ جن اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب طے کیا آن میں مولانا لطف علی بہاری، مولانا محمد حسن تلمیذ مولانا آزردہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

علامہ عبدالحق خیر آبادی کی درسگاہ میں :

علامہ عبدالحق خیر آبادی کی نگاہ انتخاب نے حکیم برکات احمد کو چن لیا اور علامہ انھیں تعلیم کے لیے ٹونک سے اپنے ساتھ رامپور لے گئے، حکیم برکات احمد نے ایک در کو پکڑا اور مضبوط پکڑا، پندرہ سال وہ علامہ عبدالحق خیر آبادی کی خدمت میں رہے اور مختلف علوم و فنون مثلاً ادب، منطق، بدیعات، طبعیات، الٰہیات، کلام، اصول فقہ، تفسیر، اصول تفسیر، اصول حدیث، حدیث وغیرہ میں علامہ کی شاگردی میں رہ کر کمال حاصل کیا، علامہ کو معقولات میں غیر معمولی شغف اور کمال حاصل تھا، جنوبی ایشیا آن کے فلسفہ و منطق کی شہرت سے گونج رہا تھا، علامہ عبدالحق کے شاگردوں میں اس ہونہار شاگرد کے جوہر قابل کی چمک دمک علیحدہ تھی، اس لیے علامہ اس ہونہار شاگرد کو بڑی محنت اور محبت سے تعلیم دیتے تھے، علامہ کے زیر اثر حکیم برکات احمد کا ذہن ترقی کرتا گیا

Marfat.com

انھوں نے علامہ سے وہ تمام کتابیں پڑھیں جو درس نظامیہ میں شامل ہیں اور وہ کتابیں بھی پڑھیں جو خیر آبادی سلسلۂ درس میں مختص ہیں ، مثلاً ہدیہ سعیدیہ ، ھدیۃ الھدیہ ، جواہر الغالیہ ، شرح ہدایت الحکمت ، حواشی قاضی ، اشارات ، شرح اشارات الشفا ، افق المبین ، دوانی ، مرزا جان ، خولنساری اور قوشجی کے مؤلفات -

دینی علوم :

علوم دینیہ کا ذوق انھیں بھوپال کھینچ کر لے گیا اور قاضی محمد ایوب پھلتی قاضی القضاۃ کے حلقۂ درس میں شریک ہو کر علوم دینیہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کی -

طب :

طب کی عملی تعلیم حکیم غلام نجف خاں دہلوی[1] سے حاصل کی -

ٹونک میں تشریف آوری :

اکتیس سال کی عمر میں حکیم برکات احمد علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو کر اپنے وطن ٹونک تشریف لائے ، یہ وہ زمانہ تھا ، جب کہ ان کے والد محترم دیوانی خزانہ اور منصب طبابت سے دست کش ہو چکے تھے ، والی ٹونک نے ان کے والد کی طرح ان کی بھی پوری قدر افزائی فرمائی اور انھیں اپنی ریاست کے لئے باعثِ عزت و شرف سمجھ کر طبیب خاص مقرر کیا ، چنانچہ حکیم برکات احمد اپنے فرائض ملازمت نہایت تن دہی سے انجام

۱- حکیم غلام نجف خاں دہلوی : بن مسیح الدین شیخوپوری بدایوانی ثم دہلوی ملقب بہ عضدالدولہ ، حضرت شیخ سلیم بن بہاء الدین سیکروی کی اولاد میں تھے ، انھوں نے طب کی کتابیں حکیم صادق بن شریف دہلوی اور حکیم احسن اللہ دہلوی بن عزیز اللہ سے پڑھیں ، ان کو بادشاہ ظفر نے عضدالدولہ کا خطاب دیا تھا ، انگریزوں نے اپنی حکومت کے زمانے میں دہلی کے عوام کے علاج کے لیے مقرر کیا تھا (نزھۃ الخواطر ، جلد ۷ ص ۳۶۳) -

Marfat.com

دینے لگے -

حج :

حکیم برکات احمد نے ۱۳۳۱ھ (۱۳-۱۹۱۲ع) میں حج و زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی اور ممالک اسلامیہ مصر ، شام و فلسطین کے مزاراتِ متبرکہ پر حاضری دے کر وطن واپس ہوئے -

درس و تدریس :

حکیم برکات احمد کو درس و تدریس سے فطری مناسبت تھی ، وہ جہاں بھی رہے ، طلبہ کا ایک حلقہ ان کے ساتھ رہا ، لیکن جب ملازمت کے فرائض آپ کے ذمہ آ پڑے تو فرائض ملازمت اور مطب کے علاوہ جتنا بھی وقت ان کو ملتا وہ درس و تدریس میں صرف کرتے ، ان کے ذوق تدریسی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انھوں نے پندرہ پندرہ گھنٹے تک مسلسل درس دیا ہے ، ان کے علم و فضل ، درس و تدریس کی مقبولیت و شہرت کی خبر مشک بن کر اطراف و اکناف میں پھیلی ، تشنگان علم اس سرچشمۂ علم کے گرد اپنی تشنگیِ علم کو دور کرنے کے لئے جوق در جوق جمع ہونے لگے ، طلبہ کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا ، ابتدا میں طلبہ کے خورد و نوش اور رہائش کا انتظام بھی حکیم صاحب کے ذمے تھا ، حکیم صاحب نے اپنے وسیع مکان کا ایک حصہ طلبہ کی رہائش کے لئے وقف کر دیا تھا ، لیکن طلبہ کی تعداد روز افزوں ترقی کرتی گئی -

مدرسے کا قیام :

آخر معززین شہر کے اصرار پر حکیم صاحب کی اس ذاتی درسگاہ کو ایک مدرسے کی شکل دی گئی ، اس سرچشمہ علم سے جو لوگ سیراب ہو کر نکلے اور نوابغ روزگار ٹھہرے ان میں حکیم صاحب کے صاحبزادے مولانا محمد احمد ، شفا الملک حکیم رضی الدین خاں دہلوی ، مولانا معین الدین اجمیری ، مولانا مناظر احسن گیلانی ، مولانا محمد شریف اعظم گڑھی ، مولانا عبدالقدیر بدایوانی (مفتی عدالت العالیہ حیدر آباد دکن) خاص طور پر قابل ذکر ہیں -

Marfat.com

ان کے شاگرد رشید مولانا مناظر احسن گیلانی نے حکیم صاحب کی حیات طیبہ کا خلاصہ بلیغ انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھا کہ وہ (حکیم صاحب) مدرس تھے ، پھر مصنف ہوئے اور آخر میں وہ صرف ایک صوفی صاحب درویش نیک اندیش تھے[1] ۔

اخلاق :

حکیم صاحب اپنی سیرت و اخلاق میں سلف صالحین کے نقش قدم پر تھے ، اُن کے آئینہ اخلاق میں قناعت و استغنا کے جوہر سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں ، ریاست حیدر آباد دکن کی پُر شکوہ زندگی کی دعوت ، مہاراجا اندور کا بیش بہا مشاہرہ ، ٹونک کی قانع زندگی پر کوئی چیز ان کے دل کو نہ لبھا سکی ، انھوں نے پوری زندگی اسی چھوٹی سی ریاست ٹونک میں گزار دی ، مولانا شبلی کی دعوتِ قیام لکھنؤ اور حکیم اجمل خاں[2] کی قیام دعوت دہلی کا جواب حکیم صاحب نے صرف ایک مسکراہٹ کے ساتھ دیا ۔

عقل و دانش میں ابن سینائے وقت ہونے کے باوجود سادگی کا یہ عالم کہ ایک روپے کے پیسے گننا نہیں جانتے تھے ، ان کی شخصیت اور ان کا فن دونوں عظیم تھے ، ان کی نظر علم و فن کی نشر و اشاعت پر تھی فن اور شخصیت کے بھرپور رچاؤ نے ان کو علامہ عبدالحق خیر آبادی کے بعد معقولات کا امام بنا دیا تھا ، لیکن انھوں نے اپنے دانش کدے کو شریعت کے جمال سے منور رکھا اور کبھی عقل کو بے لگام نہیں ہونے دیا ۔

نور معرفت :

حکیم برکات احمد کے قلب کو جن بزرگوں نے نور معرفت سے منور کیا اور ان پر تصوف کی راہیں کھولیں ، وہ رام پور کے ایک صاحب دل

۱- معارف نمبر ۴ ، جلد ۲۳ ، ص ۲۵۴ ۔

۲- حکیم اجمل خاں : وفات : دسمبر ۱۹۲۷ع یاد رفتگاں ، ص ۸۹ ۔

Marfat.com

بزرگ جن کا تعلق سلسلۂ چشتیہ صابریہ سے تھا شاہ رکن عالم تھے ، جن سے ابتدأ بیعت ہو کر حکیم صاحب نے روحانی استفادہ کیا ، آخر میں حیدر آباد دکن کے ایک اور مشہور بزرگ مچھلی والے شاہ صاحب سے بھی روحانی استفادہ کیا ۔

عشق رسولؐ :

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حکیم صاحب کا قلب سرشار تھا ، زندگی کے آخری زمانے میں کئی مرتبہ کوشش کی کہ مدینۂ طیبہ ہجرت کر جائیں ، لیکن باوجود کوششوں کے اس کا موقع نہ مل سکا ، مدینۂ طیبہ کے رہنے والوں سے خصوصاً اور عرب کے رہنے والوں سے عموماً بے حد محبت فرماتے تھے ، اپنے والد کی تعمیر کی ہوئی مسجد کے قریب ایک مہمان سرائے تعمیر کروائی تھی تاکہ عام مسافروں اور خصوصاً عربوں کو قیام کی سہولت ہو ۔

استاد سے محبت و عقیدت :

اپنے استاد محترم علامہ عبدالحق خیر آبادی سے غیر معمولی عقیدت و محبت رکھتے تھے ، جس زمانے میں بغرض تعلیم خیر آباد میں مقیم تھے ، حکیم صاحب کو معلوم ہوا کہ مولانا کو سیتا پور کی فلاں دوکان کے کباب بہت پسند ہیں ، حکیم صاحب بلا ناغہ ریل سے سیتا پور جاتے اور علامہ کے لئے کباب لے کر آتے ، چند دن تک تو علامہ نے اپنے عزیز شاگرد کی یہ زحمت گوارا کی ، آخر علامہ نے منع فرما دیا ۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بھی ہر سال اپنے استاد کی قدم بوسی کے لئے پابندی سے خیر آباد حاضر ہوتے تھے ۔

علامہ خیر آبادی کی وفات پر ایک رسالہ "حسرت العلماء بر وفاتِ شمس العلماء کے نام سے لکھا ۔

وفات :

حکیم برکات احمد یکم ربیع الاول ۱۳۴۷ھ (ستمبر ۱۹۲۸ء) کو رحمت حق سے جا ملے اور ٹونک کا یہ سرچشمۂ فیض ہمیشہ کے لئے خشک

Marfat.com

ہو گیا ۔ " رحمۃ اللہ و برکاۃ "/۱۳۴۷ھ سے اُن کی تاریخ وفات نکلتی ہے ۔

مطالعہ کتب کے ذوق کا یہ عالم تھا کہ اس رات میں بھی جس میں انہوں نے وفات پائی مطالعہ کتب سے خالی نہ رہی ۔

اولاد :

مولانا حکیم برکات احمد کے ایک صاحبزادے مولانا حکیم سید محمد احمد تھے ، جو علم و عمل کے اعتبار سے اُن کے صحیح جانشین تھے معنوی اور مناصب سرکاری حیثیت سے وہی حکیم صاحب کے قائم مقام ہوئے ، انھوں نے بھی کئی تصانیف اپنی یادگار چھوڑیں ۔

حکیم سید محمد احمد کی اولاد میں ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے حکیم مولانا محمود احمد برکاتی اور سید مسعود احمد برکاتی ہیں ، سید محمود احمد برکاتی کراچی میں مطب کرتے ہیں اور جو وقت ملتا ہے وہ تالیف و تصنیف میں گزارتے ہیں ، ان کی کئی ٹھوس اور اہم تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں ، وہ کراچی کے اُن دانشوروں میں ہیں جو نام و نمود سے بے نیاز ہو کر ریسرچ اور علمی تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں اور غالب کے اس مصرع کو اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے اپنے دھن میں مگن ہیں کہ

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا

اُن کے چھوٹے بھائی جناب مسعود احمد برکاتی ہمدرد کے شعبہ تالیف و تصنیف و ترجمے کے ناظم ہیں ، حکیم محمد سعید صاحب کی نگاہ دور رس نے اُن کے جوہر قابل کو پرکھا اور اپنے دفتر کی زینت بنا لیا ۔

مختصر یہ کہ دونوں بھائی پیکر شرافت و نجابت ہیں اور ان کو یہ دیکھ کر بے اختیار جوش کا یہ مصرعہ زبان پر آتا ہے کہ

ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

تصانیف :

مولانا حکیم برکات احمد کی جو فاسفیانہ تصانیف شائع ہو چکی ہیں اُن میں سے بعض کتابوں کے نام یہ ہیں ۔

Marfat.com

انہار اربعہ (تصوف میں) القول الضابط فی تحقیق الوجود الرابط ، امام الکلام فی تحقیق الاجسام ۔

فلسفے میں حاشیہ برحاشیہ خیر آبادی ، حاشیہ شرح مواقف (کلام میں) حاشیہ برجامع ترمذی (حدیث میں) عشرۂ کاملہ (طبیعیات میں) حقیقۃ الاجسام (طبیعیات میں) رسالہ وجود رابطی (منطق میں) المعارف الالٰہیہ (الٰہیات میں) تنویر المنار (اصول فقہ میں) وغیرہ[1] ہیں ۔

علامہ اقبال کی مطلوبہ کتاب :

علامہ اقبال کو حکیم برکات احمد کا جو رسالہ مطلوب تھا وہ رسالہ تحقیق زمان اس کا پورا نام " رسالہ اتقان العرفان فی ماہیۃ الزمان " ہے ، حکیم برکات احمد کے دانشور پوتے اور ہمارے محترم دوست حکیم محمود احمد برکاتی تمام اہل علم کے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس رسالے کا ترجمہ مفید اضافوں کے ساتھ کیا اور ۱۹۶۸ع میں اقبال اکادمی کراچی نے اس ترجمے کو شائع کرکے اہل علم کی ایک بڑی ضرورت کو پورا کر دیا ۔

حکیم محمود احمد برکاتی نے اس رسالے کے ترجمے میں " تقویم " میں لکھا کہ

> علامہ سید سلیمان ندوی کی نشان دہی پر یہ رسالہ علامہ اقبال نے (غالباً محترم مجید ملک صاحب کے والد ماجد ملک دین محمد کے توسط سے جو ان دنوں ریاست ٹونک میں رئیس وقت کے معتمد شخصی تھے) ہمارے یہاں سے حاصل کیا تھا اور پھر اس کو درساً درساً پڑھا تھا ۔

پھر حکیم محمود احمد برکاتی نے اسی تقویم میں لکھا کہ

> رسالے کے مخاطب چونکہ فلسفہ قدیم کے طلبہ نہیں بلکہ

۱۔ یہ حکیم صاحب کی چند تصانیف کے نام ہیں ، تفصیل کتب کے لئے رسالہ اتقان العرفان ۔

Marfat.com

وہ فضلا اور اساتذہ تھے جو کتب قدماء و متاخرین کے درس و مطالعہ کی مزاولت کی بناء پر مسئلے کے مالہ و ماعلیہ اور مختلف مذاہب کے اختلافات وغیرہ پر نظر رکھتے ہوں اس لئے اقبال ـــــ اس رسالے سے مستفید و متاثر نہ ہو سکے مگر اس کے مشتملات پر ایک اجمالی نظر نے انھیں جس طرح متاثر کیا اس کا اظہار یوں فرماتے ہیں :

ہندوستان کے مسلمانوں نے بڑے بڑے مسائل پر غور و فکر کیا ہے اور اس غور و فکر کی تاریخ لکھی جا سکتی ہے[1] ۔

رسالہ اتقان العرفان فی ماہیۃ الزمان ایک مقدمے اور سات فصلوں پر مشتمل ہے ، اس کتاب کی ابتداء میں مختلف افادات کو شریک کرکے اس رسالے کو اور مفید تر بنا دیا ہے[۲] ۔

فجزاک اللہ عنی خیر الجزاء

۱- مترجمہ رسالہ اتقان العرفان فی ماہیۃ الزمان ، بحوالہ اقبال نامہ ، حصہ اول ص ۱۸۰ و ص ۱۶۸ -

۲- حکیم برکات احمد کے یہ تمام حالات مترجمہ رسالہ اتقان العرفان فی ماہیۃ الزمان سوانح مرتبہ حکیم محمود احمد برکاتی ، ص ۵ تا ۱۲ اور یاد رفتگان ، ص ۹۶ و ۹۷ سے ماخوذ ہیں -

Marfat.com

(۱۵)

شمس العلماء مولانا سید میر حسن استاد علامہ اقبال علیہ الرحمتہ

علامہ اقبال کا تاثر :

وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی
رہے گا مثل حرم جس کا آستاں مجھکو

نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ داں مجھکو

دعا یہ ہے کہ خداوند آسمان و زمیں
کرے پھر انکی زیارت سے شادماں مجھکو

وہ جس نے خام کو کندن بنایا ، وہ جس نے ناترا شیدہ ہیرے کو تراش کر جلا بخشی ، وہ جس نے کلی کو ایسے شگفتہ گلاب کی صورت دی کہ جس سے پورا چمن مہک اٹھا ، وہ جس کے فیض صحبت اور نگاہ کیمیا اثر نے علامہ کو اسلامی فکر و نظر سے نوازا - وہ جس کی عقیدت مندی کا اعتراف خود علامہ نے اس نظم میں کیا ہے جو حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ کے مزار پر انگلستان کے سفر کے موقع پر " التجائے مسافر " کے عنوان سے پڑھی تھی - یہ اشعار علامہ اقبال کی اس عقیدت و محبت کے گوہر آبدار ہیں جو اپنے استاد محترم شمس العلماء مولانا سید میر حسن مرحوم و مغفور سے تھی اور جنھوں نے بنیادی طور پر علامہ اقبال کے جوہر کو نکھارا اور سنوارا تھا -

Marfat.com

علامہ کے والد کا ایک خواب :

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کا بیان ہے کہ ایک دفعہ علامہ نے فرمایا کہ میری پیدائش سے پہلے میرے والد نے خواب میں دیکھا کہ ایک بڑے میدان میں لوگ کھڑے ہیں اور فضا میں ایک نہایت خوبصورت رنگ برنگ کا پرندہ اڑ رہا ہے۔ اس کی دلکشی کا یہ عالم ہے کہ لوگ دیوانہ وار اپنے بازو اٹھا اٹھا کر اس کے پکڑنے کی کوشش کر رہے ہیں، آخر وہ خوش نما پرندہ ایک دم فضا سے اترا اور میری گود میں آ گرا، پھر میرے والد نے خود ہی اس کی تعبیر بیان کی کہ میرے یہاں ایک بچہ پیدا ہوگا جو خدمتِ اسلام میں ناموری حاصل کرے گا۔

سیالکوٹ کے مکاتب :

مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی کا بیان ہے کہ علامہ کی ابتدائی تعلیم کے زمانے میں سیالکوٹ کے مراکز درس و تدریس چار تھے :

(۱) مولوی غلام مرتضیٰ کا مکتب (۲) مولوی ابو عبداللہ غلام حسین کی درسگاہ (۳) مولانا سید میر حسن (۴) مولوی مزمل۔

پہلی، دوسری اور چوتھی تین درسگاہوں میں صرف عربی اور دینیات کی تدریس کا اہتمام تھا اور مولانا سید میر حسن کے ہاں عربی اور فارسی ادب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ علامہ اقبال کے والد محترم اکثر مولانا غلام حسن کے یہاں علوم دینی کی سماعت کے لئے جاتے تھے، ان کی بڑی خواہش تھی کہ وہ علامہ کو بھی دینی تعلیم دلوائیں، اس لئے انھوں نے علامہ کو مولانا غلام حسن ہی کے یہاں پڑھنے کے لئے بٹھا دیا۔ ایک دن مولانا میر حسن نے علامہ کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کا بچہ ہے؟ جب معلوم ہوا کہ شیخ نور محمد کا لڑکا ہے تو آپ نے شیخ نور محمد سے فرمایا کہ اس بچے کو وہاں سے اٹھا کر میرے پاس لاؤ، چنانچہ اس کے بعد علامہ مولانا میر حسن کے تلامیذ میں شامل ہو گئے اور وہ تعلق پیدا ہوا جو مدت العمر قائم رہا۔

Marfat.com

علامہ کے والدین کا مکان جس بازار میں ہے اس کا نام پہلے صدر تھا ، پھر اسے دو دروازے والا بازار کہنے لگے۔ آج کل اس کا نام " اقبال سٹریٹ" ہے۔ اس بازار ہی کے ایک کوچے میں مولانا سید میر حسن کا مکان ہے ، جس کو کوچۂ میر حسام الدین کہتے ہیں ، میر حسام الدین مولانا سید میر حسن کے چچیرے بھائی تھے۔

مولوی عبدالسلام ندوی مرحوم نے " اقبال کامل " میں مولانا میر حسن کے متعلق لکھا کہ

> ڈاکٹر صاحب کی تعلیم قدیم طرز پر مکتب سے شروع ہوئی ، لیکن بعد میں انگریزی تعلیم کے حاصل کرنے کی غرض سے سیالکوٹ کے مشن اسکول میں داخل ہوئے ـــــ ڈاکٹر صاحب کی خوش قسمتی سے اسکول کے مدرسین میں قدیم طرز تعلیم کی ایک عمدہ یادگار مولوی میر حسن مرحوم مدرس عربی و فارسی تھے اس لئے اس اسکول میں مولوی صاحب موصوف کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے تعلیمی تعلقات قائم ہوئے۔ جس کی تقریب یہ ہوئی کہ مولوی صاحب موصوف کا ایک لڑکا ڈاکٹر صاحب کا ہم جماعت تھا اور اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کے والد ماجد سے ان کے دوستانہ تعلقات بھی تھے ، اس لئے جس زمانے میں ڈاکٹر صاحب چوتھی جماعت میں تعلیم پا رہے تھے۔ ایک دن ان کے والد ماجد مولوی صاحب موصوف کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ میں نے اب یہ فیصلہ کیا ہے کہ بچے کو آپ اسکول کی تعلیم دینے کی بجائے دینیات کا درس دیا کریں اور آئندہ یہ مدرسہ جانے کی بجائے مسجد ہی میں پڑھا کرے ، لیکن مولوی صاحب نے مسکرا کر فرمایا بچہ مسجد میں پڑھنے کے لئے نہیں بلکہ مکتب میں پڑھنے کے لئے پیدا ہوا ہے اور یہ مدرسے ہی میں پڑھے گا[۱]۔

۱- اقبال کامل ، ص ۲۰ ۔

Marfat.com

میں کئی خط ان کے نام ساتے ہیں ، سولانا میر حسن کو سرسید کی وفات سے بے حد صدمہ ہوا وہ کالج جا رہے تھے ، راستے میں اقبال مل گئے ، آپ نے ان سے فرمایا کہ سرسید کی وفات ہو گئی ۔ ذرا تاریخ وفات کی فکر کرنا ، اس وقت اقبال ایک شناسا کی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے ، تھوڑی دیر فکر کرنے کے بعد سید ذکی شاہ صاحب سے کہنے لگے ، تاریخ وفات ہو گئی ، جاؤ ابھی شاہ صاحب کو سنا دو ، تاریخ یہ تھی ، " انی متوفیک و رافعک اِلیٰ و مطہرک " ان کے صاحبزادے سید ذکی شاہ نے یہ تاریخ مولانا میر حسن کو جا کر سنائی تو فرمایا بہت خوب ہے ، اس کے بعد فرمایا کہ میں نے بھی ایک تاریخ نکالی ہے ۔ " غفرلہ " ۔

مولانا حالی نے جب سرسید کی سوانح حیات " حیاتِ جاوید " لکھی تو اس میں ان دونوں تاریخوں کا ذکر تھا ، لیکن تاریخ نکالنے والوں کا نام درج نہ تھا ۔ مولانا میر حسن نے مولانا حالی کو لکھا کہ بہت افسوس کی بات ہے کہ ان تاریخوں پر آپ نے کسی کا نام نہ لکھا ، یہ دونوں تاریخیں شاگرد اور استاد کی ہیں ۔

خواجہ حالی نے معذرت کا خط لکھا اور کہا کہ مجھے ناموں کا علم نہ ہو سکا اب انشاءاللہ دوسرے ایڈیشن میں نام ضرور لکھ دوں گا ۔

وفات :

مولانا میر حسن نے ۱۹۲۹ع میں وفات پائی ۔

۱- ہما ڈائجسٹ دہلی (اقبال نمبر) ، اکتوبر ۱۹۷۶ع ، ص ۶۰ و ۶۱ ۔ مضمون نگار ، احمد مصطفیٰ صدیقی راہی ۔

Marfat.com

(۱٦)

مولانا حبیب الرحمان عثمانی

علامہ اقبال کا تاثر :

مجھے ماسٹر عبدالرؤف سے ابھی معلوم ہوا کہ آپ انجمن خدام الدین کے جلسے میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرمائیں گے ، میں اسے اپنی بڑی سعادت تصور کروں گا اگر آپ کل شام اپنے (دیرینہ) مخلص کے ہاں کھانا کھائیں ، جناب کی وساطت سے حضرت مولوی حبیب‌الرحمان صاحب قبلہ عثمانی ، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب اور جناب مفتی عزیز الرحمان صاحب کی خدمت میں بھی یہی التماس ہے ——

مکتوب اقبال ، بنام مولانا سید انور شاہ کشمیری
(اقبال نامہ حصہ دوم ، ص ۲۵۷)

حالات :

مولانا حبیب الرحمان عثمانی کا وطن دیوبند ہے ، مولانا دیوبند کے مشہور عثمانی خاندان کے چشم و چراغ ہیں ، انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم و تربیت حاصل کی ، وہ ایک متبحر عالم اور عربی کے ادیب تھے عربی نظم و نثر میں ید طولیٰ رکھتے تھے ، اسلامی تاریخ سے بھی ان کو غیر معمولی دلچسپی تھی ، اردو انشا پردازی میں بھی ایک خاص سلیقہ رکھتے تھے ، دارالعلوم دیوبند کا رسالہ " القاسم " آن کے علمی و ادبی مضامین کا گنجینہ ہے ۔

Marfat.com

ان کی اردو تصانیف میں " اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی " ایک ضخیم کتاب ان کی یادگار ہے ۔

علمائے دیوبند میں جو اوصاف انھیں اپنے ہمعصر علماء سے ممتاز بناتے ہیں ، وہ ان کا تدبر ، حسن سیاست اور نظم و نسق کی صلاحیت ہے ۔

دارالعلوم دیوبند کی مہتممی :

ان ہی اوصاف نے آن کو دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم درسگاہ کی مہتممی پر فائز کیا ، وہ ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۷ع) سے ۱۳۴۸ھ (۱۹۲۹ع) تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم رہے ، توانائی اور قوت نے جب تک آن کا ساتھ دیا وہ اس عظیم درسگاہ کے فرائض اہتمام انجام دیتے رہے ، آن کا خلوص ، آن کا تقویٰ ، ان کی تواضع اور انکسار ہر ملاقاتی کو متاثر کرتا تھا ۔

مولانا سید سلیمان ندوی کا بیان ہے کہ ان کی محنت ، جاں کاہی اور مسلسل خدمت کے ساتھ ساتھ اگر ان کی جسمانی نحافت ، کمزوری اور دائم المرض کو دیکھا جائے تو تعجب ہوتا تھا کہ کیوں کر وہ اس بارگراں کو اٹھائے ہوئے ہیں ۔

وفات :

مولانا حبیب الرحمان عثمانی نے جمادی الثانی ۱۳۴۸ھ (۱۹۲۹ع) میں وفات پائی[1] ۔

۱- ماخوذ از یاد رفتگان ، ص ۱۰۲ و ۱۰۳ ۔

Marfat.com

(۱۷)

مولانا عبدالماجد بدایونی

علامہ اقبال کا تاثر :

میرے نزدیک تبلیغ اسلام کا کام اس وقت تمام کاموں پر مقدم ہے ، اگر ہندوستان میں مسلمانوں کا مقصد سیاسیات سے محض آزادی اور اقتصادی بہبودی ہے اور حفاظتِ اسلام اِس مقصد کا عنصر نہیں ہے ، جیسا کہ آجکل کے قوم پرستوں کے رویہ سے معلوم ہوتا ہے تو مسلمان اپنے مقاصد میں کبھی کامیاب نہ ہوں گے ۔ یہ بات میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں اور سیاسیاتِ حاضرہ کے تھوڑے سے تجربے کے بعد ہندوستان کی سیاسیات کی روش جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے خود مذہب اسلام کے لئے ایک خطرۂ عظیم ہے ، میرے خیال میں شدھی کا خطرہ اس خطرے کے مقابلے کچھ نہیں رکھتا ، یا کم از کم یہ شدھی ہی کی ایک غیر محسوس صورت ہے ، بہرحال جس جاں فشانی سے آپ نے تبلیغ کا کام کیا ہے، اس کا اجر حضور سرورِ کائناتؐ ہی دے سکتے ہیں ، میں انشاءؑ اللہ جہاں جہاں موقع ہو گا آپ کے ایجنٹ کے طور پر کہنے سننے کو حاضر ہوں مگر آپ اور مولوی عبدالماجد بدایوانی جنوبی ہندوستان کے دورے کے لئے تیار رہیں ۔

(مکتوبات علامہ اقبال بنام جناب غلام بھیک نیرنگ
اقبال نامہ حصہ اول ، ص ۲۰۹ و ۲۱۰)

Marfat.com

حالات :

وہ جس نے بیسویں صدی عیسوی کے ربع اول کے علماء میں ملت اسلامیہ کے خدمت گزاروں میں غیر معمولی شہرت و مقبولیت حاصل کی، ان میں مولانا عبدالماجد بدایونی بھی ہیں ۔

مولانا عبدالماجد بدایونی قادری بدایوں کے ایک معزز و مفتخر خاندان کے چشم و چراغ تھے، وہ ایک نامور عالم، شعلہ نوا مقرر، بے مثل خطیب، خوش فکر شاعر اور بلند پایہ مصنف تھے، انھوں نے اس دور کی تمام سیاسی و ملی تحریکات میں حصہ لیا، ان کی تقریریں جذبات اسلامی کی ترجمان ہوتی تھیں، آن کے فن خطابت اور تقریر میں ایک ساحرانہ کمال تھا، جن سے بے اختیار سامعین کے دل ان کی طرف کھنچتے تھے، وہ اس دور کی تمام ملت اسلامیہ کی تحریکوں میں، خواہ وہ تحریک خدام کعبہ ہو، یا خلافت کانفرنس، تحریک تبلیغ و تنظیم ہو یا جمعیت العلماء اور مسلم لیگ سینہ سپر نظر آتے ہیں وہ پیکر محبت تھے، شمع توحید و رسالت کے پروانے، عشق رسولؐ و آل رسول سے سرشار، آن کا پیمانۂ قلب بزرگوں کی محبت سے لب ریز، یگانوں سے محبت، بیگانوں سے محبت آن کا خاص شعار تھا، وہ حضرت جگر مراد آبادی کے اس مصرع کے مصداق تھے ۔

میں محبت ہی محبت ہوں محبت کی قسم

مولانا سید سلیمان ندوی نے مولانا عبدالماجد بدایونی کے متعلق ان کے قومی خدمات سے غیر معمولی شغف کے متعلق لکھا کہ

جماعت علماء میں یہی ایک ایسی ہستی تھی، جس کی زندگی کے ایک لمحے کو بھی --- چین نصیب نہ ہوا، ہر وقت اور ہر نفس ان کو کام کی ایک دھن لگی ہوئی تھی، جس کے پیچھے آن کا آرام، چین، خانگی سکون، اہل و عیال اور جان و مال ہر چیز قربان تھی، یہ بھی سماں گزرا ہے کہ آن کے گھر میں کفن و دفن کا سامان ہو رہا ہے اور وہ مردہ قوم کی مسیحائی کے لیے کانپور و لکھنؤ کی تگ و دو میں مصروف ہیں، خدام کعبہ، طرابلس، بلقان، کانپور،

Marfat.com

خلافت ، تبلیغ ، مسلم کانفرنس یہ وہ تمام مجالس ہیں جو
آن کی خدمات سے گراں بار ہیں[1] ۔

مدرسہ شمس العلوم بدایوں :

مدرسہ شمس العلوم بدایوں کی بنیاد اگرچہ آن کے والد نے رکھی تھی ، لیکن اس کی تعمیر و ترقی میں مولانا عبدالماجد بدایونی کا بڑا حصہ ہے ۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے مدرسہ شمس العلوم کے متعلق لکھا کہ

> ان مشغولیتوں میں اپنے مدرسہ شمس العلوم کو جس کی بنیاد خود انھوں نے ڈالی تھی ناتمام چھوڑا ، اس کے لیے کتب خانے کی عمارت بنوائی ، کتابیں جمع کیں ، وہ بھی نامکمل رہا ، یہاں تک کہ آن کی زندگی کی منزلیں دفعۃً پوری ہو گئیں[۲] ۔

قوتِ خطابت و شاعری :

مولانا عبدالماجد کی شعلہ نوائی اور بے مثل خطابت و شاعری کے متعلق مولانا سید سلیمان ندوی نے اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ

> مرحوم کی قوت خطابت غیر معمولی تھی ، ان کی تقریر جذباتِ اسلامی کی ترجمان ہوتی تھی ۔ آن کی شاعری و سخن وری گو مخفی تھی مگر شاندار تھی ، آن کی عالمانہ شان اور معقول و منقول سے پرانی دل آویزی اس عالم میں بھی نمایاں تھی ۔

آن کے حلیے کا نقشہ کھینچتے ہوئے مولانا ندوی نے ان کی قلمی تصویر اس طرح کھینچی ہے :

> آن کا دراز قد ، بڑی داڑھی ، سیاہ عمامہ اس پر جُبّہ ۔ گلے میں بڑا کالا رومال یا چادر ، مست چال ، جھوم جھوم

۱۔ یاد رفتگان ۔
۲۔ ایضاً ۔

Marfat.com

کر ستانت سے چلنا اب تک نگاہوں کے سامنے اُن کی
تصویر بنا کر کھڑی کر دیتا ہے۔

رفاقتِ سفر :

رفیق سفر کو اپنے ہمراہیوں کے متعلق رائے قائم کرنے کا حق ہوتا ہے، اور اس کی رائے اپنے رفیق سفر کے متعلق نہایت اہمیت رکھتی ہے، سولانا عبدالماجد بدایونی نے حجاز و مصر کا سفر مولانا ندوی کے ساتھ کیا تھا، مولانا ندوی بحیثیت رفیق ہمسفر ہونے کے اپنے تاثر کو قلم بند کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> مرحوم نے عراق کا سفر اپنے بزرگوں کے ساتھ کیا تھا اور حجاز و مصر کا سفر میرے ساتھ ۱۹۲۴ع میں کیا، بے گوش[1] تو وہ تھے ہی، مگر اُن جیسا بے زبان رفیق سفر ملنا بھی ممکن نہیں[2]۔

ان کی سیرت و اخلاق کو ایک بلیغ جملے میں مولانا ندوی نے سمو دیا ہے، وہ ان کی تمام تفصیلی خوبیوں کا اجمال ہے، مولانا ندوی نے اُن کے محاسن و خوبیوں کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ

> اُن کی ہستی محبت کا آئینہ خانہ تھی، ہر آئینۂ دل میں وہی ہر طرف چلتے پھرتے نظر آتے تھے[3]۔

وفات :

مولانا عبدالماجد بدایونی ۱۴ دسمبر ۱۹۳۱ع (۱۳۵۰ھ) کی نصف

۱- سولانا بدایونی ثقل سماعت کی وجہ سے کم سنتے تھے، بے گوش سے اشارہ ثقل سماعت کی طرف ہے۔
۲- سولانا ندوی کے یہ ٹکڑے ان کی تصنیف یاد رفتگاں، ص ۱۶۲، سے ماخوذ ہیں۔
۳- یاد رفتگاں، ص ۱۶۴ -

Marfat.com

شب میں رحمت حق سے جا ملے اور اپنے وطن بدایوں میں مدفون ہوئے[1]۔

تصانیف :

مولانا تمام محامد و خوبیوں کے ساتھ صاحب تصنیف و تالیف تھے، اُن کی جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں :

(۱) دربار علم (۲) التہدید (۳) القول السدید (۴) خلاصۃ المنطق (۵) خلاصۃ العقاید (۶)خلاصہ فلسفہ (۷) جواز عرس[2]۔

۱- یاد رفتگاں، ۱۶۲۔

۲- رسالہ علم و آگہی کراچی، خصوصی شمارہ، ۷۴ و ۷۵، مضمون بعنوان مدرسہ شمس العلوم، (از جناب ایوب قادری صاحب)۔

Marfat.com

(۱۸)

حضرت علامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری

علامہ اقبال کا تاثر :

مسئلہ حدوث پر حضرت شاہ (انور شاہ) کی کتاب نے میرے ذہن و فکر کی گرہیں کھول دی ہیں ۔

اقبال نامہ حصہ اول مکتوب اقبال
سید سلیمان ندوی

ڈاکٹر اقبال مرحوم نے ایک دفعہ مجھ سے فرمایا کہ میں تو مولانا انور شاہ صاحب کا رسالہ (ضرب الخاتم علی حدوث العالم) پڑھ کر دنگ رہ گیا ہوں کہ رات دن قال اللہ اور قال الرسول سے واسطہ رکھنے کے باوجود فلسفے میں بھی ان کو اس درجہ درک و بصیرت اور اس کے مسائل پر اس قدر گہری نگاہ ہے کہ حدوث عالم پر اس رسالے میں انھوں نے جو کچھ لکھ دیا ہے ، حق یہ ہے کہ آج یورپ کا بڑے سے بڑا فلسفی بھی اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا ۔

صحیفہ ، اقبال نمبر حصہ اول ، ص ۲۸۴
روایت مولانا سعید احمد اکبر آبادی

حضرات صوفیہ میں سے اگر کسی بزرگ نے حقیقتِ زماں

Marfat.com

پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں ۔ مولوی سید انور شاہ مرحوم و مغفور نے مجھے عراق کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا ، اس کا نام تھا فی درایۃ" الزمان ، جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا ، میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے ، مگر چونکہ یہ رسالہ مختصر ہے اس واسطے مزید روشنی کی ضرورت ہے ۔

اقبال نامہ حصہ اول ، ص ، ۲۴۴ مکتوب
بنام پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی

مشہور حدیث لاتسبو الدہر فان الدہر ھو اللہ میں دہر بمعنی TIME کا جو لفظ آیا ہے اس کے متعلق مولوی سید انور شاہ صاحب سے جو دنیائے اسلام کے جیّد ترین محدثین وقت میں سے ہیں میری خط و کتابت ہوئی ، اس مراسلت کے دوران میں مولانا موصوف نے مجھے اس مخطوطے کی طرف رجوع کرایا ۔ بعد ازاں میری درخواست پر از راہِ عنایت مجھے اس کی ایک نقل ارسال کی ۔

خطبہ صدارت ڈاکٹر اقبال ، ۱۹۲۸ ، اجلاس
اورینٹل کانفرنس ، لاہور (صحیفہ ، اقبال نمبر
حصہ اول ، ص ، ۲۸۴)

مجھ سے جتنا استفادہ ڈاکٹر اقبال نے کیا ہے کسی مولوی نے نہیں کیا ۔

قول ، حضرت مولانا انور شاہ صاحب علیہ الرحمہ
صحیفہ اقبال نمبر ، حصہ اول ، ص ، ۳۸۳

ان ارشادات و اقوال سے اس گہری محبت و عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے جو علامہ اقبال علیہ الرحمہ کو حضرت مولانا انور شاہ صاحب علیہ الرحمہ سے تھی ، ساتھ ہی علامہ اقبال کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ اس ارشاد

Marfat.com

سے ہوتا ہے جو اس یگانۂ روزگار محدث ، فرید العصر عالم ، علامہ حضرت انور شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے ڈاکٹر اقبال کے متعلق لکھا ہے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یہ شعر ڈاکٹر اقبال نے حضرت مولانا انور شاہ صاحب کے اس تعزیتی جلسے میں اپنی تقریر کے اختتام پر پڑھا ، جو اہل لاہور نے ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو برکت علی اسلامیہ ہال میں منعقد کیا تھا ، اگرچہ یہ شعر ڈاکٹر اقبال نے علامہ انور شاہ صاحب کی وفات سے بہت پہلے کہا تھا ، لیکن اس جلسے میں اس شعر کے مصداق کو متعین کرکے ڈاکٹر صاحب نے اس مبلغ علم کو متعین کر دیا جس کی حدود کو چھو کر انسان دیدہ ور ہوتا ہے ۔

حالات :

یہ آفتاب علم جس کی روشنی نے برصغیر کو اپنے دینی علوم کی روشنی سے منور و تاباں بنایا ، وہ بحر علم ، جس نے ہزاروں تشنگان علم کو سیراب و فیض یاب کیا ، وہ گوہر شب چراغ جس نے جہل کی تاریکیوں کو علم کی روشنی سے درخشاں کیا ، یہ جبل علم ، یہ کوہ فضل ، یہ منبع علوم ؛ یہ سرچشمہ رشدو ہدایت ۲۷ شوال ، ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۵ء) بروز شنبہ بوقت صبح اپنی ننھیال میں موضع دودھواں (علاقہ لولاب کشمیر) میں پیدا ہوا ، قرآن مجید سے تعلیم کی ابتدا ہوئی ، آپ کے والد محترم کا اسم گرامی حضرت مولانا محمد معظم شاہ تھا ، جن سے آپ نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی ، جس نے ابتدائی فارسی و عربی کی تعلیم کا شرف حاصل کیا ، وہ آپ کے استاد مولانا غلام محمد صوفی پورہ تھے ۔ علم کا ستارہ آفتاب بنتا گیا ، خود آپ نے لکھا ہے کہ میں بارہ سال کی عمر میں فتویٰ دینے لگا تھا اور نو سال کی عمر میں فقہ و نحو کی مطولات کا مطالعہ کر چکا تھا ۔

آپ کے برادر مکرم یاسین شاہ صاحب آپ کو ایک عارف کے پاس برکت حاصل کرنے کے لئے لے گئے ، اس عارف نے دور سے دیکھ کر فرمایا کہ یہ بچہ عظیم الشان عالم ہوگا ۔

Marfat.com

ہزارہ کے علماء :

پھر آپ ہزارہ کے متعدد علماء و صلحا سے تعلیم حاصل کرتے رہے ۔

دارالعلوم دیوبند میں تحصیل علم :

علم کی کشش ۱۳۰۷ھ یا ۱۳۰۸ھ (۹۱-۱۸۹۰ع) میں آپ کو ہندوستان کی سب سے بڑی دینی درس گاہ دارالعلوم دیوبند کھینچ کر لائی ، جن اساتذۂ کرام نے دارالعلوم دیوبند میں اس سونے پر سہاگے کا کام کیا آن میں شیخ الهند مولانا محمود الحسن ، حضرت مولانا خلیل احمد انبھٹوی ، مولانا محمد اسحاق امرتسری اور مولانا غلام رسول ہزاروی ہیں ۔

اِسی درسگاہ سے مولانا انور شاہ صاحب نے سند تکمیل حاصل کی ۔

بیعت :

حصول علوم ظاہری کے بعد اپنے قلب کو عرفان و تصوف سے منور بنانے کے لیے وہ عارف کامل مولانا رشید احمد گنگوہی کے آستانے پر حاضر ہو کر آن کی بیعت سے سرفراز ہوئے ، خود مولانا گنگوہی سے حدیث بھی پڑھی[1] ۔

دہلی میں تشریف آوری :

اِس کے بعد آپ دہلی تشریف لائے اور مدرسہ آمینیہ دہلی کے صدر مدرس رہے ، دہلی میں آپ کا قیام کئی سال تک رہا ۔

کشمیر کو واپسی اور سفر حج :

دہلی سے پھر کشمیر تشریف لائے ، اور ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ع) میں بعض مشاہیر رفقاءِ کشمیر کے ساتھ سفر حج کیا ، اثنائے سفر میں مولانا انور شاہ صاحب زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ، اس سفر میں علماء طرابلس ، بصرہ اور مصر و شام حضرت شاہ صاحب سے غیر معمولی تعظیم و تکریم سے

۱- یہ حالات حیات انور مرتبہ سید محمد اظہر شاہ قیصر ، ص ۱ تا ۳ سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

پیش آئے اور ان ممالک کے جلیل القدر علماء نے آپ کو سندات حدیث عطا کیں ۔ جس میں آپ کا اسم گرامی الفاضل الشیخ محمد انور بن مولانا محمد معظم شاہ الکشمیری لکھا گیا ۔

مدرسہ فیض عام کی بنیاد :

سفر حجاز سے واپس تشریف لانے کے بعد قصبہ بارہ مولا میں خواجہ عبدالصمد ککرو رئیس اعظم کے اصرار پر آپ نے مدرسہ فیض عام کی بنیاد رکھی ، اس مدرسے میں تین سال تک خود بھی شاہ صاحب درس دیتے رہے ۔

دارالعلوم دیوبند کی مدرسی :

اُسی زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے اُن فضلاء کی جنھوں نے دارالعلوم دیوبند سے علوم دینیہ کی تکمیل کی تھی دستار بندی کا متہم بالشان جلسہ ہوا ، بحیثیت فاضل دیوبند کے حضرت شاہ صاحب دیوبند تشریف لائے[1] ۔

اُسی زمانے میں مولانا انور شاہ صاحب اُس درسگاہِ علوم میں جس کی آغوش میں حضرت شاہ صاحب گا علم و فضل پروان چڑھا تھا بحیثیت مدرس کے مامور ہوئے اور کئی سال تک ستی ابو داؤد اور صحیح مسلم کا درس بغیر کسی معاوضے کے دیتے رہے ، چند سال کے بعد اپنے والد معظم کی وفات کی وجہ سے کشمیر واپس تشریف لے گئے ۔

دیوبند میں مستقل قیام اور شادی :

استاد الکل حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الھند کی خواہش یہ تھی کہ حضرت شاہ صاحب دیوبند ہی میں قیام کر لیں ، اِس لیے استاد محترم نے شاگرد رشید کو اپنا جانشین مقرر فرمایا ، چونکہ حضرت شاہ صاحب اس وقت تک مجرد تھے اور عمر ۴۴ تک پہنچ چکی تھی حضرت شیخ الھند نے آپ کو شادی کی طرف توجہ دلائی اور قصبہ گنگوہ کے ایک اعلٰی اور

---

۱ ۔ حیات انور ، مرتبہ سید محمد اظہر شاہ ، مطبوعہ محبوب المطابع ، دہلی ص ، ۳ و ۴ اور بیس بڑے مسلمان ، مرتبہ ، عبدالرشید ارشد صاحب ، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ ، لاہور ، ص ، ۳۷۰ و ۳۷۱ ۔

Marfat.com

معزز خاندان سادات میں آپ کی شادی ہو گئی ۔

شادی سے پہلے آپ اپنی مادر علمی کی خدمت بغیر معاوضے کے کرتے تھے ، شادی کی ذمہ داریوں نے آپ کو قلیل تنخواہ پر مجبور کر دیا اور آپ دارالعلوم سے تنخواہ لینے لگے ۔

مادر علمی سے علیحدگی :

حضرت شاہ صاحب دارالعلوم دیوبند کی خدمت نہایت خلوص و انہماک سے کر رہے تھے کہ منتظمین سے بعض اصلاحات کے سلسلے میں اختلاف ہوا اور آپ نے دارالعلوم سے قطع تعلق فرما لیا ۔

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل :

حضرت شاہ صاحب اپنے چند رفقاء کے ساتھ ڈابھیل تشریف لے گئے اور جامعہ ڈابھیل کی مسند تعلیم کی صدارت کو جو آپ کے رفقا نے اس شہر میں بچھائی تھی ، زینت بخشی ، طلبہ شمع علم کے گرد پروانے وار جمع ہونے لگے ، شاہ صاحب کی یہ آراستہ کی ہوئی درسگا ڈاکٹر اقبال کے اِس مصرعے کی یاد تازہ کرتی تھی کہ

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد

۱۳۵۱ھ (۱۹۳۲ء) تک درسگاہ ڈابھیل کے پروانے اِس شمع کی ضو سے روشنی حاصل کرتے رہے ۔

وفات :

ساٹھ سال کی عمر میں یہ برصغیر کا متبحر عالم ، یہ علم و عمل کے کمالات کا پیکر ، یہ مجسمۂ زہد و تقویٰ ۲ صفر ۱۳۵۲ھ (۱۹۳۳ء) کو دیوبند میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

علامہ انور شاہ صاحب کا علم و فضل مشاہیر علماء کی نظر میں :

چودھویں صدی ہجری میں صرف ایک شاہ صاحب کی شخصیت ایسی ہے جس کے حفظ پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا ، جس کے تبحر علمی پر حافظ ابن تیمیہ کا اور حافظ ابن قیم کا ، جس کے منطق اور فلسفے پر ملا

Marfat.com

محب اللہ بہاری اور صدر الدین شیرازی کا ، جس کے فارسی سخن وری پر خاقانی و انوری کا گمان ہوتا تھا ، جس کو دیکھ کر علمائے سلف کی تصویر سامنے آتی تھی -

علامہ شبیر احمد عثمانی نے حضرت شاہ صاحب کے ڈابھیل تعزیتی جلسے میں فرمایا :

> مجھ سے اگر مصر و شام کا کوئی آدمی پوچھتا کہ کیا تم نے حافظ ابن حجر عسقلانی شیخ تقی الدین ابن دقیق العید اور سلطان العلماء حضرت شیخ عزالدین بن عبد السلام کو دیکھا ہے تو میں استعارہ کرکے کہہ سکتا تھا کہ ہاں دیکھا ہے کیونکہ صرف زمانے کا تقدم و تاخر ہے - ورنہ اگر حضرت علامہ انور شاہ بھی چھٹی یا ساتویں صدی میں ہوتے تو اسی طرح آپ کے مناقب و محامد بھی اوراق تاریخ کا گراں مایہ سرمایہ ہوتے - میں محسوس کر رہا ہوں کہ حافظ ابن حجر شیخ تقی الدین اور سلطان العلماء کا انتقال آج ہوا ہے[1] -

مولانا حسین احمد مدنی نے حضرت شاہ صاحب کے جلسۂ تعزیت میں فرمایا :

> میں نے ہندوستان و حجاز ، عراق ، شام وغیرہ کے علماء اور فضلا سے ملاقات کی اور مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی ، لیکن تبحرِ علمی ، وسعتِ معلومات ، جامعیت اور علوم نقلیہ و عقلیہ کے احاطے میں شاہ صاحب کا کوئی نظیر نہیں پایا[2] -

حضرت مولانا کفایت اللہ نے حضرت شاہ صاحب کی وفات پر اپنے جذبات غم و الم کا اظہار کرتے ہوئے لکھا :

۱- بیس بڑے مسلمان ، ص ، ۳۷۳ -

۲- حیات انور ، ص ، ۱٦ -

Marfat.com

حضرت شاہ صاحب کی وفات، بلاشبہ وقتِ حاضر کے کامل ترین عالمِ ربانی کی وفات ہے، جن کی نظیر مستقبل قریب میں متوقع نہیں[1] ۔

جو خصوصیت حضرت شاہ صاحب کو اپنے ہمعصر علماء سے ممتاز کرتی ہے، وہ ان کا تبحر علمی و جامعیتِ فنون ہے، مختلف ممالک کے اکابر علماء حضرت شاہ انور صاحب کی بے نظیر علمی قابلیت کے معترف و معترف تھے ۔

حافظہ اِس قدر قوی تھا کہ جس کتاب کو ایک مرتبہ پڑھ لیتے از بر ہو جاتی تھی، سالہا سال کے بعد اس کے متعلق کوئی بات چھڑتی تو اس کتاب کے مندرجات کو اس طرح جوابوں کے ساتھ بیان فرماتے کہ سننے والے حیران ہو جاتے تھے ۔

میں فقہ میں امام اعظم کا مقلد ہوں :

فرمایا کرتے تھے کہ میں ہر فن میں اپنی رائے رکھتا ہوں اور کسی کی تقلید نہیں کرتا، لیکن فقہ میں کوئی رائے نہیں رکھتا اور اس میں امام اعظم کا مقلد ہوں ۔

علامہ کا لقب :

مشہور ہے کہ حضرت انور شاہ صاحب کو علامہ کا لقب آن کے استاد حضرت شیخ الهند مولانا محمود الحسن نے دیا تھا، جب مسائل علمیہ میں حضرت شیخ الهند کو کوئی الجھن پیش آتی تو حضرت انور شاہ صاحب یہ کہہ کر دریافت فرماتے، کہو علامہ، اِس مسئلے میں سلف کی کوئی تحریر قول یاد ہے[2] ۔

حضرت علامہ کی سوانح حیات حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے نفحة العنبر کے نام سے عربی زبان میں مرتب کی تھی، مولانا بنوری نے فرمایا کہ

۱- حیات انور، ص، ۱۶ ۔
۲- ایضاً، ص، ۱۶ ۔

Marfat.com

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی[1] رحمۃ اللہ علیہ جو علم و عمل کے ماہتاب تھے ، وہ بھی اکثر مسائل میں حضرت شاہ انور صاحب سے استفادہ فرماتے اور اپنے خط میں حضرت حکیم الامت حضرت انور شاہ صاحب کو ان القاب سے نوازتے :

> از ناکارہ آوارہ اشرف علی بخدمت بابرکت جامع الفضائل العلمیہ و العملیہ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب دامت انوارہم ۔ تحقیق سابق کے متعلق بضرورت دوبارہ مکرر تکلیف دینا پڑی امید ہے کہ معاف فرمائیں گے[۲] ۔

استاذی حضرت مولانا خلیل احمد[۳] محدّث سہارنپوری شارح ابی داؤد صاحب بذل المجہود کو اس تصنیف کے وقت روایت و درایت میں جب کوئی مشکل موقع پیش آتا تو مولانا حضرت شاہ صاحب سے ہی رجوع کرتے تھے[۴] ۔

علامہ اقبال کا علامہ کشمیری کی وفات پر تاثر :

علامہ اقبال نے لاہور کے اس تعزیتی جلسے میں جو لاہور میں حضرت شاہ انور شاہ صاحب کی وفات پر ہوا تھا ، تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ

> اسلام کی اِدھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحب کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے[۵] ۔

۱۔ مولانا اشرف علی تھانوی : ولادت : ۱۲۸۰ھ (۱۸۶۳ع) وفات : شب سہ شنبہ ، ۱۶ رجب ۱۳۶۲ھ (۱۹۴۳ع) عمر ۸۳ سال ۳ ماہ گیارہ دن، مدفن : قبرستان عشق بازاں ، تھانہ بھون ، ص ، ۳۰۵ تا ۳۲۳ ۔
۲۔ حیات انور ، ص ، ۱۴ ۔
۳۔ مولانا خلیل احمد بن مجید علی : وفات ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۶ع) : مدفن متصل قبہ عثمانی ، مدینہ منورہ ، تذکرہ مشائخ دیوبند مفتی عزیز الرحمان ص ، ۲۰۳ تا ۲۲۳ ۔
۴۔ بیس بڑے مسلمان (عبدالرشید ارشد ، ص ۳۷۳ بحوالہ نفحۃ العنبر ۔)
۵۔ بیس بڑے مسلمان ،ص ، ۳۷۵ ۔

Marfat.com

مسئلہ قادیانیت میں ڈاکٹر اقبال کو
علامہ انور شاہ صاحب کی رہنمائی

اہل نظر کو یہ معلوم ہے کہ پنجاب کے خصوصاً اور ہندوستان کے عموماً تعلیم یافتہ طبقے میں قادیانی تحریک کی شر انگیزی کا جو احساس بیدار کیا ہے اُس میں بڑا دخل علامہ اقبال کے اس لکچر کا ہے جو ختم نبوت پر ہے اور ساتھ ہی اس مقالے کا ہے جو انگریزی میں قادیانی تحریک کے خلاف شائع ہوا تھا ، لیکن یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ان دونوں تحریروں کا باعث حضرت انور شاہ صاحب کشمیری تھے -

ایک مرتبہ حضرت انور شاہ صاحب کشمیری انجمن خدام الدین کے جلسے میں شریک ہونے کے لئے لاہور تشریف لائے ، علامہ اقبال کو معلوم ہوا تو وہ فوراً حضرت انور شاہ صاحب سے ملاقات کے لئے حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے اور حضرت شاہ صاحب کو رات کو کھانے کی دعوت دی ، دعوت تو صرف ایک بہانہ تھی اصل مقصد علمی استفادہ تھا ، ڈاکٹر صاحب نے ختم نبوت اور قتل مرتد کا مسئلہ اٹھایا ، حضرت شاہ صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے تمام شکوک و شبہات و اعتراضات کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ سنا ، پھر اِن دونوں مسئلوں پر ایک ایسی جامع و مدلل تقریر کی کہ ڈاکٹر صاحب کے دل کی ہر خلش کو دور کر دیا اور ڈاکٹر صاحب ان دونوں مسئلوں پر بالکلیہ مطمئن ہو گئے - اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ختم نبوت پر وہ لیکچر دیا جو اُن کے لیکچروں کے مجموعے میں شامل ہے اور قادیانی تحریک کی تردید میں انگریزی میں وہ مقالہ سپرد قلم کیا ، جس نے پنجاب کی فضا میں تلاطم پیدا کر دیا[1] -

چنانچہ خود بھی ختم نبوت کے سلسلے میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب نے بڑا کام کیا ، تقریر ، تحریر ، قلم اور زبان سے ختم نبوت کی تحریک میں بڑا حصہ لیا ، علماء کے لئے عربی و فارسی میں ایسی کتابیں اور رسالے لکھے جو رد مرزا غلام احمد قادیانی میں حرف آخر ہیں - ۱۳۴۲ھ

۱- بیس بڑے مسلمان - ص - ۳۷۷ -

Marfat.com

(۱۹۲۳-۲۴ء) میں پنجاب کا وسیع دورہ کیا تاکہ قادیانیت کی گمراہیوں کو واضح کیا جائے اور بتایا جائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم دنیا کے لئے آخری نبی ہیں ، دین مکمل ہو چکا ہے ، آپ ہی خاتم النبیین ہیں ، نبوت آپ پر ختم ہو چکی ، اب کوئی نبی یا پیغمبر قیامت تک آنے والا نہیں -

۱۳۴۵ھ (۱۹۲۶ء) میں بہاولپور کے تاریخی مقدمے میں جس میں ایک مسلمان عورت نے دعویٰ کیا تھا کہ اس کا شوہر مرزائی ہو چکا ہے للہذا اس کا نکاح فسخ کیا جائے ، حضرت شاہ صاحب نے اس خاتون کی تائید میں عدالت کے سامنے جو معرکہ آرا بیان دیا ہے ، ناظرین و سامعین کا بیان ہے کہ احاطۂ عدالت میں سکتہ طاری ہو گیا ، اور ڈسٹرکٹ جج نے مرزائی کو مرتد قرار دیتے ہوئے نکاح فسخ کر دیا[1] -

شاہ صاحب کی نظر میں اُردو اور انگریزی کی اہمیت :

ایک دفعہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب نے درس حدیث دیتے ہوئے فرمایا - میں نے عربی و فارسی ذوق کو محفوظ رکھنے کے لئے ہمیشہ اردو پڑھنے لکھنے سے احتراز کیا ، یہاں تک کہ عام طور سے اپنی خط و کتابت کی زبان بھی میں نے عربی و فارسی رکھی ، لیکن اب مجھے اِس پر بھی افسوس ہے ، ہندوستان میں اب دین کی خدمت اور دین کا دفاع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اُردو میں مہارت پیدا کی جائے ، اور باہر کی دنیا میں دین کا کام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انگریزی زبان کو ذریعہ بنایا جائے ، میں اس بارے میں آپ کو خاص طور پر وصیت کرتا ہوں[2] -

تصانیف :

حضرت شاہ انور صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چودہ پندرہ تصانیف ہیں اُن میں سے چند مایہ ناز تصانیف کے نام یہ ہیں (۱) عقیدۃ الاسلام فی

۱- بیس بڑے مسلمان - ص - ۳۹۴ - ۳۹۵ -

۲- بیس بڑے مسلمان - ص - ۳۹۳ -

Marfat.com

حیات عیسی علیہ السلام (۲) التصریح بالتواتر فی نزول المسیح (۳) ضرب الخاتم علی حدوث العالم (۴) فصل الخطاب فی مسئلہ اُم الکتاب (۵) مرقاۃ الطارم لحدوث العالم وغیرہ[1] ۔

وفات سے چند روز پہلے اپنی مشہور اور معرکہ آرا تصنیف خاتم النبیینؐ کی تکمیل فرمائی ، جب اِس کتاب کی تصنیف سے فارغ ہوئے تو اپنے خدام سے ارشاد فرمایا :

> میں نے آخرت کے لئے کچھ نہیں کیا تھا ، خاتم النبیینؐ کے نام سے یہ چند سطریں لکھی ہیں ، انشا اللہ یہ مرزائے قادیان کے دجل و فریب کو اظہر من الشمس کر دیں گی اور میرے لئے زاد راہ آخرت ہوں گی[2] ۔

مختصر یہ کہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے حریت پسند ، برطانوی اقتدار کے سخت دشمن تھے اور ہندوستان میں دین قیم کو سربلند کرنے کی بڑی تمنا رکھتے تھے ۔

رحمۃ اللہ علیہ

۱- حیات انور ۔ ص ۔ ۱۸۷ - ۱۹۵ ۔

۲- ایضاً ۔ ص ۔ ۷ ۔

Marfat.com

(۱۹)

مولانا شاہ سلیمان پھلواری

علامہ اقبال کا تاثر :

آپ کو اللہ تعالی نے کمال روحانی کے ساتھ علم و فضل سے آراستہ کیا ہے . . . .

آپ کے مکتوبات نہایت دلچسپ ہیں اور حفاظت سے رکھنے کے قابل ، نہ کہ ردی کی ٹوکری میں ڈالنے کے قابل ، میں نے خود ان کو پڑھا ہے اور بیوی کو پڑھنے کے لئے دیا ہے ، یہ اعتراف ضرور کرتا ہوں کہ بعض بعض مقامات سے مجھے اختلاف ہے ، اور یہ سب مقامات مسئلہ وحدت الوجود سے تعلق رکھتے ہیں ، جب آپ اپنے مضمون میں زیادہ تشریح سے کام لیں گے تو ممکن ہے مجھے اختلاف نہ رہے ۔

(مکتوب اقبال بنام مولانا شاہ سلیمان پھلواری مورخہ ۹ مارچ سنہ ۱۹۱۶ ۔ (انوار اقبال ۔ ص ۱۸۰-۱۸۱)

حالات :

پاک و ہند کے یہ نامور عالم اور صوفی واعظ و خطیب مولانا شاہ سلیمان پھلواری ، جن کی عظمت علمی اور کمال روحانی کو علامہ نے اپنے اس خط میں خراج عقیدت پیش کیا ہے ، یہ گوہر رخشندہ صوبہ بہار کے مشہور ضلع پٹنہ کے ایک مردم خیز قصبے پھلواری میں ۱۱ محرم ۱۲۷۶ھ (۱۸۵۹ء) کی شب میں پیدا ہوئے ، مولانا شاہ سلیمان پھلواری نے جس

Marfat.com

خاندان میں آنکھ کھولی وہ ابتدا ہی سے شرافت نسبی ، علم و فضل اور عرفان و تصوف سے ممتاز چلا آتا تھا ۔

اس خانوادے میں اکابر علماء و فضلا اور بزرگانِ دین گزرے ہیں جنھوں نے صوبۂ بہار کو اپنے علم و فضل اور عرفان و تصوف سے مالا مال کیا ، اسی خاندان کے فرد فرید مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواری کے پھوپھا مولانا محمد حسین قادری پھلواری اور مولانا آلِ احمد محدث مہاجر مدنی ہیں جو شاہ سلیمان کی نانی کے حقیقی بھائی تھے ۔ اسی خاندان کے فرد شاہ نعمت اللہ پھلواری ہیں ، اسی خانوادے کے ایک رکن رکین ماہر طبیب حکیم شاہ محمد داؤد ہیں ، جو حضرت شاہ محمد سلیمان پھلواری کے والد محترم تھے ، جنھوں نے طب کی کتابیں حکیم علی حسین صاحب سے پڑھی تھیں ۔

حضرت شاہ محمد سلیمان پھلواری نے علوم درسیہ کی تکمیل حضرت مولانا شیخ عبدالحی فرنگی محلی [1] سے کی، فاتحۂ فراغ کی تاریخ "آج فارغ ہوا" ۱۲۹۷ھ سے نکلتی ہے ۔

علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد حضرت شاہ سلیمان پھلواری نے اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر تزکیہ نفس اور معرفت الٰہی کی طرف توجہ کی۔ سلسلۂ چشت میں جن بزرگوں سے اجازت و خلافت حاصل کی ان میں سب سے پہلے بزرگ مولانا شاہ قدرت اللہ تھے جو ڈیرہ اسماعیل خاں کے رہنے والے تھے جن سے شاہ صاحب کی ملاقات اس وقت ہوئی ، جب وہ مولانا احمد علی محدث سہارنپوری [۲] کو حدیث سنانے کے لئے سہارنپور آئے تھے،

۱- مولانا شیخ عبدالحی فرنگی محلی بن مولوی عبدالحلیم بن مولوی امین اللہ ۔ کنیت : ابوالحسنات ۔ ولادت : ماہ ذی قعدہ ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء)۔ وفات : ۱۹ ربیع الاول ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۶ء) بمرض صرع ۔ مدفن : لکھنو ۔ تصانیف : صاحبِ تصانیف کثیرہ تھے ۔ (تذکرہ علمائے ہند) ۔ اردو ترجمہ ص ۲۸۷ ۔

۲- مولانا احمد علی سہارنپوری : بن لطف اللہ سہارنپوری ۔ ولادت : بمقام سہارنپور ۔ وفات : ۷ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۰ء) ۔ نزہۃ الخواطر ، جلد ۔ ۷ : ص ۴۳) ۔

Marfat.com

شاہ سلیمان پھلواری نے ان بزرگ سے بھی اجازت لی ۔

پھر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں حاضر ہو کر آن سے مرید ہوئے اور آن کی خلافت سے سرفراز ہوئے ، خود فرمایا کرتے تھے کہ میں اب تو چشتی ہی چشتی ہوں ۔

واعظ خوش بیان :

جب مولانا شاہ سلیمان پھلواروی حج کے لئے گئے تو آن کے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب نے آن سے فرمایا میاں تذکیر (واعظ و نصیحت) کیا کرو ، مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کا بیان ہے کہ میں نے کعبۃ اللہ میں جا کر غلاف کعبہ تھام کر اور رو کر دعا کی اور کہا پروردگار ! اتنا بڑا شیخ مجھے تذکیر کے لئے کہتا ہے اور مجھے بولنا تک نہیں آتا ، خدا وندا ! تو مجھے قوت بیان اور اثر کی نعمت سے مالا مال فرما ۔

سنگیں مسجد میں پہلا وعظ :

پھلواری تشریف لانے کے بعد مولانا نے سب سے پہلے سنگیں مسجد میں واعظ کیا ، لوگ اس واعظ سے بے حد متاثر ہوئے اور زار زار روئے ، شاید اس دعا نے در استجابت کو پا لیا تھا ، یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں آن جیسا خوش گو واعظ کوئی دوسرا نہ تھا ، وہ اپنے واعظ میں مثنوی شریف کے اشعار موقع بموقع بڑی خوش الحانی سے پڑھتے ، مولانا کی آواز میں بڑا سوز و گداز تھا آن کی زبان سے مثنوی کے اشعار سن کر مجمع پر رقت طاری ہو جاتی تھی ۔

سلسلۂ قادریہ میں اجازت :

۱۹۲۰ء میں مولانا نے اماکن مقدسہ کی زیارت کے لئے عراق کا سفر کیا ،وہاں وہ اعلیٰ حضرت نقیب‌الاشراف سید عبدالرحمن المحض علیہ الرحمہ سجادہ نشین آستانۂ حضرت غوث پاک کے مہمان ہوئے ، آن سے مولانا نے تبرکاً و تیمناً اپنے جدی سلسلۂ قادریہ کی اجازت لی ۔

آستانۂ حضرت خواجہ اجمیری پر حاضری :

مولانا شاہ سلیمان پھلواروی چالیس برس تک مسلسل حضرت خواجہ

Marfat.com

معین الدین اجمیری کے آستانے پر حاضر ہوتے رہے ، ان کا قلب صاف اولیائے عظام و صوفیائے کرام کی محبت سے سرشار تھا ، کبھی مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی[۱] کی خدمت میں حاضر ہوتے ، کبھی مولانا محمد حسین الہ آبادی[۲] کی ملاقات کی سعادت حاصل کرتے ، کبھی حضرت حاجی وارث علی شاہ صاحب کی زیارت کا شرف حاصل کرتے ۔

ایک دفعہ مولانا نے شاہ نظام الدین بریلوی ابن حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی کی خدمت میں نذر پیش کی ، شاہ نظام الدین نے فرمایا بھئی ! تم نے ایک بار کہا تھا کہ میں ماں کی طرف سے فریدی ہوں ، لہذا تم میرے پیرزادے بھی ہو ، اس لئے نذر تو لوں گا مگر اس طرح کہ میں اپنا ہاتھ نیچے کرتا ہوں اور تم اپنا ہاتھ اوپر کرکے مجھے دے دو ۔

طب ، شاعری ، ملی و علمی خدمات :

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لکھنؤ کے دوران قیام میں انھوں نے علوم درسیہ کی تکمیل کے بعد طب کی بھی تکمیل کی اور طبیب کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا ، خود مولانا پھلواروی کا بیان ہے کہ جن دنوں میں میں مطب کرتا تھا ، برادری کے اکثر بزرگان کی نشست میرے مکان پر ہوا کرتی تھی ، چنانچہ اسی وجہ سے مولانا ابتداء میں حکیم محمد سلیمان کے نام سے مشہور ہوئے ۔

۱- مولانا فضل الرحمان گنج مراد آبادی : ولادت ۱۲۰۸ھ (۹۴-۱۷۹۳ع) وفات : ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ (۹۶-۱۸۹۵ع) (تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۳۷۹ و ۳۸۰) ۔

۲- مولانا محمد حسین الہ آبادی بن شیخ تفضل حسین ۔ ولادت : ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۳ع ۔ اساتذہ : مولوی نعمت اللہ ، مولوی عبدالحی فرنگی محلی ، قاری عبدالرحمان پانی پتی ۔

خلافت و ارادت : مرید و خلیفہ حاجی امداد اللہ صاحب ۔

وفات : ۸ رجب ۱۳۲۲ھ (۱۹۰۴ع) عین محفل سماع میں ۔

تصانیف : رسالہ مقولات عشر شرح میزان البلاغت ، ترجمہ عشرۂ کاملہ اور قیامت نامہ وغیرہ (تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۲۰۳) ۔

Marfat.com

شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے اور لکھنؤ کے مشاعروں میں پڑھتے بھی تھے ، اپنے پیشے کے لحاظ سے اپنا تخلص حاذق رکھا تھا ، مشہور ہے کہ وہ مشہور عالم و شاعر شوق نیموی کے ہمدرس تھے -

برصغیر کے متاخر علماء کی تاریخ میں مولانا کی علمی و ملی خدمات کو ہمیشہ سراہا جائے گا -

ملت کی تباہ حالی سے متاثر ہو کر چند بزرگوں نے مل کر ندوۃ العلماء کے نام سے پہلے کانپور میں پھر لکھنؤ میں ایک انجمن کی بنیاد ڈالی ، مولانا سید محمد علی ، علامہ شبلی نعمانی ، مولانا عبدالحق حقانی ، سید ظہور الاسلام فتح پوری ، مولانا اِبراہیم صاحب آروی ، مولانا شاہ سلیمان پھلواروی اس انجمن کے ممتاز اراکین میں تھے - اسی کے پلیٹ فارم سے مولانا کی خطیبانہ تقریروں کا شہرہ عام ہوا ، دارالعلوم ندوہ کی بنیاد حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کی تحریک و تجویز کا نتیجہ ہے -

رفتہ رفتہ مولانا کی خطیبانہ شہرت سے برصغیر پاک و ہند گونج اٹھا ، سرسید نے مولانا کی وہ تقریر جو انھوں نے ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس میں کی تھی اپنے اخبار میں "شاہ سلیمان کا نیچریانہ وعظ" کی سُرخی سے چھاپی -

مولانا شاہ سلیمان نے صوفیانہ ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں اور صوفیہ کی گودوں میں پلے اور بڑھے تھے ، خود بھی علم و فضل کے ساتھ ایک باعمل صوفی اور درویش تھے ، تصوف کا رنگ ان پر سب سے زیادہ غالب تھا ، وہ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں سلسلہ قادریہ اور چشتیہ کے مرید و خلیفہ تھے ، انھوں نے اپنے خاندان سے بھی فیوض باطنیہ حاصل کئے تھے اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ سے بھی نسبت رکھتے تھے ، ان کے مریدوں اور عقیدت مندوں کی تعداد کثیر تھی ، جو پنجاب ، مدراس ، شمالی بہار اور صوبۂ متحدہ میں پھیلے ہوئے تھے -

مولانا کے مواعظ و ارشادات اثر و تاثیر کا ایک گنجینہ ہوتے تھے ، نہایت خوش الحان تھے ، مثنوی مولانا روم اِس خاص انداز سے پڑھتے کہ

Marfat.com

سننے والے جھوم جھوم جاتے تھے - اُن کے پوتے مشہور دانشور محب محترم مولانا حسن مثنیٰ ندوی نے سہ ماہی "العلم" کراچی جنوری ۱۹۵۲ء میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی کے مجلّے میں اپنے جد محترم مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کے متعلق لکھا کہ

> حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی اپنے عہد میں ایک امتیازی حیثیت اور غیر معمولی جامعیت کے قدسی نفس بزرگ، شریعت و طریقت کے امام اور اسلامی سیاست کے مقتدر رہ نما، سحر البیان خطیب اور بذلہ سنج ادیب تھے- اُن کی ساری زندگی قوم و ملت کی تعمیر میں صرف ہوئی اور پچاس ساٹھ سال تک اس برصغیر کا گوشہ گوشہ ان کے دل گداز پند و نصائح سے گونجتا رہا - یہ شاہ محمد محبوب عالم کے پوتے اور حکیم شاہ محمد داؤد اُن کے والد محترم تھے، جو فیض آباد شہر کے طبیب تھے - جنگ آزادی کے زمانے میں جب کہ فرنگی استبداد شمعِ حق کے پروانوں کو کچل رہا تھا، مولانا حکیم شاہ محمد داؤد بھی روپوش ہوتے ہوئے پھلواری پہنچے - یہیں ۱۱ محرم کی شب ۱۲۷۶ھ (۱۸۵۹ء) میں شاہ سلیمان پھلواری کی ولادت باسعادت ہوئی -

مولانا حسن مثنی ندوی نے لکھا کہ پہلے وہ اپنے خسر اور پیر و مرشد مصباح الطالبین حضرت مولانا شاہ علی حبیب نصر پھلواروی سے، پھر شیخ زمانہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمان گنج مراد آبادی سے اور بعد میں قطب عالم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے جب کہ وہ ۱۳۰۴ھ (۸۷-۱۸۸۶ء) میں حج کے لیے گئے تو اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے[1] -

---

۱- رسالہ العلم جنوری ۱۹۵۲ء، ص، ۸۸ تا ۹۹، مدیر جناب سید الطاف علی بریلوی سکریٹری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس - کراچی -

Marfat.com

طباعی ، ذہانت اور خوش طبعی :

سولانا علم و فضل کے ساتھ طباعی ، ذہانت اور خوش طبعی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے ، علامہ سید سلیمان ندوی کا بیان ہے کہ ۱۹۱۵ع میں ندوہ کے ایک جلسے میں چار سلیمان اتفاق سے جمع ہو گئے تھے ، قاضی محمد سلیمان منصور پوری[1] مصنف رحمۃ للعالمین ، مولانا سلیمان اشرف[2] استاد دینیات مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ ، مولانا شاہ سلیمان پھلواروی اور میں - مولانا شاہ سلیمان پھلواروی نے اس موقع پر برجستہ فرمایا کہ آج کل کئی کئی سلیمان پیدا ہو گئے ہیں ، لیکن اُن میں سلیمان بن داؤد میں ہوں - ع

پریاں نئی نئی ہیں سلیماں نئے نئے

حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کے والد ماجد کا نام داؤد تھا ، اسی لیے ان کی مہر پر "و ورث سلیمان داؤد" کندہ تھا -

یہ سن کر مجمع بے اختیار ہنس پڑا ، پھر فرمایا پہلے سلیمان فرد تھا ، اب رباعی ہے ، چار چار سلیمان یک جا ہیں -

پھر مولانا سید سلیمان ندوی نے اظہار تاسف کرتے ہوئے لکھا کہ افسوس ہے کہ "یہ رباعی قاضی سلیمان کی وفات سے چند سال گزرے کہ مثلث بن چکی تھی اور اب ۔ صفر کو قطعہ ہو گئی ، اب اس رباعی کے

۱- قاضی محمد سلیمان منصور پوری : پٹیالہ میں جج تھے ، ان کی تصنیفات میں رحمت اللعالمین(تین جلدیں)، الجمال و الکمال(تفسیر سورہ یوسف)، سفر نامہ حجاز اور متعدد مختصر رسالے اُن کی یادگار ہیں ، دوسری مرتبہ جب وہ حج کے لیے گئے تو واپسی میں جہاز میں صفر ۱۳۴۹ھ (جولائی ۱۹۳۰ع میں وفات پائی (یاد رفتگان ، ص ۱۲) -

۲- مولانا سلیمان اشرف : بن حکیم عبد اللہ سنہ ولادت اندازاً ۱۸۷۸ع ہے بہار کے ، دیہات کے رہنے والے اور سادات کے خاندان سے تھے ، مولانا کے اساتذہ میں مولانا محمد احسن استھانوی بہاری تھے ، منطق و فلسفے کی آخری کتابیں مولانا ہدایت اللہ خان رامپوری ثم جونپوری سے پڑھی تھیں - مولانا نے اپریل ۱۹۳۹ع (۱۳۵۸ھ) میں وفات پائی (یاد رفتگان ، ص ۲۱۸ تا ۲۲۱) -

Marfat.com

صرف دو مصرعے باقی ہیں ، خدا جانے یہ بھی کب اِس صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جائیں"۔

افسوس ہے کہ آج علم و عمل کے یہ چاروں آفتاب غروب ہو چکے، اب نہ رباعی ہے ، نہ قطعہ اور نہ فرد یہاں تک اب اِس رباعی کا کوئی مصرعہ بھی باقی نہیں ۔ و اللہ ھو الباقی ۔

حضرت شاہ صاحب کی تقریروں میں دل آویز نکتے بڑی گرمی محفل پیدا کر دیتے تھے ، رنگون میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں ، جب کہ بعض مولویوں نے اہلِ کانفرنس پر کفر کا فتویٰ لگا دیا تھا ، نواب محسن الملک (جن کا نام مہدی علی تھا) وہ بھی حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کے ساتھ تھے شاہ سلیمان پھلواروی نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں کے مولویوں نے اہلِ کانفرنس پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے ، جس میں شاید میں بھی داخل ہوں مگر غور تو کیجئے کہ نواب محسن الملک تو مہدی ہیں (نام مہدی علی تھا) ان کو کون مسلمان دجّال کہے گا اور مجھ پر تو کفر کا فتویٰ لگ ہی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کی شہادت ہے کہ "و ما کفر سلیمان و لکن الشیطین کفروا (سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں نے کفر کیا) ۔

ماہر تعلیم :

حضرت شاہ صاحب عالم و صوفی اور رہنمائے ملت ہونے کے ساتھ ساتھ ایک ماہر تعلیم بھی تھے، وہ کلکتہ یونی ورسٹی سینٹ کے رکن تھے ، مدرسہ عالیہ کلکتہ کی مدرسہ کمیٹی اور نصاب کمیٹی کے رکن تھے، ڈھاکہ یونی ورسٹی کے قائم کرنے کی جد و جہد میں نواب سلیم اللہ کے معین و مددگار رہے ۔

اسلامی سیاست میں نمایاں کردار :

آس دور کی اسلامی سیاست میں انھوں نے نمایاں حصہ لیا ، آن کی سیاسی زندگی کا عظیم مقصد وجودِ ملی کی حفاظت و بقا اور اسلام کی سربلندی کے لیے جد و جہد تھا ، آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی تو وہ اس کے ساتھ تھے، خلافت کی تحریک چلی تو اس تحریک میں نمایاں خدمات انجام

Marfat.com

دیں ، صوبہ بہار میں جمعیت العلماء سب سے پہلے اُن ہی کی صدارت میں قائم ہوئی ۔

اِس کے علاوہ شاہ صاحب نے صوفیہ اور مشائخ زادوں کی اصلاح کی طرف بھی توجہ کی ، وہ ان کو رسوماتِ واہمہ سے نکال کر قوم و ملت کے لیے مفید سے مفید تر بنانا چاہتے تھے ۔

علامہ اقبال اور شاہ صاحب :

۱۳۳۵ھ (۱۹۱۶ع) میں جب علامہ اقبال نے تصوف اسلامی کی تاریخ لکھنی شروع کی اور اِس موضوع پر قدیم و جدید محققین کی کتابیں پڑھنی شروع کیں ، شکوک و شبہات کا ایک انبار اُن کے ذہن میں جمع ہو گیا اور وحدۃ الوجود کے بارے میں تفصیلی اور تحقیقی معلومات انہیں درکار ہوئیں تو انھوں نے بھی شاہ صاحب سے رجوع کیا اور خط و کتابت کی ۔

اِس کے علاوہ علامہ کی مثنوی اسرار خودی کے چھپنے کے بعد ملک میں جو ہنگامہ ہوا خواجہ حسن نظامی نے مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق علامہ اقبال سے شدید اختلاف کیا اور علامہ اقبال اور حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کو خطوط لکھے ، شاہ سلیمان پھلواروی نے اپنے خیالات کا اظہار ایک خط میں فرمایا ، جو رسالۂ خطیب میں چھپا ۔ اِس خط کے شائع ہونے کے بعد علامہ اقبال نے حضرت خواجہ حسن نظامی کو مشورہ دیا کہ وہ اِس سلسلے میں حضرت سلیمان پھلواروی سے رجوع کریں ، چنانچہ یہ اختلاف جو خواجہ صاحب اور علامہ کے درمیان اِس مسئلے میں تھا ، حضرت شاہ سلیمان پھلواروی اور حضرت اکبر الہ آبادی کی مداخلت سے رفع ہو گیا ۔

حضرت علامہ علیہ الرحمہ کا ایک خط جو انھوں نے حضرت شاہ سلیمان پھلواروی کو لکھا تھا ، وہ شیخ محی الدین ابن عربی سے ان کی عقیدت و محبت کو اور بعض مسائل میں اُن سے فکر و نظر کے اختلاف کو سامنے لاتا ہے ، وہ شاہ سلیمان پھلواروی کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

> شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت
> کوئی بد ظنی نہیں ، بلکہ مجھے اُن سے محبت ہے ، میرے

Marfat.com

والد کو فتوحات اور فصوص سے کمال توغل رہا ہے اور چار برس کی عمر سے ان کی تعلیم میرے کان میں پڑنی شروع ہوئی ، برسوں تک ان دونوں کتابوں کا درس ہمارے گھر میں رہا ، گو بچپن کے دنوں میں مجھے ان مسائل کی سمجھ نہ تھی ، تاہم محفلِ درس میں ہر روز شریک ہوتا ۔ بعد میں جب عربی سیکھی تو کچھ نہ کچھ خود پڑھنے لگا اور جوں جوں علم اور تجربہ بڑھتا گیا میرا شوق اور واقفیت زیادہ ہوتی گئی ۔ اس وقت سے میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کی تعلیمات قرآن کے مطابق نہیں ہیں ، اور نہ کسی تاویل و تشریح سے اس کے مطابق ہو سکتی ہیں ، لیکن یہ بالکل ممکن ہے کہ میں نے شیخ کا مفہوم غلط سمجھا ہو ، گو اب میں سمجھتا ہوں کہ میں ایک قطعی نتیجے تک پہنچ گیا ہوں ، لیکن اِس وقت بھی مجھے اپنے خیال کے لیے کوئی ضد نہیں اس واسطے بذریعہ عریضہ ہذا آپ کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ از راہ مکرمت و عنایت چند اشارات تسطیر فرما دیں ، میں اِن اشارات کی روشنی میں فصوص اور فتوحات کو پھر دیکھوں گا اور اپنے علم و رائے میں مناسب ترمیم کر لوں گا[1] ۔

۹ مارچ ۱۹۱۶ء کو علامہ اقبال نے ایک مکتوب نفس تصوف پر اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کو لکھا کہ

حقیقی اسلامی تصوف کا میں کیوں کر مخالف ہو سکتا ہوں کہ میں خود سلسلۂ عالیہ قادریہ سے تعلق رکھتا ہوں میں نے تصوف کثرات سے دیکھا ہے ، بعض لوگوں نے ضرور غیر اسلامی عناصر اِس میں داخل کر دیے ہیں ، جو شخص غیر عناصر کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا

۱- انوار اقبال ، ص ، ۱۷۸ و ۱۷۹ ۔

Marfat.com

ہے ، وہ تصوف کا خیر خواہ ہے نہ کہ مخالف[1] ۔

علامہ کے اِن خطوط سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ علامہ اقبال نہ صرف اسلامی تصوف کے قائل تھے ، بلکہ خود سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے ، وہ شیخ محی الدین ابن عربی سے خلوص نیت کے ساتھ بعض مسائل تصوف خصوصاً مسئلۂ وحدت الوجود میں اختلاف رکھتے تھے ، لیکن ان کی عظمتِ بزرگانہ کے قائل تھے ، وہ شیخ ابن عربی کی تعلیم میں ایک متجسس کی حیثیت رکھتے تھے تاکہ شیخ ابن عربی کی تعلیمات کا مفہوم اُن پر کھل جائے ، چنانچہ وہ اِس باب میں اپنی غلطی کے امکان کو بھی نظر انداز نہیں کرتے ۔

وفات :

۲۷ صفر ۱۳۵۴ھ (۳۱ مئی ۱۹۳۵ع) کو جمعہ کے دن فجر کی نماز کے وقت مولانا شاہ محمد سلیمان پھلواروی رحمت حق سے جا ملے[2]۔

۱- انوار اقبال ، ص ، ۱۸۱ -

۲- اقبال کے محبوب صوفیہ (اعجاز الحق قدوسی) ، ص ، ۴۰۵ ۔

Marfat.com

(۲۰)

مولانا مظہر الدین

علامہ اقبال کا تاثر :

روزنامہ الامان دہلی کے (ایڈیٹر) مولوی مظہر الدین نے ایک خط اقبال کے نام بھیجا تھا ، جس کے ساتھ مسٹر آصف علی بیرسٹر کے ایک انگریزی خط کی نقل منسلک تھی ، مسٹر آصف علی نے اپنے خط میں اپیل کی تھی کہ مسلم لیگ کو عوامی جماعت بنانے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہیے ، یہ اس دور کا ذکر ہے جب لیگ کی حالت بالکل خراب ہو چکی تھی اور قائد اعظم انگلستان میں مقیم تھے ۔

(انوار اقبال ۔ حاشیہ نمبر ۱ - ص ۱۰٦)

جمعیت العلما کی صدارت کے متعلق جو کچھ آپ نے لکھا ہے بالکل صحیح ہے ، مولوی مظہرالدین صاحب نے میرا حوالہ دینے پر اصرار کیا ، اس واسطے میں نے اس کی اجازت دے دی کہ آپ کو صدارت کے لیے خط لکھیں ۔

(مکتوب اقبال ۔ بنام سید سلیمان ندوی ۱۷ ستمبر ۱۹۳۳
اقبال نامہ - حصہ اول ۔ ص ۱٦۹)

حالات :

مولانا مظہر الدین شیرکوٹ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے ، مولانا مظہرالدین نے ابتداً البلاغ میں کام کیا ،

Marfat.com

پھر دہلی سے الامان کے نام سے ایک اخبار سہ روزہ جاری کیا ، جو بڑی کامیابی سے چلتا رہا اس میں دنیائے اسلام کی خبریں خصوصیت سے چھپتی تھیں - اسی کے ساتھ مولانا نے وحدت کے نام سے ایک روزنامہ نکالا جو فنی اعتبار سے معمولی تھا ، مولانا کے دونوں اخبار مسلم لیگ کے ترجمان تھے ، مولانا اگرچہ انگریزی سے ناواقف تھے ، لیکن عربی زبان کے ماہر تھے ، مولانا کے دونوں اخباروں میں عربی اخبارات کے ترجمے زیادہ چھپتے تھے - جب جمعیت العلمائے ہند دو متوازی جماعتوں میں منقسم ہوگئی ایک جمعیت العلمائے ہند دہلی ، دوسری جمعیت اللعلما ہند کانپور) تو مؤخرالذکر کے سکریٹری مولانا مظہر الدین تھے -

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے مولانا مظہر الدین ایڈیٹر الامان کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی تصنیف علماء اور پالیٹکس میں لکھا ہے کہ

مولانا مظہر الدین جمعیت العلما کانپور کے بانیوں میں سے ایک تھے ، جمعیت العلما ہند کے متشدد گروپ میں سب لوگ ایک جیسے نہ تھے ، جمعیت العلما ہند کے اعتدال پسند گروپ میں بدقسمتی سے کوئی قیادت موجود نہ تھی ، البتہ وہ علما جو ان سے علیحدہ ہو گئے تھے اُن میں زیادہ وہ لوگ تھے جو کانگریس کی پالیسی سے اپنا تشخص کرانے کے لیے تیار نہ تھے اُن ہی میں سے ایک مولانا مظہر الدین ایڈیٹر الامان تھے - انھوں نے مسلم مطالبات اور مقاصد کے لیے علی الاعلان دلیرانہ جدو جہد میں سبقت کی - شدھی اور سنگھٹن کی تحریک شروع ہو چکی تھی ، علما ان تحریکوں کے متعلق تذبذب کا شکار تھے کہ اگر وہ ان تحریکوں کے خلاف صف آرا ہوں تو بالواسطہ انگریزوں کے ہاتھ مضبوط ہوں گے جو آزادی دینے کے خلاف اس قسم کا ہنگامہ کرانا چاہتے تھے -

عین اس وقت جب کہ شدھی اور سنگھٹن کی تحریک شباب پر تھی جو شخص مردانہ وار میدان میں آیا وہ مولانا مظہر الدین تھے اُنھوں نے دہلی کانگریس کی ایک میٹنگ میں کہا کہ ہم سانپ بچھوؤں سے تو ہاتھ ملا سکتے ہیں ، لیکن اُن لوگوں سے نہیں جو ہمارے ایمان کو غارت کرنے پر تُلے

Marfat.com

ہوئے ہیں - انھوں نے سنگھٹن جیسی مذموم تحریکوں کا سخت مقابلہ کیا اور ان تحریکوں کے بانیوں کو منہ توڑ جواب دیئے۔ بعد وہ مسلم لیگ میں شریک ہو گئے[1]۔

وفات :

۱۹۳۸ء میں مولانا کو ایک کتب فروش نے قتل کر دیا[۲]۔

تصانیف :

مولانا مظہر الدین کی تصانیف میں جو کتاب ہماری نظر سے گزری وہ حیات کامل ہے ، جو مصطفیٰ کمال پاشا کے کارناموں پر ایک دلچسپ تصنیف ہے ، یہ کتاب ۱۳۴۰ھ میں مدینہ پریس سے شایع ہوئی تھی -

---

۱- علماء اور پالیٹکس - ص - ۲۸۸ تا ۳۵۷ - صحافت پاکستان و ہند - (ڈاکٹر عبدالسلام خورشید - ص ۳۶۱ و ۳۶۲) -

۲- ایضاً - ص ۳۶۲ ، لیز میں جناب محترم ڈاکٹر عبدالسلام خورشید صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میرے عریضے پر مولانا مظہر الدین صاحب ایڈیٹر الامان کے متعلق بعض معلومات میرے لیے فراہم فرمائیں -

Marfat.com

(۲۱)

علامہ عبداللہ العمادی

علامہ اقبال کا تاثر :

مجھ سے ڈاکٹر اقبال نے ذکر کیا کہ میں ابن عربی کا فلسفہ سمجھنا چاہتا ہوں ، کوئی ایسا آدمی بتاؤ جو مجھے ابن عربی کی فصوص اور فتوحات کے مباحث اور فلسفہ سمجھا دے ۔ میں نے اپنے علامہ (عبداللہ العمادی) کو تجویز کیا اور یہ حضرت خود جا کر پڑھانے لگے ۔

(روایت مولانا ظفر علی خاں ، رسالہ نقوش شخصیات نمبر (۲) ،ص ۸۲۰ ، مضمون مولانا ابوالخیر مودودی)

لاہور ، ۲ ستمبر ۱۹۱٦ء

سرکار والا تبار تسلیم

ایک عریضہ اِس سے پیشتر ڈاک میں ڈال چکا ہوں آج پھر عریضہ لکھنے کی ضرورت پیش آئی ۔

مجھے یاد ہے کہ سرکار نے یا مجھے لکھا تھا یا زبانی ارشاد فرمایا تھا کہ ایک قابل آدمی کی ضرورت ہے جو سرکار کے مشاغل تصنیف و تالیف میں ممد و معاون ہو ۔ میں تلاش میں تھا ، آخر ایک آدمی مل گیا ہے مولانا عبداللہ العمادی جونپور کے رہنے والے ہیں ، لاہور

Marfat.com

میں ایک عرصے سے مقیم ہیں ، عربی و فارسی میں ان کی لیاقت اعلٰی درجے کی ہے اور اردو نثر نگاری میں اُن کا طرزِ تحریر جدّت رکھتا ہے ، علومِ اسلامیہ میں اُن کی مہارت کامل ہے ، ان کی پرائیویٹ زندگی بالکل بے داغ ہے ، پنجاب کے بعض اخباروں کی ایڈیٹری بھی کر چکے ہیں مثلاً وکیل ، زمیندار و لمعات وغیرہ ۔ غرض کہ نہایت قابل آدمی ہیں ۔ میرے خیال میں ان سے بہتر آدمی سرکار کو نہ مل سکے گا ، تنخواہ ان کو ڈیڑھ دو سو روپے ماہوار ملتی رہی ہے ۔ اگر سرکار کو ضرورت ہو اور ان کو پسند فرمائیں تو تنخواہ کے متعلق ان سے گفتگو کر لوں گا زیادہ کیا عرض کروں ۔ اس خط کا مقصد صرف یہی اطلاع تھی جو اوپر عرض کر چکا ہوں ۔

آپ کا نیاز مند دیرینہ محمد اقبال

(صحیفہ ، اقبال نمبر حصہ اول ، نوادر اقبال
(اقبال کے پچاس غیر مطبوعہ خطوط)
مضمون جناب محمد عبداللہ قریشی ، خط علامہ
اقبال بنام مہاراجا سر کشن پرشاد، ص ، ۱۷۴)

اقبال کا دل وحیِ الٰہی کا آئینہ دار ہے ۔ کشفِ غطا نے اس کے سامنے سے آسمان و زمین کے پردے اٹھا دیے ہیں اور اس کو صاف نظر آ رہا ہے کہ ۵۷۰ ہجری میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے نظامی[1] نے "مخزن اسرار" میں جو فریاد کی تھی اِس چودھویں صدی میں وہ دعا مستجاب ہونے کو ہے ۔ توحید کی عنقریب آنے والی

۱- نظامی : حکیم الیاس بن یوسف بن ذکی: ولادت ۵۳۵ھ ، مقام ولادت: گنجہ ، تصانیف : مخزن الاسرار ، خسرو شیریں ، لیلٰی مجنوں ، اسکندر نامہ ، وفات : ۵۹۷ھ (۱۲۰۰ع) ۔

Marfat.com

عظمت کا نظارہ اس کے روبرو ہے اور وہ :

محو حیرت ہے کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

(مولانا عمادی ، مقدمہ کلیات اقبال ، مرتبہ
مولوی عبدالرزاق صاحب حیدر آبادی)

تجھ پہ اے پنجاب نازل ہوں خدا کی رحمتیں
اے کہ تو اقبال کی دولت سے مالا مال ہے
ہم نے مانا تو نہیں مسحور تہذیبِ فرنگ
تجھ میں سب کچھ ہے اگر اسلام اور اقبال ہے[1]

اشعار مولانا عبداللہ العمادی
صحیفہ ، اقبال نمبر حصہ اول ، ص ۱۸۱

حالات :

علامہ عبداللہ العمادی اُن عظیم المرتبت علماء میں تھے، جنھوں نے اپنے قلم سے علم کی شمع روشن کی ، وہ مختلف علوم و فنون میں ماہرانہ کمال رکھتے تھے ، راقم الحروف کو علامہ سے شرف نیاز کی سعادت متعدد مرتبہ حاصل ہوئی ہے ۔ ان ملاقاتوں کو چالیس سال کے قریب گزر چکے ۔ لیکن آج بھی اِس اجڑے ہوئے دل کو اُن کی یاد تر و تازہ کرتی ہے اور ان کے تذکرے سے روح بالیدگی محسوس کرتی ہے ، اپنے دوستوں میں شگفتہ

۱۔ یہ اشعار مولانا عمادی نے علامہ اقبال کو اُس خط کے جواب میں لکھے تھے ، جس میں علامہ اقبال نے مولانا عمادی کو لکھا تھا کہ

اکبر الہ آبادی نے تو یہ کہا ہے کہ

اب الہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے
یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

لیکن یہاں لاہور میں نہ تو اکبر ہیں اور نہ امرود ، ایک اقبال ہے وہ بھی برائے نام ۔

(صحیفہ ، اقبال نمبر حصہ اول ، ص ۱۸۱)

Marfat.com

مزاج اور اجنبیوں میں تصویر متانت و سنجیدگی تھے، سر پر بغیر پھندنے کی ترکش کیپ اور نیچے دامن کی شیروانی، صاف ستھرا مگر سادہ لباس پہنتے تھے، گھر پر یہ ٹوپی کپڑے کی ٹوپی سے بدل جاتی تھی، حافظہ اِس بلا کا کہ پتھر کی لکیر معلوم ہوتا تھا، اُردو، فارسی اور عربی کے ہزاروں اشعار از بر تھے، ذہانت و فطانت کا یہ عالم کہ آدمی کے ایک ہی فقرے سے اُس کے مبلغ علم کی گہرائیوں اور سطحیت کو سمجھ لیتے تھے، کتابوں پر تنقید کرانے والوں اور تقریظ لکھوانے والے اس ماہتاب علم و دانش کو ہالے کی طرح گھیرے رکھتے تھے، لیکن علامہ کا ان تنقیدوں اور آراء میں بھی تحریر کا یہ دلکش انداز ہوتا تھا کہ لکھنے والے کے عیب کو بھی ہنر کا جامہ پہنا کر اس طرح پیش کرتے کہ بادی النظر میں مدح کا گمان ہوتا تھا لیکن حقیقت اہل نظر پر عیاں ہو جاتی تھی۔ بحر علم تھے، جب یہ دریا موجیں مارتا تو اُن کے سننے والے پکار اُٹھتے کہ

وہ کہیں اور سنا کرے کوئی

علامہ کے گھر کا نقشہ بھی سنتے چلیے، ایک متوسط درجے کا مکان، مغربی آرائش و زیبائش سے بالکل بے نیاز، کمروں میں بانوں کی کھری چارپائیاں، کرسیاں برائے نام، یہ گھر علمائے سلف کی سکنوں کا نمونہ تھا۔ میں نے اکثر علامہ کو کھری چارپائی پر لیٹے ہوئے دیکھا۔

عمادی کی نسبت :

عمادی کی نسبت اُن کے نام کے ساتھ اِس لیے تھی کہ اُن کے خاندان کے جد اعلیٰ کا نام شیخ عماد الدین تھا۔ اِسی نسبت سے وہ اپنے آپ کو عمادی لکھتے تھے، کبھی کبھی اخفائے حال کے لیے خدا بندہ بھی لکھتے تھے۔

علامہ کا وطن جونپور کا ایک گاؤں امرتھوا تھا، ان کے جد اعلیٰ شیخ عماد آٹھویں صدی ہجری کے اواخر میں ہندوستان آئے، اور جون پور میں یہ بزرگ درس و تدریس میں مشغول ہوگئے، ابراہیم شرقی کے زمانے میں اِس خانوادے کی تعلیمی خدمات کی شہرت عام ہوئی، ابراہیم شرقی نے اِس خانوادے کی تعلیمی خدمات پر بارہ گاؤں کی جاگیر سے نوازا، یہ خاندان جونپور کے اطراف و اکناف میں تقریباً چار سو سال علوم دینیہ کی

Marfat.com

خدمات انجام دیتا رہا ، اودھ کی نوابی کے ابتدائی زمانے میں اگرچہ شاہی عطا کردہ جاگیریں ضبط ہو چکی تھیں ، یہ دور علامہ عمادی کے پردادا شیخ عبدالقادر عمادی کا تھا ، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب اس خاندان کی امارت فقر سے بدل چکی تھی ، لیکن مولانا عبدالقادر عمادی کا سوگھر پورہ میں تعلیمی فیض برابر جاری تھا ، ان کی درسگاہ مرجع عام و خاص تھی ، اب جاگیر نہ رہی تھی ، لیکن ان کے بزرگوں کا زر خرید گاؤں امرتور (یا امرتھوا) اُن کے پاس باقی رہ گیا تھا ، وہ اس گاؤں کی آمدنی سے غریب طلبہ کی مدد کرتے اور اُن کے ساتھ ایک دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے ۔

تعلیم :

علامہ عمادی نے اِسی علمی خاندان اور ماحول میں آنکھ کھولی ، خاندانی شرافت ، تہذیب اور علم و فضل کی آراستگی نے اُن کے ذوق علم کو اور بھی جِلا دی ، صرف و نحو اپنی دادی سے پڑھی ، اور بچپن ہی میں اتنی استعداد حاصل کر لی کہ خود الف لیلہ پڑھ لیتے اور اس کے مشکل مقامات میں لغت سے مدد لیتے، اِس کتاب نے علامہ میں عربی ادب و انشا کی لگن پیدا کی ، مختلف علوم و فنون اپنے والد اور دادا سے پڑھے ، دونوں بزرگوں نے علامہ عمادی کو قرآن و حدیث کے ساتھ عربی کے ادب عالیہ سے بھی واقف کرایا ، نقلی اور عقلی علوم میں ہر فن پر درس نظامیہ کی ایک ایک دو دو کتابیں پڑھائیں ۔ فقہ میں نصاب کی متداولہ کتابوں کے خلاف امام محمد شیبانی کی جامع صغیر و جامع کبیر پڑھائی ، آخر میں امام رازی کی شرح اشارات پڑھائی ، بقیہ درسیات کی کتابیں مولوی ہدایت اللہ خاں رامپوری سے پڑھیں ، اور فنونِ ادب ، عرب محمد طیب سے حاصل کیے ، پھر طب کی مشہور کتاب القانون حکیم عبدالمجید خاں سے پڑھی ، پھر لکھنؤ کی درسگاہوں میں مولوی ممتاز علی فرنگی محلی کے شاگرد رشید مولوی عبدالعلی آسی سے شعر و سخن ، ادب و تاریخ کے گنجینۂ شعر و ادب سے اپنے دامن کو مرصع و زر نگار بنایا ۔

مولانا آسی کے مطبع اصح المطابع نے علمی اعتبار سے علامہ کی صلاحیتوں کو اور بھی جِلا بخشی ، جو کتابیں اِس مطبع میں چھپتی تھیں ،

Marfat.com

علامہ کا حافظہ اس بلا کا تھا کہ ان کی تصحیح کے وقت از بر ہو جاتی تھیں ۔ اپنے حافظے کے متعلق ایک دفعہ انھوں نے علامہ سید سلیمان ندوی سے فرمایا کہ

> وہ عربی کی الف لیلہ سمجھتے نہیں تھے مگر پھر بھی اس کو دیکھا کرتے اور جو کچھ سمجھ جاتے اس پر خوش ہوتے اور جو نہ سمجھتے اس کو لغت سے حل کرتے یا شاید مولانا آسی سے دریافت کر لیتے ۔ اس طرح ان کو عربی انشاپردازی کا ذوق پیدا ہوا اور عربی میں مضمون نویسی کی قدرت حاصل ہوئی ۔

عربی کی انشاپردازی :

آسی صاحب نے الریاض نامی ایک عربی کا رسالہ جاری کیا ، پھر عبدالولی صاحب کے اہتمام سے البیان جاری ہوا ، ان دونوں رسالوں کے سر ورق پر علامہ عمادی کا نام نامی بحیثیت مدیر کے نظر آتا ہے ۔

عرب ممالک کے اخباروں میں علامہ کے مضامین :

اس دور کے عرب ممالک کے اخبارات و جرائد نے علامہ کی عربی انشاپردازی کا سکہ تسلیم کر لیا تھا اور علامہ عمادی کے مضامین مصر و بیروت کے اخبارات و رسائل و جرائد میں شائع ہوتے تھے ۔

علامہ عمادی پر علامہ ندوی کا تبصرہ :

علامہ سلیمان ندوی نے علامہ عمادی کی عربی صحافت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا :

> بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں آسی کی رہبری اور ان کی ایڈیٹری میں "البیان" نام ایک اردو عربی ماہنامہ مطبع اصح المطابع لکھنؤ سے نکلنے لگا ۔ اس کے ہر صفحے میں دو کالم ہوتے تھے ، ایک میں عربی اور دوسرے میں اس کا اردو ترجمہ ہوتا تھا اور آخر میں چند صفحے عربی ممالک کی خبروں اور اردو کے مضمونوں کے ہوتے

Marfat.com

تھے، اِس رسالے کا مبادلہ مصر و شام اور تیونس کے عربی اخباروں میں ہوتا تھا ، یہ اخبارات اُن کے ہاں آتے تھے اور وہ ان کو پڑھا کرتے تھے اور اس کی بدولت جدید عربی کے نئے الفاظ سے ان کو پوری واقفیت ہوتی رہتی تھی اور وہ ان کو اُردو میں رواج دینے کی کوشش کرتے تھے ۔

اُردو کو عربی کے بعض الفاظ علامہ عمادی نے دیے :

پھر علامہ نے عمادی صاحب کے متعلق آگے چل کر لکھا :

چنانچہ ان کے بعض الفاظ رواج بھی پا گئے ۔

علامہ شبلی سے ملاقاتیں :

مولانا فاروقی صاحب چریا کوٹی مدرس اول دارالعلوم ندوہ لکھنؤ میں مقیم تھے ، مولانا عمادی ان کے پاس آتے جاتے تھے ۔ جب ۱۹۰۵ء میں علامہ شبلی ندوہ کے معتمد ہو کر آئے تو علامہ عمادی ان کی صحبتوں میں آنے جانے لگے اور علامہ سلیمان ندوی سے بھی رسم و راہ بڑھی ۔

الندوہ کی ایڈیٹری :

مولانا شبلی کے معتمد ہونے کے بعد الندہ لکھنؤ کے مطبع اصح المطابع میں چھپنے لگا ، اس سلسلے میں علامہ عمادی کی آمدورفت ندوۃ العلماء میں زیادہ ہونے لگی ۔

۱۹۰۶ میں علامہ شبلی نے الندوہ کی سب ایڈیٹری کا کام مولانا الکلام آزاد کے سپرد کیا ، لیکن جب مولانا ابوالکلام آزاد اخبار وکیل امرتسر کی ادارت میں چلے گئے تو علامہ شبلی نے مولانا عمادی کو الندوہ کا سب ایڈیٹر مقرر کیا، اپنے زمانہ ، سب ایڈیٹری میں مولانا عمادی نے جابر بن حیان اور ابن خلدون اور اعجاز القرآن پر چند مضامین لکھے ۔

اخبار وکیل کی ادارت :

جب مولانا ابوالکلام آزاد ۱۹۰۸ء یا ۱۹۰۹ء میں اپنے والد ماجد

Marfat.com

کے مرض الموت کے سبب وکیل کی ادارت سے استعفیٰ دے کر چلے گئے تو اس کی ایڈیٹری کا قرعۂ فال مولانا عمادی کے نام پڑا ، وکیل کے مالک غلام محمد نے عمادی کو امرتسر بلا لیا اور وہ کئی سال اس تعلق سے امرتسر رہے -

رسالۂ تہذیب الاخلاق کا احیاء :

وہاں انھوں نے سر سید کے رسالۂ تہذیب الاخلاق کا بھی احیاء کیا اور سر سید کے بعض رسالے دوبارہ چھاپے ، مولانا عمادی نے خود جو رسالے وہاں لکھے ان میں سے تاریخ عرب قدیم ، ضائع العرب محکمات ، علم الحدیث ، فلسفۃ القرآن اور فلسفۂ ابن عربی مشہور ہیں -

الہلال کلکتے کی ادارت :

۱۹۱۲ء میں کلکتے کی افق صحافت پر ایک نیا اخبار الہلال طلوع ہوا ، مولانا ابوالکلام آزاد نے مولانا عمادی کو بھی اس کے شعبۂ ادارت میں بلا لیا ، مولانا عمادی نے اس اخبار میں جو معرکہ آرا مضامین لکھے ، ان میں اسوۂ نوح ، اسوۂ ابراہیمی اور کشف ساق خاص طور پر قابل ذکر ہیں[1]-

مولانا عمادی اخبار زمیندار کی ادارت میں :

کچھ عرصے کے بعد مولانا عمادی اخبار زمیندار کی ادارت میں شریک ہو کر چلے گئے -

نومبر ۱۹۱۴ء میں مولانا شبلی نے اور دسمبر ۱۹۱۴ء میں مولانا حالی نے وفات پائی ، ایک ہی سال میں ادب کے دو روشن ستارے غروب ہوئے ، اس وقت مولانا عمادی اخبار زمیندار میں تھے، مولانا عمادی نے ان دونوں بزرگوں کی وفات پر سیندار میں نہایت پر اثر مضامین لکھے ، اور دوسروں سے لکھوائے -

---

۱- یہ تمام واقعات یاد رفتگاں - ص - ۳۹۹ تا ۴۰۰ ، صحیفہ اقبال نمبر - حصہ اول - ص ۱۴۹ -

Marfat.com

علامہ شبلی کے مزار کے لیے ڈاکٹر اقبال کا تاریخی جملہ :

علامہ اقبال نے بھی مولانا شبلی کے لوح مزار کے لیے علامہ عمادی کی فرمائش پر یہ جملہ تجویز کیا تھا ، جو ۱۱ دسمبر ۱۹۱۴ کے روزنامہ زمیندار میں شایع تھا ، جس سے سنہ ہجری کی تاریخ نکلتی ہے -

امام الهند والا نژاد شبلی طاب ثراہ

۱۳۳۲ھ

ستارہ صبح کی مدد گاری :

۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم چھڑی، انگریزی حکومت کے استبداد نے حریت پسندوں کے اخبار زمیندار کی اشاعت کو روک دیا اور مولانا ظفر علی خاں کو ان کے وطن کرم آباد میں نظر بند کر دیا ، مولانا کچھ دن تو خاموش رہے لیکن پھر سیاست سے کنارہ کشی کا وعدہ کر کے ہفتہ وار صبح ستارہ کی اجازت حاصل کی اور اپنے وطن کرم آباد سے یہ رسالہ جاری کیا ، مولانا عمادی کو بھی اس کی ادارت کے لیے بلا لیا ، عین اس وقت جب ستارہ صبح عروج پر تھا لاہور کے ایک رئیس نے اس کے توڑمیں اپنا اخبارالصباح کے نام سے جاری کیا اور مولانا عمادی کو ستارہ صبح کی ادارت سے توڑ لیا ، اب الصباح نے ستارۂ صبح سے چھیڑ چھاڑ شروع کی اور دونوں میں ایک دوسرے کے خلاف نظمیں چھپنی شروع ہو گئیں ، علامہ عمادی نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ انھوں نے ستارہ صبح کی ادارت چھوڑ کر سخت غلطی کی ہے - چنانچہ انھوں نے الصباح سے قطع تعلق کر لیا اور کرم آباد آ کر ستارۂ صبح کی ادارت میں دوبارہ منسلک ہو گئے -

مثنوی اسرار خودی کے مسئلے میں علامہ اقبال کی حمایت :

علامہ اقبال کی مثنوی اسرار خودی کی اشاعت پر جو قلمی جنگ شروع ہوئی تھی اس میں مولانا عمادی نے علی الاعلان علامہ اقبال کی حمایت کی اور زمیندار میں علامہ کی حمایت میں متعدد مضامین لکھے -

مولانا عمادی عروس البلاد حیدر آباد دکن میں :

اسی زمانے میں اعلیٰ حضرت آصف سابع سلطان العلوم میر عثمان علی

Marfat.com

خاں کی قدر افزائیوں کی بدولت حیدر آباد دکن کی سرزمین علم و فضل کا مرکز بنی ہوئی تھی ، شمالی ہند کے یگانۂ روزگار علماء و فضلا ، ادیب و شاعر کھنچ کر حیدر آباد دکن میں جمع ہو رہے تھے ، حیدر آباد دکن سے مولانا عمادی کے تعارف کا ذریعہ بھی مولانا ظفر علی خاں بنے ، آصف سابع کی علمی سرپرستیوں کی وجہ سے حیدر آباد دکن میں نئی اور گوناگوں علمی بساطیں بچھ رہی تھیں ، حیدر آباد دکن میں دارالترجمہ قائم ہوا - مولانا ظفر علی خاں نے ایڈیٹر زمیندار اعلیٰ حضرت حضور نظام میر عثمان علی خاں کے ایام شاہزادگی کی سابقہ معرفت کے سبب جب دکن آئے تو ان کی کوششوں سے مولانا عمادی بھی حیدر آباد بلائے گئے اور دارالترجمے کی رکنیت پر آن کا تقرر ہوا ، وہ اپنی لغت دانی اور جدید عربی مصطلحات کی وجہ سے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوئے ، بارگاہ خسروی میں انھوں نے اپنے علم و فضل سے وہ تقرب حاصل کیا کہ جو کتابیں بارگاہِ خسروی میں بڑے بڑے مصنفین کی طرف سے پیش ہوتیں ان کو علم کا یہی جوہری آنکتا تھا ، اعلیٰ حضرت ان کو ہمارے قاموس اور ہمارے جاحظ کہہ کر مخاطب کرتے خیال تھا کہ ان کو قاموس جنگ کا خطاب نہ مل جائے ، وہ دائرۃ المعارف اور کتب خانہ آصفیہ جیسے عظیم علمی اداروں کے رکن بھی بنائے گئے - دائرۃ المعارف سے تاریخ اور فلسفے کے علاوہ ہیئت اور ہندسہ وغیرہ کی جو کتابیں شائع ہوتیں اِس قسم کی تمام کتابوں کی تصحیح و تہذیب کی نگرانی مولانا عمادی کے ذمے تھی ، کتب خانہ آصفیہ کی مجلس مخطوطات میں وہ قلمی نسخوں کے مستند مبصر تھے[1] -

انشاپردازی ، علمی و ادبی تحریروں کے چند نمونے :

مولانا عمادی کی انشاپردازی کے چند نمونے ان کی کتابوں اور تحریروں سے پیش کیے جاتے ہیں ، تاکہ آن کے انشائی ادب اور علمی تحقیق کا اندازہ ہو سکے اور ان کی شانِ ادب کے متعلق اہل نظر صحیح رائے قائم کر سکیں -

---

۱- یہ تمام تفصیل یاد رفتگان (علامہ سید سلیمان ندوی) ، ص ۳۰۱ و ۳۰۲ سے ماخوذ ہے -

Marfat.com

رسالہ حر ، فلاسفہ اسلام کے سب سے بڑے پیشوا شیخ ابو علی سینا کی یہ کتاب عربی زبان میں تھی ، جس کا یہ فارسی ترجمہ عہدِ سلاجقہ کی یادگار ہے اسی عہد کی زبان ہے اور وہی انداز بیان ہے ۔ کائنات کس طرح وجود میں آئی ، نیستی سے ہستی ، معدوم سے سوجود کی کیا سبیل نکلی ، کوئی شئی اس وقت وجود میں آ سکتی ہے ، جب اس کے لیے کوئی علت و سبب موجود ہو ، علت اس شے پر مقدم ہوتی ہے ، وجود عدم سے نکلا تو کیوں کر نکلا ، علتِ وجود کو وجود سے پہلے موجود ہونا چاہیئے حال آنکہ وجود سے پہلے آپ عدم کے قائل ہیں ، یہ مباحث نمونہٴ کتاب ہیں ۔ ان میں غور کرنے والے پر طبعیین و دہریین کے کا فساد خود بخود واضح ہو جائے گا اور ماننا پڑے گا کہ عدم اور وجود سے پہلے ایک واجب الوجود بھی ہے اللہ تعالیٰ شانہ ، کہ وہی اس کائنات کا سبب بھی ہے اور مسبب بھی ہے ۔

تحفۃ الحبیب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

اصفہان کے خوش بیان ، سخنور و سخن سنج میرزا فخری کی یہ کتاب زبان آوری کی دنیا میں پرواز خیال کا ایک عجیب مرقع ہے مثلاً سعدی[1] کہ ملاحت کلام میں شور انگیزی پہلے پہل اُن ہی کے حصے میں آئی ، ایک غزل لکھی ، خسرو بھی اُسی زمین کو شاداب کرتے ہیں اور معاملہ بندی جسے ان دنوں وقوعہ گوئی کہتے تھے ایک نئی شان دکھاتے ہیں ، حسن اس کو روانی و سلاست کے

۱۔ سعدی : شیخ مشرف الدین مصلح بن عبداللہ سعدی شیرازی ۔ ولادت : ۶۰۴ھ (۸-۱۲۰۷ع) ۔ جائے ولادت : شیراز ۔ وفات : ۶۹۴ھ (۹۵-۱۲۹۴ع) ۔ مدفن : سعدیہ شیراز ۔ (کارنامہٴ بزرگان ایران ، ص ۲۵۸ تا ۲۶۰) ۔

Marfat.com

قالب میں ڈھالتے - سلمان ساوجی[1] ، خواجو کرمانی[2] ، عماد فقیہ کی شکر خائی اور حلاوت انگیز طبع آزمائی یہی زمین شکرستان بن جاتی ہے ، پھر حافظ[3] آتے ہیں اور خدا داد قبول خاطر سے اسی زمین کو آسمان بنا دیتے ہیں ، پھر وحشی[4] ، اہلی و کاتبی و نزاری و جامی اپنے اپنے طرز میں دادِ سخن دیتے ہیں -

ایک ایک زمین میں مشاہیر شعرا کی طبع آزمائی کا یہ حیرت خیز نگار خانۂ معنی اہل نظر کے ذہنی شگفتگی کا انبار در انبار سامان رکھتا ہے ، جس سے ادب فارسی میں عہد بعہد حسن تخیل و لطف ذوق و عروج فکر کی ایک ایسی تاریخ مرتب ہو سکتی ہے کہ فارسی کی حد تک ایران و ہندوستان آج تک اس سے نا آشنا ہے -

---

۱- سلمان ساوجی : ولادت : ۴۳۹ھ (۴۸-۱۰۴۷) لاہور - اس کے آباواجداد ہمدان کے رہنے والے تھے - ۱۳ سال مجموعی طور پر جیل خانے میں رہا - وفات : ۵۱۵ھ (۲۲-۱۱۲۱ع) میں وفات پائی (بزرگان ایران ، ص ۱۵۲) -

۲- خواجو کرمانی : کمال الدین ابو العطا محمود بن علی کرمانی ، متخلص بہ خواجو - ولادت : ۶۷۹ھ (۸۱-۱۲۸۰ع) - مقام پیدائش : کرمان ، خواجو نے نظامی کے تتبع میں کئی مثنویاں اخلاق و تصوف کے موضوعات پر کہیں ، وہ بہت عظیم المرتبت شاعر تھا ، خواجو کرمانی نے ۷۵۳ھ (۵۳-۱۳۵۲ع) میں وفات پائی (کارنامۂ بزرگان ایران ، ص ۲۶۴ و ۲۶۵) -

۳- حافظ : شمس الدین محمد حافظ ، ملقّب بہ لسان الغیب - ولادت : ۷۷۰ھ (۶۹-۱۳۶۸ع) شیراز - وفات : ۷۹۱ھ (۸۹-۱۳۸۸ع) شیراز - مزار : حافظیہ شیراز میں ہے ، (کارنامۂ بزرگان ایران ، ص ۲۷۱ و ۲۷۲) -

۴- وحشی : دسویں صدی ہجری کا عظیم شاعر ہے ، بافق کرمان میں پیدا ہوا ، زندگی کا بڑا حصہ یزد میں گزرا - ۹۵۱ھ میں وفات پائی (کارنامۂ بزرگان ایران ، ص ۲۸۵) -

Marfat.com

مولانا عمادی کے قلم کا کمال یہ ہے کہ وہ ادب میں تاریخ اور تاریخ میں ادب کا حسین اور خوشگوار امتزاج کرکے تاریخ و ادب کو نیا آب و رنگ دیتے ہیں ۔ ان کے اِس ادب کی بہاریں بھی دیکھیے کہ ادب و تاریخ کا یہ سنگم تاریخ کو کتنا خوب صورت اور دلکش بنا دیتا ہے ۔

ساتویں صدی ہجری کے آخری ایام میں بغداد کا تمدن سیلاب تاتار کی نذر ہو چکا ہے ، ہولاکو کا جانشین اباقا سریر آرائے سطوت ہے ، تبریز جو زبیدہ خاتون کی یادگار تھا آج تاتاری لشکر کی چھاؤنی ہے ، روم و عراق و ایران و توران و ماوراء النہر جتنے اسلامی ممالک تھے سب کے سب کفر کے نرغے میں آ چکے ہیں ، مصر و شام ایک بچی بچائی اسلامی سلطنت رہ گئی ہے ، جہاں جا کر خلافت نے پناہ لی ہے ، مگر اب اس پر بھی چڑھائی کے سامان ہو رہے ہیں ، اسی ضرورت سے خود اباقا تبریز میں لشکر زن ہے ، اور صاحب دیوان اور وزیر اعظم خواجہ شمس الدین محمد پر تاکید ہو رہی ہے کہ مغولستان سے لے کر ایران تک کی تمام فوجیں یک جا کر لی جائیں کہ پوری قوت کے ساتھ جامع فسطاط کے مناروں پر حملہ ہو سکے ۔

شاعری :

شاعری گو مولانا عمادی کے لیے وجہ شہرت نہیں ، لیکن مولانا کبھی کبھی اُردو اور فارسی میں طبع آزمائی کرتے تھے ، اُردو کی غزل کے چند شعر یہ ہیں :

چشمِ پُر فن کا ہے گردش میں نظام اے ساقی
گردشِ ساغر و مینا کو سلام اے ساقی
شیشہ ہے منتظر جلوۂ خورشیدِ ازل
مجھ کو درکار نہیں ماہ تمام اے ساقی

Marfat.com

تیغ ابرو سے سے آشام کہیں ڈرتے ہیں
دمِ شمشیر ہے رندوں کا مقام اے ساقی

مئے گل رنگ شہادت کا چلے بزم میں دور
آ چلی ساعتِ افطار صیام اے ساقی

فارسی کے دو چار شعر یہ ہیں :

جبینِ زہد ز افتادگی نشد روشن
بزار سجدہ کند نور بر جبیں نرسد

عجب آں نیست کہ اعجاز مسیحا داری
عجب این است کہ بیمارِ تو بیمار تر است

اہلِ بینش ہمہ از آتش دوزخ بہ اماں
ہر کہ در خلد در آید نہ برندش بجحیم[1]

اخلاق و عادات :

مولانا عمادی اخلاق و عادات میں علمائے سلف کا نمونہ تھے ، سادگی ان کا شعار تھا ، حیدر آباد دکن کے پُر تکلف معاشرے میں بھی انھوں نے اپنی سادگی کے رویے کو نہیں بدلا ، ثروت میں درویشی کا جمال آن کی سیرت کے نمایاں جوہر تھے ، طالب علمانہ سادگی ان کا شعار تھی ، آن کے ایک ہم وطن قدیم دوست کا بیان ہے کہ میں نے وطن میں جو سادگی کی روش دیکھی تھی ، اس عروس البلاد میں بھی آن کی وہی روش قائم ہے ، نہ رہائش میں فرق آیا ، نہ لباس میں ، نوکر صرف دو تھے ، جو خود کھاتے وہ ان کو کھلاتے ، دکھ بیماری میں آن کی مزاج پُرسی کرتے ، اپنے عزیزوں کی طرح ان کے علاج و معالجے پر توجہ دیتے ۔ عزیزوں کے حقوق کا خاص

۱۔ نثر و اشعار کے یہ ٹکڑے رسالہ نقوش ۔ شخصیات نمبر حصہ دوم ۔ مضمون مولانا ابوالخیر مودودی ، ص ۸۲۲ و ۸۲۳ سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

لحاظ رکھتے -

مولانا سید سلیمان ندوی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ مولانا عمادی کلکتے سے اپنے وطن جا رہے تھے اور بہت سے روپیوں کی ضرورت ظاہر کر رہے تھے - میں نے پوچھا مولانا اتنے روپے کیا ہوں گے ؟ فرمایا جب گھر جاتا ہوں تو غریب اعزہ آتے ہیں ، ان کی مدد کرنے کو جی چاہتا ہے ، ہر ایک کو اس کی حسب حیثیت کچھ دیتا ہوں -

علم کا کوئی طالب ہوتا تو اس کے لیے اپنے وقار کی بھی پروا نہ کرتے تھے ، دارالترجمے میں قانون کے مترجم مسعود علی صاحب محوی نے آن سے عربی ادب پڑھنے کی خواہش ظاہر کی ، مولانا عمادی آن کے کمرے میں جا کر پڑھانے لگے ، جوش صاحب نے خیال کیا کہ وہ اپنے غرّے کی وجہ سے مولانا کے کمرے میں نہیں آتے ، جوش صاحب نے مولانا کو آڑے ہاتھوں لیا اور کہا اس کی کیا وجہ ہے کہ وہ آپ کے کمرے میں پڑھنے کو نہیں آتے ، مولانا نے نرم لہجے میں فرمایا کہ ان کے آنے سے مجھے ترک نہیں لگ جائے گا ، آن کی یہ بات بہت قابلِ قدر ہے کہ انھیں اِس عمر میں بھی پڑھنے کا شوق ہے آپ بھی پڑھیے ، عمادی آپ کی جناب میں بھی حاضر ہوگا[1] -

راقم الحروف سے جوش صاحب نے بیان کیا کہ انھیں عربی کی شدبُد انہیں مولانا عمادی سے حاصل ہوئی -

غرضکہ مولانا عمادی حسن اخلاق ، کریم النفسی ، شرافت اور علم و فضل کا پیکر مجسم تھے -

وفات :

مولانا عمادی پنشن لینے کے بعد بھی آخر حیات تک عروس البلاد حیدر آباد دکن میں مقیم رہے ، انھوں نے وظیفے کے بعد اس فردوس دکن کو چھوڑنا گوارا نہ کیا ، جس سے علم و ادب ، تہذیب و تمدن ، حشمت و

۱- نقوش - شخصیات نمبر ، حصہ دوم ، مضمون مولانا ابوالخیر مودودی ص ۸۱۹ -

Marfat.com

جلالت کی شمع فروزاں تھی جس کا ہر گوشہ رشک جنت تھا ، جس کی صبحیں پُر نور اور شامیں کیف آور تھیں ، جس کے علم و فضل کے خوش نما گلشن میں وہ خود بھی بلبل خوش نوا کی طرح چہکے تھے -

شاید زوال حیدر آباد اُن کی حمیت کو گوارا نہ ہوا ، آخر ۱۱ شوال ۱۳۶۶ھ (۱۹۴۷ع) کو حیدر آباد ہی رحمتِ حق سے جا ملے جب کہ حیدر آباد کے زوال کے آثار نمایاں ہو چکے تھے[1] -

---

۲- یاد رفتگاں ، ص ۳۹۶ -

Marfat.com

(۲۲)

مولانا شبیر احمد عثمانی

علامہ اقبال کا تاثر :

مجھے ماسٹر عبدالرؤف سے ابھی معلوم ہوا کہ آپ انجمن خدام الدین[1] کے جلسے میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرمائیں گے ، میں اسے اپنی بڑی سعادت تصور کروں گا اگر آپ کل شام اپنے (دیرینہ) مخلص کے ہاں کھانا کھائیں ، جناب کی وساطت سے حضرت مولوی حبیب الرحمان صاحب قبلہ عثمانی ، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب اور جناب مفتی عزیز الرحمان صاحب کی خدمت میں بھی یہی التماس ہے - مجھے امید ہے کہ جناب اِس عریضے کو شرف قبولیت بخشیں گے ، آپ کو قیام گاہ سے لانے کے لیے سواری یہاں سے بھیج دی جائے گی -

(مکتوب علامہ اقبال ، بنام مولانا سید انور شاہ کشمیری
اقبال نامہ ، جلد دوم ، ص ۲۵۷) -

حالات :

علوم شریعت کے مہر منیر مولانا شبیر احمد عثمانی مولانا فضل الرحمان عثمانی کے فرزند جلیل القدر تھے ، مولانا کا وطن عزیز تو دیوبند ہے مگر مولانا شبیر احمد عثمانی کی ولادت باسعادت ۱۰ محرم ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۵ع)

۱- انجمن خدام الدین : ۱۹۳۲ع میں قائمہ - (پرانے چراغ) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ، ص ۱۵۵ -

Marfat.com

میں ہوئی ، اس زمانے میں آن کے والد مولانا فضل الرحمان خاص ضلع بجنور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے ، اِس محکمے سے وہ پنشن لینے کے بعد اپنے وطن عزیز دیوبند میں مقیم ہو گئے اور بیالیس سال تک دارالعلوم دیوبند کی خدمات انجام دیتے رہے ۔

رسم بسم اللہ :

مولانا شبیر احمد عثمانی کی رسم بسم اللہ ۱۳۱۱ھ (۹۴-۱۸۹۳ء) میں ہوئی اور حافظ نامدار نے بسم اللہ پڑھائی ۔

تعلیم :

قرآن مجید کے ختم کرنے کے بعد مولانا محمد یاسین صاحب فارسی مدرس دارالعلوم دیوبند سے فارسی کی مروجہ کتابیں پڑھیں ۔

عربی تعلیم کا آغاز :

مولانا عثمانی نے ۱۳۱۸ھ (۱۹۰۰ء) عربی تعلیم کا آغاز کیا اور ۱۳۲۵ھ (۱۹۰۸ء) میں اول درجے میں کامیاب ہو کر سندِ فراغ حاصل کی ۔

اساتذہ :

دارالعلوم دیوبند کے جن یگانہ روزگار علماء نے ان کے آئینہ علمی کو صیقل کیا اور رجلا بخشی ، آن میں شیخ الھند مولانا محمود الحسن اسیر مالٹا کا نام سر فہرست ہے ، اِن کے علاوہ مولانا غلام رسول سرحدی ، حکیم محمد حسن ، مولانا محمد یاسین شیر کوٹی بھی ان کے اساتذہ میں ہیں ۔

دارالعلوم دیوبند کی معلمی :

اسی درسگاہ علمی میں جس کے آغوش میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے تعلیم و تربیت پائی ، وہیں وہ معلمی کی مسند پر بیٹھے اور اعلیٰ نصابی کتابیں پڑھائیں ۔

مدرسہ فتحپوری کی صدر مدرسی :

پھر مدرسہ مسجد فتح پوری دہلی میں ۱۹۰۹ء میں صدر مدرسی

Marfat.com

کے عہدے پر فائز ہوئے ، اور یہیں سے ان کی شہرت کا آفتاب طلوع ہوا۔

قدرت نے مولانا کو تحریر و تقریر کا غیر معمولی ذوق عطا کیا تھا ، عوام اور اہلِ علم آن کی تقریروں کے گرویدہ تھے ، اہلِ دیوبند کی خواہش ہوئی کہ مولانا کو دوبارہ دارالعلوم میں آن کے شایان شان خدمت دی جائے۔

جمعیت الانصار کی بنیاد :

مولانا شبیر احمد عثمانی کے قیام دہلی کے زمانے ہی میں مولانا عبیداللہ سندھی نے دیوبند میں جمعیت الانصار کی بنیاد ڈالی ، اِس انجمن کا مقصد مسلمانانِ ہند میں مذہبی اور سیاسی شعور کو بیدار کرنا تھا ، اِس کی مجلس منتظمہ میں مولانا محمود حسن صاحب ، مولانا اشرف علی تھانوی ، مولانا حبیب الرحمان عثمانی جیسے جلیل القدر علماء نظر آتے ہیں۔

جمعیت الانصار کا پہلا اجلاس مراد آباد :

جمعیت الانصار کا پہلا اجلاس مراد آباد میں منعقد ہوا ، جس میں علی گڑھ ، ندوہ اور دارالعلوم دیوبند کے اکابر علماء نے شرکت کی ، مولانا شبیر احمد عثمانی نے اِس اجلاس میں ایک جامع مقالہ "اسلام" کے عنوان سے پڑھا ، یہ پہلا موقع تھا کہ اہلِ علم نے مولانا کے قلم کا لوہا مانا ، بڑے بڑے علماء نے آس کی توصیف کی۔

دوسرے سال میرٹھ میں جمعیت الانصار کا دوسرا سالانہ اجلاس ہوا ، اس میں بھی مولانا شبیر احمد نے ایک نہایت دل آویز تقریر کی اور "آخرت" کے عنوان سے مقالہ پڑھا ، ان اجلاسوں نے مولانا کی شہرت و مقبولیت میں چار جاند لگائے ، اور ہندوستان کے آس دور کے صف اول کے علماء میں مولانا کا شمار ہونے لگا۔

دارالعلوم دیوبند میں واپسی :

اراکین دیوبند کے اصرار پر مولانا دوبارہ دیوبند میں تشریف لائے ، انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں اپنی خدمات بغیر کسی معاوضے کے وقف کیں ، اور مسندِ درس و تدریس کی زینت بنے ، یہاں تک کہ اپنی بے لوث

Marfat.com

اور مخلصانہ خدمات کی وجہ سے اس درجے پر فائز ہوئے کہ اگر آن کو جانشین مولانا محمد قاسم کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

۱۹۰۸ع سے ۱۹۳۵ع تک یعنی ستائیس سال تک مولانا عثمانی علم کی روشنی پھیلاتے رہے ، صرف دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۱۱ع سے ۱۹۲۸ع تک تعلیم دی۔

ڈابھیل میں :

بعض وجوہ سے مولانا شبیر احمد عثمانی دارالعلوم دیوبند سے ڈابھیل چلے گئے ، لیکن چند سال کے بعد ۱۹۳۶ع میں دارالعلوم دیوبند کے صدر منتخب ہو کر دوبارہ دارالعلوم چلے آئے۔

دارالعلوم سے علیحدگی :

۱۹۴۲ع میں گورنمنٹ برطانیہ کے خلاف ملک میں آزادی کا غلغلہ بلند ہوا ، بعض طلبہ نے اس میں حصہ لیا ، مولانا نے ان کو مدرسہ سے خارج کر دیا ، مجلس منتظمہ کے بعض اراکین نے پھر انہیں داخل کرانا چاہا ، آپ نے مجبوراً ان طلبہ کو داخل تو کر لیا مگر دارالعلوم سے دل برداشتہ ہو گئے اور صدارت سے علیحدگی اختیار کر لی ، دوبارہ ڈابھیل چلے گئے اور جامعہ ڈابھیل میں بحیثیت صدر جامعہ ڈابھیل کام کرنے لگے۔

سیاسی موڑ :

مولانا نے اس دور کی سیاست میں بھی حصہ لیا۔

۱۹۱۱ع میں جنگ طرابلس و بلقان سے مولانا کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا ، ۱۹۱۲ع سے ۱۹۱۸ع تک تحریک خلافت میں مولانا نے بڑی سرگرمی سے حصہ لیا ، یہاں تک کہ پورے ہندوستان میں مولانا کی تقریروں کی دھوم مچ گئی۔

جمعیت العلماء ہند :

۱۹۱۹ع میں جمعیت العلماء ہند کی بنیاد پڑی ، مولانا کی شخصیت کے مد نظر مولانا کو اس کی مجلس عاملہ کا ممبر منتخب کیا گیا۔

Marfat.com

سیاست میں مولانا کا نظریہ :

مولانا نے سیاست میں جلد ہی محسوس کر لیا کہ متحدہ قومیت کا نعرہ بالکل غلط ہے ، مولانا کا ابتدا ہی سے خیال تھا کہ مسلمانوں کو کانگریس سے علیحدہ ہو کر باوقار طریقے پر مسلمانوں کے اکثریتی والے صوبوں میں ایک ایسی مسلم ریاست کا مطالبہ کرنا چاہیے جہاں مسلمان اپنے اقتدار کے ساتھ اپنے نظریات ، اپنی تہذیب ، اپنے تمدن کو پروان چڑھا سکیں ۔

ہندوستان میں قائد اعظم علیہ الرحمہ کی مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت تھی جو اس نصب العین کے لئے پورے عزم و استقلال کے ساتھ جد و جہد کر رہی تھی ، ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ الہ آباد کے اجلاس میں حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے تصور پاکستان پیش کیا ، پھر ۱۹۴۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس میں قرار داد پاکستان منظور ہوئی ۔

مسلم لیگ میں شرکت :

۱۹۴۰ ہی میں قرار داد پاکستان منظور ہونے کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی مسلم لیگ میں شریک ہوگئے ، مولانا کی شرکت سے مسلم لیگ کو بڑی تقویت پہنچی ، یہ وہ نازک وقت تھا کہ جب کہ بڑے بڑے علماء کانگریس میں شامل تھے ، مولانا نے مسلم لیگ کے اس نصب العین کی اشاعت کے لیے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں دورے کئے ۔

کل جمعیت العلمائے اسلام کا قیام :

۱۹۴۵ء میں کانگریس کی جمعیت العلما ہند کے مقابلے میں کل جمعیت العلمائے اسلام کی بنیاد پڑی ، کلکتے میں اس کا شاندار اجلاس منعقد ہوا ، مولانا شبیر احمد اپنی علالت کی وجہ سے اس اجلاس میں شریک نہ ہو سکے ، لیکن اُن کا ایک تحریری پیغام اس اجلاس میں پڑھا گیا ، یہ پیغام چھپوا کر پورے ہندوستان میں تقسیم کیا گیا ، اس جمعیت سے جہاں مسلم لیگ کو تقویت پہنچی وہیں کانگریسی علماء کو سخت دھچکا لگا ۔

میرٹھ کانفرنس :

پھر میرٹھ میں لیگ کانفرنس مولانا کی صدارت میں منعقد ہوئی جس

Marfat.com

میں مولانا نے ایک شاندار خطبۂ صدارت پڑھا ، جس نے ملک کو مسلم لیگ کے ہمنوا بنانے میں بڑا کردار ادا کیا اور نواب زادہ لیاقت علی خان شہید مولانا ہی کی کوششوں سے الیکشن میں کامیاب ہوئے ، مولانا نے پورے ہندوستان کا دورہ کرکے اپنی دل آویز تقریروں سے مسلم لیگ کی اہمیت کو مسلمانوں کے ذہن نشین کیا ۔

دستور ساز اسمبلی کی ممبری :

مولانا شبیر احمد عثمانی متحدہ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی کے بنگال سے ممبر منتخب ہوئے ۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ وہ مبارک تاریخ ہے جس میں مسلمانوں کی مملکت اسلامیہ پاکستان کی صورت میں وجود میں آئی ۔

پاکستان میں مولانا کی تشریف آوری :

۱۴ اگست ۱۹۴۷ ہی کو مولانا پاکستان پہنچے ، پاکستان بنتے ہی تبادلہ آبادی کے موقع پر مسلمانوں کے قتل و خون ریزی کا بازار جس طرح گرم ہوا ، اس مرحلے میں مولانا نے مہاجرین کی بڑی خدمت انجام دی ۔

مسئلہ کشمیر :

پاکستان کے قائم ہوتے ہی بھارت نے دسمبر ۱۹۴۷ء کو کشمیر پر قبضہ کر لیا ، علامہ شبیر احمد عثمانی نے شرعی حیثیت سے کشمیر میں جہاد کا فتویٰ دیا ، کشمیر کے مجاہدوں کے لیے امداد کی اپیل کی اور ان کی امداد و اعانت میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی ۔

قرارداد مقاصد :

مولانا کا سب سے بڑا مقصد پاکستان میں اسلامی قانون کا اجرا تھا ۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے ڈھاکے میں جمیت العلمائے پاکستان کا جلسہ منعقد کرایا اور ایک خطبۂ صدارت دیا ، جس کی بنا پر نواب زادہ لیاقت علی خاں نے دستور ساز اسبلی میں قرارداد مقاصد کی تجویز پیش کی اور قرارداد مقاصد کا سہرا بھی مولانا کے سر رہا[1]

۱- مولانا شبیر احمد عثمانی کے یہ تمام حالات بیس بڑے مسلمان ۔ ص ۔ ۵۴۲ تا ۵۵۴ سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

شیخ الاسلام :

مولانا نے پاکستان پہنچ کر کوئی عہدہ حاصل نہیں کیا ، مگر مذہبی معاملات میں ان کی حیثیت مشیر خاص کی تھی ، اس لیے عوام ان کو شیخ الاسلام کہہ کر پکارتے تھے ، اسی حیثیت سے مولانا پاکستان کی مجلس آئین ساز کے رکن بھی تھے اور اس جماعت کے سرخیل تھے جو اس آئین کو اسلامی قالب میں ڈھالنا چاہتی تھی ، چنانچہ مولانا کی ابتدائی کوششوں کا نتیجہ " قرارداد مقاصد " کی صورت میں ظہور پذیر ہوا[1] ۔

علم و فضل :

یاد رفتگاں میں مولانا سید سلیمان ندوی نے مولانا شبیر احمد صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا کہ

> دیوبند کے حلقے میں اس زمانے میں یہ بات برملا کہی جاتی تھی کہ مولوی شبیر احمد صاحب کو ، حضرت مولانا قاسم صاحب کے علوم و معارف پر پورا احتوا ہے ، وہ حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ کے مضامین و معانی کو لے کر اپنی زبان اور اپنی طرز ادا میں اس طرح ادا کرتے تھے کہ وہ دل نشین ہو جاتے تھے ، یہ خیال رہے کہ مولانا قاسم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مضامین نہایت غامض ، دقیق اور مشکل ہوتے تھے ، جن تک عوام کی پہنچ نہیں ہو سکتی تھی اس لئے ان کے مضامین اور حقائق کو سمجھنا پھر زمانے کی زبان میں تعبیر و تفہیم کوئی آسان بات نہ تھی اور اسی لئے مولانا شبیر احمد کی تقریر و تحریر کی یہ تعبیر کی جاتی تھی ۔

حواشی قرآن مجید :

مولانا شبیر احمد عثمانی کی تصانیف میں ان کے حواشی قرآن مجید جو

---

۱ - یاد رفتگان - ص ۴۵۰ و ۴۵۱ -

Marfat.com

حضرت شیخ الهند رحمہ اللہ تعالیٰ کے ترجمۂ قرآن مجید کے ساتھ چھپے ہیں نہایت اہمیت رکھتے ہیں ، ان حواشی سے ان کی قرآن فہمی ، تفاسیر پر عبور اور خود ان کی غیر معمولی قوت تفہیم کا اندازہ ہوتا ہے ۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا کہ میں نے اپنے حلقۂ درس میں آن کے حواشی کی افادیت کی ہمیشہ تعریف کی ہے ، ان حواشی کی افادیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ حکومت افغانستان سے سرکاری مطبع سے قرآنی متن کے ساتھ حضرت شیخ الهند کے ترجمے اور مولانا شبیر احمد صاحب کے حواشی کو افغانی مسلمانوں کے فائدے کے لئے فارسی میں ترجمہ کرکے چھاپا ہے[1]۔

فتح الملہم :

اس کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی نے جو اپنے بعد اپنی علمی و دینی یادگار چھوڑی وہ شرح مسلم موسوم بہ فتح الملہم ہے ، یہ شرح مولانا نے حنفی نقطۂ نظر سے لکھی تھی ۔ فتح الملہم کا تصنیفی کام مولانا آخر دم تک کرتے رہے ، اس کی ہر جلد کی اشاعت کے لئے حضور نظام دکن نے کچھ رقم اور مولانا کا علمی وظیفہ بھی ماہانہ مقرر فرمایا تھا ، فتح الملہم کی چند جلدیں شائع ہوئیں ، افسوس ہے کہ یہ کتاب نامکمل رہی[2]۔

منصب و جاہ سے بے نیازی :

مولانا باوجود اس کے کہ پاکستان کے سرکاری اور غیر سرکاری حلقوں میں نہایت تعظیم و توقیر سے دیکھے جاتے تھے اور پاکستان کو مستقل اپنا وطن بنا چکے تھے ، لیکن ہمیشہ منصب و جاہ اور دولت و ثروت کی طلب سے بے نیاز رہے ، نہ انھوں نے اپنے وطن پاکستان میں اپنا ذاتی گھر بنایا اور نہ اپنے لئے کوئی کوٹھی الاٹ کرائی ، اپنے بعض عقیدت مندوں کے گھر میں رہے ، یہاں تک کہ عمر کی سحر شام میں تبدیل ہوگئی ۔

۱۔ ماخوذ از یاد رفتگاں ، ص ۴۴۷ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۴۴۹

Marfat.com

انھوں نے بڑا دردمند دل پایا تھا ، وہ دکھی انسانیت کی خدمت میں لگے رہے ، انھوں نے اپنی وجاہت کو اہلِ حاجت اور اہلِ ضرورت کی خدمت میں صرف کیا ۔

وفات :

۶۴ سال کی عمر میں علم و عمل، تقویٰ و تقدس کا یہ آفتاب اس برصغیر کو اپنے فیض سے منور بنا کر رحمتِ حق سے جا ملا ۔ رسالہ ندائے حرم کے ایڈیٹر نے مولانا عثمانی کی وفات کی تفصیل دیتے ہوئے لکھا کہ

> ۱۷ صفر ۱۳۶۹ھ (۸ دسمبر ۱۹۴۹ع) کو حضرت علامہ مرحوم و مغفور جامعہ عباسیہ کی ایک تقریب میں بہاولپور تشریف لے گئے ، ۲۲ صفر ۱۳۶۹ھ (مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ع) کی صبح تک طبیعت بالکل ٹھیک معلوم ہوتی تھی، خلاف معمول اس روز ایک پیالی کی بجائے دو پیالیاں چائے پی اور فرمایا رات کو کچھ حرارت رہی ۔ چنانچہ اسی وقت ڈاکٹر کو ٹیلی فون کرکے طلب کیا گیا، ڈاکٹر نے بہت خفیف حرارت بتائی اور دوا دے دی ، دس بجے کے قریب سینے میں غیر معمولی گھبراہٹ محسوس ہوئی ، دوبارہ ڈاکٹر بلایا گیا ، نبض کی رفتار اس وقت اپنی طبعی رفتار سے کچھ کم تھی ، ایک طبیب اور دوسرے ڈاکٹر کو بھی طلب کر لیا گیا ، بہاولپور کے وزیرِ تعلیم ، وزیر اعظم ، اور وزیر مال بھی پہنچ گئے ، چار پانچ انجکشن دیئے گئے، مگر نبض کی رفتار کم ہوتی گئی ۔ آخر گیارہ بج کر ۵۰ منٹ پر یہ آفتاب علم و عمل غروب ہوگیا ۔ انا للہ و اِنا الیہ راجعون ۔
>
> میّت اسی روز شام کو بذریعہ پاکستان میل بہاولپور سے کراچی لائی گئی ۔ اسی روز شام کو پاکستان کے اس سایۂ ناز عالم با عمل کو لاکھوں اشک بار آنکھوں اور سوگوار دلوں نے سپرد خاک کیا ۔

Marfat.com

عامل کالونی کراچی میں اس خزینۂ علوم کو دفن کیا گیا[1]۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس در کی نگہبانی کرے

۱- یاد رفتگاں، ص ۴۵۲-۴۵۳ بحوالہ رسالہ ندائے حرم - جنوری ۱۹۵۰ء

Marfat.com

(۲۳)

مولانا حبیب الرحمن خان شروانی

معروف بہ نواب صدر یار جنگ
سابق صدر الصدور حیدر آباد دکن

علامہ اقبال کا تاثر :

آپ نے جو ریمارک اس (نظم) کے اشعار پر لکھے ہیں اس کے لئے آپ کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ آپ لوگ نہ ہوں تو واللہ ہم شعر کہنا ہی ترک کر دیں۔ اگرچہ جلسے میں ہر طرف سے لوگ حسب معمول ان کی تعریف کرتے تھے، مگر جو مزا مجھے آپ کی داد سے ملا ہے اسے میرا دل ہی جانتا ہے۔ افسوس ہے کہ اب کے آپ تشریف تشریف نہ لا سکے، میر نیرنگ[1] تشریف لائے تھے، چوہدری خوشی محمد تھے، مولانا گرامی بھی تھے۔ غرضیکہ محفل کے سب ارکان مشیدہ موجود تھے، اگر آپ ہوتے تو ایک آدھ رات خوب گزر جاتی۔ حبیب کی موجودگی شعرا کے لئے کافی سامان ہے اور بالخصوص جب کہ حبیب شعر فہم اور شعر گو بھی ہو ----- مولانا گرامی میرے پاس ٹھہرے ہوئے ہیں، پوچھتے

۱- میر نیرنگ (غلام بھیک نیرنگ) انبالے میں وکالت : ۱۹۰۹ تا ۱۹۲۰ تبلیغ اسلام کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ وفات : ۱۶ اکتوبر سنہ ۱۹۵۲ع - مدفن : قبرستان میانی، لاہور۔ رسالہ نقوش، لاہور نمبر۔ ص ۹۵۱ -

Marfat.com

ہیں خط کس کو لکھ رہے ہو ، میں کہتا ہوں "حبیب
کو" تو آپ فرماتے ہیں میرا بھی سلام لکھ دو ۔ آخر
شاعر ہیں نا ۔ والسلام

آپ کا مخلص اقبال

(مکتوب اقبال ۔ بنام مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی
اقبال نامہ حصہ اول ص ۔ ۸ ۔ ۹)

یہ خط علامہ علیہ الرحمتہ نے مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کو ان کے علم و فضل ، نکتہ سنجی ، شعر گوئی اور شعر فہمی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا تھا ، جس سے ان دونوں حضرات کے باہمی خاوص ، غیر معمولی محبت اور غیر متناہی رسم و راہ کا اندازہ ہوتا ہے ۔

عظمت انسانی کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی " انا " میں غرق نہ ہو ، تنقیدکو گوارا کرے اور فن میں ہر وہ چیز جو قابل اصلاح ہو اس کو متشکرانہ قبول کرے ۔

علامہ کی عظمت انسانی کا ایک بڑا پہلو ہمیں اس خط میں ملتا ہے اور یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ کتنے عظیم انسان تھے ۔ اس کے علاوہ ان کے اس خط سے مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کی شخصیت اور ان کے علم و فضل پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔

تاریخ شاہد ہے کہ علم ، دولت و ثروت کے ساتھ بہت کم شخصیتوں میں جمع ہوا ہے ، لیکن خدائے تعالٰی نے مولانا حبیب الرحمن خان کو یہ خصوصیت بخشی تھی کہ وہ صاحب دولت و ثروت بھی تھے اور سر چشمۂ علم و فضل بھی ، حق تعالٰی نے ان کو عام کے ساتھ عمل کی دولت سے بھی نوازا تھا ۔

نسب و خاندان :

مولانا حبیب الرحمن خان کا سلسلۂ نسب پٹھانوں کے قبیلے شروانی سے ہے ۔ اس خاندان کے مورثِ اعلٰی شروانی نامی تھے ، جن کے بعد یہ خانوادۂ شروانی سے موسوم ہوا ۔ آپ کے جد اعلٰی کا نام باز خان ہے ۔

Marfat.com

باز خان کے بیٹے داؤد خان ۔ خان زمان خان اور غلام محمد خان تھے ۔

داؤد خان ۱۷۸۵ع ، (۱۲۰۰ھ) میں پیدا ہوئے ، جو اپنے والد کے جانشین ہوئے ، ان کے چھوٹے بھائی خان زمان خان تھے ۔ جو ۱۷۹۲ع (۱۲۰۶ھ) میں پیدا ہوئے ، یہ نہایت مدبر اور با وقار انسان تھے ، حضرت شاہ عبدالعزیز سے بیعت تھے ، خان زمان خان نے ۵۶ سال کی عمر میں ۱۸۵۵ع (۱۲۷۲ھ) میں وفات پائی ۔

خان زمان خان کے تین صاحبزادے تھے ۔ ہدایت اللہ خان ، حاجی عبدالشکور خان اور محمد تقی خان ۔

محمد تقی خان مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کے والد بزرگوار تھے جو ۱۲۵۳ھ (۱۸۳۷-۳۸ع) میں پیدا ہوئے ، انہوں نے بھیکم پور کے قریب موضع کھو لاؤلی میں ایک کوٹھی ، گڑھی تعمیر کرائی ، ایک پر بہار باغ لگوایا ۔ اس آبادی کا نام انہوں نے اپنے صاحبزادے مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کے نام پر "حبیب گنج" رکھا ۔ وہ قدیم تہذیب و وضعداریوں کا ایک نمونہ تھے اور اردو شاعری و ادب سے بھی خاص دلچسپی رکھتے تھے ۔ ان کی تصانیف میں "سراپا معشوق" نامی ایک کتاب موجود ہے ، جس کا قلمی نسخہ حبیب گنج لائبریری موجود ہے ۔

محمد تقی خان صاحب نے ۲۷ جون ۱۹۰۵ع (۱۳۲۳ھ) میں وفات پائی ۔

ولادت اور تعلیم :

مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کی ولادت ۲۸ شعبان ۱۲۸۳ھ (۵ جنوری ۱۸۶۷ع) میں صبح کے وقت اپنے آبائی قلعے بھیکن پور میں ہوئی ۔ مولانا کی تسمیہ خوانی پانچ سال کی عمر میں مولوی سید حسن شاہ رام پوری نے کرائی ۔ اس کے بعد ابتدائی تعلیم میں جن اساتذہ نے آپ کے جوہر کو نکھارا اور سنوارا ان میں میر فرزند علی مارہروی ، حکیم سلیم اللہ صاحب (کول) ، مولوی سید اکبر پشاوری ، مولوی غلام محمد صاحب پنجابی ،

Marfat.com

مولوی عبدالغنی صاحب فرخ آبادی[1] ہیں ۔ آخر میں علی گڈھ حاضر ہو کر انتہائی کتابیں مولانا لطف اللہ[2] سے پڑھیں ، صحیح بخاری کا بڑا حصہ شیخ حسین صاحب عرب بھوپالی[3] سے پڑھا ۔ "چہل حدیث" شاہ ولی اللہ

۱۔ مولانا عبدالغنی فرخ آبادی :۔ ولادت : ۱۲۶۰ھ (۱۸۴۴ع) ۔ نسب : ۵۱ واسطوں سے نواب الٰہ داد خان بنگش سے جا ملتا ہے ۔ بیعت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی ۔ عزیمت دکن بہمراہی مولانا لطف اللہ صاحب : ۱۳۱۲ھ (۹۵-۱۸۹۴ع) ۔ وفات ۱۳۳۵ھ (۱۷-۱۹۱۶ع) ۔ مدفن : علی گڑھ ۔ تصنیف : فارسی کے محاروں اور قواعد پر ایک کتاب "ارمغان" ہے ۔ (ماخوذ از دیباچہ خزینتہ المعانی ۔ دیباچہ نگار جناب عبدالحمید خان پروفیسر فارسی جامعہ عثمانیہ)

۲۔ مولوی لطف اللہ : ولادت : ۱۲۴۴ھ (۲۹-۱۸۲۸ع) مقام ولادت : پلکھنہ ۔ استاد : مفتی عنایت احمد کاکوروی ۔ سفر حیدر آباد دکن ۲۸ فروری ۱۸۹۵ع (۱۳۱۳ھ) اور وہاں مفتی عدالت العالیہ ہوئے ۔ دوران قیام حیدر آباد میں آنکھیں جاتی رہیں ، وہاں سے واپس وطن تشریف لائے یہاں بھی سلسلۂ درس جاری رہا ، پیر مہر علی شاہ بھی مولانا لطف اللہ کے شاگرد ہیں ۔ مولانا نے نوے سال کی عمر میں ۹ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ (۸ اکتوبر ۱۸۱۶ع) کو علی گڑھ میں وفات پائی ۔ (معارف ۔ جولائی ۱۹۵۰ع)

۳۔ شیخ حسین بن محسن الیمانی : ولادت : ۱۴ جمادی الاول ۱۲۴۵ھ (۱۸۲۹ع) بمقام حدیدہ ہوئی ۔ استاد : علامہ حسن ایدل ، علامہ محمد بن علی شوکانی کے صاحبزادے شیخ احمد سے اجازت حاصل کی ، لحیہ میں چار سال قاضی رہے ، پھر ترک وطن کر کے ہندوستان آ گئے آخر میں بھوپال میں مستقل سکونت اختیار کر لی ۔ صاحب نزہتہ الخواطر کا بیان ہے کہ وفات سے چار ماہ پہلے ایک ماہ لکھنؤ میں ٹھہرے ، پھر حبیب گنج مولانا شروانی کے بلانے پر تشریف لے گئے ۔ ۱۳۲۷ھ (۱۸۱۲ع) میں وفات پائی ۔ (نزہتہ الخواطر ۔ جلد ۸ ۔ ص ۱۱۱ - ۱۱۵)

Marfat.com

قاری عبدالرحمن پانی پتی[1] سے پڑھی - انگریزی کی تعلیم ماسٹر عبدالرشید خان صاحب علی گڑھی سے پائی ، پھر آگرہ کالج کے ہائی اسکول میں جماعت ہشتم میں داخلہ لیا - وہیں انگریزی ادب کی تعلیم بھی حاصل کی -

ابتداً اپنے چچا کی نگرانی میں معاملات ریاست سنبھالتے رہے - خود مولانا شروانی نے لکھا کہ بھیکن پور صبح جا کر کام کرتا تھا ، قبل دوپہر واپس آتا تھا - والد مرحوم کا بھی یہی طرز تھا -

وقف علی الاولاد :

۱۹۴۵ع (۱۳۶۵ھ) میں مولانا شروانی نے اپنی جائیداد ، حبیب گنج کی کوٹھی ، حبیب منزل ، باغات ، کتب خانہ اور اثاث البیت کو وقف علی الاولاد کر دیا -

اسی وقف نامے میں لکھا کہ کسی وقت میں میری اور میری اولاد مذکور کی اولاد اناث میں کوئی مرد باقی نہ رہے تو پھر تولیت جائیداد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ یا اس کے کسی قائم مقام ادارے کی طرف منتقل ہو جائے گی -

پھر لکھا کہ میری اولاد کے ختم ہونے اور مسلم یونیورسٹی کی تولیت میں آنے کے بعد اس کے منافع مذہبی و تعلیمی اغراض میں اس طرح صرف ہوں گے کہ ربع تعلیم دینیات مسلم یونیورسٹی میں اور ایک ربع امور خیر میں بقیہ دو ربع مسلم یونیورسٹی میں ٹیکنیکل کالج ، صنعتی تعلیم پر صرف کریں گے -

---

۱- قاری عبدالرحمن پانی پتی - مولانا مملوک علی نانوتوی سے کتب درسیہ پڑھیں ، پھر شاہ اسحاق صاحب سے استفادہ کیا - ۱۲۷۳ھ (۱۸۵۶-۵۷ع) تک باندہ میں سکونت پذیر رہے ، پھر اپنے وطن پانی پت میں آ کر مقیم ہوئے - ۵ ربیع الثانی ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶-۹۷ع) کو پانی پت میں وفات پائی - (نزہتہ الخواطر ، جلد ۸ - ص ۲۴۵ - ۲۴۶)

Marfat.com

امارت و درویشی :

مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی میں امارت و فقر کا ایک دلکش امتزاج تھا ، جو بہت کم لوگوں کو میسر آتا ہے ، وہ دراصل امیر خسرو کے اس شعر کے مصداق تھے ،

ع کمر بخدمت سلطان بہ بند و صوفی باش (امیر خسرو رح)

دولت و ثروت کے ساتھ روحانیت و معرفت کی لگن ان کو اپنے آبا و اجداد سے ورثے میں ملی تھی ، ان کے اجداد میں شیخ بیٹ ، ملا بٹنی ، شیخ خلیل بٹنی ، شیخ علی سرمست بٹنی ، ملا خضر بٹنی ، شیخ خضر شروانی کے بزرگانہ عظمت کے چراغ آج بھی تاریخ میں روشن ہیں ۔

وہ حضرت امیر خسرو کے نقش قدم پر تھے کہ انہوں نے اعلی حضرت میر عثمان علی خان والی حیدر آباد دکن کے دربار کی شاہانہ سطوت بھی دیکھی تھی اور اپنے آئینۂ قلب کو مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی[1] کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر تصوف و سلوک کے جلا سے بھی روشن کیا تھا ۔

مولانا شروانی نے اپنے شیخ سے اپنے عقیدت و محبت کے تاثرات کو قلم بند کرتے ہوئے ۲۰ رجب ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۸ع) کو لکھا کہ

۱- مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی بن محمد فیاض قصبہ ملاواں ضلع اناو کے قدیم رہنے والے تھے ، سلسلہ نسب مخدوم شیخ محمد ملاواں سے جا ملتا ہے ، خود مولانا فضل الرحمان نے مراد آباد میں جو قصبہ ملانواں سے تین کوس کے فاصلے پر ہے سکونت اختیار فرمائی ۔ آپ کی ولادت ۱۲۰۸ھ (۹۴-۱۷۹۳ع) میں ہوئی ، اساتذہ میں مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی ، میرزا حسن علی کبیر لکھنوی اور شاہ اسحاق دہلوی مشہور ہیں ۔ حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی اور شاہ غلام علی دہلوی سے ارادت و خلافت حاصل کی ۔ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ (۹۶-۱۸۹۵ع) میں گنج مراد آباد میں واصل الی اللہ ہوئے (تذکرہ علمائے ہند (اردو ترجمہ) ص ۳۷۹ - ۳۸۰)

Marfat.com

"میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں نے حضرت کا مرتبہ پہچان لیا ، لیکن یہ جانا کہ ہم میں اور ان میں سوائے ظاہری مشابہت کے اور کوئی مشابہت نہیں ۔۔۔۔۔ ع

ان کا انداز نظر اپنے زمانے سے جدا

دنیاوی جلسوں میں لفٹنٹ کے دربار دیکھے ، رؤسا کے مجمع دیکھے ، اہل علم کی مجلسیں دیکھیں مگر کہیں اپنے نفس کو اتنا بے حقیقت نہیں پایا ، اپنے اعمال ذمیمہ پر خود ملامت کرتا تھا اور اپنی بے مائیگی پر خود نفرین کن تھا[1]۔

مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کی سیرت کا عکس مولانا شروانی کی حیات میں نمایاں نظر آتا ہے ۔

پہلا قومی و تعلیمی کارنامہ

شروانی اسکول :

مولانا حبیب الرحمن خان شروانی اس نکتے کو خوب سمجھتے تھے کہ جب تک معاشرے میں جہالت کے اندھیروں کو دور کر کے علم کی روشنی کو نہ پھیلایا جائے گا ، خصوصاً بچوں میں ابتدا ہی سے دینی و مذہبی تعلیم کے شعور کو بیدار نہ کیا جائے گا ، اس وقت تک ملت صحیح معنی میں ترقی نہیں کر سکتی ۔ چنانچہ مولانا حبیب الرحمن خان نے اگست ۱۸۹۷ع (۱۳۱۵ھ) میں قصبہ چھرہ رفعت پور میں جاٹوں کے تعمیر کردہ قلعے میں شروانی اسکول کا افتتاح کیا ، جس کے ساتھ ایک دارالاقامہ بھی قائم کیا گیا ، جس کا مقصد مسلم و غیر مسلم طلبہ کو انگریزی تعلیم دینا اور مسلم طلبہ کے لئے مذہبی تعلیم کا انتظام کرنا تھا ۔ خود مولانا اس اسکول کے بانیوں میں تھے اور اس اسکول کے پہلے سکرٹری تھے ، لیکن افسوس ہے کہ چند سال بعد باہمی نا چاقیوں کی وجہ سے یہ اسکول ختم ہو گیا ۔

۱۔ مقالات شروانی ص ۱۹ - ۲۲ ۔

Marfat.com

مسلم ایجو کیشنل کانفرنس :

قدرت نے ابتدا ہی سے مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کو جذبۂ خدمت سے نوازا تھا ، وہ شروع ہی سے ہر اصلاحی ، تعلیمی اور تعمیری پروگراموں میں دلچسپی لیتے تھے۔ جب سر سید کے تعلیمی اور قومی کاموں کی دھوم مچی تو ان کی معاونت کے لئے آگے بڑھے ، لیکن ان کے مذہبی خیالات و افکار سے لاتعلق رہے ۔ سر سید سے ان کی ملاقات غالباً ۱۸۹۰ء سے کچھ پہلے ہوئی ۔ ۲۸ مارچ سنہ ۱۸۹۸ء (۱۳۱۶ھ) میں جب سر سید نے وفات پائی تو مولانا ان کی تجہیز و تکفین میں شریک ہوئے اور اس قائد کی وفات پر دلی رنج و غم کا اظہار کیا ۔

مسلم ایجو کیشنل کانفرنس کا پہلا اجلاس :

برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ کو جس تحریک نے علمی ، تالیفی و تصنیفی ، تاریخ و آثار ، سائنسی موضوعات ، مذہبی تعلیم کی اصلاح و کوشش سے سر سبز و شاداب کرنے کی کوشش کی وہ مسلم ایجو کیشنل کانفرنس ہے۔ اس کا پہلا اجلاس علی گڑھ میں ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء (۱۳۰۴ھ) میں بلایا گیا ۔ اس کے سالانہ اجلاس ملک کے مختلف شہروں میں ہوتے تھے اور اس اجلاس کا صدر کوئی معروف و مشہور شخص ہوتا تھا ۔ کانفرنس کا پہلا اجلاس مولوی سمیع اللہ خان کی صدارت میں ہوا ، سر سید نے اس اجلاس میں اپنا رزولیوشن پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ

لوگوں کا خیال ہے کہ پولیٹیکل امور پر بحث کرنے سے ہماری قومی ترقی ہوگی ، میں اس سے اتفاق نہیں کرتا ، بلکہ میں تعلیم کو اور صرف تعلیم ہی کو ذریعہ قومی ترقی سمجھتا ہوں ، ہماری قوم کو اس وقت بجز ترقی تعلیم کے اور کسی چیز پر کوشش کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ تعلیمی فروغ مولانا شروانی کی خاص دلچسپی کی تحریک تھی ۔ ۱۸۹۰ء میں مولانا شروانی آل پاکستان مسلم ایجو کیشنل کانفرنس کے لائف ممبر بنے۔ ۱۹۱۷ء (۱۳۰۸ھ) میں جوائنٹ سکرٹری اور (۱۹۲۱ء) ۱۳۴۰ھ میں اس کے سکرٹری منتخب ہوئے ، مولانا شروانی نے آخر حیات تک اس ادارے کو چلایا ۔ برصغیر کے گوشے گوشے میں اس کے جلسے کرائے اور خود بھی

Marfat.com

اس کے جلسوں میں بڑی پابندی سے شریک ہوئے اور نہایت مفید تحریکیں اس کے مختلف اجلاسوں میں پیش کیں ۔ سر سید کے بعد مولانا شروانی ہی نے کانفرنس کو حیات نو بخشی ۔

۱۳۷۰ھ (۱۹۵۰ء) تک مولانا بحیثیت سکرٹری کے کانفرنس کے کاموں میں سرگرم عمل رہے، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس نے ملت اسلامیہ میں جو خدمات انجام دیں وہ ہماری تعلیمی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں ۔ اس کانفرنس کا فیض برصغیر کے گوشے گوشے میں پہنچا ۔

سر شیخ عبدالقادر مرحوم نے کانفرنس کے ایک اجلاس میں جس کے وہ صدر بھی تھے مولانا شروانی کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ صاحبزادہ آفتاب احمد خان کے بعد اس کی ذمہ داری کا قرعہ فال نواب صدر یار جنگ[1] کے نام نکلا ۔ ان کی اسلامی محبت اور مسلمانوں کی مذہبی و علمی ترقی سے ان کی گہری دلچسپی آپ حضرات سے پوشیدہ نہیں ، ان ہی کی کوشش سے وہ روایات جو اس کانفرنس میں مخصوص تھیں قائم ہیں ۔

سنہ ۱۹۵۱ء (۱۳۷۱ھ) میں میرے محترم دوست جناب سید الطاف علی بریلوی نے جو آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے ایک سرگرم کارکن اور مولانا حبیب الرحمن خان اور مولوی طفیل احمد منگلوری کے تربیت یافتہ ہیں، پاکستان میں ان ہی قدیم نقوش پر آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کا سنگ بنیاد رکھا ۔ سید الطاف علی صاحب بریلوی نے سندھ مدرسہ کی تاریخی عمارت کے ایک چھوٹے سے کمرے میں ایک میز اور دو کرسیوں کے ساتھ نہایت ہی نامساعد حالات میں آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی ابتدا کی اور پاکستان میں تعلیمی بیداری کو اپنا نصب العین بنا کر تعلیمی جد و جہد کا آغاز کیا ، اس وقت یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ ننھا سا پودا ایک دن تناور درخت بن کر برگ و بار لائے گا - آج سر سید گرلس کالج کی شاندار عمارت ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی

۱- صدر یار جنگ ۔ ص ۳۹۵ ۔

Marfat.com

ریسرچ اکیڈمی کی تقریباً ایک سو مطبوعات ، دفتر آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی شاندار عمارت اور اس کا کتب خانہ ، سہ ماہی رسالہ العلم یہ سب سید الطاف علی صاحب بریلوی سکرٹری آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کی شاندار خدمات کی گواہ ہیں ۔

میں اس کو سر سید ، مولانا شروانی اور مولوی طفیل احمد منگلوری کا فیض سمجھتا ہوں کہ جن کے معنوی شاگرد نے ان چراغوں کی تعلیمی روشنی کو پاکستان میں بھی پھیلایا اور ایک زبردست تعلیمی تحریک کو کامیاب طور پر یہاں بھی چلایا ۔

میں سمجھتا ہوں کہ سید الطاف علی بریلوی اور مفتی انتظام اللہ شہابی مرحوم کے لئے یہ شعر ہمیشہ قابل فخر رہے گا جو ان کے حبیب گنج آنے پر مولانا شروانی نے ان کے متعلق کہا تھا :

کرم کردند الطاف و شہابی
ز لطف نور شد روشن روانم

ندوۃ العلماء :

جن تحریکوں سے مولانا شروانی کو غیر معمولی شغف رہا ۔ وہ تعلیم دینی کی درس گاہیں اور وہ تمام تحریکیں ہیں ، جن سے دین و ملت کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا تھا ۔

انھوں نے نہ صرف سر سید کی تحریک انجمن ترقی آردو سے دلچسپی لی ، بلکہ ندوۃ العلماء ، دارالعلوم دیوبند ، انجمن حمایت اسلام ، انجمن تبلیغ اسلام جیسی آن تمام تحریکوں اور اداروں میں غیر معمولی دلچسپی لیتے تھے ، جنھیں وہ ملت اسلامیہ کے لئے مفید سمجھتے تھے ۔ وہ ندوۃ العلماء کے بنیادی اراکین میں تھے اور تمام عمر وہ مجلس انتظامی کے رکن رہے ۔ اس کے سالانہ اجلاسوں میں بڑی پابندی سے شریک ہوتے تھے ان کے مختلف مقالے ان ہی اجلاسوں کی یادگار ہیں ۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ :

۱۸۹۷ء (۱۳۰۵ھ) میں سر سید نے خود تحریک کر کے مولانا شروانی

Marfat.com

کو محمڈن کالج کا ٹرسٹی بنایا ، وہ مسلم یونیورسٹی سے بھی بڑی دلچسپی رکھتے تھے ، یونیورسٹی کے قائم ہونے کے بعد مولانا شروانی شعبۂ اسلامک اسٹڈیز اور سنی تھیالوجی ڈیپارٹمنٹ کے ممبر مقرر ہوئے ، وہ مدت العمر یونیورسٹی کورٹ کے بنیادی رکن اور مجلس انتظامی یونیورسٹی کے دوامی رکن اور دوسرے اہم عہدوں پر فائز رہے -

۲۷ اکتوبر سنہ ۱۹۲۰ء (۱۳۳۹ھ) کو اسٹریچی ہال میں جب کہ نان کواپریٹرز کا پورا گروہ گاندھی جی کی رہنمائی میں محمڈن کالج کو نیست و نابود کرنے آیا تھا - مولانا شروانی نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ

> . . . . ہم سے کہا جاتا ہے کہ ترک موالات کرو ، ترک موالات کا فتوی کون دیتا ہے ؟ گاندھی ، کیا اسلام وہ مذہب ہے جس کو ہم مشرک سے سیکھیں ، نہ یہ ہمارا مذہب ہے ، نہ ہم اس کے لئے تیار ہیں کہ اپنا مذہب مشرک سے سیکھیں . . . . اسلام میں فرض دو قسم کے ہیں ایک فرض عین دوسرا فرض کفایہ اب ایک تیسرا فرض اور نکلا ہے اور وہ محمڈن کالج کے محدود رقبے کے طلبہ پر فرض عین ہے اور وہ یہ ہے کہ کالج چھوڑ دیں - اس طرح ایک نیا اسلام بنایا جاتا ہے

مولانا جب تک حیات رہے ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی خدمات میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور ہر مشکل موقع پر یونیورسٹی کا ساتھ دیا -

مولانا شروانی کا حیدر آباد دکن میں

صدرالصدوری امور مذہبی پر تقرر

مولانا انوار اللہ خاں ملقب بہ نواب فضیلت جنگ کی وفات سے امور مذہبی حیدر آباد دکن کا عہدہ صدر الصدوری خالی ہوا تھا - نواب میر عثمان علی خان نظام حیدر آباد دکن کی نظر انتخاب اس عہدۂ جلیلہ کے لئے مولانا شروانی پر پڑی ، مولانا نے اس عہدے کو دینی خدمت سمجھتے ہوئے قبول کر لیا -

Marfat.com

۲۸ شعبان ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ع) کو مولانا شروانی حیدر آباد دکن پہنچنے، ۲۹ شعبان کو اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں سے ملاقات کی۔ اور رمضان ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ع) کو عہدۂ صدر الصدوری کو زینت بخشی۔ دو محکمے، محکمۂ امور مذہبی و صدارت العالیہ ان سے متعلق کئے گئے، اور ان کو یہ اعزاز بھی بخشا گیا کہ صدارت العالیہ کو باب حکومت (کونسل وزراء) کے اختیار سے باہر رکھا گیا بلکہ اس کا تعلق براہِ راست ذات خسروی سے رکھا گیا۔ دکن میں مولانا شروانی نے جو علمی، معاشرتی اور دینی خدمات انجام دیں وہ اس قدر زائد ہیں کہ یہاں ان کی تفصیل کا موقع نہیں، لیکن ان خدمات کو اجمالاً ہم یہاں تحریر کرتے ہیں۔

اُردو کی پہلی یونیورسٹی کے پہلے وائس چانسلر :

یکم ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ع) کو جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کا افتتاح ہوا اور اس کے پہلے وائس چانسلر مولانا شروانی مقرر ہوئے۔ مولانا ہی نے جامعہ عثمانیہ میں آردو کو ذریعہ تعلیم بنایا، دارالترجمے کا قیام اور علوم و فنون کی مختلف زبانوں سے آردو تراجم مولانا ہی کی کوشش سے عمل میں آئے۔ بی۔ اے تک دینیات کی تعلیم لازمی مضمون قرار دیا گیا۔ مجالس میلاد نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو دکن میں مولانا نے غیر معمولی فروغ دیا، صدارت العالیہ سے مختلف گشتیوں کے ذریعے سرکاری طور غلط اوہام، رسم و رواج کو اور سماجی برائیوں کو دور کیا، اضلاع میں انجمن اسلامیہ رایچور کے تحت ہر ضلع اور تعلقہ و قصبات میں اس کی شاخیں قائم کی گئیں۔ تاکہ ہر مقام پر اسلامی تعلیمات کے مدارس قائم کئے جائیں، پھر مرکزی انجمن اسلامیہ کے لئے ایک بڑی خطیر رقم مبلغ پچاس ہزار روپے سالانہ کی منظور کی، امور مذہبی کی طرف سے واعظین کا تقرر کیا، حجاج کے قافلے کا خاص انتظام کیا، حفظ قرآن مجید کے لئے مدارس قائم کئے، مذہبی رسائل "ارشاد" و واعظ جاری کئے، مذبح کی نگرانی پر مُسلا مقرر کئے تاکہ ذبیحہ اسلامی طریقے پر ہو، خطبا و ائمہ و مؤذنین اور قاری النکاح کے لئے نصاب مقرر کیا گیا اور ان پر اس نصاب کی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔ غرض کہ انہوں نے اسلام کے مطابق

Marfat.com

محکمہ امور مذہبی و صدارت العالیہ میں اصلاح کر کے ان دونوں محکموں کو ایک نیا رنگ بخشا ، مولانا کی تحریک پر اعلیٰ حضرت نے مسجد نبوی کی مرمت کے لئے ، نو لاکھ تیس ہزار کی رقم سنہ ۱۹۳۲ع میں منظور فرمائی ۔ رمضان کے مبارک مہینے میں اس مہینے کی حرمت کا لحاظ نہ رکھنا مولانا ہی کی صدر الصدوری کے زمانے میں داخل تعزیرات و قابل سزائے جرمانہ ہوا ۔ نظام دکن اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خان نے ان کو ان کی خدمات جلیلہ پر " نواب صدر یار جنگ " کا خطاب دیا ۔

صدر الصدوری سے سبک دوشی :

تاریخ شاہد ہے کہ ملت اسلامیہ کو درباری سازشوں نے نہایت نقصان پہنچایا ہے ۔ چونکہ مولانا شروانی کا تعلق براہ راست اعلیٰ حضرت نظام دکن سے تھا ، اور وہ شاہانہ طبیعت میں بڑا اثر و رسوخ رکھتے تھے ، یہاں تک کہ ان کے کاغذات بغیر باب حکومت کے توسط کے براہ راست نظام دکن کے پاس پیش ہوتے تھے ، یہ بات درباری اور سرکاری حلقوں کے مزاج کے خلاف تھی ، سب سے پہلے انھوں نے کوشش کر کے نواب لطف الدولہ مرحوم کو صدر المہام امور مذہبی بنوایا، پھر نواب لطف الدولہ نے اس کی کوشش کی کہ صدر الصدور کے کاغذات بغیر توسط صدر المہام امور مذہبی پیش نہ ہوں ، اعلیٰ حضرت نے بعض قانونی مجبوریوں کی وجہ سے اسے منظور کر لیا ، کہا جاتا ہے کہ نواب لطف الدولہ اور صدرالصدور میں بعض باتوں کی وجہ سے اختلاف چلا آتا تھا ، یہ بات مولانا شروانی کے لئے ناگوار ہوئی اور اس امر نے ان کو دل شکستہ کر دیا ۔ آخر ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ (۱۳ اپریل ۱۹۳۰ع) کو مستعفی ہو کر اپنے وطن چلے آئے ۔ راستے میں یہ شعر کہا :

شاہباز ہمتم ربطے بدست شاہ داشت
خوش نکردہ بند دستِ دیگران پرواز کرد

مولانا شروانی تقریباً بارہ سال تک حیدرآباد دکن میں صدر الصدور رہے ۔

حج :

مولانا شروانی نے بزمانہ صدرالصدوری کو پہلا سفر حج کیا تھا ،

Marfat.com

دوبارہ عازم حج و مدینہ منورہ ہوئے ، حج کے بعد روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر حاضری دی ، مدینہ کے راستے میں یہ شعر کہا ۔

خوشا نصیب کہ حسرت چلا مدینے کو
نوید آنکھ کو ہو ، تہنیت ہو سینے کو

صدر الصدوری سے سبک دوشی کے بعد :

صدر الصدوری سے سبک دوشی کے بعد مولانا شروانی اپنے وطن حبیب گنج میں مقیم ہوکر ملتِ اسلامیہ کی خدمت مختلف اداروں کے ذریعہ کرتے رہے ، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس ، وقف کرنال ، مسلم یونیورسٹی ، ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد ، اسلامیہ اسکول اٹاوہ ، دارالمصنفین اعظم گڑھ ، دارالعلوم ندوہ العلماء ، انجمن حمایت الاسلام لاہور ، دارالعلوم دیوبند ، دائرہ المعارف حیدر آباد دکن ، مدرسۂ نظامیہ حیدر آباد ، غیر منقسم ہندوستان کے یہ تمام علمی ادارے مولانا کی شان دار علمی خدمات کے گواہ ہیں ۔

علم و فضل ، شعر و ادب :

مولانا شروانی کی شخصیت ہشت پہلو ہیرے کی طرح ہے جس طرح تابناک ہیرا ہر پہلو سے اپنی جوت جگاتا ہے ، مولانا شروانی بھی اپنے دور کی ان عظیم شخصیتوں میں سے تھے کہ علم و فضل کے اصناف کے جس گوشے سے بھی مولانا کو دیکھا جائے ، ان کی شخصیت بلند و بالا نظر آئے گی ، ان کی ذات میں ایک ایسی جامعیت ہے ، جو دوسرے لوگوں کا کم مقدر بن سکی ، امارت و ثروت کے ساتھ فقر ، تمول کے ساتھ علم و فضل ، شعر و ادب کے ساتھ زہد و اتقا ، ان مجموعۂ اضداد خوبیوں سے مولانا کی ذات آراستہ تھی ۔ ع :

اے تو مجموعۂ خوبی بہ چہ نامت خوانم

مولانا کے مسلمہ علم و فضل نے ان کو برصغیر کی سب سے بڑی اسلامی ریاست کے صدر الصدوری کے عہدۂ جلیلہ تک پہنچایا جو دینی اعتبار سے سب سے بڑا عہدہ تصور کیا جاتا ہے ۔

Marfat.com

مولانا عبدالباری ندوی نے ان کے علم و تقویٰ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے علم و تقویٰ اور امارت و ریاست کا اجتماع جیسا کہ مولانا شروانی میں دیکھا اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ۔

مولانا علی میاں سے جب پوچھا گیا کہ مولانا شروانی کی نمایاں شخصیت کا پہلو کون سا ہے ؟ فرمایا جامعیت ۔

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اپنے اشعار پر مولانا شروانی کے مشوروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھا کہ

مخدوم و مکرم خان صاحب ، السلام علیکم

آپ کا خط حفاظت سے صندوق میں بند کر دیا ہے ، نظر ثانی کے وقت آپ کی تنقیدوں سے فائدہ اٹھاؤں گا اگر آپ میری ہر نظم کے متعلق اس قسم کا خط لکھ دیا کریں تو آپ کا نہایت ممنون ہوں گا ۔

آپ کا اقبال - ۲۵ مئی سنہ ۱۹۰۲ع[1]

نثری ادب اور شاعری :

مولانا حبیب الرحمان خان شروانی صاحبِ طرز ادیب اور انشا پرداز تھے ، وہ اپنے اسلوب نگارش کی بنا پر اردو ادب میں بھی مستقل حیثیت کے مالک اور پائیدار زندگی کے مستحق ہیں ۔ اگرچہ مولانا شروانی اپنی تحریروں میں علامہ شبلی سے متاثر نظر آتے ہیں ، لیکن ان کا اسلوب اپنے تمام فاضلانہ تناسب اور آہنگ کے ساتھ ایک مخصوص اسلوب ہے جو اردو ادب میں ان کی تحریروں کو ثبت دوام بخشتا ہے ، وہ تعمیری انداز کے لکھنے والے ادیبوں کی صف اول میں ہیں ، ان کے جمال ادب کے یہ ٹکڑے آج بھی آنکھوں کو تازگی بخشتے ہیں ۔ غزل پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

عام طور پر شیخ سعدی[2] غزل کے مجتہد اول مانے گئے

۱- جمہور ، ص ٦٧

۲- شیخ سعدی :- ولادت : ٦٠۴ھ (۸-۱۲۰۷ع) - وفات : ٦٨۴ھ (۹۵-۱۲۹۴ع) - مدفن : سعدیہ شیراز - (کارنامۂ بزرگان ایران ، ص ۲۵۸ تا ۲٦۰) -

Marfat.com

ہیں ، تلاش اس کو غلط ثابت کرتی ہے ، تقدم کا شرف خواجہ سنائی غزنوی[1] کو حاصل ہے ، ان کے معاصر خاقانی[۲] اور انوری[۳] کی غزل قصیدے کا اترا ہوا خاکہ ہے ، لیکن خواجہ کی غزل میں وہ صفائی اور سلاست ہے جو آگے چل کر حافظ اور سعدی کا حصہ ہو گئی - یہ ضرور ہے کہ سعدی سے پہلے غزل قصیدے سے د.بی ہوئی تھی ، شیخ کے زور طبع نے اس کو اتنا بلند کر دیا کہ اس نے قصیدے کو دبا لیا ، امیر خسرو نے سوز و گداز کو چمکایا ، حسن دہلوی نے لطافت سے اس کا حسن دوبالا کیا . . . خاتمۃ الباب شیخ علی حزین ہیں[۴] -

اُردو غزل پر اظہا خیال کرتے ہوئے غزل کی حقیقت کو دلکش انداز میں بیان کرتے ہوئے غزل کو نظم پر اس طرح ترجیح دیتے ہیں اور آردو غزل کی کوتاہیوں کے اسباب کا تجزیہ کرکے ان کے دور کرنے کی راہیں واضح کرتے ہیں -

غزل کو ایک ایسی کیاری تصور کیجیے ، جس میں رنگ رنگ کے خوش نما پھول کھلے ہوئے ہوں اور ہر پھول کی دل فریبی دامن دل کو اپنی طرف کھینچتی ہو ، جو لطف خاص ان کیاریوں کے دیکھنے سے حاصل ہوگا وہ ان کیاروں کے نظارے سے نہیں ہوگا ، جن میں ایک ہی طرح کے پھول ہوں ، تفنن انسان کی زندگی کو گوارا

۱- حکیم سنائی غزنوی :- ولادت : ۴۷۳ھ (۸۱-۱۰۸۰ع) - وفات : ۵۴۵ھ (۵۱-۱۱۵۰ع) - مدفن : غزنی -

۲- خاقانی :- ولادت: ۵۲۰ھ (۲۷-۱۱۲۶ع) -وفات: ۵۹۵ھ (۹۹-۱۱۹۸ع) - مدفن: مقبرۂ الشعرا تبریز - (کارنامۂ بزرگان ایران ، ص ۲۰۶ و ۲۰۷ -

۳- انوری :- ولادت : چھٹی صدی ہجری - وفات : ۵۸۷ھ (۹۲-۱۱۹۱ع) کارنامۂ بزرگان ایران ، ص ۱۹۲) -

۴- ماخوذ از مقالات شروانی ، ص ۷۸ و ۷۷ -

Marfat.com

رکھنے کا ایک ذریعہ ہے ۔

غزل میں چار چیزیں ہو سکتی ہیں ، مضمون ، خیال ، طرز ادا ، زبان اور طرز ادا بس ان ہی دو میدانوں میں آردو کے جوہر کھلتے ہیں ، اور سچ یہ ہے کہ ان کی آب و تاب دیکھ کر جوہری حیران و ششدر رہ جاتے ہیں . . . آردو شاعری کو مربی نہ دہلی میں ملا نہ لکھنؤ میں ، دربار دہلی میں سخنوری تھی ، حوصلہ پیدا کرنے کا ساز و سامان نہ تھا ، لکھنؤ میں دولت تھی ، دماغ سخن نہ تھا . . . قصہ مختصر اسباب جو کچھ ہوں ، آردو غزل میں خیال بہت محدود اور کمزور ہے ہے اور اس کو وسعت اور ترقی دینے کی ضرورت ہے[1]۔

اسلامی آرٹ کے متعلق مولانا نے مسلم یونیورسٹی گزٹ میں ۳ دسمبر سنہ ۱۹۲۴ع کو لکھا کہ

اسلامی آرٹ کا مفہوم بھی تفصیل طلب ہے ، سب سے بڑا اسلامی آرٹ وہ حسین زندگی ہے ، جو عالم انسانی میں خالق جمیل کے جمال کامل کے پرتو سے جلوہ فرما ہوئی ، اسلام ہی نے مخلوق کو بلاواسطہ خالق کے سامنے بٹھا کر یہ حسن و زیبائی زندگی میں پیدا کی ، حبیب کبریا (روحی فداہ) کی حیات طیبہ حسن و جمال سے لبریز ہے اور اسلامی آرٹ کا اعلیٰ و اشرف نمونہ ہے . . . .

مولانا بحیثیت ناقد و مبصر کے :

مولانا شروانی کا دامن خود بھی علم و فضل کے جواہر سے مرصع و زر نگار تھا اور دوسروں کے علمی جواہر ریزوں کے پرکھنے کی صلاحیت اپنے اندر رکھتے تھے ۔ دوسروں کی تالیف و تصنیف پر مولانا کے تبصرے اور دیباچے اس کے شاہد عادل ہیں ۔

۱- صدر یار جنگ ، ص ۳۰۱ ۔

Marfat.com

مولانا شروانی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی تنقیدیں اور تبصرے جہاں ان کے گہرے مطالعے کو سامنے لاتی ہیں ، وہیں یہ تبصرے ادب میں ان کے انفرادی اسلوب کی بھی عکاسی کرتے ہیں ۔ عرفی کے دیوان پر تبصرہ کرتے ہوئے رباعی کے متعلق لکھا کہ

"رباعیوں کا وزن مخصوص ہے ، زبان مخصوص ، خیال پورا ہو ، نادر ہو ، توحید ، حکمت یا عشق کا نچوڑ اس میں ہو ، ان قیود کے ساتھ چاروں مصرعے باہم ایسے مربوط ہوں کہ ایک پھول کی چار پنکھڑیاں معلوم ہوں ، قلم شکن یہ کہ چوتھا مصرعہ کڑی کماں کا تیر بن کر نکلے جو دل پر جا بیٹھے ۔ خلاصہ یہ کہ ہر صنف سخن کی جان رباعی میں کھپانی پڑتی ہے ، غزل کی تڑپ ، قصیدے کی متانت ، مثنوی کا تسلسل ، رباعی کا مخصوص اختصار میدان سخن کو تنگ کرکے اشہب قلم کی کمر توڑ دینا ہے ۔ حاصل کلام ، عطر سخن رباعی ہے ، نیشا پور کے میخانۂ قدیم میں ایک پیر میکدہ خیام تھا ، جس کے جام میں حکمت کا امتزاج ہوا اس امتزاج سے نشہ دوبالا ہو کر جو رنگ لایا اس کی جھلک اس بادۂ شیراز میں ہے"۔

از آں افیون کہ ساقی در مے افگند
حریفاں را نہ سرماند نہ دستار[1]

رباعی کی ایسی بلیغ تعریف جو مولانا شروانی نے کی ہے اردو ادب میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی ، رباعی کے حسن کو مولانا نے ان چند سطور میں منتقل کرکے دریا کو کوزے میں سمو دیا ہے ۔

شاعری :

مولانا شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے ، ابتداً "وامق" تخلص کیا ، بعد میں حسرت تخلص اختیار کیا ۔ اردو شاعری میں مفتی امیر مینائی سے

۱۔ مقالات شروانی ، ص ۲۱۶ ۔

Marfat.com

مشورۂ سخن کرتے تھے ، اس کے بعد ان کے تلمیذ خاص حافظ جلیل حسن جلیل مانکپوری سے مشورۂ سخن کرتے رہے -

"کاروان حسرت" ان کا اردو مجموعۂ کلام ہے ، ہم ان کے چند اردو کے اشعار تبرکاً "کاروان حسرت" سے دیتے ہیں ، جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ انہوں نے اردو غزل کو ایک نیا رنگ روپ دیا ہے - فرماتے ہیں -

کچھ نہ دیکھی ہم نے تاثیر فغاں
روتے روتے اک زمانہ ہو گیا

پھول فرقت میں تری خار ہوئے جاتے ہیں
ہلکے پھلکے ہیں مگر بار ہوئے جاتے ہیں

گئے وہ دن کہ اپنا آشیاں تھا صحن گلشن میں
قفس سے جھانک لیتے ہیں کبھی اب تو گلستاں کو

خوشا وہ باغ مہکتی ہے جس میں بو تیری
خوشا وہ دشت کہ جس میں ہو جستجو تیری

چمپئی رنگ کی یہ آب و تاب
جیسے برسات میں شفق پھولے

رواں ہے قافلۂ عمر تیز گامی سے
کہاں ٹھہرتا ہے یہ کارواں نہیں معلوم

مولانا کو فارسی شاعری سے گہرا تعلق تھا ، وہ فارسی ادب کے والا و شیدا تھے ، مولانا کے فارسی دیوان کا نام "بوستان حسرت" ہے - علامہ اقبال اور میر غلام بھیک نیرنگ نے ان کے ذوق شاعرانہ اور علوئے تخیل کی داد

Marfat.com

دیتے ہوئے ۲۲ مارچ سنہ ۱۹۰۲ع کو ایک خط میں مولانا شروانی کو لکھا

سبحان اللہ عجب لطیف و گرم کلام واقع ہوا ہے فارسی
اردو سے بہتر ، اردو فارسی سے بڑھ کر

مولانا شروانی کے چند شعر فارسی کے بھی سنتے چلیے ۔ فرماتے ہیں

حدیث دوست بگوشم رسد ز پردۂ دل
حکایت نئے و صوت رباب را چہ کنم

نہ کردہ جلوہ بتِ شوخ و باختم دل و دیں
اگر بر افگند از رخ نقاب را چہ کنم

ماہ دو ہفتہ ظلمت ھجران نمی بود
عالم فروز شمع شبستانم آرزوست

رہروانِ شوق از ما سالہا آرند یار
نقشہا انگیخت در راہ محبت گام ما

عشق را ہر دم تمنائے دگر
حسن محو ذوق شان دیگر است

پرسشِ درماں ، دلِ ما خوش نکرد
درد را لطف نہانے دیگر است

علامہ سے خلوص و محبت :

شیخ عطاء اللہ نے جب علامہ کے خطوط کا مجموعہ اقبال نامہ کے نام سے مرتب کیا تو مولانا شروانی نے اس پر مقدمہ لکھ کر اپنے خلوص و محبت کا حق ادا کیا ۔

اس مقدمے میں مولانا نے علامہ اقبال سے اپنے قدیم نقش محبت کو جلی کرتے ہوئے اپنی ابتدائی ملاقات کا تذکرہ لکھا ہے کہ

Marfat.com

شیخ (شیخ عبدالقادر) کی خانقاہ اُردو ادب کے اہل ذوق کا مرجع بنی ہوئی تھی ، اقبال ، نیرنگ ، احمد حسن مصنف ، خود شیخ ، یہ اربعہ عناصر ذوق ادب کے وہاں جمع ہوتے ، مجھ کو اس صحبت میں ان احباب کو دیکھنے ، ملنے اور ان سے خصوصیت حاصل کرنے کا موقع ملتا رہا ۔

انجمن کی مجالس میں اقبال و نیرنگ کی نظمیں سنیں اور ان کے ترنم سے لطف اندوز ہوا ، غرض یہ تقریب تھی سر اقبال کی ملاقات و خصوصیت کی ، ذوق ادب نے تعلقات میں خصوص پیدا کیا ، خط و کتابت جاری رہی ، وہ خط و کتابت کیسی تھی اس کو میں نہ لکھوں گا ۔ میرے نام کے خطوط جو شامل مجموعہ ہذا ہیں خود بتا دیں گے[1] ۔

وفات :

۲۶ شوال ۱۳۶۹ھ (۱۱ اگست سنہ ۱۹۵۰ع) کو ایک ہفتہ علیل رہ کر حبیب گنج کا یہ آفتاب علم و فضل ، یہ ماہتاب شعر و ادب غروب ہو گیا ۔ وفات سے کچھ قبل اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ میاں بس ایک ہی راہ ہے ۔ یعنی سنت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی راہ ۔ مولانا کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ

آخر عمر میں تسبیح و درود میں بڑی کثرت تھی اور ذکر کی یہ کیفیت تھی کہ مرتے دم بھی قلب جاری اور ذاکر تھا[2]۔

مولانا شروانی ۸۳ سال تک گلشن علم و ادب کی آبیاری کرتے رہے ۔

۱۔ مقدمہ اقبال نامہ حصہ اول ۔ مرتبہ شیخ عطاء محمد ایم ۔ اے ۔ ص ، ک۔
۲۔ صدر یار جنگ ۔ ص ۲۲۲ - ۲۲۳ -

Marfat.com

مولانا نے علم و ادب کی جو خدمات انجام دیں وہ ہمیشہ اہل علم کے قلب میں ان کے نام کو روشن رکھیں گی ، موت حیات کا دروازہ ہے ، مولانا کی تعلیمی ، ادبی ، معاشرتی اور اصلاحی خدمات ایک ایسا درس ہیں ، جو ہر شخص کو یاد دلاتا ہے کہ

ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو ۔

اولاد :

مولانا شروانی کی پہلی شادی ۹ جون سنہ ۱۸۹۳ع کو ان کے بزرگوار چچا حاجی عبدالشکور خان کی صاحبزادی سے ہوئی ۔ ان کے بطن سے تین صاحبزادے تولد ہوئے ، مولوی محبوب الرحمن عرف بنے میاں ، حاجی عبیدالرحمن خان ، عزیز الرحمن خان ۔

دوسری شادی محمد عابد خان شروانی رئیس بھیکن پور کی بہن اتقیا بیگم سے ہوئی ، ان سے ایک صاحبزادے مولوی مسعود الرحمن پیدا ہوئے ۔

تیسری شادی مولانا شروانی کے استاد مولانا عبدالغنی خان صاحب فرخ آبادی کی صاحبزادی سے ہوئی ، لیکن ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ۔

تصانیف :

مولانا کی جو تصانیف منظر عام پر آ چکی ہیں ، ان کے نام یہ ہیں ۔

(۱) تذکرۂ بابر (۲) علمائے سلف (۳) نابینا علمأ (۴) استاذ العلماؑ (۵) تبصرہ بر تاریخ خطیب بغدادی (۶) فقہ حنفی (۷) اسلامی اخلاق (۸) سیرۃ الصدیق (۹) مسلمانوں کی قدیم تعلیم کا نصب العین (۱۰) حالات حزین (۱۱) قرہ العین (۱۲) ذکر محبوب (۱۳) سر سید کی یاد (۱۴) مقدمہ مثنوی مجنون و لیلی (امیر خسرو) (۱۵) مقدمہ تذکرہ میر حسن (۱۶) مقدمۂ نکات الشعرأ (۱۷) خطبۂ صدارت (۱۸) احکام اسلام کی پابندی کا اثر عمر و صحت پر (۱۹) نقش وفا (۲۰) رسائل سیرت (نبوی) (۲۱) مقالات شروانی[1]

۱- ہم مولانا شروانی کے حالات میں مولانا شمس تبریز خان کے ممنون ہیں کہ یہ حالات اور اس کے اکثر اقتباسات ان کی گراں قدر تالیف صدر یار جنگ سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

(۲۴)

مولانا سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ

علامہ اقبال کا تاثر :

مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ استاد الکل ہیں اقبال آپ کی تنقید سے مستفید ہو گا۔

(اقبال نامہ ۔ حصہ اول ۔ مکتوب اقبال بنام سید سلیمان ندوی ۔ ۲۸ اپریل ۱۹۱۸ء)

آپ نے بڑا کام کیا ہے ، جس کا صلہ قوم کی طرف سے شکر گزاری کی صورت میں مل رہا ہے اور دربار نبویؐ سے نہ معلوم کس صورت میں عطا ہو گا۔

(مکتوب اقبال بنام سید سلیمان ندوی ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء اقبال نامہ ، جلد اول ص ۱۱۲)

علوم اسلام کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے۔

(مکتوب اقبال بنام سید سلیمان ندوی ۴ ستمبر ۱۹۳۳ء ۔ اقبال نامہ ۔ حصہ اول ۔ ص ۱۶۵)

آپ کا وجود ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے از بس ضروری ہے اور مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا ہے ، تاکہ وہ

Marfat.com

دیر تک آپ کے علوم سے مستفیض ہوتے رہیں ۔

(مکتوب اقبال بنام سید سلیمان ندوی
۲ اگست ۱۹۳۶ء ۔ اقبال نامہ ۔ حصہ اول ۔ ص ۱۹۷)

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ جو کام کر رہے ہیں وہ امت مسلمہ کے لیے از بس مفید ہے . . . آپ قلندر ہیں مگر وہ قلندر جس کی نسبت اقبال نے یہ کہا ہے :

قلندران کہ براہِ تو سخت می کوشند
ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند

بجلوت اند کمندے بہ مہر و مہ پیچند
بخلوت اند و زمان و مکان در آغوشند

در این جہان کہ جمال تو جلوہ ہا دارد
ز فرق تابقدم دیدہ و دل و گوش اند

بروز بزم سراپا چو پرنیان و حرید
بروز رزم خود آگاہ و تن فراموشند

آپ اس جماعت کے پیش خیمہ ہیں ، اس جماعت کا دنیا میں عنقریب پیدا ہونا قطعی اور یقینی ہے ۔ باقی جس راہ پر آپ اس سے پہلے قدم زن تھے اس کے متعلق انشاءُ اللہ بوقت ملاقات گفتگو ہو گی ، ہندوستانی نیشلزم کی انتہا یہی تھی ۔

(مکتوب اقبال بنام مولانا سید سلیمان ندوی
مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۲۳ء اقبال نامہ حصہ اول ۔ ص ۱۳۹ ۔ ۱۴۰)

مخدومی ۔ السلام علیکم

آپ اپنے نوازش نامے کی طوالت کی عذر خواہی کرتے ہیں مگر میرے لیے یہ طویل خط باعثِ خیر و برکت ہے ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے ، میں نے اسے کئی دفعہ پڑھا اور گزشتہ رات چوہدری غلام رسول مہر سے

Marfat.com

پڑھوا کر سنا اور احباب بھی اس مجلس میں شریک تھے اگر میری نظر اس قدر وسیع ہوتی جس قدر آپ کی ہے تو مجھے یقین ہے کہ میں اسلام کی کچھ خدمت کر سکتا ۔ فی الحال انشاءؒ اللہ آپ کی مدد سے کچھ نہ کچھ لکھوں گا ۔

(مکتوب اقبال بنام سید سلیمان ندوی
مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۲۶ء اقبال نامہ حصہ اول ۔ ص ۱۵۱ - ۱۵۲)

مولانا سید سلیمان ندوی کی علامہ اقبال سے خلوص و محبت :

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن نے معارف کے سلیمان نمبر میں اپنے مضمون میں علامہ اقبال سے ان کی عقیدت و محبت کو بیان کرتے ہوئے لکھا کہ

" اپنے معاصرین اہل علم میں ڈاکٹر اقبال سے بڑا گہرا لگاؤ رکھتے ، نجی مجلسوں میں کہا کرتے کہ عالم اسلام میں ایک عرصے کے بعد ڈاکٹر اقبال جیسا مفکر اعظم پیدا ہوا ہے ان کو موحد خالص ، رسول کا شیدائی ، دین کامل کا علم بردار ، فلسفۂ اسلام کا ترجمان ، اور تجدید ملت کا طلب گار کہا کرتے تھے ۔ جب ان کی رحلت کی خبر ملی تو معارف میں بڑا درد ناک ماتم کیا ۔ جس کے بعض ٹکڑے یہ ہیں :

صفر کی انیسویں اور اپریل کی اکیسویں کی صبح کو عمر کی اکسٹھ بہاریں دیکھ کر اور شاعری کی دنیا میں چالیس برس چہچہا کر یہ بلبل ہزار داستان اب ہمیشہ کے لیے خاموش ہو گیا ، وہ ہندوستان کی آبرو ، مشرق کی قوت اور اسلام کا فخر تھا ، آج دنیا ان ساری عزتوں سے محروم ہو گئی اور ایسا عارف فلسفی ، عاشق

Marfat.com

رسولؐ ، فلسفۂ اسلام کا ترجمان اور کاروان ملت کا حدی خواں صدیوں کے بعد پیدا ہوا ، جس کے ذہن کا ہر ترانہ بانگ درا ، اس کی جان حزیں کی ہر آواز زبور عجم ، اس کے دل کی ہر فریاد پیام مشرق ، اس کے شعر کا ہرپر پرواز بال جبریل تھا ، اس کی فانی عمر گو ختم ہو گئی لیکن اس کی زندگی کا ہر کارنامہ جاوید نامہ بن کر انشأ اللہ باقی رہے گا ، امید ہے کہ ملت کا یہ غم خوار شاعر عرش الٰہی کے سائے میں ہو گا اور قبول و مغفرت کے پھول اس پر برسائے جا رہے ہوں گے ۔
خداوندا ! اس کے دل شکستہ کو جو ملت کے غم سے رنجور تھا ، غم خواری فرما اور اپنی ربانی نوازشوں سے اس کے قلب حزیں کو مسرور کر[1]۔

ہم نے یہ اقتباسات علامہ کے خطوط اور معارف سے دئیے ہیں ، جو دونوں کی محبت ، خلوص ، فرق مراتب اور عظمت بزرگانہ کے آئینہ دار ہیں ، دونوں اعظم رجال میں ہیں ، دونوں آفتاب و ماہتاب ہیں ، ایک نے اپنے نغموں سے ملت اسلامیہ کی خودی کو جگایا ہے ، دوسرے نے اپنی نثر سے امت مسلمہ کو تزکیۂ نفس کی راہیں دکھائی ہیں ، ایک علوم دینی اور تاریخ اسلام کی معلومات کا گنج گراں مایہ ہے دوسرا فکر و شعر کی دولت سے مالا مال ہے ۔ گو ماہتاب آفتاب سے کسب نور کرتا ہے ، لیکن دونوں کا مقصد ایک ہے ، دونوں کی منزل ایک ہے ۔ دونوں ایک راہ کے راہی ہیں ۔ دونوں ملت اسلامیہ کے سچے خدمت گزار ، دونوں صدق دل سے ملت اسلامیہ کی سر بلندی کے طالب ، ایک علم کے تخت سلیمانی پر جلوہ فگن نظر آتا ہے ۔ دوسرا اقلیم سخن کا تاجدار ہو کر بھی علم کے اس بحر بے کنار سے اپنی تشنگی دور کرتا ہے ، اگر ایک علم کے دریا سے صدف نکالتا ہے تو دوسرا ان گوہروں کو شاعری سے آبدار کر کے گوہر کو خذف سے ممتاز بناتا ہے ۔

۱- معارف : سلیمان نمبر بابت ماہ مئی ۱۹۵۵ع - ص ۶۴ - ۶۵

Marfat.com

تم میں ہم اور ہم میں تم گم ہو گئے
ہوتے ہوتے ایک ہم تم ہو گئے

یہ ہے وہ تاثر جو ہمیں علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے مکاتیب کے ٹکڑوں سے اور مولانا سید سلیمان کے اس مقالے سے جو مولانا نے ان کی وفات پر لکھا تھا جس کو ہم ابتدأً میں نقل کر آئے ہیں ہمیں ملتا ہے۔

حالات :

خاندان - ولادت :

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۲۳ صفر بروز جمعہ ۱۳۰۲ھ (۲۲ نومبر ۱۸۸۴ع) کو دیسنہ ضلع پٹنہ بہار میں ہوئی ، یہ بڑا مردم خیز گاؤں ہے ، اس سر زمین سے بہت سے علماء اتقیا اور صوفیہ پیدا ہوئے ، آپ کے دادا مولوی محمد شیر معروف بہ حکیم میر مہدی تھے ، ان کی تصانیف میں " نور محمدیہ" اور طب میں "قرابادین مہدی" اور "مخزن الحکمۃ العلیا" ہیں ۔

مولانا سلیمان ندوی کے والد محترم کا اسم گرامی سید ابوالحسن ہے جو اپنے دور کے بڑے ماہر طبیب تھے ۔ دادا نے شفیق پوتے کا نام انیس الحسن اور کنیت ابو نجیب رکھی لیکن ایک رنگونی تاجر سلیمان نا خدا کا ایک تجارتی جہاز تجارتی سامان لے کر خلیج بنگال میں داخل ہوا ، جس کی دھوم مچ گئی ، مولانا کے والد اور گھر والوں نے لاڈ پیار سے کہا کہ ہمارا سلیمان تو یہ ہے ، یہاں تک کہ سلیمان ، انیس پر غالب آیا اور سب لوگ آپ کو سلیمان پکارنے لگے ۔

ندوی کی نسبت :

اتفاق دیکھئے کہ اس زمانے میں پانچ سلیمان تھے ، جنھیں غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل تھی ، اس التباس نے مولانا کو اپنے نام کے ساتھ لاحقے پر مجبور کیا ۔ آپ نے ابتداً اپنے نام کے ساتھ دینوی کا اضافہ کیا ، لیکن یہ نسبت زیادہ دن نہ چل سکی اور آپ نے ندوی کی نسبت

Marfat.com

استعمال کی[1]۔

ابتدائی تعلیم :

مولانا نے بالکل ابتدائی تعلیم خلیفہ انور علی اور پھر مولوی مقصود علی اکھدوی سے حاصل کی ، فارسی کی ابتدائی کتابیں ختم کر لینے کے بعد عربی میں میزان و منشعب اپنے بڑے بھائی مولوی ابو حبیب سے پڑھیں ، حضرت مولانا اسماعیل شہید کی مشہور کتاب تقویۃ الایمان بھی اپنے بھائی سے سنی تھی ، آپ کے بھائی جو کچھ اس کی تشریح کرتے اس کو غور سے سنتے اور دل میں بٹھا لیتے ، چنانچہ مولانا نے اس کتاب کے متعلق اپنے تاثر کو قلم بند کرتے ہوئے لکھا کہ

> "یہ پہلی کتاب تھی جس نے مجھے دین حق کی باتیں سکھائیں"۔

اپنے برادر بزرگ سے تعلیم پانے کے بعد مولانا اپنے والد کی خدمت میں گئے جو اس زمانے میں اسلام پور میں رہتے تھے ۔ وہاں سے ۱۸۹۹ع (۱۳۱۷ھ) میں پھلواری شریف پٹنہ آئے ، یہاں ایک سال خانقاہ مجیبی میں رہ کر مولانا محی الدین سجادہ نشین پھلواری شریف سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں ۔ یہیں وہ ذوق علم و ادب جو قدرت نے آپ کی فطرت میں ودیعت کیا تھا ظہور پذیر ہونا شروع ہوا ، خود مولانا نے تحریر فرمایا ہے کہ

> "یہاں خانقاہ میں ہر ہفتے قوالی ہوتی تھی ، اس کے اثر سے اس قصبے میں شعر و سخن کا چرچا تھا ، میں نے بھی اسی فضا میں سانس لی ، اور یہیں سب سے پہلے مولوی عبدالحلیم شرر کا "منصور موہنا" دیکھا ۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ جس وقت کتاب ختم کی ، پھوٹ پھوٹ کر رویا ۔

۱۔ نام کی یہ تفصیل تذکرۂ سلیمان (جناب غلام محمد صاحب ۔ بی ، اے عثمانیہ ۔ صفحہ ۳۱ - ۳۳ سے ماخوذ ہے ۔)

Marfat.com

اردو ادب کی جس کتاب نے اپنا ابتدائی نقش مولانا کے دماغ پر قائم کیا وہ مولانا عبدالحلیم شرر کا ادب تھا ، اس وقت مولانا کی عمر سترہ سال کی تھی - پھلواری ہی کے قیام کے زمانے میں شاہ سلیمان پھلواری سے بھی منطق کے ابتدائی دوچار سبق لیے -

مدرسہ امدادیہ در بھنگہ :

پھلواری سے آپ مدرسہ امدادیہ در بھنگہ آئے اور اس مدرسے میں بھی چند مہینے تعلیم پائی -

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ :

۱۹۰۱ع (۱۳۱۹ھ) میں کاروان تلمذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں رونق افروز ہوا ، اسی درسگاہ میں صحیح معنی میں طالب کو مطلوب ملا ، اسی گہوارۂ علمی میں ان کا علمی و ادبی ذوق پروان چڑھا ، یہیں ان کے علم و فضل نے ان کو آئندہ چل کر منتہائے کمال پر پہنچایا ، اسی ادارہ علمی میں ان کے ذوق شعر و سخن پر رعنائی آئی ، یہیں سے انھیں قلم کی دولت ملی ، جس سے انہوں نے چمنستان شعر و ادب ، تاریخ اور سیرت میں وہ پھول کھلائے کہ سارا ہندوستانی ان کی خوشبو سے مہک اٹھا -

استاد الکل علامہ شبلی کے سایۂ عاطفت میں :

۱۹۰۵ع (۱۳۲۳ھ) میں علامہ شبلی ندوۃ العلماء لکھنو کے معتمد ہو کر آئے تو مولانا شبلی کی نگاہ جوہر شناس نے مولانا سید سلیمان ندوی کے استداد و قابلیت کو آنک لیا - استاد کی غیر معمولی شفقت و تربیت اور مولانا سید سلیمان ندوی کی بے پایاں ذہانت و طباعی نے مولانا کو اس درجے پر پہنچایا کہ ۱۹۰۴ع (جمادی الثانی ۱۳۳۲ھ) میں جب الندوہ نکلا تو علامہ شبلی نے اس کی دیکھ بھال مولانا کے سپرد کی ، جب ۱۹۰۷ع (۱۳۲۵ھ) میں مولانا ندوۃ العلما کی تعلیم سے فارغ ہوئے تو علامہ شبلی نے ان کو رسالہ الندوہ کا سب ایڈیٹر بنا دیا -

مولانا کے جوہر قابل کو نکھارنے اور سنوارنے میں جہاں سب سے بڑا حصہ علامہ شبلی کا تھا وہیں ندوۃ العلماء کے دوسرے اساتذہ کو

Marfat.com

بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ، مولانا نے مولانا محمد فاروق چڑیا کوئی سے جو علامہ شبلی کے بھی استاد تھے منطق ، فلسفہ اور عربی ادب کی تعلیم حاصل کی ، علمِ حدیث اور ہیئت کی تکمیل مولانا حفیظ اللہ ، مدرس اول سے ، علم فقہ کی تعلیم مفتی عبداللطیف سے حاصل کی ۔ علامہ نے ۱۹۱۲ء (۱۳۳۱ھ) کے اجلاس میں مولانا سید سلیمان ندوی کے متعلق فرمایا کہ :

" ندوہ نے کیا کیا ، کچھ نہیں کیا ، صرف ایک سلیمان کو پیدا کیا تو یہی کافی ہے ۔

سعادت عظمیٰ

سیرۃ النبیؐ کی تالیف :

۱۹۱۱ء (۱۳۲۹ھ) میں علامہ شبلی نے سیرۃ النبیؐ کی تدوین و ترتیب کا شعبہ قائم کیا تو مولانا سید سلیمان ندوی کو اس کا لٹریری اسسٹنٹ مقرر فرمایا ۔

الہلال کی ادارت :

۱۹۱۲ء (۱۳۳۱ھ) میں مولانا ابوالکلام آزاد نے کلکتے سے الہلال نکالنا شروع کیا تو مولانا کو اس کی ادارت میں شامل ہونے کی دعوت دی ، سید سلیمان ندوی اس کے اسٹاف میں شامل ہو گئے لیکن بعض وجوہ سے ایک سال کے بعد الہلال کی ادارتی اسٹاف سے سبکدوش ہو گئے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا سید صاحب کی علمی عظمت کا اعتراف :

۹ جنوری ۱۹۱۴ء (۱۳۳۳ھ) کو مولانا ابوالکلام آزاد نے جو خط مولانا سید سلیمان ندوی کو لکھا وہ نہ صرف مولانا سید سلیمان ندوی کی عظمت علمی و سیاسی بصیرت کا آئینہ دار ہے بلکہ ان کے حق میں ایک بہت بڑے عالم و انشا پرداز کا اعتراف ہے ۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ خط معارف ، دسمبر ۱۹۵۲ء (۱۳۷۲ھ) میں شائع ہو چکا ہے ، ہم اس کا ضروری اقتباس یہاں تحریر کرتے ہیں ۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا کہ

Marfat.com

"آپ نے پونہ میں پروفیسری قبول کر لی ، حالانکہ خدا نے آپ کو درس و تعلیم سے زیادہ عظیم الشان کاموں کے لئے بنایا ہے ، خدا کے لئے میری سنئے، میں آپ کی عزت کرتا ہوں اور خدا شاہد ہے کہ آپ کی محبت اپنے دل میں رکھتا ہوں ۔ کیا حاصل اس سے کہ آپ نے چند طلبہ کو عربی فارسی سکھلا دی ، آپ میں وہ قابلیت موجود ہے کہ آپ لاکھوں نفوس کو زندگی سکھلا سکتے ہیں ۔ آپ آ کر الہلال بالکل لے لیجئے اور جس طرح جی چاہے اسے ایڈٹ کیجئے ۔ میں صرف اپنے مضامین دے دیا کروں گا اور کچھ تعلق نہ ہوگا ۔ آپ معاً وہاں استعفیٰ دیں اور کلکتہ چلے آئیں ۔

(ابوالکلام کان اللہ لہ)

پونہ دکن کالج کی پروفیسری :

۱۹۲۳ع (۱۳۱۲ھ) میں مولانا ندوی دکن کالج پونہ میں "السنۂ مشرق" کے پروفیسر مقرر ہوئے ۔

پونہ ہی کے قیام کے زمانے میں مولانا نے "ارض القرآن" کی تالیف شروع کی جو قرآنی علوم میں اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف ہے ۔

علامہ شبلی کی وفات اور مولانا ندوی کو وصیت :

پونہ میں ابھی ڈیڑھ سال کا عرصہ نہ گزرا تھا کہ ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ع میں علامہ شبلی نے وفات پائی ۔ مرض الموت میں استاد محترم نے اپنے شاگرد رشید کو پونہ سے طلب فرمایا، جب وہ پہنچے تو مولانا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا سیرت (سیرۃ النبی) میری تمام عمر کی کمائی ہے ، سب کام چھوڑ کر اس کو مکمل کرو ۔ شاگرد رشید نے جواب دیا ضرور ضرور ، اس غم و الم کے موقع پر "نوحۂ استاد" کے عنوان سے مولانا نے جو نظم لکھی اس کا مطلع یہ ہے :

Marfat.com

اے متاع عزت پیشین کے پچھلے کاروان
آہ وہ بھی مٹ گیا باقی جو تھا تیرا نشان

سید الطائفہ کا لقب :

آستاد محترم کی وفات کے بعد حلقۂ تلامذۂ شبلی نے مولانا کو ان کی اہلیت کی بناء پر سید الطائفہ کا لقب دے کر علامہ کا جانشین بنایا ، چنانچہ مولانا استعفلی دے کر پونہ سے اعظم گڑھ چلے آئے[1]۔

دارالمصنفین اعظم گڑھ کا قیام :

اگرچہ علامہ شبلی نے اپنی زندگی ہی میں "دارالمصنفین اعظم گڑھ" کا خاکہ تیار کر لیا تھا ، لیکن عملی طور پر ۱۳۳۴ھ (۱۹۱۵ء) میں مولانا سید سلیمان ندوی نے مولانا مسعود علی ندوی اور مولانا عبدالسلام ندوی کے اشتراک سے اس علمی ادارے کے قیام کی ابتدا کی ، یہاں تک کہ (۱۳۴۱ھ) ۱۹۲۲ء میں انہوں نے علمی دنیا سے اس ادارے کا لوہا منوا لیا ۔

علمی خدمات :

رسالہ معارف کا اجرا :

۱۹۱۶ء (۱۳۳۵ھ) کے رمضان کے مبارک مہینے میں معارف کا پہلا پرچہ مولانا کی ادارت میں نکلا ، معارف کے پہلے پرچے میں مولانا نے پہلا مضمون روزہ لکھا ۔

معارف کے متعلق یگانۂ روزگار اہل علم کی آراء :

علامہ اقبال :

علامہ اقبال جیسے یگانہ روزگار مفکر اسلام نے اپنے ایک خط میں مولانا ندوی کو معارف پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ

۱- حیات سلیمان - صفحہ ۵۵

Marfat.com

"یہی ایک ایسا رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی میں ترقی ہوتی ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد :

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے ایک خط میں معارف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

" معارف کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں ، صرف یہی ایک پرچہ ہے اور تو ہر طرف سناٹا ہے ، بحمد اللہ کہ مولانا شبلی مرحوم کی تمنائیں رائیگاں نہ گئیں ، اور صرف آپ کی بدولت ایک جگہ ایسی بن گئی ، جو صرف خدمت علم و تصنیف و تالیف کے لئے وقف ہے[1]۔

سیرۃ النبی جلد اول کی اشاعت :

۱۹۱۷ء (۱۳۳۶ھ) میں مولانا نے سیرۃ النبی جلد اول کو مکمل کر کے ملک کے سامنے پیش کیا ، جس کی سارے ہندوستان میں دھوم مچ گئی ، اس کے شائع ہونے پر مولانا نے بالکل صحیح لکھا تھا :

شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم[۲]

ارض القرآن جلد دوم کی اشاعت :

۱۹۱۷ء (۱۳۱۶ھ) میں مولانا کی دوسری تصنیف ارض القرآن جلد دوم شائع ہوئی۔

۱۹۳۶ء (۱۳۵۵ھ) میں مولوی سید ظفرالدین ندوی نے ارض القرآن کا انگریزی میں ترجمہ کر کے اس کتاب کو انگریزی تعلیم یافتہ طبقے سے روشناس کرایا۔

۱- معارف - سلیمان نمبر ص ۱۷ -
۲- یہ تمام تفصیل معارف ، سلیمان نمبر، ص ۱۳ ، مضمون مولانا صباح الدین عبدالرحمان (سوانح حیات) سے ماخوذ ہے۔

Marfat.com

سیرت عائشہؓ :

۱۳۳۹ھ (۱۹۲۰ء) میں جب کہ مولانا لندن میں تھے ان کی کتاب سیرت عائشہؓ شائع ہوئی ، بیگم صاحبہ بھوپال نے اس کتاب کی اشاعت پر مولانا کو پانچ سو روپے انعام دیا ۔

سیرت عائشہؓ پر علامہ کا اظہار خیال :

علامہ اقبال نے سیرت عائشہؓ پر مولانا کو ایک خط میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ :

> " سیرت عائشہؓ کے لئے سراپا سپاس ہوں یہ ہدیۂ سلیمانی نہیں سرمۂ سلیمانی ہے ، اس کتاب کے پڑھنے سے میرے علم میں بہت مفید اضافہ ہوا ۔ خدائے تعالیٰ جزائے خیر دے ۔"

دارالمصنفین کی دوسری اہم کتابیں :

۱۳۴۱ھ (۱۹۲۲ء) میں مولانا سید سلیمان ندوی کی کوششوں سے دارالمصنفین اعظم گڑھ کی شہرت بام عروج پر پہنچ چکی تھی ، مولانا کی تصانیف کے علاوہ اس ادارے سے جو دوسرے مصنفین کی کتابیں شائع ہوئیں ان کتابوں نے بھی دارالمصنفین کی شہرت و مقبولیت کو چار چاند لگائے ، مولانا عبدالسلام ندوی مرحوم کی اسوۂ صحابہؓ ، سیرت عمر بن عبدالعزیز ، مولوی یونس فرنگی محلی کی روح الاجتماع ، مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی مبادی فلسفہ ، مولانا عبدالباری ندوی کی مبادی برکلے اور مبادی علم انسانی ، پروفیسر سجاد مرزا کی استدلال و تسہیل البلاغۃ ۔ ہندوستان کے ان چیدہ اور برگزیدہ مصنفین کی کتابوں نے دارالمصنفین کی شہرت کو اور بھی تقویت پہنچائی ۔

خطبات مدراس :

یہ مولانا کے آٹھ خطبات کا مجموعہ ہے جو اکتوبر و نومبر ۱۹۲۵ء میں مسلم ایجوکیشنل ایسو سی ایشن انڈیا کی دعوت پر شہر مدراس میں دیئے گئے اور خطبات مدراس کے نام سے مشہور ہیں ۔

Marfat.com

عرب و ہند کے تعلقات :

۱۹۲۹ء (۱۳۴۸ھ) میں ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد کی دعوت پر مولانا نے عرب و ہند کے تعلقات پر لیکچر دیئے ، جو کتابی صورت میں شائع ہوئے ، مولانا کے یہ لیکچر تحقیق و کاوش اور حجت و استدلال کا ایک مرقع تھے اس لئے پورے ہندوستان میں ان کی دھوم مچ گئی ۔

عربوں کی جہازرانی :

۱۹۳۰ء (۱۳۴۹ھ) مولانا سیرۃ النبی جلد چہارم کے مرتب کرنے میں مشغول رہے ، مارچ ۱۹۳۱ء (۱۳۵۰ھ) میں بمبئی گورنمنٹ کے شعبۂ تعلیم کی سرپرستی میں عربوں کی جہاز رانی پر چار مقالے پڑھے ، جو بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوئے ۔

سیرت النبی جلد چہارم کی اشاعت :

۱۹۲۲ء (۱۳۴۳ھ) میں مولانا کی سیرۃ النبی کی چوتھی جلد چھپ کر منظرِ عام پر آئی ، جس نے دارالمصنفین کی شہرت کو اوجِ ثریا پر پہنچا دیا ۔

علامہ اقبال کی صدارت میں مولانا کا ایک تحقیقی مقالہ :

اپریل ۱۹۳۳ء (۱۳۵۲ھ) میں مولانا معارف اسلامیہ لاہور کے پہلے اجلاس میں شریک ہونے کے لئے لاہور تشریف لے گئے ، اس اجلاس کی صدارت علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے کی تھی ، مولانا نے اس موقع پر جو مقالہ پڑھا اس کا عنوان تھا ” لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج اور لال قلعہ بنایا “۔[1] اس مقالے سے پہلی مرتبہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ اُستاد احمد معمار شاہجہانی کے حالات اہل علم کے سامنے آئے اور تاریخ کے معتبر ماخذ سے مولانا نے یہ ثابت کیا کہ یہ تاج محل کا معمار درحقیقت اُستاد احمد شاہجہانی تھا جو لاہور کا رہنے والا ہیئت اور ریاضیات کا بہت

۱۔ معارف ، سلیمان نمبر ، ص ۱۷ ، حیات سلیمان ص ۴۷ ۔

Marfat.com

بڑا عالم تھا ، مولانا کی اس جدید تحقیق نے ان تمام دعووں کو باطل کر دیا ، جو اس وقت تک تاج کے کاریگروں اور معماروں کے متعلق مشہور تھے -

تصنیفِ خیام :

۱۹۳۳ء (۱۳۵۲ھ) میں مولانا کی تصنیف "خیام" شائع ہوئی - انہوں نے اس تصنیف میں خیام کو بالکل ہی نئے رنگ و روپ میں پیش کیا ، اس کی تحسین و توصیف کا غلغلہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ایران و کابل اور یورپ میں بلند ہوا ، ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد نے مولانا کی خدمت میں پانچ سو روپے بطور انعام پیش کئے -

علامہ اقبال کا خیام پر تبصرہ :

علامہ اقبال نے ۹ دسمبر ۱۹۳۳ء (۱۳۵۲ھ) کو اپنے ایک خط میں مولانا کو لکھا کہ

"مخدومی - السلام علیکم

عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا - الحمد للہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا[1] -

کابل یونی ورسٹی کی ترتیب و تنظیم کے لئے کابل کا سفر :

۱۹۳۳ء ہی میں مولانا نے حکومت کابل کی دعوت پر کابل کا سفر کیا - مولانا کے رفقا میں علامہ اقبال اور سر راس مسعود تھے - مولانا نے نادر خاں سے ایک ملاقات میں فرمایا کہ افغانستان کی عربی و مذہبی تعلیم کا نصاب ایسا ہونا چاہیے کہ طلبہ میں موجودہ زمانے کے لحاظ سے سیاسی و اجتماعی اصلاحات کی طرف میلان بھی ہو اور ان میں مذہبی شیفتگی بھی پیدا ہو - شاہ افغانستان نے مولانا کے اس مشورے کو پسند فرمایا :

۱- اقبال نامہ ، حصہ اول ص ۱۷۸ ، معارف سلیمان نمبر ص ۲۸ -

Marfat.com

اس سفر کے بعد مولانا نے سفرنامہ افغانستان کے نام سے
ایک کتاب بھی لکھی -

علامہ اقبال کا مولانا کے متعلق ایک حقیقت پسندانہ تاثر :

علامہ اقبال نے ایک موقع پر مولانا سید سلیمان ندوی کی علمی و ادبی زندگی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا کہ

"آج سید سلیمان ندوی ہماری علمی زندگی کے سب سے
اونچے زینے پر ہیں ، وہ عالم ہی نہیں سید العلماء ہیں ،
ان کا وجود علم و فضل کا ایک دریا ہے ، جس سے
سیکڑوں نہریں نکلی ہیں اور ہزاروں سوکھی کھیتیاں
سیراب ہوئی ہیں -

سیرۃ النبی جلد پنجم و ششم :

۱۹۳۵ء (۱۳۵۴ھ) میں مولانا کا ایک اور عظیم علمی کارنامہ منصۂ شہود پر آیا - یعنی سیرۃ النبی کی جلد پنجم شائع ہوئی -

۱۹۳۹ء (۱۳۵۸ھ) وہ مبارک سال ہے کہ جس میں سیرۃ النبی کی جلد ششم منظر عام پر آئی ، جو اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر مشتمل ہے -

نقوش سلیمانی :

اسی سال مولانا کی ایک اور کتاب "نقوش سلیمانی" شائع ہوئی - یہ مولانا کی ان ادبی تحریروں کا ایک شاہکار ہے ، جو ماضی میں شائع ہو چکی تھیں -

ہندوستان کی وہ علمی ، ادبی اور سیاسی تحریکیں جن میں مولانا نے حصہ لیا

مولانا بذات خود ایک شمع انجمن تھے ، جن سے تالیف و تصنیف کے علاوہ مختلف تحریکوں کے جو اس زمانے میں پیدا ہوئیں چراغ جلتے تھے ،

Marfat.com

وہ ہر اس تحریک کی آبیاری کرتے ، جس کو وہ مسلمانوں کے لیے مفید سمجھتے تھے -

کبھی وہ ۱۹۱۷ع (۱۳۳۶ھ) میں کلکتے میں جلسہ علمائے بنگالہ کی صدارت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ، کبھی وہ ۱۹۱۹ع (۱۳۳۸ھ) میں تحریک خلافت کے سرگرم کارکن نظر آتے ہیں -

کبھی وہ ۱۹۲۰ع (۱۳۳۹ھ) میں اس وفد خلافت کے رفقاء میں دکھائی دیتے ہیں جو ٹرکی کے معاملات میں انصاف چاہنے کے لیے یورپ گیا تھا - کبھی وہ ۱۹۲۰ع (۱۳۳۹ھ) ترک سوالات کے سلسلے میں دوسرے علماء اور زعماء کے ساتھ دورے کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں - کہیں وہ ۱۹۲۴ع (۱۳۴۳ھ) میں وفد حجاز کی قیادت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ، کہیں وہ ندوۃ العلماء کے کاموں میں سرگرم نظر آتے ہیں - کہیں وہ انجمن حمایت الاسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں تقریر کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ، کہیں وہ جنوبی ہند میں تبلیغ اسلام کے لیے رخت سفر باندھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ، کہیں وہ ساردا ایکٹ کے خلاف قلمی جہاد میں مصروف دکھائی دیتے ہیں ، کہیں وہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں خطبات دیتے ہوئے نظر آتے ہیں ، کہیں وہ جامعہ ملیہ دہلی میں اپنے بصیرت افروز خطبات سے رہنمائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ، کبھی وہ ہندوستانی اکیڈمی لکھنؤ کی نمائش گاہ میں ، ہندوستانی اکیڈمی کی کانفرنس میں شعبۂ اردو کی مسند صدارت پر رونق افروز دکھائی دیتے ہیں ، کہیں وہ ۱۹۳۷ع (۱۳۵۶ھ) میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی طلائی جوبلی میں علم کی گتھیاں سلجھاتے ہوئے نظر آتے ہیں - سیاست میں مولانا ندوی نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا اور پاکستان کے قیام میں بڑی جد و جہد کی ، ہجرت کرکے پاکستان آئے اور یہیں واصل الی اللہ ہوئے - جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آ رہی ہے ۔

غرض کہ مولانا علم و عمل کے وہ آفتاب ہیں کہ جنھوں نے اپنی حیات میں سے ہر مذہبی ، اصلاحی ، علمی اور سیاسی گوشوں کو منور کیا :

مرد خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصل حیات ، موت ہے اس پر حرام

Marfat.com

اعزازی ڈگری :

انسان اپنے عمل ، خلوص و للّٰہیت سے کندن بنتا ہے ، مولانا کا اسی پر عمل تھا - ۱۹۴۰ء (۱۳۵۹ھ) میں مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے مولانا کو "ڈی لٹ" کی اعزازی ڈگری دی ، جو اہل یونیورسٹی کی طرف سے مولانا کی خدمات کا اعتراف اور ایک اعزاز تھا ، لیکن مولانا نے کبھی اپنے نام کے ساتھ ڈاکٹر کا لفظ نہیں لکھا - فرماتے تھے :

"جس وقت اس قسم کے اعزاز کی تلاش تھی ، اس وقت یہ ملے نہیں ، اب ان کی کوئی خواہش نہیں ، اس لیے نام کے ساتھ ڈاکٹر لکھنے سے کیا فائدہ"۔

"پیش مردے کاملے پامال شو"

عرفان و تصوف کے آستانے کی تلاش :

علم کا گنج گراں مایہ جب کسی شخصیت کو اپنا محور و مرکز بناتا ہے تو بسا اوقات عقل بے لگام صحیح فکر سے بے نیاز ہو کر گمراہی کی وادیوں میں بھٹکنے لگتی ہے ، یہاں تک کہ عقاید و فکر کی بنیادوں کو ہلا دیتی ہے ، یہ خرابی صرف عقل بے لگام کو رہبر بنانے سے ہوتی ہے ، عقل بے لگام عقاید و دین کے اصولوں کو اپنی خود ساختہ کسوٹی پر پرکھتی ہے ، فکر قرآنی میں ایسی تاویلیں کی جاتی ہیں جو ان کو عقل کے اختراعی فلسفے سے قریب تر کر دیں ، اس لیے دوسرے طبقے کے صوفیہ نے اس عقل کے زہر کا تریاق عشق الٰہی میں ڈھونڈا ، اسی نقطے کو عارف رومی نے اس شعر میں بیان کیا ہے :

قال را بگزار مردے حال شو
پیش مردے کاملے پامال شو

عارف رومی کے مرید ہندی علامہ اقبال اس حقیقت کو بے نقاب کرتے ہوئے کہتے ہیں :

Marfat.com

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے

اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ وہ عقل جس نے دینی وجدان کے آغوش میں پرورش نہ پائی ہو وہ گمراہ کن ہے ۔

چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی بھی عارف رومی کے اس نکتے کو حرزِ جان بنا کر مرشد کامل کے متلاشی ہوئے ، ان کے مرید خاص جناب غلام محمد - بی - اے (عثمانیہ) ، جنھوں نے تصوف کی منزلیں مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ سے طے کیں ، اپنی تصنیف "حیات سلیمان" میں مولانا سید سلیمان ندوی کی تلاشِ شیخ کے متعلق آن کی سعی اور جد و جہد کو مولانا سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں اس طرح تحریر کیا ہے :

"کامل دس برس تک چپکے ہی چپکے ہندوستان سے عرب تک نظر دوڑاتا رہا ، لیکن کوئی ہستی ایسی نظر نہ آتی تھی جو میرے درد کی درمانی کر سکے ، بعض بزرگ ملے بھی تو طبیعت کو ان سے مناسبت نہیں ہوئی ، بار بار یہی خیال آتا تھا کہ کاش حضرت حاجی امداد اللہ صاحب حیات ہوتے "۔

مرید کے مراد پانے کی ابتدا :

جناب غلام محمد صاحب کا بیان ہے کہ اسی زمانے میں سید صاحب کی خط و کتابت کی ابتدا حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے اس طرح ہوئی کہ مفتی عبداللطیف مفتی صدارت العالیہ نے ایک رسالہ "الاستفتاً" کے نام سے شائع کیا ، جس میں تحریر کیا تھا کہ

"ربا (سود) بیع و شرا میں ہوتا ہے ، لیکن قرض کی صورت میں روپیہ دے کر اگر نفع میں زیادہ روپیہ لیا جائے تو یہ سود نہیں"۔

ظاہر ہے کہ مفتی عبداللطیف کا یہ رسالہ امت کی گمراہی کا باعث تھا ، حضرت مولانا تھانوی نے اس کا جواب "کشف الدجیٰ عن وجہ الربوا" کے

Marfat.com

نام سے لکھوایا ، حضرت تھانوی نے اس رسالے کا ایک نسخہ مولانا سید سلیمان ندوی کو بھی بھجوایا ، اس طرح مولانا ندوی اور حکیم الامت میں خط و کتابت کی ابتدا ہوئی ۔

حکیم الامت سے پہلی ملاقات :

۱۹۳۵ء (۱۳۵۴ھ) کے آغاز میں مولانا سید سلیمان ندوی علامہ اقبال کی دعوت پر کسی کمیٹی میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لے گئے تھے ، واپسی پر خیال ہوا کہ تھانہ بھون میں حکیم الامت کی ملاقات کی سعادت بھی حاصل کرتے جائیں ، چنانچہ تھانہ بھون حکیم الامت کی خدمت میں حاضر ہو کر ملاقات کی سعادت حاصل کی ۔

خط و کتابت اور ملاقات نے رسم و راہ کو بڑھایا ، ایک دوسرے کو سمجھنے اور پرکھنے کا موقع ملا ، عظمت و شہرت ، خطابت و ادب کے اس مسند نشین نے اس عرفان و آگاہی کے آستانے پر سر نیاز جھکا کر اپنے دوست علامہ اقبال کی اس حقیقت کو عملی طور پر تسلیم کر لیا :

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانے کاملے

بیعت :

اِس بلبل خوشنوا نے دس برس کی تلاش و جستجو کے بعد اس گلِ معرفت کو پا لیا ، جس کو وہ تصوف و عرفان کے مختلف گلشنوں میں ڈھونڈھتا تھا ۔

۱۳۵۷ھ (وسط اگست ۱۹۳۷ء) میں مولانا سید سلیمان ندوی کو لکھنؤ میں حکیم الامت سے بیعت کی سعادت حاصل ہوئی ، جب وہ بغرض علاج لکھنؤ میں ٹھہرے ہوئے تھے ۔

صاحبِ تذکرہ سلیمان کا بیان ہے کہ تھانہ بھون کے ایک مجذوب نے جب مولانا تھانوی بغرض علاج لکھنؤ گئے ہوئے تھے ، آپ کے کسی مرید سے پوچھا کہ تیرے پیر کہاں گئے ہوئے ہیں ؟ اس مرید نے کہا کہ وہ اپنے علاج کے لیے لکھنؤ تشریف لے گئے ہیں ، مجذوب نے قہقہہ

Marfat.com

لگ کر کہا :

علاج و لاج ایک بہانہ ہے ، وہ تو ایک شہباز کے شکار کو گئے ہیں اور شکار کر لائیں گے[۱] -

شیخ سے شیفتگی و عقیدت :

اپنے شیخ سے مولانا ندوی کو جو عقیدت و محبت تھی اس کا اندازہ اس خط سے ہوتا ہے ، جو مولانا ندوی نے مولانا عبدالباری ندوی کو لکھا تھا :

مولانا گیلانی نے مجھے لکھا ہے کہ سنا آپ نے بھی ہوگا ایک دیوبندی کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے - میں لکھنے والا تھا کہ گو ہاتھ اب بھی دیا ہو یا نہ دیا ہو مگر دل تو اس کو دس بارہ برس پہلے دے چکا تھا ، پھر فخر یہ ہے کہ لوگوں نے مولانا تھانوی کو اپنی طرف کھینچا اور مجھے مولانا تھانوی نے بار بار اپنی طرف کھینچا (بعالم رویا)[۲] -

مولانا تھانوی کے فیض تربیت نے سید صاحب کی دل کی دنیا کو بدل کر رکھ دیا ، اگرچہ سید صاحب پہلے ہی سے دین داری اور تقویٰ کا سراپا تھے ، لیکن خانقاہ تھانوی کے فیض نے آئینہ قلب کو معرفت اور تزکیۂ نفس کی آب سے نئی جلا دی - اب ان کی راتیں یاد الٰہی میں گزرتی تھیں اور دن خطبات و مقالات کی جگہ پند و موعظت ، رشد و ہدایت میں صرف ہوتے تھے ، مولانا تھانوی کی عطا کردہ روشنی میں ہندوستان کا یہ نامور عالم ، بے مثل انشاء پرداز ، سحر طراز ادیب ، زبان آور خطیب اپنے علمی و ادبی شاہکاروں اپنے مقالات و خطبات کا جائزہ لے رہا تھا کہ اس کے قلم سے کوئی لغزش ہوئی ہو یا اس میں اختلاف کا ذرا بھی شائبہ ہو

۱- یہ تمام تفصیل تذکرۂ سلیمان (تصنیف جناب غلام محمد صاحب (عشر نیہ) صفحہ ۱۱۳ تا ۱۱٦ سے ماخوذ ہے -

۲- ایضاً - صفحہ ۱۱٦ و ۱۱۷ -

Marfat.com

یا وہ ادبی اور علمی جواہر ریزے جو کسی گمراہی کا احتمال رکھتے ہوں ان کو بدل کر صحیح حقیقت کو آشکارا کر دے ۔

تنقید کا یہ مرد میدان جو دوسروں کے علمی جواہر ریزوں کو پرکھتا تھا وہ اب خود اپنی تخلیقات کو پرکھتے ہوئے نظر آتا ہے ۔

چنانچہ مرشد تھانوی کے ارشاد پر اس فیض یافتہ مرید نے اپنی تمام ماضی کی تحریروں پر نظرثانی کی اور جہاں بھی کوئی سہو اور لغزش نظر آئی ، اس سے نہ صرف رجوع کیا ، بلکہ اعتراف کے عنوان سے جنوری ۱۹۴۳ء میں ایک تحریر شائع کی ۔

خلافت :

چار سال میں مرشد کامل نے اپنے مرید ندوی کو تصوف و سلوک کی تمام منازل طے کرا دیئے ۔ آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ اکتوبر ۱۹۴۲ء مولانا تھانوی نے لکھا کہ

> "میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کو خلافت دوں ، میں نے اس سلسلے میں استخارہ بھی کر لیا ہے اب آپ کا کیا مشورہ ہے ؟"۔

مولانا ندوی نے جواباً عرض کیا کہ

> "حضرت والا کا مکتوب گرامی پڑھ کر قدموں تلے سے زمین نکل گئی ، کہاں میں اور کہاں یہ ذمہ داری ۔

شاید حضرت تھانوی نے بطور آزمائش سید صاحب کو لکھا تھا ، کیونکہ جب یہ جواب مولانا تھانوی کو ملا تو بے حد خوش ہوئے اور حاضرین سے فرمایا ۔ الحمد للہ وہی جواب آیا ، جس کی توقع تھی[1]

اس کے بعد مولانا تھانوی نے مولانا ندوی کو چاروں سلسلوں میں خلافت سے سرفراز فرمایا ۔

---

۱ ۔ یہ تمام حالات تذکرہ سلیمان ص ۱۴۰ - ۱۴۱ سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

بھوپال میں قیام :

۱۳۵۸ھ (۱۹۳۹ء) میں مولانا ندوی کو نواب حمید اللہ خان والیٔ بھوپال نے ریاست بھوپال میں قاضی القضاۃ اور جامعہ شرقیہ کے عہدے پر مقرر فرمایا ۔ بھوپال میں مولانا کا قیام (۱۳۶۹ھ) ۱۹۴۹ء تک رہا ۔

وفاتِ شیخ :

سید صاحب کے بھوپال کے قیام ہی کے زمانے میں حضرت مولانا تھانوی نے ۱۹ و ۲۰ جولائی کی درمیانی شب میں ۱۹۴۳ء کو تھانہ بھون میں وصال فرمایا ۔

اپنے شیخ کی وفات پر مولانا ندوی کے دل پر جو قیامتیں گزریں ان کی وہ اشعار اور نثر ترجمان ہے جو اس موقع پر شدت غم سے مغلوب ہو کر مولانا نے لکھے ، رحلت شیخ کے عنوان سے رنج و الم کے یہ جذبات شعر کے سانچے میں ڈھلے تو ان کے یہ آنسو گوہر آبدار بن گئے ۔ فرماتے ہیں :

داغ فراق یار مٹایا نہ جائے گا
اب دل کا یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

حرف دم وداع خدا کے سپرد ہو
تا آخرِ حیات بھلایا نہ جائے گا

مولانا ندوی مولانا تھانوی کی وفات سے آٹھ روز پہلے ان کے مرض الموت میں بھوپال جاتے ہوئے حاضر خدمت ہوئے تھے ۔ اس وقت مولانا تھانوی بیماری سے نڈھال تھے لیکن اس عالم میں بھی از راہِ شفقت اس کرسی پر بیٹھنے کے لئے ارشاد فرمایا جو سرہانے پڑی ہوئی تھی ، مولانا تھانوی پر بار بار غنودگی یا استغراق کا عالم طاری ہو جاتا تھا اور آنکھیں بند فرما لیتے تھے ، مولانا ندوی اپنے مرشد کے جمال جہاں افروز کو نہایت حسرت سے دیکھ رہے تھے ، شیخ کے سربالین بیٹھے ہوئے ، اس وقت کے قلبی احساسات و جذبات کو مولانا نے "سر بالین" کے عنوان سے نظم کیا ہے ، فرماتے ہیں :

Marfat.com

دل بھر کے دیکھو لو یہ جمالِ جہاں فروز
پھر یہ جمالِ نور دکھایا نہ جائے گا

گوشِ جہاں بغور سنے اس کلام کو
پھر یہ کلامِ شوق سنایا نہ جائے گا

اے میکشو! یہ دُردِ تہ جام بھی پیو
ترسو گے پھر یہ جام پلایا نہ جائے گا

اے دل! خموش صبر و رضا کا مقام ہے
نقشِ دوام فیض مٹایا نہ جائے گا

پیرِ مغاں نہیں ہے مگر میکدہ تو ہے
جام و سبو یہاں سے ہٹایا نہ جائے گا

یوں ہی بچھا رہے گا یہاں خوانِ فیضِ عام
جب تک ہیں میہماں بڑھایا نہ جائے گا

چاہا خدا نے تو تری محفل کا ہر چراغ
یوں ہی جلا کرے گا بجھایا نہ جائے گا

معارف میں مولانا ندوی نے مولانا تھانوی کی وفات پر صف ماتم بچھائی تو موت العالم موت العالم کے عنوان کے تحت نثر میں نظم کی سی در افشانی کر کے ثابت کر دیا کہ ع

نالہ پابند نے نہیں ہے۔

معارف میں مرشد تھانوی کی وفات پر اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ

"محفل دوشین کا وہ چراغ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا بالآخر ۸۲ سال ۳ ماہ دس روز جل کر رجب ۱۳۶۲ء (۱۹۴۳ء) کی شب کو ہمیشہ کے لئے بُجھ گیا۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خاموش ہے

Marfat.com

یعنی حکیم الامت ، مجدد طریقت ، شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرض ضعف و اسہال میں کوئی ماہ علیل رہ کر ۱۹ و ۲۰ جولائی ۱۹۴۳ع (۱۳۶۲ھ) کی درمیانی شب کو ۱۰ بجے نماز عشا کے وقت اس دار فانی کو الوداع کہا اور اپنے لاکھوں معتقدوں اور مریدوں و مستفیدوں کو غمگین و مہجور چھوڑا ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

اب اس دور کا بالکلیہ خاتمہ ہو گیا ، جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب[1] مہاجر مکی اور مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی[2] اور مولانا محمد قاسم صاحب

۱۔ شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی ، ولادت : ۱۲۲۳-(۱۸۰۸ع) وفات : ۱۳۱۷ھ (۱۸۹۹ع) مدفن : مکۂ معظمہ (مولانا محمد احسن نانوتوی)

۱۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی بن مولانا مملوک علی نانوتوی :۔ ولادت : ۱۳ صفر ۱۲۴۹ھ (۱۸۳۲ع) منظور احمد ، غلام حسین اور شمس الضحی ان کے تاریخی نام ہیں قرآن کریم نانوتے میں حفظ کیا ، جلد سازی حضرت حاجی امداد اللہ سے سیکھی ان کے والد مولانا مملوک علی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی بغرض تعلیم دہلی گئے ۔ مولانا محمد قاسم ، مولانا احمد علی سہار نپوری اور شاہ عبدالغنی مجددی سے تعلیم حاصل کی ، ابتداً گورنمنٹ کالج اجمیر میں ملازمت کی ، پھر پانچ سال تک سہارنپور میں ڈپٹی انسپکٹر تعلیمات رہے ۔ ۱۲۷۷ھ (۱۸۶۰ع) میں پہلا سفر حج کیا ۔ ۵ محرم ۱۲۸۳ھ (۱۸۶۶ع) دارالعلوم دیو بند قائم ہوا تو اس کے پہلے صدر مدرس مقرر ہوئے ۔ دوسرا سفر حج ۱۲۹۵ھ (۱۸۷۸ع) میں کیا ، حضرت حاجی امداد اللہ بیعت ہو کر تصوف و سلوک کی منزلیں طے کیں ، مولانا نے ۳ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ (۲۱ دسمبر ۱۸۸۴ع) کو نانوتے میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے ۔

Marfat.com

نانوتوی[1]، مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی[2] کی یادگار تھا اور جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت احمد بریلوی کی نسبتیں یک جا تھیں ، جن کا سینہ چشتی ذوق و شوق اور مجددی سکون و محبت کا مجمع البحرین تھا ، جس کی زبان شریعت و وحدت کی ترجمان تھی ، جس کے قلم نے فقہ و تصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا ۔

سفر حج :

اکتوبر ۱۹۴۹ء (۱۳۶۹ھ) میں مولانا ندوی آخری بار سفر حج کے لئے تشریف لے گئے اور حج و زیارت روضۂ نبوی سے مشرف ہوئے ۔ مکہ معظمہ میں حاضر ہوئے تو اپنے حاضریِ مکۂ مکرمہ کے تاثرات کو نظم کرتے ہوئے فرمایا :

دیدۂ دل اگر ہو باز ، راز رہے نہ راز میں
جھانکتی ہیں حقیقتیں آئینۂ مجاز ہیں

ان کے کرم کے ہم نثار ، ان کی عطا کا کیا شمار
دے دیا عاصیوں کو بار اپنے حریم ناز میں

حبش و تتار و ہند و شام ، سرخ رخ و سیاہ فام
عشق نواز ہر مقام آئے ہیں سب حجاز میں

۱۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی : ولادت : شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۳ء) تاریخی نام : خورشید حسین ۔ وفات : ۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ (۱۸۸۸ء) (مولانا محمد احسن نانوتوی ۔ ص ۲۰۷ - ۲۲۳)

۲۔ شیخ محمد تھانوی : بن شیخ حمد اللہ ۔ ولادت : ۱۲۳۰ھ بیعت : میاں جی نور محمد سے ۔ وفات : ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۹ء) (مولانا محمد حسن انانوتوی ۔ ص ۵۳)

Marfat.com

روزا مرا نیا مقام، صبح کہیں، کہیں ہے شام
عشق کی منزلیں تمام، راہ خم و دراز میں

دل کو نصیب ہو گداز، جان کو عطا ہو سوز و ساز
ہے یہ دعا بصد نیاز در گہ بے نیاز میں

دل جو ملا سیاہ کار، آنکھ عطا ہو اشک بار
دھوئے جو دل کو بار بار خلوت خاص راز میں

روضۂ نبوی ﷺ پر حاضری:

مدینہ طیبہ میں جب روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر حاضر ہوئے تو بارگاہِ رسالت ﷺ میں یہ ارمغان پیش کیا:

آدم کے لئے فخر یہ عالی نسبی ہے
مکی، مدنی، ہاشمی و مطلبی ہے

پاکیزہ تر از عرش و سماجنت و فردوس
آرام گہہ پاک رسولِ عربی ﷺ ہے

آہستہ قدم، نیچی نگہ، پست صدا ہو
خوابیدہ یہاں روح رسولِ عربی ﷺ ہے

اے زائر بیتِ نبوی ﷺ! یاد رہے یہ
بے قاعدہ یاں جنبشِ لب بے ادبی ہے

کیا شان ہے اللہ رے محبوب نبی ﷺ کی
محبوبِ خدا وہ ہے، جو محبوب نبی ہے

بجھ جائے ترے چھینٹوں سے اے ابر کرم آج
جو آگ مرے سینے میں مدت سے دبی ہے

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا:

عشقِ نبوی دردِ معاصی کی دوا ہے
ظلمت کدۂ دہر میں وہ شمع ہدا ہے

زیاتِ حرمین سے فارغ ہو کر جنوری ۱۹۵۰ء (۱۳۷۰ھ) میں

Marfat.com

بھوپال واپس تشریف لائے ، چونکہ بھوپال سے ملازمت کا تعلق منقطع ہو چکا تھا ، چند روز وہاں قیام کر کے اپنے داماد سید حسین کے پاس کانپور تشریف لے گئے[۱]۔

ہجرت پاکستان :

آخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء (۱۳۶۷ھ) کو وہ نورانی صبح طلوع ہوئی جس کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا اور جس کی تعبیر قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے پوری کی - یعنی مملکت جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کا وجود عمل میں آیا -

پاکستان بننے کے بعد مولانا شبیر احمد عثمانی صوبۂ بنگال سے مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے ، مارچ ۱۹۴۹ء اسمبلی میں قرارداد مقاصد پاس ہوئی اس کے لئے طے پایا کہ پانچ ماہر دینی علماء کا ایک بورڈ قائم کیا جائے جو اسمبلی کی منظور قرارداد کو شریعت اسلامیہ کے مطابق عملی جامہ پہنائے - اس وقت کے وزیر اعظم لیاقت علی خان اور وزیر داخلہ خواجہ شہاب الدین کی نظریں مولانا سید سلیمان ندوی پر پڑیں ، خود مولانا شبیر احمد عثمانی نے اس کام کے لئے مولانا ندوی کی شخصیت کو موزوں ترین شخصیت قرار دیا -

مجوزہ بورڈ کی صدارت :

اگست ۱۹۴۹ء (۱۳۶۹ھ) میں حکومت پاکستان کی جانب سے اس بورڈ کی صدارت کے لئے مولانا ندوی کے نام دعوت نامہ جاری ہوا ، مولانا نے ملت اسلامیہ پاکستان کی خدمت سمجھ کر اس عہدے کو قبول کر لیا ، اور چھ روزہ قیام کی نیت سے پاکستان پہنچے -

پاکستان میں تشریف آوری :

۱۴ جون ۱۹۵۰ء (۱۳۷۰ھ) کو برصغیر کے اس جلیل القدر عالم

۱- یہ تمام تفصیل اور اشعار تذکرہ سلیمان - ص ۲۰۲ - ۲۱۵ سے ماخوذ ہیں -

Marfat.com

نے کراچی کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف فرمایا ۔

اگرچہ شروع میں قیام پاکستان کا ارادہ عارضی تھا ، لیکن احباب نے مصر ہو کر مولانا کو پاکستان میں مستقل سکونت پر مجبور کر دیا ۔

چنانچہ مولانا نے انجمن ترقی اردو کے ایک جلسے میں جس کی صدارت ڈاکٹر محمود حسین خان مرحوم کر رہے تھے ایک مقالہ "ہندوستان کے نو مسلم حکمران" کے عنوان سے پڑھا ۔ جس کے بعد صدر جلسہ نے تالیوں کی گونج میں اعلان کیا کہ اب مولانا پاکستانی بن چکے ہیں ۔ خود بھی فرمایا کرتے تھے کہ

"میری ہجرت غیر اختیاری بھی ہے اور اختیاری بھی"[1]۔

شدائد ہجرت :

شدائد ہجرت کا سامنا مولانا کو بھی کرنا پڑا ۔ کیونکہ وہ ہندوستان میں اپنی ساری چیزیں اور ملکیت چھوڑ کر چلے آئے تھے ۔

مولانا صباح الدین عبدالرحمن کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا :

"ہندوستان چھوٹنے پر جائیداد اور مکان کی محبت دل سے نکل گئی "۔

بلبل نے آشیانہ چمن سے اٹھا لیا
اس کی بلا سے بوم بسے یا ہُما بسے

ادھر علماءؒ کے بورڈ کی صدارت کا مسئلہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا اور مولانا نے معاشی مسائل کا مقابلہ پاکستانی بننے کے بعد مردانہ وار توکل و استغنا ، خود داری اور عزت نفس سے کیا ہے ۔

ہجرت کا راستہ سخت ہے اور اس کے ہر راہی کو صعوبتوں سے اور مشکلات سے گزرنا پڑتا ہے مولانا بھی ابتداً ان مصائب و مشکلات سے گزرے ، لیکن حقیقت یہ ہے کہ پاکستان اور اہلِ پاکستان نے مولانا

۱۔ تذکرہ سلیمان ۔ ص ۲۱۶ ۔ ۲۲۲ ۔

Marfat.com

کی قدر و منزلت میں کوئی کسر اٹھا کر نہ رکھی اور مولانا نے بھی پاکستان کی عظیم مذہبی ، علمی ، تاریخی اور اصلاحی خدمات انجام دے کر پاکستان کے علما کی خدمات کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ۔

پاکستان میں مولانا کی علمی و مذہبی خدمات :

پاکستان میں تشریف لانے کے بعد مولانا صرف تین سال پانچ ماہ حیات رہے ، لیکن مولانا کا یہ مختصر عرصۂ حیات بھی مذہبی ، قومی ، تعلیمی اور علمی کاموں سے معمور نظر آتا ہے ، مولانا صباح الدین عبدالرحمن کو ایک خط میں لکھا کہ :

> " یہاں اصلی کام دین کی خدمت اور حکومت اور اصحاب اقتدار کو ادھر متوجہ کرنا ہے"۔

قرآن حکیم سرچشمۂ ہدایت ہے ، سب سے پہلے مولانا نے اپنی قیام گاہ کے قریب ایک زیر تعمیر مسجد میں درس قرآن کریم کا سلسلہ شروع کیا ، ۱۹۵۱ع میں جمعیت العلمائ اسلام کی دعوت پر ڈھاکہ ، چاٹگام اور سہلٹ کا اصلاحی دورہ کیا ، جس میں مسلمانوں کو دینی خدمات کی ترغیب دی اور پاکستان کی اقلیتوں سے اچھا سلوک کرنے کی نصیحت فرمائی ، پھر کراچی میں موتمر عالم اسلامی کے جلسے میں شرکت فرمائی ، ۱۹۵۱ع (۱۳۷۱ھ) میں مولانا پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کے رکن بنائے گئے اور مارچ ۱۹۵۲ع (۱۳۷۲ھ) میں منعقد کراچی کے شعبۂ تاریخ اسلام کی صدارت فرمائی ، دستور ساز اسمبلی کے بنیادی حقوق کی سب کمیٹی کے ممبر مقرر کئے گئے اس کمیٹی میں مولانا کا سب سے بڑا کام یہ تھا کہ انھوں نے اس کمیٹی کے ارکان کو یہ بات واضح کر کے بتائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے امت کو کتاب و سنت کی جو دو نعمتیں عنایت فرمائی ہیں ، اسلام ان ہی دونوں کے اندر منحصر ہے ، جو ایک کو چھوڑ کر دوسری پر قناعت کرے وہ یقیناً گمراہ ہو جائے گا ، مولانا کے اس نکتے کی روشنی میں کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں یہ دفعہ رکھی کہ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے گا جو قرآن حکیم اور سنت کے خلاف ہو ۔

Marfat.com

۱۹۵۲ع میں مولانا نے دنیائے اسلام کے تمام علماؑ کو کراچی میں مدعو کیا ، یہ کانفرنس " احتفال علمائے اسلام '' کے نام سے منعقد ہوئی ۔ اپنے معاشی حالات کو بحال کرنے کے لئے مولانا نے ''مکتبة الشرق'' کے نام سے کتابوں کی ایک دوکان کھولی ۔ پاکستان میں ستائیس مہینے گزارنے کے بعد مولانا نے حکومت کے سامنے بورڈ کی صدارت کے لئے جو شرائط پیش کیے تھے وہ منظور کر لیے گئے اور مولانا نے بورڈ کی صدارت کا عہدہ قبول فرما لیا ، غرضیکہ مولانا کی زندگی کے یہ آخری ایام پاکستان کی علمی و مذہبی اور اصلاحی خدمات میں صرف ہوئے [1]۔

علالت اور وفات

علالت :

مولانا کے داماد جناب سید ابو عاصم ایڈوکیٹ کراچی نے مولانا کی علالت و وفات پر ایک تفصیلی مضمون لکھا تھا ، ہم مولانا کی علالت و وفات کے واقعات اختصار کے ساتھ اسی مضمون سے پیش کرتے ہیں ۔ عاصم صاحب نے لکھا :

اگست ۱۹۵۳ع (۱۳۷۳ھ) کی کوئی تاریخ تھی کہ (مولانا کو) زکامی کیفیت محسوس ہوئی اور کچھ تنفس کی ہلکی سی تکلیف بھی ، پھر حرارت ہو گئی ۔ مولانا ڈاکٹر رحمان کے یہاں خود تشریف لے گئے ، ان کی دوا سے بخار اتر گیا لیکن تنفس کی تکلیف بڑھنے لگی ، انجکشن دیا گیا ، تنفس کم ہو گیا ، پھر کرنل شاہ نے خود اپنی خواہش سے مولانا کا معائنہ کیا اور جناح ہسپتال میں قلب کا ایکسرے اور کارڈ وگراف لیا گیا کرنل شاہ کی تشخیص یہ تھی کہ مولانا کا قلب بڑھ گیا ہے اور قلب کے کسی شریان میں گرہ پڑھ گئی ہے ، جس سے سانس لینے میں دقت ہوتی ہے دوائیں تجویز کیں ۔ ڈاکٹروں کی سخت ہدایت تھی کہ کسی کو ملنے نہ دیا جائے تاکہ دل و دماغ کو مکمل آرام نصیب ہو ۔

۱- معارف ۔ سلیمان نمبر ۔ مئی ۱۹۵۵ع ۔ مضمون مولانا صباح الدین عبدالرحمن ص ۴۳ - ۴۴ ۔

Marfat.com

میں وزیر اعظم نہیں ہوں :

چنانچہ ڈاکٹروں کی ہدایت کے مطابق لوگوں کو ملاقات سے روکا گیا جب آپ کو اس کا علم ہوا تو سخت ناراض ہو کر فرمایا ، تم لوگ مجھے وزیر اعظم بنا دینا چاہتے ہو ، مجھے یہ پابندیاں پسند نہیں ہیں ، میرے پاس جو آتا ہے محبت اور خلوص سے آتا ہے ، کسی غرض سے نہیں آتا ہے ، کسی کو نہ روکو ۔

علالت کے دوران حکیمانہ باتیں :

دوران علالت میں ایک روز کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامی تاریخ کے ایک پروفیسر تشریف لائے ان سے مولانا نے علمی فقدان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ، ہمارے پی ۔ ایچ ۔ ڈی زندگی میں صرف ایک بار مقالہ لکھتے ہیں اور ساری عمر اسی کو چوستے چاٹتے رہتے ہیں ، حالانکہ پی ۔ ایچ ۔ ڈی ہونا اس بات کی سند ہے کہ تم تحقیق کر سکتے ہو ، محقق نہیں ہو ۔

اسی زمانۂ علالت میں ایک دفعہ راج شاہی یونیورسٹی کے ایک لیکچرار تشریف لائے ، ان کو بتایا گیا کہ مولانا کا مزاج سخت ناساز ہے ، لیکن وہ ملاقات کے لئے مصر رہے ، اتنے میں مولانا باہر تشریف لے آئے ، لیکچرار صاحب نے مزاج پرسی کے بعد وحدۃ الوجود کا مسئلہ چھیڑ دیا مولانا نے پہلے تو ان سے علالت کی معذرت کی ، لیکن پھر مولانا سے نہ رہا گیا تو تقریباً ایک گھنٹے تک اس مسئلے پر روشنی ڈالی ، ایک گھنٹے کے بعد بھی یہی لیکچرار صاحب پے در پے سوالات کیے جاتے تھے ، آخر میں فرمایا بس اب دم نہیں رہا ، اب اس سلسلے میں سعدی کا صرف ایک شعر سن لیجئے :

یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید
خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائے کہ دریا ست من نیستم
گر او ہست حقا کہ من نیستم

Marfat.com

آنھوں نے چلتے ہوئے عرض کیا کہ کبھی کبھی خط و کتابت کی اجازت دیجیے ، فرمایا بڑے شوق سے سچ ہے -

نہ کتابوں سے ، نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

تم محمد علی کی جوانی کی تصویر ہو :

وفات سے دو روز پہلے جناب شعیب قریشی کا لڑکا عمر جو مولانا کے صاحبزادے سلیمان کا دوست تھا اپنے دوست سے ملنے کے لئے آیا ، مولانا نے اسے اپنے پاس بلایا اور اپنے پاس بٹھا کر شفقت سے فرمایا ''تم تو محمد علی کی جوانی کی ہو بہو تصویر ہو"۔

سفیر شام کا ایک سوال :

جناب غلام محمد (عثمانیہ) نے اپنی تالیف ''تذکرۂ سلیمان" میں لکھا ہے کہ مولانا کی وفات سے چار روز پہلے سفیر شام ، ان کے کلچرل اٹیچی مولانا کی خدمت میں تشریف لائے اور مزاج پرسی کے بعد پوچھا کہ قرآن پاک میں یہودیوں کے متعلق یہ تصریح موجود ہے کہ

ضُرِبَت علیہِمُ الذلّۃ و المسکنۃ

دے ماری گئی اُن پر رسوائی اور فقیری -

اور احادیثِ نبوی سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں یہ قوم کبھی با آبرو اور حاکم قوم نہیں رہے گی ، پھر آج فلسطین میں ان کی حکومت کیسے قائم ہے؟ مولانا نے ایک لمحہ تامل کے بعد فرمایا کہ اس کا جواب تو قرآن پاک ہی میں خود موجود ہے -

ضُربت علیھم الذلۃ این ما ثقفوا الا بحبل من اللہ و حبل من الناس
ماری گئی اُن پر ذلت جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں گے

۱- علالت کے یہ تمام واقعات معارف سلیمان نمبر ''علالت سے وفات تک" مضمون سید ابو عاصم صاحب - ص ۳۶۳ - ۳۷۷ سے ماخوذ ہیں -

Marfat.com

بجز اس کے کہ وہ اللہ کی رسی تھام لیں یا لوگوں
کی رسی۔

پھر اس کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا کہ حبل اللہ (اللہ کی رسی) تو دین اسلام ہے اور حبل الناس (لوگوں کی رسی) سے مراد ورلڈ پاور (عالمی طاقت) ہے ، یعنی یا تو وہ دین میں داخل ہو جائیں یا کسی عالمی طاقت کا سہارا لیں ، چنانچہ دنیا جانتی ہے کہ اسرائیل کی حکومت محض انگریز اور امریکہ کے بل بوتے پر قائم ہے۔

یہ جواب سن کر سفیر شام بہت مسرور ہوئے اور فرمایا کہ واللہ آج تک کسی نے میری اس آیت کی طرف رہنمائی نہیں کی۔

وفات :

۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ (۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء) کی شب قیامت خیز شب تھی کہ جس میں یہ عالم ربانی اپنے رب سے جا ملا۔

اتوار کا سورج غروب ہو چکا تھا کہ مغرب کی نماز کا وقت آ گیا ، مولانا کے صاحبزادے سلمان میاں نے مولانا کے لیے نماز مغرب کا اہتمام کیا ، مولانا نے دو زانو بیٹھ کر اور سامنے دو تکیے رکھ کر بیٹھے بیٹھے نماز ادا فرمائی۔

میں نے آج شوکت علی مرحوم کی سی نماز پڑھی :

نماز ادا کرنے کے بعد مولانا متبسم ہوئے ، صاحبزادے نے تبسم کی وجہ پوچھی تو فرمایا آج میں نے شوکت علی مرحوم کی سی نماز پڑھی ہے ، سلمان میاں نے پوچھا وہ کیسے ؟ فرمایا وہ بھی اسی طرح (جسم بھاری ہونے کی وجہ سے) بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد سلیمان میاں نے عرض کیا ابا سو جایئے آپ رات کو بھی نہیں سوئے ہیں ، فرمایا بہت اچھا ، یہ فرما کر لیٹ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد رحمت حق سے جا ملے۔

غسل اور تجہیز و تکفین :

صوفی محمد ادریس صاحب اور جناب غلام محمد (عثمانیہ) صاحب تذکرہ

Marfat.com

سلیمان نے غسل دیا اور جناب ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے نگرانی کی کہ غسل میں کوئی بات سنت کے خلاف نہ ہونے پائے۔

نیو ٹاؤن کی مسجد کے سامنے جو اس وقت کھلا میدان پڑا تھا جناب ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور اس گنجینۂ علم و معرفت کو مولانا شبیر احمد عثمانی کی قبر کے متصل دفن کیا گیا[1]

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم!
تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کیئے

ادب و شاعری اور انشا :

مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرۃ ، تاریخ اور ادب کو نیا لب و لہجہ دیا آنھوں نے اپنے اُستاد مولانا شبلی کے نقش قدم پر چل کر اپنے ادب میں جو وسیع اثرات اور نقوش چھوڑے وہ انمٹ ہیں ، اُن کا ادب حقیقت پسندی ، شکوہ ، اعتدال ، توازن اور متانت و سنجیدگی کا آئینہ دار ہے ، وہ انیسویں اور بیسویں صدی کے ادیبوں اور انشا پردازوں میں اپنے اسلوب نگارش میں بالکل منفرد اور ممتاز نظر آتے ہیں ، آنھوں نے نہ صرف اپنے اسلوب نگارش سے اہل قلم پر نئی راہیں کھولیں بلکہ اُن کے فیضان تعلیم و تربیت نے ایسے ادیب اور لکھنے والے پیدا کیے ، جن سے گلستان ادب اور چمنستان علم میں بہار جاودانی آئی ، وہ مصنف بھی ہیں اور مصنف گر بھی ، آنھوں نے تعمیری اور صالح ادب کے فروغ دینے کے لیے اہل قلم کی ایک ایسی جماعت تیار کی جو آج بھی اُن کے نام اور اُن کے کام کو آگے بڑھانے میں سر گرم عمل ہے -

مولانا شاہ معین الدین ندوی رحمتہ اللہ نے مولانا سلیمان ندوی کے کمالات کی فہرست اور ان کی غرض و غایت کو ایک جگہ سموتے ہوئے لکھا کہ

> اُن کے علمی و دینی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے مگر اُن سب کی غرض و غایت تقریباً ایک ہے یعنی

۱- تذکرۂ سلیمان - ص ۲۷۵-۲۷۸

Marfat.com

اسلامی احکام و تعلیمات کی صحیح اور دل نشین ترجمانی اور اسلامی علوم و فنون ، اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب و ثقافت اور مسلمانوں کے علمی اور تمدنی کارناموں کی محققانہ مرقع نگاری ، یہ موضوع اتنا وسیع ہے کہ اس میں پوری تاریخ اسلام آ جاتی ہے اور ان کی بیشتر بلکہ تقریباً کل تصانیف اور مضامین کا محور و مرکز یہی نقطہ ہے - گو ان کے ہمہ گیر علم و قلم کی عنان کبھی کبھی خالص علم و ادب کی جانب مڑ جاتی تھی ، مگر بہت کم مضامین ایسے نکلیں گے ، جو کسی نہ کسی حیثیت سے اصل مرکزی مقصد سے تعلق نہ رکھتے ہوں[1]

سید صاحب کی نثر پر مولانا عبدالماجد دریا بادی نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ سید صاحب کی نثر پر اگر قلم آٹھا ئیے تو دیدہ و دل حیران کہ شروع کہاں سے کیجئے . . . . شستگی ، متانت ، شرافت یہ تو ان کے اسلوب تحریر کے جوہر اصلی ہیں اور اس پر جا بجا شوخی و ظرافت کی گلکاریاں اور حسن صناعت کی سحر طرازیاں ، جیسے خاتم سلیمانی میں نگیں[2]-

شاعری :

شاعری اگرچہ مولانا کے لیے وجہ شہرت نہیں ، لیکن شاعری میں بھی مولانا کا مرتبہ نہایت بلند نظر آتا ہے ، شاعری میں رمزی تخلص کرتے تھے ، مولانا عبدالماجد دریا بادی نے مولانا کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

سید صاحب کے فاضل اجل اور عالم بے بدل ہونے کا ایک زمانہ قائل ہے ، دنیا کو مسلم ہے کہ وہ فن تاریخ میں امام وقت تھے اور سیرت نگاری میں اپنی نظیر آپ ،

۱- معارف - سلیمان نمبر - مضمون مولانا شاہ معین الدین ندوی ص - ۱۷۸-۱۷۷

۲- معارف - سلیمان نمبر - مضمون مولانا عبدالماجد دریا بادی - ص ۲۳۲

Marfat.com

لیکن آخر تک کم ہی لوگوں نے اُن کے ادبی ، شعری اور تنقیدی مرتبے کو جانا اور کمتر ہی لوگوں نے اُنھیں ادیب ، انشا پرداز اور سخن سنج کی حیثیت سے پہچانا ۔ علم و ادب کی تاریخ میں ایسی ناشناسی اور کم شناسی کی مثالیں نہ معدوم ہیں اور نہ غیر معلوم[1]

پھر سید صاحب کے ذوق شاعری کے پروان چڑھنے اور فروغ پانے کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ

پٹنہ سید صاحب کا وطن خود ہی اُردو شعر و سخن کے حق میں گلزار اور پھر سید صاحب کا لکھنؤ میں سالہا سال کا قیام جو کور کسر رہ گئی تھی پوری ہو گئی ، سید صاحب اس چمن کے ایک چہکتے ہوئے بلبل خوش نوا بن گئے ۔

کبھی قطعہ ، کبھی رباعی کہتے اور تفریحاً ہر بحر سخن میں شناوری کرتے[2]

نمونہ شاعری :

غزل شاعری کی جان ہے ، مولانا کی غزلوں کے چند شعر ہم تبرکاً درج ذیل کرتے ہیں :

دل حریف نگہ یار کہاں سے لاؤں
جو نہ بے خود ہو وہ میخوار کہاں سے لاؤں

مدرسہ چھوڑا ، خرابات میں آ کر ٹھہرے
دوسرا سایۂ دیوار کہاں سے لاؤں

توبہ توبہ مری توبہ بھی ہے کوئی توبہ
ٹوٹ جائے نہ جو ہر بار کہاں سے لاؤں

۱- معارف - سلیمان نمبر - مضمون مولانا عبدالماجد دریا بادی - ص - ۲۳۰
۲- ایضاً - ص - ۲۳۱ -

Marfat.com

تشہیر کا باعث نہ ہو داماں قبا دیکھ
لائے نہ کہیں رنگ یہ خون شہدا دیکھ

انکار تھا تجھ کو مری تاثیر دعا سے
اب میری طرف دیکھ تو تاثیر دعا دیکھ

آزاد مکاں سے ہے اسے قید مکاں کیا
گر آنکھ ہو بت خانے میں بھی نور خدا دیکھ[1]

حبّذا پیر مغاں دریا دل و دریا نوال
جمع ہیں میخوار ، میخانے میں نوشا نوش ہے

اب تو مے نوشی ہے عین شرع برفتوائے شیخ
اب وہی ہوگا فقیہ شہر جو مے نوش ہے[2]

عارفانہ کلام :

توحید ، معرفت الٰہی اور عشق رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے سید صاحب کا قلب معمور تھا ، عشق الٰہی اور عشق رسول کے یہ جذبات جب شعر کے سانچے میں ڈھلتے تو قارئین کو یقین محکم ، اور ایمان کی تازگی عطا کرتے ہیں ۔ فرماتے ہیں :

کس نے بھر دی یہ صدائے دل نواز
ہر رگ جاں ساز الا اللہ ہے

کوئی ہو آواز میرے کان میں
ہر صدا آواز الا اللہ ہے

کار فرما ایک آتا ہے نظر
منکشف اب راز الا اللہ ہے[3]

۱۔ معارف ۔ سلیمان نمبر ۔ مضمون مولانا عبدالماجد دریا بادی ، ص ۲۳۱
۲۔ تذکرہ سلیمان ۔ ص ۔ ۳۴۶
۳۔ ایضاً ۔ ص ۔ ۳۵۰

Marfat.com

نام محمد صلِ علیٰ ، نور مجسّد صلِ عالی
حد مّورد صلِ علیٰ ، قدِّ ممدّد صلِ عالی

چہرۂ انور شمس ضحیٰ ، زلفِ معنبر لیلِ سجیٰ
قلب مطہر نورِ ھدیٰ ، ذکر ممجّد صل علیٰ

جی میں ہے عاشق سجدہ کرے تو نے ہیں جہاں پر پاؤں دھرے
اور بشوق و ذوق پڑھے محضر مرقد صل عالی

عاقبت اندیشی اور فکر آخرت کے سلسلے میں سید صاحب کے یہ اشعار چشم غفلت کو وا کرنے کے لیے کس قدر باعثِ بصیرت ہیں - فرماتے ہیں :

ہم ایسے رہے یا کہ ویسے رہے
وہاں دیکھنا ہے کہ کیسے رہے

حیاتِ دو روزہ کا کیا عیش و غم
سفر کا بھی کیا جیسے تیسے رہے

یہ اسباب ہیں دستِ قدرت میں یوں
قلم دستِ کاتب میں جیسے رہے[1]

کبھی کبھی فارسی میں بھی شعر فرماتے تھے -

علامہ اقبال کی تحسین :

علامہ اقبال نے مولانا سید سلیمان ندوی کی ایک غزل پر جو سید صاحب نے علامہ کو بھجوائی تھی ، ۱۳ نومبر ۱۹۱۶ کو سید صاحب کو لکھا کہ

آپ کی غزل لاجواب ہے ، بالخصوص یہ شعر مجھے بڑا پسند آیا ہے -

ہزار بار مجھے لے گیا ہے مقتل میں
وہ ایک قطرۂ خوں جو رگِ گلو میں ہے[1]

۱- تذکرہ سلیمان - ص ۳۵۲-۳۶۱

Marfat.com

مولانا شبلی مرحوم و مغفور نے تاریخی واقعات کو نظم کرنا شروع کیا تھا ، اور جو چند نظمیں انھوں نے لکھی تھیں ، وہ نہایت مقبول ہوئیں ، غزل کے ساتھ وہ بھی جاری رکھیے[1]۔

۱۔ اقبال نامہ حصہ اول ۔ ص ۔۲۶۷ ۔

Marfat.com

(۲٦)

مولانا مسعود عالم ندوی

علامہ اقبال کا تاثر :

ڈیر مولانا مسعود عالم ، السلام علیکم

آپ کا خط عین اس وقت پہنچا جب کہ میں ابن قیم کی اعلام الموقعین پڑھ رہا تھا ، خدائے تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے ، میرے مطلب کے لئے کافی مسالہ آپ نے جمع کر دیا ہے ، اب اگر ضرورت ہوئی تو اس سے فائدہ اٹھاؤں گا ، مولانا سید سلیمان ندوی کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں ۔ فقہی مسائل کے اختلافات اور علمائے اسلام کی جرح و قدح جس میں حضور رسالت مآب ؐ کا عشق پوشیدہ ہے ، ان تمام چیزوں کا مطالعہ بے حد روحانی لذت رکھتا ہے . . . . . بہرحال جو زحمت آپ نے اٹھائی ہے ، میں اس کے لئے بے حد شکر گزار ہوں . . .

محمد اقبال ۔ لاہور

۱۲ فروری ۱۹۳٦ء

(مکتوب اقبال ۔ بنام مولانا مسعود عالم ندوی
اقبال نامہ حصہ اول ، ص ۳۰۴)

حالات :

مولانا مسعود عالم کی عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مولانا

Marfat.com

کو علامہ اقبال نے اپنے مکاتیب میں مخدومی جناب مدیر الضیا ، کہیں مخلصی ، کہیں مخدومی مولانا ، کہیں ڈیر مولانا ، کہیں جناب مولانا کے پر عظمت القاب سے نوازا ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا مسعود عالم ندوی متاخر دور کے ندوی علماء میں اخلاص و بے غرضی کے پیکر ، دریائے علم کے شناور ، عربی ادب کے یگانہ روزگار گوہر تھے ، وہ تاریخ اسلام ، عربی ادب و انشا میں اپنے دور کے عجم اساتذہ میں شمار ہوتے تھے ، انھوں نے اپنی عظمتوں اور فن کو اسلامی خدمت کے لئے وقف کیا تھا ، انھوں نے اپنے جوہر ، اپنے کمال ، اپنی متاع کی اہل دنیا سے قیمت نہیں لی ، بلکہ وہ اس کے اجر کے اللہ سے طالب رہے ، وہ شروع ہی سے انقلابی رجحانات رکھتے تھے اور ان میں انگریزوں کے خلاف شدید نفرت پائی جاتی تھی ۔

مولانا مسعود عالم صوبہ بہار کے ایک چھوٹے سے گاؤں (اگنواں) میں ۲۱ محرم ۱۳۲۸ھ (۱۱ فروری ۱۹۱۰ء) میں پیدا ہوئے ، ان کے والد حکیم محمد عبدالشکور ایک عالم باعمل تھے ۔

تعلیم :

انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے حاصل کی ۔ چند سال کے بعد یہ خاندان بہار شریف میں منتقل ہوگیا ، اس طرح مولانا مسعود عالم ہائی اسکول بہار شریف میں داخل ہوگئے ، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب سیاسی حیثیت سے برصغیر کے مسلمان بیدار ہو رہے تھے ، خلافت اور ترک موالات کی تحریکیں شباب پر تھیں ، انگریزی حکومت کے اسکولوں میں رہبران قوم نے طلبہ کا داخلہ ممنوع قرار دیا تھا ، لہذا مولانا کے والد نے ان کو مدرسہ عزیزیہ میں داخل کرا دیا ، یہاں انھوں نے ابتدائی دینی تعلیم کا اکتساب کیا ۔

مدرسۂ شمس الهدیٰ میں داخلہ :

مدرسہ عزیزیہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد بہار شریف کے سب سے بڑے مدرسے مدرسۂ شمس الہدیٰ پٹنہ میں داخل ہوئے ، یہیں ان میں عربی ادب کا شوق بیدار ہوا اور یہ ذوق ترقی کرتا گیا ، کچھ دن

Marfat.com

مدرسہ امینیہ دہلی میں بھی گزارے ، مگر مدرسہ امینیہ کی فضا راس نہ آئی اور واپس لوٹ آئے ۔

ندوۃ العلماء میں شرکت :

آخر قدرت نے ان کو اس دارالعلوم میں پہنچایا جسے ندوۃ العلماء لکھنؤ کہا جاتا ہے ، مولانا ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اکتوبر ۱۹۲۷ء میں داخل ہوئے ، اسی درسگاہ نے ان کو عربی ادب کی پختگی عطا کی اور یہیں ان کے ذوقِ تالیف و تصنیف و صحافت نے فروغ پایا ۔

اسی زمانے میں عربی کے ممتاز محقق و ادیب جن کی تحریر و تقریر کا سکہ پورے ممالک عربیہ پر بیٹھا ہوا تھا، شیخ تقی الدین الہلالی المراکشی بدر بن کر افق ندوہ پر طلوع ہوئے ، وہ استادِ ادب ہو کر ندوہ میں آئے تھے ۔ ان کے آنے سے دارالعلوم میں ایک نئی زندگی نے جنم لیا ، اِن بزرگ کے علم و فن سے سب سے زیادہ فائدہ مولانا مسعود عالم نے اٹھایا ۔

دارالعلوم سے آخری سند حاصل کرنے کے بعد انھوں نے لکھنؤ یونی ورسٹی سے فاضل ادب کا امتحان دیا ، اس میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد مولانا مسعود عالم نے میٹرک کا امتحان دیا ، ایف اے کے امتحان کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں کہ مولانا کے خیال میں ایک نئی تبدیلی آئی اور انھیں یہ مغربی علوم کی ڈگریاں فضول معلوم ہونے لگیں ، آخر امتحان نہ دینے کا فیصلہ کیا ۔

رسالہ الضیاء (عربی) کی ایڈیٹری :

مولانا سید سلیمان ندوی کی ندوۃ العلماء سے عربی میں ایک ماہنامہ رسالہ جاری کرنے کی رائے ہوئی ، اس رسالے کا اہم مقصد یہ تھا کہ ہندوستان کے عربی مدارس کے طلبہ میں عربی لکھنے کا ذوق پیدا کیا جائے ، مولانا مسعود عالم کو اس رسالے کا ایڈیٹر مقرر کیا گیا ، اور رسالے کا نام ''الضیاء'' رکھا گیا ، اس کا پہلا شمارہ محرم ۱۳۵۱ھ (مئی ۱۹۳۲ء) کو نکلا جو درمیانی تقطیع کے چالیس صفحات پر مشتمل تھا ، دو سال تک یہ رسالہ مولانا مسعود عالم اور ڈاکٹر ہلالی کے زیر نگرانی

Marfat.com

چلتا رہا، لیکن جب وہ عراق واپس ہوئے تو اس رسالے کی پوری ذمہ داری مولانا مسعود عالم کے ذمے آ پڑی ، مولانا نے اس کا صوری و معنوی وقار برقرار رکھا اور اپنی سعی و کوشش سے اس کی فصاحت و بلاغت کا سکہ ممالک اسلامیہ عربیہ کی دنیا میں بٹھا دیا ۔

مشاہیر علماء کی آراء :

بیرون ملک کے مشاہیر عربی ادب کے علماء نے اس رسالے کی تعریف کی ۔ عربی ادب و انشا کے ایک نامور عالم امین ناصر الدین نے لکھا کہ

> عربوں کے لئے مقام غیرت ہے کہ ان کے اکثر و بیشتر رسالوں سے اس عجمی ملک کے رسالے کی زبان بہتر اور برتر ہے[1]۔

شام کے ایک غیر مسلم ادیب و نقاد الشاس الکرملی نے لکھا کہ

> گو آپ ابھی کمسن ہیں مگر میں آپ کو عربی زبان کا علامہ اور محقق سمجھتا ہوں ۔

"الضیاء" نے مولانا مسعود عالم کی شہرت کو چار چاند لگائے ، اور اندرون اور بیرون ملک کے نوابغ روزگار علماء سے یہ رسالہ ان کے تعارف کا باعث بنا ۔ علامہ شکیب ارسلان، سید رشید رضا ، محب الدین الخطیب ، علامہ اقبال ان سب اکابرین سے تعارف و تعلقات کا ذریعہ یہی رسالہ تھا ۔

رسالہ الضیاء کا التوا :

محترمی مولانا سید علی ابوالحسن ندوی نے اس رسالےکی مسدودی کی وجوہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ

> "الضیاء" کا حلقۂ اشاعت محدود اور مضمون نگاروں کا حلقہ محدود تر رہا ، وہ عرب ممالک میں جس قدر وقعت و قبولیت رکھتا تھا ، ہندوستان میں اسی قدر غیر معروف

۱- مسعود عالم ندوی ، ص ۲۱

Marfat.com

اور نامعلوم تھا ، اشاعت کی کمی اور مصارف کی زیادتی نے اس کے منتظمین کو اس کے التوا پر مجبور کر دیا اور رسالہ چار سال نکلنے کے بعد بند ہو گیا[1] ۔

"الضیاء رسالہ" اگرچہ بند ہو گیا ، لیکن مولانا مسعود عالم کی شہرت و مقبولیت کو پر پرواز عطا کر گیا ، اگرچہ اب وہ ندوہ میں ایک معلم ادب کی حیثیت سے تھے ، لیکن علمی دنیا اُن سے روشناس ہو چکی تھی ، یہ سب رسالہ الضیاء کا کرشمہ تھا ۔

مولانا مسعود عالم صاحب ندوہ میں جب تک رہے ، وہ طلبہ میں اسلامی فکر کے پیدا کرنے میں لگے رہے ، انھوں نے طلبہ کے لئے ایسی منتخب کتابوں کی فہرست تیار کی تھی ، جو طلبہ کے ذہنوں کو اسلامی انقلاب لانے کے لئے تیار کریں ، مولانا ان طلبہ کو جو اُن کے پاس بیٹھتے تھے ، ان منتخب کتابوں کے پڑھنے کا ضرور مشورہ دیتے تھے ، وہ کتابیں جن کے پڑھنے کا مشورہ مولانا دیتے تھے ، ان میں شیخ محمد عبدہ ، سید عبدالرحمن کوکبی اور ہندوستان کے مصنفین میں مولانا شبلی ، مولانا آزاد اور علامہ اقبال کی کتابیں تھیں ، اِن کے علاوہ الہلال کے فائل ، مولانا محمد علی جوہر کے مضامین اور مولانا عبدالماجد کے اخبار سچ کے مضامین پڑھنے کا بھی مشورہ دیتے تھے ۔

مولانا ابوالحسن سید علی نے اُن کے عقائد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ

عقائد میں وہ ہمیشہ سے سلفی تھے ، توحید و اتباع سنت میں اُن کو تصلب تھا ، یہ کچھ تو خاندانی اثر تھا ، ان کے ننھالی بزرگ اہل حدیث علماء اور مولانا عبداللہ غازی پوری کے شاگرد تھے ، شیخ تقی الدین الہلالی کی صحبت نے اِس رنگ کو اور شوخ کر دیا تھا ، ۔ ۔ ۔ اُن کے دل میں حضرت سید احمد شہید ، حضرت شاہ اسماعیل شہید اور اُن کی پاکباز جماعت سے ایک والہانہ تعلق اور عاشقانہ ارادت پیدا کر دی تھی[1] ۔

۱- مسعود عالم ندوی - ص - ۲۱ - ۲- پرانے چراغ - ص - ۳۲۶ -

Marfat.com

۱۳۵۶ھ (۱۹۳۷ء) میں بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے انھیں ندوۃالعلماء چھوڑ دینا پڑا ، اخبار مدینہ بجنور کی فرمائش پر وہ اخبار مدینہ بجنور کے عملہ ادارت میں شریک ہو گئے ، ان کے ادارتی شذرات و مضامین نے اگرچہ ہندوستان کی دنیا میں دھوم مچا دی لیکن ندوہ سے جدائی آن کے لئے سوہان روح تھی ، ان کا علمی مذاق دارالعلوم ندوہ کی فضاؤں کو ڈھونڈھتا تھا ۔

چھ سات ماہ وہ بجنور میں رہے ، پھر ندوۃ العلماء واپس چلے آئے ندوہ میں کچھ ماہ ہی گزارے تھے کہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں کیٹلاگر کی جگہ خالی ہوئی اور مولانا اس خدمت پر چلے گئے - ۱۶ دسمبر ۱۹۳۷ء کو انھوں نے کیٹلاگر کے عہدے کا جائزہ لیا اور سات سال تک وہ خدا بخش لائبریری سے وابستہ رہے - یہیں آن کا حلقہ احباب وسیع ہوا ، یہیں مولانا امتیاز علی عرشی رامپوری نے نسخہ عرشی مرتب کرنے میں مولانا سے مدد لی ، یہیں علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے حوالہ جات کی تنقیح و تخریج اور عبارتوں کی تلاش و جستجو میں آن سے مدد لی [۲]۔

پٹنہ کے قیام نے انھیں اپنے عقائد و خیالات میں اور بھی مستحکم بنا دیا اور وہ ان خیالات کی تبلیغ و اشاعت نہایت سرگرمی سے کرنے لگے ، لیکن ندوہ کے احباب کی یاد وہاں بھی آن کے قلب کو گرمائے رہی ، ایک خط میں مولانا ابوالحسن سید علی کو لکھا :

> آپ کی یاد کس کس تقریب سے آتی ہے ، کیا کہوں ، میرا اعتقاد ہے کہ آپ ، عبدالسلام صاحب اور مسعود سے زیادہ دنیا میں کوئی تین آدمی ہم خیال نہیں ہو سکتے ، لیکن کس قدر تکلیف کی بات ہے کہ ایک الگ غیر اور اجنبی ماحول میں پڑا ہوا ہے ، بہر حال یقین رکھیے کہ

---

۱ ماخوذ از پرانے چراغ مولانا ابوالحسن سید علی ندوی - ص ۳۲۸ -

۲- مسعود عالم ندوی (اختر راہی-ایم-اے) ص - ۲۴

Marfat.com

میں جب تک یہاں رہوں گا ''ندویت'' مخصوص قسم کی
''وہابیت'' اور عربیت پھیلاتا رہوں گا ۔ خواہ اس راہ
میں شہید کیوں نہ ہو جاؤں [1]۔

۲۱ - ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ

مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد سے عقیدت :

مولانا مسعود عالم مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد امیر شریعت بہار [2] کے بے حد عقیدت مند معرف و مداح تھے اور مولانا ابوالمحاسن بھی اُن پر غیر معمولی شفقت فرماتے تھے ، ۱۷ شوال ۱۳۵۹ھ (نومبر ۱۹۴۰ء) کو مولانا ابوالمحاسن نے اس جہانِ فانی کو الوداع کہا ، مولانا مسعود عالم اُن کی وفات سے بے حد متاثر ہوئے ، ''محاسن سجاد'' کے نام سے مولانا مسعود عالم نے ایک کتاب لکھی ، جو اُن کے حسن اخلاق و کمالات کی آئینہ دار ہے ۔

مولانا مسعود عالم کے سیاسی افکار :

مولانا مسعود عالم اپنے سیاسی افکار میں انگریزی حکومت سے سخت نفرت رکھتے تھے ، وہ اپنے خیالات کے اظہار میں بڑے صاف گو اور جری تھے اور سیاسی جماعتوں اور افراد پر بے لاگ تبصرہ کرتے تھے ۔ وہ اُن اہل قلم ، ادیبوں اور اہل فن کو معاف نہیں کرتے تھے جن کے ادب اور تحریروں میں ذرا بھی لادینی اور گمراہی کا شائبہ پاتے ، انھیں اپنے فرائض منصبی کے ساتھ نوجوانوں کی فکری اصلاح کا غم کھائے جاتا تھا ۔

جماعت اسلامی سے ربط و رکنیت :

ندوہ سے متعلق ہونے کے زمانے ہی میں مولانا مسعود عالم مولانا

۱- پرانے چراغ - ص ۳۳۴ -

۲- مولانا ابوالمحاسن سجاد :- وطن : صوبہ بہار کا قصبہ بہار۔تعلیم : الہ آباد کے مدرسہ سبحانیہ میں تعلیم مکمل کی ۔ وفات : ۱۷ شوال ۱۳۵۹ھ (۱۹۴۰ء) (پرانے چراغ - ص ۳۳۷) -

Marfat.com

سید ابوالاعلی مودودی کے رسالہ ترجمان القرآن سے بڑی دلچسپی رکھتے تھے ، اس کے مطالعہ نے مولانا مسعود عالم کو جماعت اسلامی کی تحریک سے بالکل قریب کر دیا تھا ، جماعت اسلامی کے لٹریچر نے انھیں اور بھی قریب کیا ، ربط اور مطالعہ نے ان کو پہلے تو جماعت اسلامی کا ہم خیال و ہمنوا بنایا ، پھر وہ جماعت اسلامی کے رکن ہوگئے -

مولانا سید ابو الاعلی مودودی سے ان کی وجہ تقریب ملاقات یہ ہوئی کہ ۱۹۴۱ع میں مولانا سید ابوالاعلی مودودی لکھنؤ تشریف لائے اور ندوۃ العلماء میں قیام کیا ، مولانا مودودی نے مولوی سید ابوالحسن علی سے یہ اظہار خیال کیا کہ وہ ایک عربی رسالہ جاری کرنا چاہتے ہیں ، مولانا مودودی نے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے یہ خواہش بھی کی کہ وہ اس رسالے کی ادارت قبول کر لیں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا مودودی کو مولانا مسعود عالم ندوی کا مشورہ دیا ، مولانا مسعود عالم اس پر راضی ہوگئے ، لیکن بعض انتظامی مشکلات کی وجہ سے مولانا مودودی یہ رسالہ جاری نہ کر سکے ، مگر یہ تعارف تقریب ملاقات کا ذریعہ بنا - اور ۱۹۴۲ع میں مولانا مسعود عالم جماعت اسلامی کے شعبۂ عربی کے نشر و اشاعت کے انچارج ہو کر جالندھر چلے گئے - وہاں انھوں نے در دارالعروبہ لدعوۃ الاسلامیہ" کے نام سے نشر و اشاعت کا کام شروع کر دیا -

قیام پاکستان کے بعد :

۱۴ اگست ۱۹۴۷ع کو پاکستان قائم ہوا ، تقسیم ملک سے تبادلہ آبادی میں جن دشواریوں اور مصائب کا سامنا مسلمانوں کو کرنا پڑا ، جس قدر جانی و مالی نقصان ہوا ، پاکستان کی تاریخ میں وہ خون چکاں واقعات محفوظ ہیں ، یہاں ان کے اعادے کی ضرورت نہیں - تبادلہ آبادی میں مولانا مسعود عالم بھی نقصان عظیم سے محفوظ نہ رہ سکے ، ایک عالم کے لیے کتابوں سے بڑھ کر کوئی سرمایہ نہیں ، مولانا اپنی تصنیف دیار عرب میں ان بیش بہا کتب کے زیاں پر یوں نوحہ کناں ہیں :

بیس سال میں جو کچھ جمع کیا تھا ، غالباً ردی کے

Marfat.com

نرخ فروخت ہوا ہو گا ، وہ کتابیں اگر دوبارہ خریدی جائیں تو بھی وہ کام نہیں کر سکتیں ، ان کتابوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہوا ، حاشیوں پر یاد داشتیں ، ان کے صفحے اور سطریں ایسی مانوس گویا نگاہوں کے سامنے پھر رہی ہوں [1]۔

راولپنڈی میں قیام :

جماعت اسلامی کے فیصلے کے مطابق ۱۲ نومبر ۱۹۴۷ء کو مولانا راولپنڈی منتقل ہوئے اور یہاں دارالعروبہ کا دفتر قائم کیا گیا ۔

مولانا نے جماعتی لٹریچر کے ترجمے کے متعلق اس شرط پر ذمہ داری لی تھی کہ وہ ترجمہ اپنی نگرانی میں کرائیں گے ، لیکن موزوں مترجمین میسر نہ آ سکے ، اس لیے یہ ذمہ داری بھی مولانا کو خود اٹھانی پڑی اور ڈیڑھ سال میں مولانا نے دین حق ، اسلام اور جاہلیت ، جہاد فی سبیل اللہ ، اور شہادت حق کا عربی میں ترجمہ کیا ۔

حلقہ راولپنڈی کے امیر :

۵ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو مولانا مسعود عالم جماعت اسلامی کے حلقہ ، راولپنڈی کے امیر مقرر کیے گئے ۔

دیار عرب کا سفر :

مولانا نے دو ڈھائی سال میں محسوس کر لیا کہ دارالعروبہ کی مطبوعات کے لیے جب تک کہ ممالک عرب کا سفر نہ کیا جائے ، اور وہاں لٹریچر کی نکاسی کا انتظام نہ کیا جائے ، اسٹاک کی نکاسی ممکن نہیں ، اس غرض سے مولانا ۲۸ اپریل ۱۹۴۹ء پہلے بصرہ اور پھر بغداد پہنچے ، بغداد کے "روز نامہ السجل" میں کشمیر اور ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق کئی مضامین لکھے ، پھر سعودی عرب پہنچے اور حج و زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی ۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو اپنے وطن پاکستان آئے ۔

۱۔ مسعود عالم ندوی ۔ ص ۔ ۳۰ بحوالہ دیار عرب میں چند ماہ ۔ ص ۔ ۱۶

Marfat.com

حیدر آباد سندھ میں قیام :

دارالعروبہ کے لیے مناسب مقام حیدر آباد سندھ کو سمجھا گیا ، تین ماہ مولانا حیدر آباد سندھ میں رہے ، لیکن وہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی ، لہذا مولانا ۵ مارچ ۱۹۵۰ء کو گوجرانوالہ منتقل ہوگئے ، ایک سال چار ماہ مولانا گوجرانوالہ میں رہے - جماعت اسلامی نے دوبارہ مولانا مسعود عالم کو راولپنڈی بھیجنے کا فیصلہ کیا ، مولانا راولپنڈی آگئے -

تحریک ختم نبوت اور مولانا کی اسیری :

۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت چلی ، مولانا بھی اس تحریک میں گرفتار ہوئے ، چار ماہ کی اسیری کے بعد ۲ اگست ۱۹۵۳ء کو مولانا رہا ہوئے ، اس طرح مولانا نے یہ سنتِ یوسفی بھی ادا کی

جیل سے رہا ہونے کے بعد :

جیل سے رہا ہونے کے بعد مولانا کی صحت روز بروز خراب ہوتی گئی ، یہاں تک کہ ۲۲ نومبر ۱۹۵۳ء کو ان کے استاد مولانا سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ نے وفات پائی ، یہ صدمہ بھی مولانا کے لیے جاں کاہ ثابت ہوا -

وفات :

یکم مارچ ۱۹۵۴ء کو مولانا اس لیے کراچی گئے کہ اپنے پاسپورٹ میں توسیع کرائیں ، ۲ مارچ کو کراچی پہنچے ، پیر الٰہی بخش کالونی میں مقیم تھے کہ ۱۰ رجب ۱۳۷۳ھ (۱۶ مارچ ۱۹۵۴ء) کو رات کو ساڑھے نو بجے کراچی میں ایک سخت دورے کے بعد مولانا مسعود عالم نے رحلت فرمائی -

۱۷ مارچ ۱۹۵۴ء کی صبح کو جنازہ اٹھا ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمتہ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی ، دہلی کے پنجابی سوداگران کے قبرستان میں مدفون ہوئے -

---

۱- مولانا مسعود عالم کے یہ حالات مسعود عالم ندوی (تالیف جناب اختر راہی صاحب ایم-اے) ص-۱۷-۳۴ اور پرانے چراغ (تصنیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) ص-۳۱۷-۳۵۸) سے ماخوذ ہیں

Marfat.com

مولانا کی وفات پر اہل علم کا تاثر :

مولانا کی وفات سے مشاہیر اہل علم میں صف ماتم بچھ گئی ، مفتی محمد امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین نے کہا کہ

> انھوں نے اللہ کی راہ میں کماحقہ جہاد کرتے ہوئے جان جان آفریں کے سپرد کی ۔

ڈاکٹر تقی الدین ہلالی نے مولانا کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا ۔

> جواں مردی ، ہمت اور صبر و استقامت میں مسعود صاحب ایک بے نظیر شخصیت کے مالک تھے ۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ بانی جماعت اسلامی نے ایک خط میں لکھا کہ

> . . . مسعود عالم صاحب کی وفات پر اس کے سوا کیا لکھوں کہ اس کے بعد سے اپنا ایک بازو ٹوٹا ہوا محسوس کرتا ہوں ، شاید جسم کے بازو ٹوٹنے کی بھی اتنی تکلیف نہ ہوتی ، جتنی روح کے اِس بازو کے ٹوٹ جانے سے محسوس ہو رہی ہے ، اللہ تعالیٰ ان کو اجرجزیل عطا فرمائے اور اپنے دین کے لئے ویسا ہی کوئی خادم پیدا کرے . . .

تصانیف :

مولانا مسعود عالم کی عمر ۴۴ سال سے زیادہ نہیں ہوئی ، لیکن انھوں نے عمر کے اِس مختصر سے وقفے سے بھی جو کچھ نچوڑا جا سکتا تھا نچوڑ لیا اور ایسی تصانیف یادگار چھوڑیں جو اُن کے نام کو ہمیشہ تاباں و درخشاں رکھیں گی ، اُن تصانیف میں سے چند کے نام یہ ہیں ۔

(۱)ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (۲) دیار عرب میں چند ماہ (۳) ایک بدنام اور مظلوم مصلح وغیرہ ۔

۱۔ مولانا مسعود عالم کی وفات کے یہ چند تاثرات اور ان کی کتابوں کے نام مسعود عالم ندوی (جناب اختر راہی) کی تالیف سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

(۲۷)

مولانا حافظ محمد اسلم جیراج پوری

علامہ اقبال کا تاثر :

۱۷ مئی سنہ ۱۹۱۹ء

مخدومی السلام علیکم

آپ کا تبصرہ "اسرار خودی" پر "الناظر" میں دیکھا ، جس کے لئے میں آپ کا نہایت شکر گزار ہوں ۔

دیدمت مردے دریں قحط الرجال

. . . پیرزادہ مظفر الدین صاحب نے میرا مقصد مطلق نہیں سمجھا ، تصوف سے اگر اخلاص فی العمل مراد ہے (اور یہی مفہوم قرون اولی میں اس کا لیا جاتا تھا) تو کسی مسلمان کو اس پر اعتراض نہیں ہو سکتا ، ہاں جب تصوف فلسفہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور عجمی اثرات کی وجہ سے نظام عالم کے حقائق اور باری تعالیٰ کی ذات کے متعلق موشگافیاں کر کے کشفی نظریہ پیش کرتا ہے تو میری روح اس کے خلاف بغاوت کرتی ہے ، میں نے ایک تاریخ تصوف کی لکھنی شروع کی تھی مگر افسوس کہ مسالہ نہ مل سکا اور ایک دو باب لکھ کر رہ گیا ۔ پروفیسر نکلسن "اسلامی شاعری اور تصوف" کے نام سے ایک کتاب لکھ رہے ہیں ، جو عنقریب شائع ہوگی ، ممکن ہے کہ یہ کتاب ایک حد تک وہی کام کرے جو میں کرنا چاہتا تھا . . . مجھے امید ہے کہ اس طویل خط کے لئے آپ مجھے معاف فرمائیں گے ۔ آپ کے تبصرے سے مجھے بڑی تسکین قلب ہوئی ۔ امید

Marfat.com

ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا ۔ والسلام ۔

آپ کا مخلص

مکتوب علامہ اقبال بنام مولانا محمد اسلم جیراج پوری
اقبال نامہ مجموعہ مکاتیب اقبال حصہ اول ۔ ص ۵۳-۵۵

آیہ نور کے متعلق علامہ اقبال کی مولانا اسلم جیراج پوری کی غلط فہمی کی وضاحت :

محترمی سید نذیر نیازی نے اُن مکاتیب کی توضیح کے ضمن میں لکھا جو علامہ نے اُن کے نام لکھے ہیں کہ

ایک روز تیسرے خطبے کے سلسلے میں آیۂ نور کی بحث آ گئی مولانا (اسلم جیراج پوری) نے فرمایا ڈاکٹر صاحب نور کو مادی نور کے معنیٰ میں استعمال کر رہے ہیں ۔

پھر مولانا کا اصرار ہوا کہ میں اُن کی یہ بات ڈاکٹر صاحب کو پہنچا دوں ، چنانچہ میں نے ڈاکٹر صاحب کو مولانا کا خیال لکھ بھیجا ، ڈاکٹر صاحب نے اس کے جواب میں لکھا کہ

> مولانا اسلم کا ارشاد بجا ہے ، مگر اس آیت کو تاریخی نقطۂ نگاہ سے دیکھنا چاہیئے ، اس مضمون کی آیات قریباً تمام سماوی کتب میں موجود ہیں ، اس کا مقصود یہ نہیں کہ خدا مادی معنٰی میں نور ہے ، نور محض ایک استعارہ جسے قدیم کتب سماوی میں اغراض کے لئے استعمال کیا گیا ہے ، یعنی وجود باری کو ہمہ گیر ظاہر کرنے کے لئے ، قرآن نے میری رائے ناقص میں اس قدیم استعارے کو وجود باری کی طرف اشارہ کرنے کے لئے استعمال کیا ہے [1] ۔

۱۔ مکتوبات اقبال بنام سید نذیر نیازی ۔ ص ۔ ۴۰ ۔ ۴۱ ۔

Marfat.com

مولانا محمد اسلم جیراج پوری نے مختلف علوم و فنون کے دبستانوں سے اکتساب علم و فن کیا ، وہ ایک خانوادۂ اہل حدیث میں پیدا ہوئے ، فقہ کو بحیثیت ایک علم کے پڑھا ، لیکن ان کی روح تقلید سے باغی رہی انہوں نے اپنے قلم بند کئے ہوئے حالات میں خود لکھا ہے کہ

> اہل حدیث کے نزدیک فقہ کی دینی اہمیت نہیں ہے اس کی تعلیم محض اتمام نصاب کے لئے دی جاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس کے اکثر مسائل سے ہماری روح بغاوت کرتی تھی[1] ۔

رفتہ رفتہ مولانا کا علم حجاب اکبر بنتا گیا اور وہ حدیث سے بھی بیزار ہوئے ۔ نوادرات میں انہوں نے لکھا کہ

> دفعۃً حدیث کی بھی حالت سامنے آ گئی کہ وہ بھی مرکز سے نہیں ملی ہے ، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحیح جانشینوں نے اس کا کوئی مجموعہ مرتب کر کے اُمت کے حوالے نہیں کیا ، بلکہ تمام تر رواۃ سے ملی ہے ، جنھوں نے رضاکارانہ اس کو روایت کیا اور جن کی کوئی مرکزی حیثیت نہیں تھی ، اِس حقیقت پر نگاہ پڑتے ہی میری روح لرز اٹھی اور میں نے کہا یا اللہ !
>
> سوائے تیری کتاب کے کہیں پناہ نہیں ہے ، جیسا کہ تو نے خود فرمایا ہے ۔ ولن تجد من دونہ ملتحدا ۔ . . . . جب قرآنی حقائق اللہ نے میرے دل پر کھولے اس وقت حدیث کی اصلی حیثیت بالکل واضح ہو گئی کہ وہ دینی تاریخ ہے ، خود اس کو دین سمجھنا صحیح نہیں ، اگر دین ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی طرح اس کو بھی لکھوا کر اُمت کو دے جاتے ۔ دین کے لئے قرآن کافی ہے ، جو کامل

---

۱ ۔ نوادرات ۔ ادارۂ طلوع اسلام ۔ ص ۳۵۲ ۔

Marfat.com

کتاب ہے اور جس میں دین مکمل کر دیا گیا ہے[1] ۔

خود مولانا کی دی ہوئی اِس تفصیل سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مولانا محض عمل بالقرآن کو کافی سمجھتے تھے ، حالانکہ حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ کی تفصیل ہے اور اس کے ماننے کے بغیر ایک مسلمان کو چارہ نہیں ۔

مولانا کے احترام کے باوجود ہم اس اختلاف کو نظر انداز نہیں کر سکتے اِس لئے ہمارے لئے ان کے حالات سے پہلے اِس کی وضاحت ضروری ہوئی ۔

حالات :

مولانا محمد اسلم جیراج پوری موضع جیراج پور ضلع اعظم گڑھ میں ۷ ربیع الاول بروز جمعہ ۱۲۹۹ھ (۱۸۸۱ء) میں پیدا ہوئے ، مولانا کے والد محترم مولانا سلامت اللہ مرحوم تھے[2] ۔

اُس زمانے میں نواب صدیق حسن خاں اور نواب شاہجہان بیگم کی علمی قدر افزائیوں کی بدولت بھوپال علماء اور اہلِ کمال کا مرکز بنا ہوا تھا ۔

مولانا محمد اسلم کے والد کو نواب صدیق حسن خاں نے بھوپال بلا کر مدرسہ وقفیہ کا صدر مدرس مقرر کیا ، کچھ عرصہ کے بعد وہ مدرسۂ سلیمانیہ کے نائب مہتمم مقرر ہوئے ، جب مولوی محمد بشیر صاحب سہوانی کو پنشن ملی تو اِن کے والد مدرسۂ سلیمانیہ اور ریاست کے صیغہ تعلیمات کے مہتمم مقرر ہوئے۔

جیراج پور کا مکتب :

مولانا محمد اسلم جیراج پوری کا بیان ہے کہ جب میری عمر پانچ سال کی ہوئی تو جیراج پور میں مجھے ایک مکتب میں بٹھایا گیا ، اِس مکتب کے

۱- نوادرات ۔ ص ۔ ۳۶۴ - ۳۶۵ -

۲- مولانا سلامت اللہ :- وفات : ۳۰ ربیع الاول ۱۳۲۲ھ (۱۵ جون ۱۹۰۴) مزار : بھوپال (نوادرات ۔ ص ۳۷۳) ۔

Marfat.com

میاں جی کا نام مولوی شکر اللہ تھا ، مولانا نے قاعدہ اور تین پارے اِن ہی میاں جی سے پڑھے ۔

بھوپال میں تعلیم :

پھر ہمیں والد بھوپال لے گئے ، یہیں کے اساتذہ نے اِس جوہر قابل کو علم و عمل سے آراستہ کیا ۔ چودہ سال تک مولانا بھوپال کے مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کرتے رہے ، بھوپال کی مدت تعلیم ۱۳۰۵ھ (۸۸ - ۱۸۸۷ء) سے شروع ہوکر ۱۳۱۹ھ (۲-۱۹۰۱ء) پر ختم ہوتی ہے ۔

حفظ قرآن :

حفظ قرآن مجید کی نعمت سے جس حافظ نے آپ کو سرفراز کیا ، یہ حافظ عبدالکریم تھے ، جو پنجاب کے رہنے والے تھے ، مولانا نے پورے دو سال میں قرآن مجید حفظ کر لیا ۔ ۹ سال کی عمر میں مولانا جیراج پوری نے پہلی محراب سنائی ۔

فارسی کی تعلیم :

فارسی کی تعلیم مولانا نے گھر میں ہی پائی ، پھر مولانا احسن صاحب شاعر گر[1] کے دو رسالے پنج سبق اور دہ سبق مع تحریری مشق کے پڑھے ، مولانا کا بیان ہے کہ ان رسالوں سے مجھے صحیح فارسی لکھنے کا ڈھنگ آ گیا ، فارسی کی دوسری درسی کتابیں مولوی فتح اللہ سے پڑھیں ۔

ریاضی :

حساب ، اقلیدس ، مساحت اور جبر و مقابلہ کی تعلیم سے مولوی شاہ محمد صاحب نے جو بھوپال کے اِس فن کے مشہور اساتذہ میں تھے ، اِن فنون سے مزین کیا ۔

۱۔ مولانا احسن شاعر گر :- بلگرام کے رہنے والے تھے ، اور فن شاعری میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے ، بھوپال میں یہ مشہور تھا کہ مولوی احسن کا سایہ کسی پر پڑ جائے تو وہ شاعر ہو جائے ، یہی وجہ تھی کہ ان کا لقب شاعر گر تھا ۔ (نوادرات ۔ حاشیہ ۔ ص ۳۴۹) ۔

Marfat.com

صرف و نحو و فقہ و اصول :

صرف و نحو و فقہ و اصول فقہ کی تعلیم مولوی فتح اللہ سے پائی ، منطق و فلسفہ کی تعلیم آن کے والد نے دی ۔

ادب میں آن کے والد نے پہلے زمخشری اطواق الذہب حفظ کرائی ، پھر نفحۃ الیمن پڑھائی ، پھر مقامات ، دیوان متنبی کے انتخابات پڑھائے ،

حدیث میں سب سے پہلے مولانا کو شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے رسائل پڑھائے گئے اس کے بعد بلوغ المرام اور موطا امام مالک اصول حدیث میں نخبہ کی تعلیم دلائی گئی ، آخر میں صحیح بخاری اور پھر صحیح مسلم پڑھائی گئی ، قرآن کی تفسیر آن کے والد نے خود پڑھائی ۔ انہوں نے درس کے لئے شیخ علی مہائمی کی تفسیر تبصیر الرحمن کو منتخب کیا اور ساتھ ہی تفسیر معالم التنزیل کو بھی مطالعہ میں رکھا[1] ۔

درسی نصاب کے متعلق مولانا کی رائے :

مولانا نے اپنے دور کی درسی کتابوں کے نصاب کے متعلق اپنے تاثر کو قلم بند کرتے ہوئے لکھا کہ

جو علوم ہم کو پڑھائے جاتے تھے ان کی غرض و غایت فنی حیثیت سے اگرچہ بیان کر دی جاتی تھی ، مگر ہماری نگاہ میں صرف یہ بات تھی کہ جاننے والے معزز اور مولانا سمجھے جاتے ہیں ، اس لیے آن کا جاننا ہی بجائے خود انسانیت کے لیے شرف ہے ، اس وقت کسی درسی علم کے لئے ضروری یا غیرضروری یا مفید یا غیر مفید ہونے کا کوئی خیال ہمارے ذہنوں میں نہ تھا ، لیکن دو باتیں بالخصوص میری نگاہ میں اس وقت بھی کھٹکتی تھیں ۔

ایک تو یہ کہ حدیث کے سوا باقی علوم میں خواہ وہ عقلی ہوں یا نقلی جو کتابیں درس میں رکھی گئی ہیں ، وہ تقریباً تمام کی تمام شرحیں ہیں ، جن میں نہ صرف غیر ضروری بلکہ غیر متعلق اور لاطائل بحثیں بھری

۱۔ نوادرات ۔

Marfat.com

ہوئی ہیں ۔ . . . ان شروح کی تعلیم میں کیوں فضول وقت ضائع کیا جاتا ہے ۔

دوسری یہ کہ نہ صرف عقائد و اصول و فقہ بلکہ منطق و فلسفہ و ہیئاۃ وغیرہ پر بھی جو غیر شرعی علوم ہیں ، قدامت کے تقدّس کا ایک غلاف چڑھا دیا گیا ہے اور جو کچھ ان کتابوں میں لکھا جا چکا ہے ، اساتذہ کی نگاہوں میں آخری الفاظ بلکہ مسلمات ہیں ، جن میں چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے . . . . مسلمان من حیث القوم صدیوں سے ماضی پرستی میں مبتلا ہے ، ان کی مثال مکّے کے اس نانبائی کی سی ہے ، جو باسی روٹی تازی سے زیادہ قیمت پر بیچتا تھا ، کسی نے سبب پر چھا تو اس نے کہا وہ اس سے مقدم اور عہدِ رسالت میں ایک رات قریب تر ہے ۔ اس لیے اس کے دام زیادہ ہیں ۔

ایک مدت تک غور و فکر کرنے اور نتائج کو دیکھنے کے بعد ان درسی علوم کی نسبت جو مشرقی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں ، میرا خیال یہ ہے کہ ان میں سے اکثر مردہ علوم کی لاشیں ہیں ، جن کو ہمارے اساتذہ صدیوں سے اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوئے ہیں اور جن کی عفونت سے عقل اور دین کوسوں بھاگتے ہیں ۔

میں اس میں کسی تبدیلی یا ترمیم کا قائل نہیں ہوں ، بلکہ کئی انقلابات چاہتا ہوں ، میری رائے یہ ہے کہ طلباء کو عربی زبان پختہ طور پر پڑھا کر خاص قرآن و سنتِ متواترہ یعنی عمل بالقرآن کی تعلیم دینی چاہیے اور بس ، اس کے بعد ان کو زندہ دنیاوی علوم سکھانے چاہیں ، جن سے وہ روزی پیدا کر سکیں اور دین کو دنیا کمانے اور ملت میں تفرقہ ڈالنے کا ذریعہ نہ بنائیں[1]۔

مجھے امید ہے کہ امت میں جس دن مرکزیت آ جائے گی اور اجتماعی مقاصد کی تشکیل ہوگی ، اس دن سوائے قرآن کریم کے کوئی دوسرا دینی نصاب ہمارا قرار نہ پا سکے گا ۔

۱- نوادرات ۔ ص ۔ ۳۵۵-۳۵۷

Marfat.com

بانک بنوٹ :

مولانا نے خود اپنی خود نوشت سوانحی حصے میں لکھا ہے کہ میرے والد نے ہمارے لیے ایک اُستاد بھی مقرر کر دیا تھا جو روزانہ شام کو آ کر بانک ، بانا اور بنوٹ وغیرہ سکھاتا تھا ، جس سے ورزش بھی ہو جاتی تھی ، میں نے بندوق کی نشانہ بازی کی بھی مشق کی تھی -

ملازمت :

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مولانا اسلم جیراج پوری سب سے پہلے ۱۹۰۲ء کے اواخر میں پیسہ اخبار لاہور میں عربی کے مترجم ہونے کی حیثیت سے ملازم ہوئے ، اس ملازمت کو دوسرا سال بھی گزرنے نہ پایا تھا کہ اپنے والد کی علالت کی وجہ سے نوکری چھوڑ کر بھوپال چلے آئے -

علی گڑھ کالج کی ملازمت :

۱۹۰۶ء میں علی گڑھ کالج میں کالیجٹ اسکول میں عربی اور فارسی کے مدرس مقرر ہوئے ، چھ سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے ، چھ سال کالج کی لٹن لائبریری میں مشرقی کتب کا شعبہ مولانا کے سپرد کیا گیا اور مولانا نے اس کی فہرست مرتب کی -

علی گڑھ یونی ورسٹی کی پروفیسری :

جب علی گڑھ کالج ، یونیورسٹی ہوا تو مولانا عربی اور فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے -

جامعہ ملیہ :

جب ترک موالات کے سلسلے میں جامعہ ملیہ اسلامیہ قائم ہوئی ، تو مولانا محمد علی جوہر کے اصرار پر مولانا اسلم جیراج پوری جامعہ ملیہ چلے آئے اور آخر دم تک جامعہ ملیہ میں رہے -

وفات :

مولانا محمد اسلم جیراج پوری نے ۱۹۵۵ء میں وفات پائی[1]

۱- مکتوبات اقبال بنام سید نذیر نیازی - ص -۳۹ ، حاشیہ - ۲۴

Marfat.com

تصانیف :

مولانا اسلم جیراج پوری کو بچپن ہی سے لکھنے کا شوق تھا ۔ بارہ سال کی عمر میں انھوں نے ایک مختصر رسالہ فارسی زبان میں قواعد اسلمیہ کے نام سے لکھ کر بھوپال سے شائع کرایا ، لیکن در اصل مولانا کی تصنیفی زندگی علی گڑھ کالج سے شروع ہوئی ، انھوں نے سب سے پہلے ۱۳۲۵ھ (۱۹۱۶-۱۷ء) میں تاریخ القرآن لکھی ۔

حیات حافظ :

۱۹۰۸ء میں مولانا نے خواجہ حافظ شیرازی کی سوانح حیات " حیاتِ حافظ " کے نام سے لکھ کر علی گڑھ سے شائع کی ۔

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے حکیم محمد حسین عرشی کو جو حافظ پر مضمون لکھنے کی تیاری کر رہے تھے ، حافظ پر بعض اہم کتابوں کی نشان دہی کرتے ہوئے ایک خط میں لکھا کہ

> مولانا اسلم جیراج پوری نے ایک کتاب حیات حافظ نام سے لکھی ہے ، آسانی سے مل جائے گی ، اسے بھی ملاحظہ کر لیجیے ، شاید کوئی مطلب کی بات معلوم ہو جائے اور نہیں تو ماخذ ہی معلوم ہو جائیں گے[1] ۔

اس کے دوسرے سال حیات جامی لکھی ، جو اس سے بھی زیادہ مقبول ہوئی ، ایک اور کتاب الوراثۃ فی الاسلام لکھی ، جو عربی زبان میں تھی ۔

تاریخ الامت :

مولانا علی گڑھ یونی ورسٹی میں تھے کہ انھوں نے تاریخ الامت لکھنے کا سلسلہ شروع کیا ، لیکن اُن کی یہ کتاب مولانا کے جامعہ ملیہ آنے کے بعد شائع ہوئی ، یہ تاریخ ابتدائے اسلام سے مصطفٰی کمال مرحوم تک کے حالات پر سات حصوں میں ہے ۔ اِس کے علاوہ دو مختصر رسالے عقائد اسلام اور ارکان اسلام ہیں ، اِس کے ماسوا تاریخ نجد بھی ہے ۔

۱۔ مکتوب اقبال بنام حکیم محمد حسین عرشی ۔ اقبال نامہ ۔ حصہ اول ۔ ص ۴۳ و ۴۴ ۔ ۹ جولائی ۱۹۱۶ ۔

Marfat.com

شاعری :

مولانا کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے - ۱۹۱۷ء میں اپنے والد کے مزار پر حاضر ہوئے ، اس کے قرب و جوار میں عدمِ صفائی کو دیکھ کر سخت رنجیدہ ہوئے اور ایک نظم فارسی میں والیۂ بھوپال کو لکھ کر بھیجی اِس نظم کے چند شعر ہم ذیل میں نموتناً درج کرتے ہیں :

حضرت نواب سلطانِ جہاں گردوں وقار
آنکہ باصد شوکت و حشمت جہاں بانی کند

بندہ بر درگہِ تو یک التماس آوردہ ام
زیبد ار لطفت نگاہے سو یش ارزانی کند

چوں پس از قرنے گزار من بہ بھوپال افتاد
جاوداں ز آفاتِ دہرش حق نگہبانی کند

دل پُر از سوز محبت ، چشم پُر از اشکِ غم
شمع ساں کز شعلۂ خود قطرہ افشانی کند

تکیۂ شاہِ محبت آنکہ مدفن گہِ اوست
بندہ را از رشتۂ جان جذب پنہانی کند

اندر آں تکیہ کہ بروے رحمتِ بسیار باد
حالتے دیدہ کہ پیدا رنج پنہانی کند

از غلاظتہا کہ نااہلاں در آں تکیہ کنند
دل نمی خواہد کہ آنجا فاتحہ خوانی کند

چشم میدارم کہ سرکار از رہِ لطف عمیم
انسداد ایں چنیں افعال شیطانی کند

آفتابِ دولت و اقبال تو تابندہ باد
خطۂ بھوپال را عدلِ تو نورانی کند1

۱- مولانا کے یہ تمام حالات آن کے مجموعۂ مضامین نوادرات کے ایک مضمون میری طالب العلمی - ص ۳۶۲ تا ۳۷۸ سے ماخوذ ہیں -

Marfat.com

(۲۸)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی

مولانا مدنی کا نظریۂ قومیت سے علامہ اقبال کا اختلاف :

نظریۂ قومیت کے بارے میں علامہ اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی میں اختلاف رو نما ہوا ، شاعر مشرق نے مولانا حسین احمد مدنی کے نظریہ وطنیت سے اختلاف کرتے ہوئے یہ مشہور قطعہ کہا

عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بو العجبیست

سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی ست

بہ مصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بو لہبیست

ان اشعار پر مولانا کے معتقدین نے علامہ اقبال کو متعدد خطوط لکھے ، آخر ایک صاحب طالوت نے ، جنھیں ان دونوں حضرات سے عقیدت تھی ، مراسلت کے ذریعہ کوشش کی کہ ان دونوں حضرات کی باہمی غلط فہمی کو دور کرا دیا جائے ۔

جناب طالوت کے خط کے جواب میں ۱۸ فروری ۱۹۳۸ء کو جو خط علامہ اقبال نے طالوت کو لکھا ، اس کا اقتباس یہ ہے ۔

جو اقتباسات آپ نے آن کے خط سے درج کیے ہیں آن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آج کل

Marfat.com

قومیں اوطان کے بنتی ہیں اگر ان کا مقصود اِن الفاظ سے صرف ایک امر واقعہ کو بیان کرنا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا ، کیونکہ فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایشیا میں مقبول ہو رہا ، ہے البتہ اگر اُن کا مقصد یہ تھا کہ ہندی مسلمان بھی اِس نظریے کو قبول کر لیں تو پھر بحث کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے ، کیوں کہ کسی نظریے کو اختیار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا وہ اسلام کے مطابق ہے یا منافی ، اس خیال سے کہ بحث تلخ اور طویل نہ ہونے پائے اِس بات کا صاف ہونا ضروری ہے کہ مولانا کا مقصود ان الفاظ سے کیا تھا ، اُن کا جو جواب آئے وہ آپ مجھے روانہ کر دیجے ۔ مولوی صاحب کو میری طرف سے یقین دلایے کہ میں اُن کے احترام میں کسی اور مسلمان سے پیچھے نہیں ہوں ، البتہ اگر مذکورہ بالا ارشاد سے اُن کا مقصد وہی ہے جو میں نے اوپر لکھا ہے تو میں اُن کے مشورے اپنے ایمان اور دیانت کی رو سے اسلام کی روح اور اس کے اساسی اصولوں کے خلاف جانتا ہوں ، میرے نزدیک ایسا مشورہ مولوی صاحب کے شایانِ شان نہیں اور وہ مسلمانانِ ہند کی گمراہی کا باعث ہوگا[1] ۔

علامہ اقبال کی مزید توضیح :

پھر ڈاکٹر صاحب ایڈیٹر احسان ، لاہور کو خط لکھ کر مزید اپنے مقصد و منشا کی وضاحت کی ، ایک خط میں انھیں لکھا کہ

میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شائع کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے ، اُس میں اِس امر کی تصریح کر دی تھی کہ اگر مولانا کا

۱۔ انوار اقبال ۔ ص ۱۶۷ و ۱۶۸ و متفرق خطوط ۔ مرتبہ بشیر احمد ڈار

Marfat.com

یہ ارشاد کہ زمانۂ حال میں اقوام اوطان سے بنتی ہیں بر سبیل تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ، اور اگر مولانا نے مسلمانانِ ہند کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریۂ وطنیت اختیار کریں تو دینی پہلو سے اس پر مجھ کو اعتراض ہے - مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار انصاری میں شائع ہوا ہے مندرجہ ذیل الفاظ ہیں -

اخبار انصاری میں مولانا کا بیان :

لہذا اشد ضرورت ہے کہ تمام باشندگانِ ملک کو منظم کیا جائے اور ان کو ایک ہی رشتے میں منسلک کرکے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے ، ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لیے کوئی رشتۂ اتحاد بجز متحدہ قومیت اور کوئی رشتہ نہیں ، جس کی اساس محض یہی ہوسکتی ہے ، اس کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز نہیں[1] -

ان الفاظ سے تو میں یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانان ہندوستان کو یہی مشورہ دیا ہے ، اسی بنا پر میں نے وہ مضمون لکھا ہے جو اخبار احسان میں شائع ہوا ہے -

طالوت کے توسط سے مولانا مدنی کی وضاحت :

پھر ڈاکٹر صاحب نے اسی خط میں مدیر احسان لاہور کو لکھا کہ

لیکن بعد میں مولوی (حسین احمد) صاحب کا ایک خط طالوت صاحب کے نام آیا ، جس کی ایک نقل انھوں نے

۱- ایڈیٹر احسان کے نام یہ خط اور اخبار انصاری کا یہ تبصرہ انوار اقبال ص ، ۱۶۸ و ۱۶۹ سے ماخوذ ہے -

Marfat.com

مجھ کو بھی ارسال کی ہے - اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں کہ

میرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیانِ واقعہ مقصود تھا اس میں کوئی کلام نہیں ، اگر مشورہ مقصود ہے تو خلافِ دیانت ہے - اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق و سابق پر نظر ڈال لی جائے - میں عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں ، یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے ، یہاں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہیے - خبر ہے ، انشا نہیں ہے ، کسی ناقل نے مشورے کا ذکر بھی نہیں کیا - پھر اس سے مشورے کو نکال لینا کس قدر غلطی ہے[1] -

ڈاکٹر صاحب کا اعلانِ معذرت :

آخر خط میں ڈاکٹر صاحب نے مدیر احسان کو لکھا کہ

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انھوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا - لہذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اُن پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا - میں مولانا کے ان عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں ، جنھوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے سایہ میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں - خدا تعالیٰ اُن کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید کرے - نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیتِ دینی کے احترام میں میں اُن کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں

Marfat.com

ہوں[1]۔

علامہ اقبال کا یہ خط اُن کی عظمت کی دلیل ہے کہ جب حقیقت ان کے سامنے آ گئی اور مولانا مدنی نے ان کے اشتباہ کو دور کر دیا تو ڈاکٹر صاحب نے مولانا مدنی سے معذرت کرنے میں ذرا تاخیر نہ کی اور کبھی بھی اس خالص دینی بحث کو ذاتی بحث نہ بننے دیا۔

حالات :

باوجود اس کے کہ مولانا حسین احمد مدنی کا بے پایاں علم و فضل، عارفانہ بلندی، زہد و تقویٰ سب کے نزدیک مسلم ہے، ان کی زندگی ابتدا سے لے کر انتہا تک ہمت و استقلال، جرأت و دلیری، ایثار و فدویت کا نمونہ تھی، ان کے خلوص و للہیت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، لیکن تحریکِ آزادی کے آخری دور میں، سیاست کی اُس نظریاتی کشمکش میں مولانا مدنی جس فریق کے ساتھ نظر آتے ہیں، وہ اس جماعت کو پسند نہیں جو فکر و نظر کی اساس پر ایک علیحدہ مملکتِ اسلامیہ کے قیام کا مطالبہ کرتا تھا۔ آج جب کہ مملکتِ اسلامیہ وجود میں آ چکی اور تاریخ اپنا فیصلہ دے چکی، زمانہ ایک حقیقت کو سچ ثابت کر چکا، اس کے بعد ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا مناسب نہیں، ہمیں ان کی انفرادی رائے سے درگزر کرنا چاہیئے اور ان کی شخصیت کو علم و عمل، بلندی اخلاق و کردار، فدویت، جرأت و ہمت کے آئینے میں دیکھنا چاہیے اور اسی نقطۂ نظر سے اُن کے حالات کو پڑھنا چاہیئے۔

مولانا حسین احمد نے اپنی سوانح نقشِ حیات میں اپنا سلسلۂ نسب جو درج کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بزرگ خاندانِ سادات سے تھے، اُن کے مورثِ اعلیٰ شاہ نور الحق رحمۃ اللہ علیہ پہلے بزرگ ہیں جو الہداد پور قصبہ ٹانڈہ ضلع فیض آباد آ کر آباد ہوئے، مولانا حسین احمد

۱۔ مدیر احسان کے نام یہ خط مسلسل ہے، ہم نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے لکھا ہے، تاکہ بات وضاحت سے سمجھ میں آئے۔ (انوار اقبال ص ۱۶۸ - ۱۷۰)

Marfat.com

کے والد محترم کا نام حبیب اللہ ہے ۔

ولادت :

مولانا حسین احمد مدنی کی ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ (۱۶ اکتوبر ۱۸۷۹ع) میں دو شنبہ اور سہ شنبہ کی درمیانی شب میں بمقام بانگرمئو ضلع اناؤ میں ہوئی ، جہاں اُن کے والد بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے ۔ مولانا مدنی کی عمر تین برس کی تھی کہ اُن کے والد پنشن لےکر ٹانڈہ چلے آئے ۔ ابتدائی تعلیم مولانا نے ٹانڈہ ہی میں حاصل کی ۔

دیوبند میں تشریف آوری :

تیرہ سال کی عمر میں مولانا مدنی کو تعلیم کی غرض سے مولانا شیخ الہند محمودالحسن کی خدمت میں دیوبند بھیج دیا گیا ، خود شیخ الہند نے مولانا مدنی کو ابتدائی کتابیں پڑھائیں ۔

دیوبند میں جن دوسرے اساتذہ سے مولانا نے تعلیم و تربیت حاصل کی اُن میں حضرت شیخ الہند کے والد محترم ، حضرت مولانا عبدالعلی محدث دہلوی ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری ، حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب اور مولانا حبیب الرحمن عثمانی ہیں ۔

ہجرت مدینہ منورہ :

نقش حیات[1] میں مولانا مدنی نے لکھا کہ ۱۳۱۶ھ (۱۸۹۸ع) میں جب کہ میں اکثر کتب درسیہ سے فارغ ہوچکا تھا کہ میرے والد بعزم ہجرت مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے ، میری کچھ کتابیں درسی پوری نہیں ہوئی تھیں ، میں نے اپنے والد سے استدعا کی کہ مجھے ایک سال کے لئے یہیں چھوڑ دیا جائے تاکہ میں بقیہ کتب پڑھ لوں لیکن والد نے اس کی اجازت نہ دی ، مولانا مدنی نے بھی اپنے والد کے ساتھ ہجرت کی ۔

دارالعلوم دیوبند میں مولانا کا قیام صفر ۱۳۰۹ھ (۱۸۹۱ع) سے لے کر

۱- نقش حیات ، جلد ۱ ، ص

۲- بیس بڑے مسلمان ، ص ۳۶۳

Marfat.com

۱۳۱۶ھ (۱۸۹۸ع) تک رہا -

مدینہ منورہ کی سکونت :

محرم ۱۳۱۷ھ (۱۸۹۹ع) کو اپنے والد اور دوسرے متعلقین خاندان کے ساتھ مدینہ منورہ کی زیارت سے مشرف ہوئے ، آن کے والد حرمِ نبوی کے باب النساء کے قریب زقاق البدور کے کنارے پر ایک مکان کرایے پر لے کر مقیم ہوگئے -

مولانا مدنی مدینۂ طیبہ میں اپنے خاندان کی تنگی معیشت کو دیکھ کر کتب خانہ شیخ الاسلام اور کتب خانہ محمودیہ سے بعض زائرین کے لئے آجرت پر کتابیں نقل کرتے ، کیونکہ مولانا مدنی کا خاندان تیرہ افراد پر مشتمل تھا ، مگر ناداری کی وجہ سے صرف بارہ چھٹانک مسور کے پانی پر قناعت کرنی پڑتی تھی[1] -

درس و تدریس :

تکمیل علوم کے ساتھ ساتھ مولانا مدنی نے درس و تدریس کا سلسلہ بھی شروع فرما دیا ، بتدریج مولانا مدنی کے درس کی شہرت تمام حجاز میں ہوئی اور آپ ۲۴ سال کی عمر میں شیخ العرب و العجم کے القاب سے سرفراز کئے گئے -

بیعت :

۱۸۹۸ع میں مولانا مدنی نے حضرت شیخ الهند کے مشورے پر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت کی[2] -

اُستاد و شاگرد قید فرنگ میں :

مولانا مدنی سولہ سترہ سال تک مسجد نبوی میں درسِ حدیث دیتے رہے ، ۱۳۳۳ھ (۱۹۱۴ء) میں حضرت شیخ الهند بھی حج کے لیے حجاز

۱- نقش حیات ، جلد اول ، ص ۵۵

۲- بیس بڑے مسلمان ، ص ۳۶۶

Marfat.com

حاضر ہوئے ، حج کے بعد بارگاہِ روضۂ نبوی کی زیارت سے مشرف ہوئے ، یہی وہ زمانہ تھا کہ شریف حسین نے انگریزوں کی شاطرانہ چالوں میں آ کر ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تھا ، حضرت مولانا شیخ الہند نے اپنے خدام اور رفقاء کے ساتھ اس موقع پر ترکوں کی حمایت میں سرحدی قبائل کو آمادہ کیا اور انگریزوں کے خلاف مولانا شیخ الہند نے ایک محاذ تیار کیا ، مولانا شیخ الہند کے وارنٹ گرفتاری ہندوستان کی انگریز حکومت جاری کر چکی تھی ، شریف حسین اُن کی انگلیوں پر ناچ رہا تھا ، چنانچہ حضرت شیخ الہند کو مع اُن کے رفقا مولانا حسین احمد مدنی ، مولانا عمیر گل اور دیگر ساتھیوں کو گرفتار کر کے ۱۲ جنوری ۱۹۱۷ء کو جدہ سے خدیوی آگبوٹ پر سوار کر کے جزیرہ مالٹا لایا گیا ، یہ بزرگ مالٹا میں تین سال دو ماہ مقید رہے ، اور مولانا شیخ الہند اور آپ کے رفقا نے ان تمام درد ناک اذیتوں کو صبر واستقامت سے برداشت کیا [1]

حضرت مولانا مدنی نے اس زمانۂ قید فرنگ میں قران مجید حفظ کیا ، حضرت شیخ الہند نے قران مجید کا ترجمہ مکمل کیا اور سورۂ مائدہ کے حواشی تحریر فرمائے[2]

مالٹا کی قید سے رہائی :

۲۲ جمادی الثانی ۱۹۱۹ء میں شیخ الہند اپنے رفقا کے ساتھ مالٹا کی قید سے رہا کیے گئے ، یہ وہ زمانہ تھا ، جب کہ ہندستان میں آزادی کا شعور بیدار ہو رہا تھا ، مولانا مدنی نے سیاست میں حصہ لینا شروع کیا

اس زمانے میں سیاسی تحریکیں عروج پر تھیں ، سب سے پہلے ملت اسلامیہ ہندو پاک نے حضرت شیخ الہند کی وفات کے بعد مولانا مدنی کو دارالعلوم دیوبند کا صدر مدرس بنایا ۔

۱- یہ تمام تفصیل نقش حیات ، ص ۹۳ - بیس بڑے مسلمان ، ص ۴۷۰ - اسیر مالٹا ، ص ۴۷ سے ماخوذ ہے ۔

۲- بیس بڑے مسلمان ، ص ۴۷۰

Marfat.com

خود مولانا مدنی نے اپنی سرگزشت نقش حیات میں لکھا ہے کہ

> اس جنگ عظیم نے (میری) سوانح زندگی میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ، یعنی سیاست سے میرا تعلق اور برطانوی سامراج کے مقابلے میں عزم انقلاب ۔

مولانا مدنی نے جہاں اپنے استاد محترم حضرت شیخ الہند کی علمی جانشینی کی ، وہیں ان سیاسی تحریکات کو جن میں حضرت شیخ الہند حصہ لے رہے تھے سنبھال لیا ، خلافت کمیٹی ، جمعیت العلماء کی رہنمائی اور عدم تشدد کے راستے پر چل کر آپ نے انگریزوں کے خلاف آواز بلند کی ، وہ متحدہ قومیت کے علم بردار تھے اور انگریزوں کی حکومت کے سخت دشمن تھے ، حریت کے جرم میں انگریز حکومت نے انھیں جیل میں ڈال دیا ۔

مقدمہ کراچی :

مولانا جیل سے رہا ہوئے تو اس وقت ہندوؤں کے ہاتھوں ہندو مسلم اتحاد کا شیرازہ بکھر چکا تھا ، مولانا مدنی نے پھر ہندو مسلم اتحاد کا پیغام دیا ، مگر ہندوؤں کی نیت بدل چکی تھی ، لیکن مولانا مدنی خلوص نیت سے ہندو مسلم اتحاد کے لیے کام کر رہے تھے[1] ۔

کوکناڈا میں اجلاس جمعیت العلماء کی صدارت :

مولانا مدنی نے اس کے بعد کوکناڈا میں جمعیت علمائے اسلام کی صدارت کی اور نہایت شاندار خطبۂ صدارت دیا ۔

۱۹۲۷ء میں ہندوستان میں سائمن کمیشن آیا تاکہ ہندوستان کی دستوری حکومت کے لیے سفارش کرے ، مگر مولانا نے مختلف مقامات میں تقریریں کیں کہ سائمن کمیشن کا بائیکاٹ کیا جائے ۔

اسی طرح مولانا نے ساردا ایکٹ کی بھی مخالفت کی ۔ غرضکہ مولانا مدنی پر انگریز دشمنی اس قدر غالب تھی کہ مسلمانوں پر جب ہندوؤں کی دھاندلی سے یہ حقیقت واضع ہو گئی کہ ہمیں علیحدہ ایک ایسی مملکت کی

۱۔ نقش حیات ، ص ۱۵۲ ۔

Marfat.com

ضرورت ہے ، جس میں ہم اپنی مخصوص ثقافت اور تہذیب کو فروغ دے سکیں اور ہندو اپنی چالبازیوں میں مصروف تھے کہ قائد اعظم علیہ الرحمہ نے ان کے فاسد ارادے کو معلوم کر کے مسلم لیگ میں ایک نیا ولولۂ عمل پیدا کیا ، حکیم الامت علامہ اقبال نے نظریۂ پاکستان پیش کر کے قوم کو ایک نئی روشنی دکھائی ، یہاں تک کہ قائد اعظم نے علیہ الرحمہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ کو اس خواب کو عملی جامہ پہنایا اور مملکت اسلامیہ جمہوریۂ پاکستان کا وجود عمل میں آ گیا ، تب بھی مولانا متحدہ قومیت کے نظریے پر جمے رہے ، ہم اس نظریے کو مولانا کی انفرادی رائے سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو اس سے متفق نہیں پاتے ، لیکن جہاں تک کہ مولانا کے علم و عمل ، زہد و ورع ، ایثار و قربانی کا تعلق ہے ، وہ مکارم اخلاق کی سراپا تفسیر تھے -

سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کے لیے

وہ ہندوستان کی آزادی کے وہ علمبردار تھے ، جنھوں نے فرنگی استبداد کے ہاتھوں قید و بند کی سخت تکلیفیں برداشت کیں ، انھیں صرف ایک دھن تھی کہ فرنگی اقتدار ختم ہو اور ہندوستان کو مکمل آزادی ملے

وفات :

۱۹۵۷ء کے موسم گرما میں مولانا حسین احمد مدنی مدراس کے دورے پر روانہ ہوئے، لیکن علالت کی وجہ سے بیس روز کے بعد لوٹ آئے ، علالت کے دوران بھی دارالعلوم دیوبند میں آٹھ دس روز درس دیتے رہے -

استاذی شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہ تشریف لائے تو آن سے فرمایا کہ یہ لوگ چارپائی پر نماز پڑھنے کے لیے کہتے ہیں ، مسجد چھڑا دی ، باہر جانا چھڑا دیا ، بتائیے کیا کروں ؟ شیخ الحدیث نے فرمایا چارپائی کی سطح برابر ہے لہذا اِس پر نماز پڑھ لینی چاہیے -

وفات سے دو تین روز پہلے فرمایا کہ کیا سردا نہیں ملتا ، لوگوں نے کہا مل جائے گا ، تلاش بسیار کے باوجود سردا نہ مل سکا ، فرمانے لگے زندگی میں پہلی بار کسی چیز کی خواہش کی تھی لیکن عجیب بات یہ ہے کہ یہ خواہش اس طرح پوری ہوئی کہ کراچی اور لاہور سے سردا بعض

Marfat.com

تیمار داروں کے ذریعہ آ گیا ۔

آخری شعر :

وفات سے ایک رات پہلے یہ شعر مترنم آواز میں گنگناتے رہے ۔

الٰہی ! مری زندگی ہے یہ کیسی
نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے

۱۳ جمادی الاول ، بروز جمعرات ۱۳۷۷ھ (۱۹۵۷ع) کو سولانا مدنی اپنے خالق حقیقی سے جا ملے[۱] ۔

برصغیر کے علماء میں سولانا مدنی کی وفات سے صف ماتم بچھ گئی ، شیخ الحدیث سولانا محمد زکریا نے اپنے تاثر کو قلم بند کرتے ہوئے لکھا کہ

میرے نزدیک ابو حنیفہ زمانہ ، بخاری اوانہ جنید و شبلی عصر حضرت اقدس شیخ العرب والعجم حضرت سولانا سید حسین احمد مدنی کی مدح میں کچھ کہنے والا ۔
مادح خورشید مداح خود است ۔

سولانا کفایت اللہ نے لکھا کہ

آسمان علم و ہدایت کے آفتاب اور زہد و ورع میں یگانۂ زمانہ اور جہاد تخلیص وطن کے ایک ممتاز شہسوار ہیں

سولانا نصر اللہ خاں عزیز نے لکھا کہ

مولانا کی حقیقی عظمت ان کا محض علم و فضل ، عبادت و اشتال وغیرہ نہیں بلکہ ان کی پاکیزہ شخصی سیرت ہے[۲] ۔

تصانیف :

سولانا مدنی کی تصانیف میں اسیر مالٹا ، نقش حیات ، متحدہ قومیت اور الشہاب الثاقب[۳] وغیرہ ہیں ۔

۱- یہ تمام تفصیل بیس بڑے مسلمان ، ص ۵۰۰ تا ۵۰۹ سے ماخوذ ہے ۔
۲- بیس بڑے مسلمان ، ص ۵۱۰ و ۵۱۱ ۔
۳- ایضاً ، ص ۵۰۰ ۔

Marfat.com

(۲۹)

مولانا ابوالکلام آزاد

علامہ اقبال کا تاثر :

مخدومی السلام علیکم

الحمد للہ کہ مولانا آزاد کو آزادی ملی[1] . . . مولانا آزاد اب کہاں ہیں ، پتا لکھیے کہ ان کی خدمت میں عریضہ لکھوں . . .

مکتوب اقبال ۔ بنام سید سلیمان ندوی
اقبال نامہ ۔ حصہ اول ، ص ۱۰۰ ، ۱۰۱

مولانا ابوالکلام کا تذکرہ آپ کی نظر سے گزرا ہوگا ، بہت دلچسپ کتاب ہے ، مولوی فضل الدین احمد لکھتے ہیں کہ اقبال کی مثنویاں تحریک الہلال کی بازگشت ہیں ، شاید ان کو یہ معلوم نہیں کہ جو خیالات میں نے ان مثنویوں میں ظاہر کیے ہیں ، اُن کو برابر ۱۹۰۷ع سے ظاہر کر رہا ہوں . . . بہر حال اس کا کچھ افسوس نہیں کہ اُنھوں نے ایسا لکھا ، مقصود اسلامی حقائق کی اشاعت ہے نہ کہ نام آوری ۔ البتہ اِس بات سے مجھے رنج ہوا کہ اُن کے خیال میں اقبال تحریکِ الہلال سے پہلے مسلمان نہ تھا ، تحریک الہلال نے اُسے مسلمان کیا ،

۱۔ مولانا ابوالکلام رانچی کی نظر بندی سے جنگ عظیم کے بعد رہا ہوئے تھے ۔

Marfat.com

آن کی عبارت سے ایسا خیال مترشح ہوتا ہے ، ممکن ہے آن کا مقصود یہ نہ ہو ۔ میرے دل میں مولانا ابوالکلام کی بڑی عزت ہے اور ان کی تحریک سے ہمدردی ، مگر کسی تحریک کی وقعت بڑھانے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اوروں کی دل آزاری کی جائے . . .

مکتوب اقبال ۔ بنام سید سلیمان ندوی
اقبالنامہ ۔ حصہ اول ، ص ۱۱۰-۱۱۱

برصغیر پاک و ہند میں مولانا ابوالکلام کی علمی عظمت سے خواہ آن کا موافق ہو یا مخالف کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا ، انھوں نے قدیم تہذیب اور قدیم علوم کے گہوارے میں آنکھ کھولی ، اور ابتدا ہی سے مذہب کی طرف توجہ دی ، لیکن آن کی غیر معمولی صلاحیتوں نے ان کو بہت جلد عہد آفریں شخصیت بنا دیا ، انھوں نے تقریر و تحریر میں وہ کمال حاصل کیا کہ ان کی شہرت و مقبولیت نے بہت جلد آسمان کی بلندیوں کو چھو لیا ، آن کا شجر علمی آس وقت ثمر آور ہوا ، جب کہ عموماً اس عمر کے پودوں پر بور آنا بھی شروع نہیں ہوتا ، یہی وجہ ہے کہ ایک اجنبی جو آن کا آوازۂ شہرہ سنتا ، جب آن کو دیکھتا تو ان کی نو عمری کو دیکھ کر اسے ان پر مولانا ابوالکلام آزاد کے بیٹے کا گمان ہوتا تھا ، دیکھنے والے کو یقین نہ آتا تھا کہ اس قدر کم عمری میں بھی کوئی بچہ اس کمال کی منزل تک پہنچ سکتا ہے ،

جب بمبئی میں ۱۹۰۴ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے مولانا شبلی سے پہلی ملاقات کی تو مولانا شبلی دیر تک آن سے باتیں کرتے رہے ، روانگی کے وقت مولانا شبلی نے آن سے پوچھا کیا مولانا ابوالکلام آزاد آپ کے والد ہیں ، مولانا آزاد نے کہا جی نہیں ، میں خود ابوالکلام آزاد ہوں ۔

مولانا نے ایک جیّد عالم دین ہونے کی حیثیت سے مسلمانوں کی رہنمائی بھی کی اور سیاست کے شہسوار ہونے کی وجہ سے انھوں نے قوم کی سیاسی رہنمائی بھی کی ، وہ سیاست کے طوفان میں پہاڑوں کی طرح جمے رہے ، انھوں نے کانگریس تحریک اور ترک موالات کے زمانے میں قید و بند فرنگ کی

Marfat.com

سختیاں جھیلیں ، وہ کانگریس کی صدارت اور پھر وزارت تک پہنچے ، لیکن متاع دنیا میں نہ اُن کے پاس مال و دولت تھا اور نہ سرمایہ ۔

اُن میں مشرقی علوم اور مغربی فکر و فلسفے کا ایک ایسا خوشگوار امتزاج تھا جس نے ان کی شخصیت کو اور بھی مسحور کن بنا دیا تھا ۔

حالات :

مولانا ابوالکلام آزاد کا اصل نام احمد اور تاریخی نام فیروز بخت تھا ، لیکن اُن کی کنیت ابوالکلام آزاد میں وہ موہنی تھی ، کہ لوگ اُن کا اصل نام اور تاریخی نام بھول گئے اور وہ برصغیر پاک و ہند میں مولانا ابوالکلام آزاد پکارے جانے لگے ، مولانا کے والد محترم کا نام مولانا خیرالدین قادری نقشبندی تھا ، جن کے اضلاع کلکتہ و بمبئی میں ہزاروں مرید پائے جاتے ہیں ، مولانا خیرالدین نہایت خوش گو واعظ تھے ،

مولانا ابوالکلام آزاد ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۸ء) میں مکہ معظمہ میں محلہ قدوہ متصل باب السلام میں پیدا ہوئے ۔ ان کی رسم بسم اللہ شیخ عبداللہ مرداد نے صحن حرم میں ادا کرائی ، مشرقی علوم کی ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم مولانا خیرالدین سے حاصل کی ، قرآن مجید کی تعلیم اپنی خالہ سے پائی ، آٹھ دس برس کی عمر میں وہ اپنے والد کے ساتھ ہندوستان آ گئے ۔

ہندوستان میں جن اساتذۂ کرام نے علم و دانش کے اِس رفیع مرتبے پر مولانا کو پہنچایا اُن میں مولوی محمد یعقوب ، مولوی نذیر الحسن اسٹھیوی ، مولانا محمد ابراہیم صاحب شاگرد مولانا ہدایت اللہ جون پوری ، مولوی محمد عمر اور شمس العلماء مولوی سعادت حسین قابل ذکر ہیں ، عربی ان کی تقریباً مادری زبان تھی ، اردو اُن کو اپنے والد سے وراثتاً ملی تھی مولانا ان دونوں زبانوں کے متبحر عالم تھے ۔

اُردو کو مولانا نے اپنی تحریروں سے ایک نیا اسلوب نگارش عطا کیا ، عربی ادب میں ہندوستان کے عربی ادب کے لکھنے والوں کے امام سمجھے جاتے تھے ، غرضکہ عربی ، فارسی اور اُردو تینوں زبانوں پر عبور کامل تھا ۔

Marfat.com

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تحصیل علم کے بعد مولانا میں ذوق شاعری بیدار ہوا ، پہلے اردو میں طبع آزمائی کی ، پھر فارسی میں شاعری کی ۔

شاعری کے ذوق نے یہاں تک ترقی کی کہ نیرنگ خیال کے نام سے ایک گلدستہ نکالا ، اگرچہ شاعری مولانا کا طرۂ امتیاز نہیں ، لیکن آن کی غزلوں کو دیکھ کر اس فن میں بھی مولانا کی صلاحیت غیر معمولی محسوس ہوتی ہے ، مولانا کا ایک مقطع سنتے چلیے جو ان کی قادر الکلامی کا آئینہ دار ہے ۔

آزاد بے خودی کے نشیب و فراز دیکھ
پوچھی زمین کی تر کبھی آسمان کی

شاعری میں اصلاح کے لیے پہلے دو غزلیں منشی امیر احمد سینائی کو بھیجیں ، پھر مولوی ظفر احسن شوق نیموی سے اصلاح لینے لگے ۔

صحافت :

جس نے پورے ہندوستان میں شہرت و مقبولیت کا تاج مولانا کے سر پر رکھا وہ آن کی بے لاگ صحافت اور مولانا کی دینی و مذہبی قیادت ہے ۔

مولانا نے ۱۹۰۲ع میں جب لسان الصدق نکالا تو اس وقت ان کی عمر چودہ سال کی تھی ، لوگوں کو یقین نہ آتا تھا کہ یہ نو عمر لڑکا بھی لسان الصدق جیسے رسالے کا ایڈیٹر ہو سکتا ہے ، لیکن یہ رسالہ ان کی شہرت کا سنگ بنیاد بنا ۔

اسی عرصے میں مولانا آزاد کی ملاقات مولانا شبلی سے ہوئی ، مولانا شبلی نے مولانا آزاد کے جوہر قابل کو پرکھ لیا ، ان کو ندوہ کی دعوت دی ، مولانا آزاد نے اس دعوت کو قبول کر لیا ، ندوہ میں وہ سال ڈیڑھ سال مقیم رہے ، اور اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شبلی مولانا آزاد پر بہت اثر انداز ہوئے ، شاید یہی وجہ ہے کہ شبلی کی مولانا آزاد کے سیاسی اور اجتماعی معتقدات پر بڑی گہری چھاپ ہے ، مولانا آزاد نے کچھ عرصے ندوہ کی ادارت بھی کی ، پھر وکیل اور دارالسلطنت کے مدیر بھی رہے ۔

Marfat.com

ندوۃ العلماء کے قیام نے ہی مولانا آزاد کو روشن خیال علماء سے آشنا کیا ۔ سر سید اور مولانا محمد حسین آزاد کی کتابوں نے اس روشن خیالی میں مزید اضافہ کیا ۔

الہلال کا اجرا :

لیکن جس نے ان کی شہرت کو چار چاند لگائے اور اُن کی مقبولیت کو اوج ثریا تک پہنچا دیا ، اور اُن کی صحافتی دنیا میں دھاک بٹھا دی وہ اُن کا ہفتہ وار اخبار الہلال تھا ، جو کلکتے سے مولانا نے ۱۲ جولائی ۱۹۱۲ء کو نکالا تھا ، اس اخبار کے ذریعہ سے مولانا نے قوم کے خیالات میں آزاد خیالی ، جرأت و ایثار ، عزم و ہمت اور دوسرے اخلاق اوصاف کے شعور کو بیدار کیا ، ہندوستان میں اُن کے اِس اخبار کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ چھوٹے چھوٹے قصبوں اور دیہاتوں میں اُس کے ڈاک سے پہنچنے کے دن ڈاکخانوں پر لوگوں کا ہجوم رہتا تھا ، اس کے قارئین کے اشتیاق کا یہ عالم ہوتا تھا کہ وہ ڈاکیے کے گھر تک پہنچنے کا انتظار بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے ، اس کے جدید طرز نگارش نے دلوں کو موہ لیا تھا ، اس اخبار کے ذریعہ سے بنیادی طور پر مولانا نے عظمت اسلام کو دل نشین انداز میں ذہن نشیں کرنے کی کوشش کی اور اپنے اسلوب نگارش سے اردو ادب میں ایک نئے ادبی اسلوب کی بنیاد ڈالی ، مولانا نے اردو ادب میں شکوہ الفاظ سے رنگینی اور علمی چاشنی پیدا کی ، مولانا کی تحریروں میں ہمیں غالب ، سر سید اور حالی کی سی سادگی اور پُرکاری نہیں ملتی ، لیکن اُن کے تخلیقی جمال ادب میں وہ پر تو نظر آتا ہے ، جو غالب سے قبل اردو کے ابتدائی نثر نگاروں کی تحریروں میں ہمیں ملتا ہے ، اگرچہ مولانا کی روش اور جادۂ تحریر اُن سے مختلف ہے ، لیکن مولانا کی تحریروں میں ہمیں ان کی جھلک ضرور ملتی ہے ، مولانا کے ادب میں وہ مقفیٰ و مسجع الفاظ کی بھر مار تو نہیں ہے ، لیکن مولانا نے فارسی اور عربی الفاظ سے اپنے ادب کو وقیع اور شاندار بنایا ہے ، اُن کے قلم میں بڑی قوت و توانائی ہے ، ان کے انداز بیان میں ایک ایسی حرارت ہے جو قلوب کو گرما دیتی ہے ، سر سید احمد خاں نے اپنے ادب میں بعض انگریزی الفاظ کو استعمال کیا

Marfat.com

ہے ، سولانا آزاد نے اپنی تحریروں میں بجائے انگریزی الفاظ کے عربی الفاظ کو اپنے ادب کی زینت بنایا ہے ۔

۱۶ نومبر ۱۹۱۴ء الہلال بدر بن کر اپنی روشنی سے ملت اسلامیہ کو منور تاباں بناتا رہا یہاں تک کہ حق کی سر بلندی اور نشرو اشاعت کے سلسلے میں الہلال پریس کی ضمانت ضبط ہو گئی اور یہ اخبار بند ہوگیا ۔ قاضی عبدالغفار نے لکھا ہے کہ الہلال کا دور مولانا کی فکر کی پختگی کا دور تھا ، سولانا کی ذہنی جوانی کا سب سے زیادہ موثر مظہر الہلال ہی تھا ۔

البلاغ :

اگلے سال سولانا آزاد نے البلاغ نکالا ، جو خالص ایک مذہبی ہفتہوار رسالہ تھا ، یہ بھی چند روز ابلاغ کے فرائض انجام دے کر بند ہو گیا[۱] ۔

مولانا آزاد کا نظریۂ صحافت :

مولانا آزاد کا مقصد صحافت سے تجارت نہیں تھا ، بلکہ ان کا صحافت میں نصب‌العین یہ تھا کہ صحافت کو اپنے خیالات کی اشاعت کا ذریعہ بنایا جائے خواہ اس تجارت میں نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے ۔ مولانا نے ۲۷ جولائی ۱۹۱۲ء کے الہلال میں اپنے صحافتی نقطہ نظر کے متعلق لکھا کہ

> ہم اس بازار میں سودائے نفع کے لیے نہیں بلکہ تلاش زیاں و نقصان میں آئے ہیں ، صلہ و تحسین کے نہیں بلکہ نفرت و دشنام کے طلبگار ہیں ، عیش کے پھول نہیں بلکہ خلش و اضطراب کے کانٹے ڈھونڈھتے ہیں ، دنیا کے زر و سیم کو قربان کرنے کے لیے ، بلکہ خود اپنے تئیں قربان کرنے آئے ہیں[۲] ۔

۱- یہ تمام تفصیل آزاد کی کہانی خود اُن کی زبانی کے مختلف صفحات ور موج کوثر-ص-۲۸۰-۳۰۰ سے ماخوذ ہے ۔

۲- اداریہ نویسی - (مسکین حجازی) ص-۳۴۵ -

Marfat.com

مذہبی خدمات

حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد نے ہندوستان کے مسلمانوں کی عظیم الشان مذہبی خدمات انجام دیں ، انھوں نے فکری تشکک و الحاد کی وادیوں میں اپنی تحریروں سے فکر صحیح اور یقین کے چراغ جلائے ۔

مولانا کا عظیم تر مذہبی کارنامہ یہ بھی ہے کہ مولانا نے کلام مجید کے مختلف پہلوؤں پر متعدد مضامین لکھے ، ان کا قران مجید کا مطالعہ نہایت وسیع اور گہرا تھا ، انھوں نے اپنی قرآنی معلومات کو ان مضامین میں سمویا ، جن سے لوگوں کو قران کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے ، مولانا کے ان مضامین نے معاشرے میں تہذیب نفس اور تزکیہ روح کا بڑا کردار ادا کیا ہے ، ان کے مضامین اور تصانیف نے قوم کے شل اعضا میں عمل کی نئی روح پیدا کر دی ، انھوں نے اپنی تصانیف میں عقل بے لگام کو قرآن حکیم کی تعلیمات کے تابع بنایا اور گمراہی کی ظلمتوں میں قرآنی شمع کی روشنی دکھائی ، مولانا کے مضامین سے سیرت و اخلاق کے بلند کرنے میں بڑی مدد ملی ۔

آن کی تصانیف میں آن کا ایک علمی اور مذہبی شاہکار ترجمان القران ہے ، اِس تصنیف کا انتساب اس حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ وہ عام لوگوں اور سماج کے ستائے لوگوں سے کس قدر ہمدردی رکھتے تھے ۔ ان کی یہ زبردست تصنیف ایک غریب گمنام نوجوان سے منسوب ہے ، جو مولانا کے پاس ایک دوسرے دیس سے سیکڑوں میل سے آن کے پاس چل کر علم اور دینی ہدایات حاصل کرنے کے لئے آیا تھا ، مولانا نے یہ انتساب عجیب دل گداز انداز میں لکھا ہے ، لکھتے ہیں کہ

”غالباً دسمبر ۱۹۱۸ع کا واقعہ ہے کہ میں رانچی میں نظر بند تھا ، عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکلا ، مجھے محسوس ہوا کوئی شخص پیچھے آ رہا ہے ۔ مڑ کر دیکھا ایک شخص کمبل اوڑھے کھڑا تھا ۔

۔ آپ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں ؟

ہاں جناب میں بہت دور سے آیا ہوں ۔

Marfat.com

کہاں سے ؟

سرحد پار سے

یہاں کب پہنچے ؟

"آج شام کو پہنچا ، میں بہت غریب آدمی ہوں ، قندھار سے پیدل چل کر کوئٹہ پہنچا ، وہاں چند ہموطن سوداگر مل گئے ، انھوں نے نوکر رکھ لیا اور آگرہ پہنچا دیا ، آگرے سے یہاں تک پیدل چل کر آیا ہوں"

افسوس تم نے اتنی مصیبت کیوں برداشت کی ۔

اس لیے کہ آپ سے قرآن مجید کے بعض مقامات سمجھ لوں ، میں نے الہلال اور البلاغ کا ایک ایک حرف پڑھا ہے"

یہ شخص چند دنوں تک ٹھہرا اور پھر یکایک واپس چلا گیا ، وہ چلتے وقت اس لیے نہیں ملا کہ اسے اندیشہ تھا کہ میں اسے واپسی کے مصارف کے لیے روپیہ دوں گا ، اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بار مجھ پر ڈالے ، اس نے یقیناً واپسی میں مسافت کا بڑا حصہ پیدل طے کیا ہوگا ۔

مجھے اس کا نام یاد نہیں ، مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ زندہ ہے یا نہیں ۔ لیکن اگر میرے حافظے نے کوتاہی نہ کی ہوتی تو میں یہ کتاب اس کے نام سے منسوب کرتا " ۔

مولانا آزاد تحریر کے ساتھ تقریر اور خطابت کے بھی بادشاہ تھے ، جنھیں مولانا کی تقریریں سننے کا اتفاق ہوا ہے ، وہ مولانا کی شعلہ نوائی اور آتش بیانی سے خوب واقف ہیں ، مولانا کی تقریروں میں ایک سحر تھا ، وہ مجمع کا رخ جس طرف چاہتے موڑ دیتے تھے ۔

سیاسی خدمات :

مولانا آزاد ایک پختہ‌کار اور بیدار مغز سیاست دان تھے ، ان کی سیاسی زندگی کی ابتدا کانگریس میں شرکت سے ہوئی ، ان کی ساری زندگی فرنگی استبداد کی وجہ سے نظر بندیوں ، جیل خانوں اور قید خانوں میں گزری ، ۱۹۱۶ع میں وہ رانچی میں نظربند کئے گئے ، چار سال بعد وہ ۱۹۲۰ء میں

Marfat.com

نظر بندی سے رہا ہوئے، ۱۹۲۰ء میں مولانا کی ملاقات گاندھی جی سے ہوئی مولانا نے گاندھی جی کی تحریک ترک موالات اور متحدہ قومیت کی تحریک کو آگے بڑھانے میں زور شور سے حصہ لیا اور اس سلسلے میں دو سال کے لئے قید کئے گئے ۔ ۱۹۲۳ء میں انھوں نے آل انڈیا نیشنل کانگریس دہلی کے خصوصی اجلاس کی صدارت کی ، پھر وہ کانگریس کے صدر ہوئے ۔ ۱۹۳۰ سے ۱۹۳۲ء تک جیل میں رہے ، ۱۹۴۲ء میں ”ہندوستان چھوڑ دو“ کی تحریک میں حصہ لیا اور تین سال کے لئے نظر بند کر دیئے گئے ۔ ۱۹۴۶ء میں کیبنٹ مشن سے مذاکرات کئے ، عبوری دور میں وہ فنون لطیفہ کے وزیر مقرر کئے گئے ، ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کی تقسیم کے بعد وہ انڈیا کے مستقل وزیر تعلیم مقرر ہوئے ، آخر میں یہ حقیقت بڑی تلخ ہے ، لیکن بہرحال ایک حقیقت ہے ، جس کے بیان کئے بغیر چارہ نہیں کہ ماضی کے غیر منقسم ہندوستان میں مولانا ابوالکلام آزاد کی عظمتِ علم و فضل اور سیاسی خدمات کے جو چراغ روشن نظر آتے ہیں اِس چراغ کی روشنی کو پاکستان میں اُن کے نظریۂ متحدہ قومیت ، نیشنلزم اور کانگریس کے نظریات سے ہم آہنگ ہونے نے مدھم کر دیا ۔ اِس نظریے اور فکر نے ان کی تابانی چھین لی اور وہ ماضی کی عظمتوں کا ایک یادگار مینار بن کر رہ گئے ، ہندو اور کانگریس کی فریب کاریوں کو جس کو ہندوستان کے ہندوؤں نے متحدہ قومیت کا حسین و جمیل لباس پہنایا تھا ، اس کا سب سے پہلے پردہ سر سید علیہ الرحمہ نے چاک کیا اور متحدہ قومیت کو ایک فریب بتایا ، علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں تصور پاکستان پیش کر کے حقیقت اور فکر کی روشنی کو اور آگے بڑھایا اور قائداعظم علیہ الرحمہ نے پاکستان کو وجود بخش کر مسلمانوں کی اس تمنا کو پورا کر دیا ، جس کا خواب اِس برصغیر کے مسلمان تقریباً دو سو برس سے دیکھتے چلے آ رہے تھے ۔

سیاست کا طوفان آیا اور گزر گیا ، حقیقت پسندوں نے حقیقت کو پا لیا ، پاکستان مردان حق آگاہ کی بدولت واقعیت بن کر سامنے آ گیا ، لیکن مولانا متحدہ قومیت پر جمے رہے ، یہاں تک کہ اپنی قوم میں وہ افسانہ ماضی بن کر رہ گئے ، البلاغ اور الہلال کا وہ مؤسس جس کی تحریریں بندۂ مومن کے قلب کو گرماتی تھیں ، اسلام کا وہ شعلہ نوا خطیب

Marfat.com

جس کی آتش نوا تقریروں سے غیر منقسمہ ہندوستان کے بام و در گونجتے تھے ، وہ مفسر قرآن ، جو قرآنی حکمتوں کو اپنی تفسیر سے دلوں میں اُتار دیتا تھا ، وہ نکتہ رس جس کی دانش و بنیش کو غیر منقسمہ ہندوستان کے تمام نکتہ ور تسلیم کرتے تھے ، عجیب بات یہ ہے کہ وہ اُس دانائے راز کے اُس نکتے کو نہ سمجھ سکا ، جس نے ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں اس عظیم حقیقت کو بے نقاب کیا تھا ، جو برصغیر کے مسلمانوں کی دلی تمنا تھی ، وہ ساری عمر نیشلزم اور متحدہ قومیت کے جال سے مسحور رہا اور فریب پر حقیقت کے دھوکے کھاتا رہا ، یہاں تک کہ ہندوستان تقسیم ہو گیا ۔ حاشا وکلا ہمیں مولانا کے خلوص نیت میں کوئی شک نہیں ، لیکن اِس مسئلہ خاص میں مولانا کی اصابت رائے محل نظر ہے ۔

کانگریس کے ارباب اقتدار نے مولانا کو وزارت تعلیمات کے عہدے پر فائز کیا ، جس کے وہ علم و فضل کے اعتبار سے ہر طرح مستحق تھے ، لیکن سیکولر نظام میں اسلام کے فروغ کی گنجائش کہاں ، وہ اسلامی نظام تعلیم جو ان کی برسوں کی تمنا تھی اس لادینی نظام میں باوجود اس اقتدار کے جو مولانا کو حاصل تھا ، اس کے فریم میں مولانا کے لئے اسلامی تعلیم کے ایک نکتے کے بڑھانے کا بھی موقع نہ تھا ، جو مولانا پر بیتی ہو گی وہ مولانا ہی جانتے ہوں گے ۔

مختصر یہ ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد پر کہ وہ سیاست کے طوفانوں میں بھی جو رائے انھوں نے بغیر کسی لالچ یا دباؤ کے معاشرے کے لئے مفید سمجھ کر قائم کی تھی ، یہ اور بات ہے کہ وہ مفید تھی یا نہیں وہ ، اپنی اس رائے پر مضبوطی سے قائم رہے ۔

اُن کی زندگی گونا گوں نعمتوں کا مرقع تھی ، روشن دماغی ، دل کی فراخی ، علم کی فراوانی ، تقریر و تحریر کی جادوبیانی ان تمام نعمتوں کے مجموعے کا نام مولانا ابوالکلام آزاد تھا ۔

وفات :

مولانا ابوالکلام آزاد ۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو رحمت حق سے جا ملے[1]

۱۔ مولانا آزاد کے ان حالات میں ہم نے بیس بڑے مسلمان ، موج کوثر اور آندھی میں چراغ سے مدد لی ہے ۔

Marfat.com

(۳۰)

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری

علامہ اقبال کا تاثر :

۵ ستمبر ۱۹۲۹ع

بخدمت مولانا غلام مرشد، مولانا احمد علی، مولانا ظفر خان[2]، سید حبیب، مولوی نور الحق، سید عبدالقادر، مولانا مہر صاحبان ۔

جناب مکرم السلام علیکم

ایک نہایت ضروری امر میں مشورہ کرنا ہے ۔ آج آٹھ بجے شام غریب خانے پر تشریف لا کر مجھے ممنون فرمائیے، مشورہ طلب امر نہایت ضروری ہے، اُمید ہے کہ آپ تکلیف فرمائیں گے[3]۔

مخلص محمد اقبال

انوار اقبال، ص ۹۳، ۹۴

۱۔ محترمی بشیر احمد صاحب ڈار نے انوار اقبال کے صفحہ ۹۳ حاشیہ نمبر ۱ پر لکھا ہے کہ مولانا احمد علی (مرحوم) جنہوں نے انجمن خدام الدین لاہور کی بنیاد ڈالی، وہ مولانا عبیداللہ سندھی کے داماد اور شاگرد تھے، گویا خود اس حاشیے سے جناب ڈار صاحب نے متعین کر دیا ہے کہ مولانا احمد علی سے مراد کون سی شخصیت ہے ۔

۲۔ مولانا ظفر علی خان : ایڈیٹر زمیندار، لاہور : ولادت :۔ ۱۸۷۳ع (۱۲۹۰ھ) وفات : ۲۷ نومبر ۱۹۵۶ع (۱۳۷۶ھ) مدفن : کرم آباد (جو اُن کا وطن ہے) رسالہ نقوش، لاہور نمبر ۔ ص ۹۳۴ ۔ ۳۵

۳۔ سید حبیب :۔ ایڈیٹر اخبار سیاست، لاہور ۔ ولادت: ۱۸۹۱ع (۱۳۰۹ھ) بمقام جلال پور جٹاں ۔ وفات : ۱۹۵۵ع (۱۳۷۵ھ) مدفن : لاہور ۔ رسالہ نقوش (لاہور نمبر) ص ۹۲۶

Marfat.com

حالات :

علم و عمل کے آفتاب ، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری ۲ رمضان ۱۳۰۴ھ (۱۸۸۷ع) میں جمعہ کے روز قصبہ جلال ضلع گوجرانوالہ (صوبہ پنجاب) پاکستان میں پیدا ہوئے ، جو بعد میں پنجاب کے افق علمی پر مہر درخشاں بن کر چمکے ، والدین نے اپنی پاکیزہ سیرت کے جوہر آن میں بھی ودیعت کئے تھے ، جس نے ابتدا ہی سے مولانا کو سلفِ صالحین کے نقشِ قدم کی رہنمائی کی ، مولانا کے والد محترم کا نام شیخ حبیب اللہ تھا ، جو سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھے ، والدین نے اس بچے کے متعلق نذر مانی کہ وہ اس کو خدمتِ دین کے لئے وقف کریں گے ۔

تعلیم :

سب سے پہلے بچے کی تربیت گاہ ماں کی آغوش ہوتی ہے لیکن مولانا احمد علی نے تعلیم کی ابتداء بھی اپنی والدہ محترمہ سے کی یعنی ناظرہ قرآن مجید اپنی والدہ سے پڑھا ، قرآن مجید ختم کرنے کے بعد پانچ سال کی عمر میں کوٹ سعد اللہ کے مدرسے میں داخل ہوئے ، مولانا نے تیسری جماعت تک اسی مدرسے میں تعلیم پائی ۔

پدر بزرگوار نے اپنے تجارتی کاروبار سے مجبور ہو کر بابو نامی چیک میں سکونت اختیار کی تو ہونہار فرزند کو بھی اسکول بدلنا پڑا ، یہ اسکول قصبہ تلونڈی کھجور والی ضلع گوجرانوالہ میں تھا ، مولانا نے پانچویں جماعت تک اسی اسکول میں تعلیم پائی ۔

گوجرانوالہ کی مسجد :

والدین کا رجحان طبع اور علم دینی کی کشش مولانا کو مدرسے سے مسجد کی طرف کھینچ کر لائی ، آپ کے والد نے آپ کو ایک درویش صفت بزرگ مولانا عبدالحق کے سپرد کیا ، جو مولانا احمد علی کو نہایت شفقت سے تعلیم و تربیت دیتے تھے ۔

مولانا عبیداللہ سندھی کے حضور میں :

مولانا احمد علی لاہوری نے ابھی چند ماہ ہی گوجرانوالہ میں گزارے

Marfat.com

تھے کہ اتفاق سے وہاں مولانا عبیداللہ سندھی تشریف لے آئے۔ مولانا احمد علی کے والد مولانا عبیداللہ سندھی کے قریبی رشتہ دار تھے، آپ کے والد محترم نے آپ کو مولانا عبیداللہ سندھی کے سپرد کر دیا۔

مولانا عبیداللہ سندھی کی تعلیم و تربیت نے مولانا احمد علی کو حریت، آزادیٔ فکر، انگریزوں کی غلامی اور انگریزی تہذیب سے نفرت اور ایمان کامل کے گُر سکھائے، ابتدا ہی سے یہ جذبات و خیالات مولانا احمد علی کے قلب پر مرتسم ہو کر نقش کالحجر بن گئے، اس اہلِ جلیل القدر عالم کی بارگاہ میں زندگی پاکیزہ سے پاکیزہ تر ہوتی گئی۔

اس دور میں ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ انگریزوں کی حکومت اور غلامی سے کس طرح نجات حاصل کی جائے، یہ راہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی نے اپنے شاگرد رشید مولانا عبید اللہ سندھی کو دکھائی تھی، اور یہی سبق مولانا عبید اللہ سندھی[1] نے اپنے شاگرد مولانا احمد علی لاہوری کو دیا۔

۱۔ مولانا عبید اللہ سندھی :۔ سندھی مشہور ہیں، لیکن پنجابی الاصل ہیں۔ ۱۲۸۹ھ (۱۸۷۲ع) سیالکوٹ کے مردم خیز خطے میں پیدا ہوئے، وہ اگرچہ ایک سکھ خاندان میں پیدا ہوئے، لیکن بارہ سال کی عمر میں ان پر اسلام کی صداقت روشن ہوگئی اور وہ مسلمان ہوگئے اور اپنا نام عبید اللہ رکھا، پھر ترکِ وطن کر کے سندھ چلے آئے اور حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی والے سے قادری راشدی طریقے میں بیعت کی، عربی مدارس میں ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۰۶ھ (۱۸۸۸ع) میں دیوبند پہنچے، یہاں کے مختلف اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد آپ سندھ واپس چلے آئے۔ بلقان و طرابلس کی جنگ کے زمانے سے آپ نے سیاسیات میں سرگرم حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۱۵ع میں سیاسی وجوہ کی بناء پر کابل چلے گئے۔ ۱۹۲۲ع میں آپ ماسکو پہنچے۔ ۷ مارچ ۱۹۳۹ع کو چوبیس سال کے بعد آپ ہندوستان آئے۔ (ماخوذ از موج کوثر، ص ۳۹۰۔ ۳۹۳)

Marfat.com

سندھ کا سفر :

مولانا عبیداللہ سندھی اس زمانے میں سندھ کے ایک قصبے امروٹ شریف ضلع سکھر میں قیام پذیر تھے ، استاد و شاگرد جب یہ دونوں خان پور پہنچے تو وہاں کے ایک قصبے دین پور میں مولانا عبیداللہ سندھی کے ابتدائی مرشد و مربی حضرت غلام محمد رہتے تھے ، جن کی قدمبوسی کے لئے مولانا سندھی دو روز دین پور میں ٹھہرے ۔

مولانا لاہوری کی بیعت :

مولانا عبیداللہ سندھی نے مولانا احمد علی کو آپ کے سامنے بیعت کے لیے پیش کیا ، حضرت غلام محمد نے مولانا لاہوری کو مرید فرما لیا ۔

امروٹ شریف میں قیام :

قصبہ امروٹ شریف سندھ کے ضلع سکھر میں واقع ہے ان دنوں مولانا سندھی مع اہل و عیال کے اس قصبے میں قیام پذیر تھے ، اسی قصبے میں حضرت تاج محمود علیہ الرحمہ جلوہ افروز تھے ، جو سندھ کے مشہور صوفیائے کرام میں ہیں ۔

حضرت تاج محمود علیہ الرحمہ کے شیخ طریقت حضرت حافظ محمد صدیق بھرچونڈی ہیں ، مولانا عبیداللہ سندھی نے بچپن میں ان ہی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرکے بیعت کی تھی ۔

امروٹ شریف میں خود مولانا سندھی ، مولانا احمد علی لاہوری کو تعلیم دیتے تھے ۔

پانچ سال تک مولانا احمد علی لاہوری امروٹ شریف میں مولانا سندھی سے تعلیم پاتے رہے ۔

مدرسہ دارالارشاد (پیر جھنڈا) :

مولانا سندھی چاہتے تھے کہ امروٹ شریف میں ایک دینی مدرسہ قائم کریں ، مگر حالات سازگار نہ ہوئے ، لیکن گوٹھ پیر جھنڈا میں ۱۳۱۹ھ (۱۹۰۱-۲ء) میں پیر رشد اللہ نے مولانا کے اس عزم کی تکمیل کی اور

Marfat.com

"دارالارشاد" کے نام سے ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی ، مولانا سندھی نے یہیں مولانا لاہوری کو بلا لیا ، چھ سال مولانا احمد علی لاہوری نے اسی مدرسے میں بقیہ علوم متداولہ کی تکمیل کی ۔

دارالارشاد کے پہلے فارغ التحصیل علماء :

مدرسہ دارالارشاد سے علمائے ربانین کا جو پہلا گروہ فارغ التحصیل ہو کر نکلا ، ان میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری ، سید عطاء اللہ شاہ بخاری ، مولانا ضیاء الدین بن پیر رشداللہ تھے ۔

دارالارشاد کی معلمی :

مولانا احمد علی لاہوری اپنے اسی گہوارۂ علمی میں معلم مقرر ہوئے اور پانچ سال تک معلمی کے فرائض انجام دیتے رہے ۔

دامادی کا شرف :

مولانا عبیداللہ سندھی نے مولانا احمد علی کو یہ شرف بھی بخشا کہ اپنی صاحبزادی کی شادی آن سے کر دی ۔

نظارۃ المعارف القرانیہ دہلی :

یہ اس ادارے کا نام ہے جو مولانا عبیداللہ سندھی نے دیو بند میں اختلاف رائے ہونے کے بعد دہلی میں قائم فرمایا تھا ، اس ادارے کے طالب علموں میں مولانا احمد علی لاہوری کو بھی شریک کر لیا تھا ، چنانچہ اس ادارے کے امتحان میں مولانا احمد علی اول آئے ۔ ابھی قران مجید کے دس پاروں کا درس مکمل ہوا تھا کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کے شعلے بھڑکے ، اس جنگ میں ترک بھی شامل تھے ، ترکی ایک اسلامی حکومت ہے مولانا عبیداللہ سندھی انگریزوں کے خلاف ترکوں کی مدد کرنا چاہتے تھے ، حضرت شیخ الہند نے مولانا سندھی کو مشورہ دیا کہ وہ ہجرت کرکے کابل چلے جائیں ، چنانچہ مولانا سندھی خفیہ طور پر ہجرت کرکے کابل چلے گئے ۔ انھوں نے کابل میں بیٹھ کر انگریزوں کے خلاف اسلامی حکومتوں کے متحد کرنے کی کوشش کی اور چند اہم شخصیتوں کے نام اس اہم مقصد کے لیے مولانا احمد علی لاہوری کے پاس کچھ خطوط بھجوائے ، لیکن یہ

Marfat.com

خطوط پکڑے گئے ، جس پر مولانا احمد علی اور اُن کے متعلقین استبداد فرنگ کا نشانہ بنے اور گرفتار کر لیے گئے - دہلی سے ہتکڑی لگا کر شملہ لایا گیا ، کچھ عرصے آپ کو شملہ جیل میں قید رکھا گیا ، پھر لاہور لایا گیا ، پھر لاہور سے جالندھر لے جایا گیا اور جالندھر جیل کی ایک کوٹھری میں آپ کو مقید کر دیا گیا - پھر جالندھر جیل سے راہوں ضلع جالندھر کی جیل میں منتقل کیا گیا - راہوں سے آپ کو دوبارہ لاہور لے جایا گیا اور وہاں ایک انگریز افسر کے سامنے پیش کیا گیا کہ حکومت آپ کو دہلی یا صوبۂ سندھ میں بھیجنے کے لیے تیار نہیں ، لہذا آپ کو لاہور ہی میں رہائی کے بعد قیام کرنا ہوگا ، رہائی کے لیے یہ شرط بھی پیش کی گئی کہ آپ دو ضامن پیش کریں ، جو ہزار ہزار روپے کی ضمانت دیں ، چنانچہ آپ کی ضمانت قاضی ضیاءالدین مرحوم ایم-اے اور ملک لال خاں (منیجر انجمن اسلامیہ گوجرانوالہ) نے دی -

لاہور میں مستقل قیام :

اہل لاہور کی یہ بڑی سعادت تھی کہ مولانا احمد علی جیسے مرد حق آگاہ نے اس شہر کو اپنا وطن بنایا ، اہل لاہور پکار اٹھے :

آمد آں مردے کہ ما می خواستیم

لاہور میں درس قرآن حکیم :

مولانا احمد علی نے ابتداء درس قرآن حکیم دو حضرات سے شروع کیا ایک مولانا نے عبدالعزیز جو بازار سریانوالہ کے ایک دوکاندار تھے اور دوسرے میاں عبدالرحمٰن شاہ جو سریانوالہ بازار میں ایک مسجد کے امام تھے ، لیکن بتدریج اس مشک کی خوش بو پھیلتی گئی ، آپ کے خلوص ، للہیت اور دینی لگن کے چرچے ہونے لگے اور درس قرآن حکیم کے طلبہ میں اضافہ ہونے لگا -

مسجد شیرانوالہ :

ابتداً مولانا کا درس ایک چھوٹی سی مسجد میں ہوتا تھا جو شیرانوالہ دروازہ کے قریب واقع ہے ، جب ، حلقۂ درس کے لوگوں کی تعداد زیادہ

Marfat.com

بڑھی تو آپ نے اس مسجد کی ملحقہ دوکانوں کی چھت پر درس دینا شروع کیا ، جب حلقۂ درس میں اور وسعت ہوئی تو آپ مولوی عبدلحق کی بیٹھک میں درس دینے لگے ، پھر مسجد لائین سبحان خاں میں مولانا کا درس شروع ہوا ۔

سفر حج :

۱۹۱۸ء میں مولانا احمد علی لاہوری حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے ، حج کے بعد جب آپ واپس کراچی پہنچے تو تحریک خلافت کا آغاز ہو چکا تھا اور ساتھ ہی ہجرت افغانستان کی تحریک بھی شروع ہو چکی تھی، مولانا احمد علی لاہوری بھی ہجرت کرکے افغانستان پہنچے ، لیکن کسی وجہ سے وہاں قیام نہ کر سکے ، واپسی میں پشاور میں گورنمنٹ برطانیہ کے ایک افسر نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ مولانا عبیداللہ سندھی کے عزیز ہیں ؟ مولانا لاہوری نے جواب دیا ہاں اس افسر نے کہا تو آپ سندھ نہیں جا سکتے ، آپ کو لاہور جانا پڑے گا ، یہ کہہ کر اس نے مولانا کو لاہور کا ٹکٹ دلوا دیا ۔

لاہور میں دوبارہ تشریف آوری :

چنانچہ آپ ۱۹۲۰ء میں دوبارہ لاہور تشریف لائے اور اپنا محبوب ترین مشغلہ درس قرآن حکیم شروع کر دیا ۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کا بیان ہے کہ

> اس درس کا اصل مقصد و موضوع تو قرآن مجید کے علم و فہم میں بصیرت پیدا کرنا تھا اور مولانا اس سلسلے میں اپنے محبوب استاد مولانا عبید اللہ سندھی کے متبع و پیرو تھے۔ . . . اس درس سے مجھے بہت فائدہ ہوا اور اس کی برکت میں نے اپنی بعد کی علمی اور تبلیغی زندگی میں محسوس کی[1]۔

۱- پرانے چراغ - ص - ۱۵۱

Marfat.com

سولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا لاہوری کی پاکیزہ زندگی کو جس کا مشاہدہ خود انھوں نے مولانا کی خدمت میں رہ کر کیا تھا ، اپنے تاثر کو قلم بند کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> سب سے زیادہ مفید و موثر سولانا کی صحبت ، ان کی زاہدانہ اور مجاہدانہ زندگی ، ان کا اخلاص ، ان کا قرآن مجید سے والہانہ تعلق اور اس کی نشرو اشاعت اور تبلیغ کا بے قرارانہ جذبہ تھا ، ان کو قرآن مجید کے درس و اشاعت کے بغیر چین نہیں آتا تھا اور وہ ان کی روح کی غذا اور درد کی دوا بن گیا تھا ، آن کے نزدیک اس درس میں ناغہ کرنا گویا گناہ کبیرہ اور سخت کوتاہی تھی ، میں نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ آن کے ایک بچے کا انتقال ہوا ، اس کی لاش گھر میں تھی ، لیکن اس دن بھی انھوں نے درس کا ناغہ نہیں کیا[1]

تصحیح عقائد - اشاعت توحید :

سولانا نے سندھ اور پنجاب سے جو اسلام کی عظیم الشان خدمات انجام دیں ، ان میں اشاعتِ توحید ، عشق رسول ؐ ، اتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور اصلاح رسوم کو نہایت اہمیت حاصل ہے ،

خطبات جمعہ اور اشاعت رسائل :

درس قرآن مجید کے علاوہ انھوں نے جن ذرائع تبلیغ کو اختیار کیا ، ان میں دو سوثر ذریع تبلیغ تھے ، ایک آن کے خطبات جمعہ ، اور دوسرے آن کے دینی رسائل ، جمعہ کے روز شیرانوالہ دروازے کی اس مسجد میں جس میں سولانا نماز جمعہ ادا فرماتے تھے لوگ جوق در جوق ان کے جمعہ کا خطبہ سننے کے لیے پروانہ وار جمع ہوتے تھے ، ان کی تقریریں خالص اصلاحی اور تبلیغی انداز کی ہوتی تھیں ، بعض مرتبہ وہ حقانی جذبات سے سرشار ہو کر تلخ حقیقتوں کو بیان فرماتے ، بارہا دوران تقریر میں آنھوں نے

۱- پرانے چراغ - ص - ۱۵۱

Marfat.com

فرمایا :

اے لاہوریو ! احمد علی چھیالیس برس سے تمھارے درمیان رہتا ہے ، لیکن وہ اس اٹھارہ لاکھ کی آبادی میں انسان کی صورت دیکھنے کو ترستا ہے [1]۔

ترجمہ قران کریم کی اشاعت :

۱۹۴۷ع میں مولانا نے مترجم قران شریف شایع کیا تھا ، اس میں ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کا ہے اور حواشی مولانا نے خود تفسیر کے طرز پر لکھے ہیں [2]۔

انجمن خدام الدین اور مدرسہ قاسم العلوم کا قیام :

ایک روز حکیم فیروزالدین نے مولانا کے درس میں کہا کہ اس درس کی کوئی منظم صورت ہونی چاہیے ، حاضرین نے ایک انجمن کی تشکیل کا فیصلہ کیا ، اور مولانا کے ارشاد پر اس کا نام انجمن خدام الدین رکھا ۔ اس انجمن کی مجلس انتظامی میں مولانا ابو محمد احمد ، حضرت مولانا نجم الدین اور مولانا فضل الحق اور دوسرے حضرات اس کے رکن ہوئے [3]۔

اس انجمن کا قیام ۱۹۲۲ع میں عمل میں آیا [4] ہے ۔ مولانا اس کے صدر منتخب کیے گئے ۔

مولانا احمد علی لاہوری دن میں دو مرتبہ درس قرآن مجید دیتے تھے۔ پچیس سال تک مولانا لاہوری درس قرآن مجید دیتے رہے ، مولانا نے لاہور میں درس قرآن مجید کی ابتدا ۱۹۱۷ع میں کی تھی اور وہ آخر دم تک درس قرآن حکیم میں مصروف رہے ۔ ان کی وفات کے بعد مولانا کے بڑے

۱- پرانے چراغ، ص ۱۵۳ -
۲- ایضاً، ص ۱۵۴ -
۳- بیس بڑے مسلمان، ص ۶۶۹-۶۷۰ -
۴- پرانے چراغ ، حاشیہ نمبر ۱ ص ۱۵۵ -

Marfat.com

صاحبزادے مولوی حبیب اللہ[1] نے ان کی مسند درس قرآن کو زینت بخشی ، مولوی حبیب اللہ کی وفات کے بعد ان کے بھائی مولانا عبیداللہ انور درس دینے لگے ۔

انجمن خدام الدین کی تشکیل و تعمیر کے بعد ۱۹۲۴ء میں مدرسہ قاسم العلوم کا قیام عمل میں آیا ، یہ مدرسہ لائین سبحان خان کے قریب قائم کیا گیا ، اس کا افتتاح مولانا شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ نے کیا ۔

جہادِ کشمیر :

قیام پاکستان کے بعد ہی کشمیر کی جنگ چھڑ گئی ، مولانا احمد علی لاہوری نے اس جنگ کو جہاد اسلام کے نام سے تعبیر کیا ، روزانہ درس قرآن مجید میں اور اپنی تقریروں میں اس جہاد کی ترغیب دلائی اور دس ہزار روپے کی رقم کشمیر کے پہلے صدر سردار محمد ابراہیم کو پیش کی [۲]۔

انجمن حمایت الاسلام کی رکنیت :

مولانا احمد علی نے انجمن حمایت الاسلام کی رکنیت قبول فرمائی اور انجمن کے وائس پریسنڈنٹ رہے ۔

مرزائیت کی مخالفت :

مولانا نے مرزائیت کی سخت مخالفت کی ، سالہا سال سے جمہور علمائے اسلام کا مطالبہ تھا کہ قادیانیوں کو اقلیت قرار دیا جائے ، آخر عوامی حکومت کے دور میں یہ مسئلہ شدت اختیار کر گیا ، چنانچہ سابق وزیراعظم

۱- مولوی حبیب اللہ :- مولانا احمد علی لاہوری کے بڑے صاحبزادے تھے ، عالم و حافظ اور فاضل دیوبند تھے ، اپنے والد سے اجازت و خلافت حاصل کی تھی ، تقریباً پچیس سال سے حرمین شریفین میں مقیم تھے ۔ مولانا حبیب اللہ نے ۲۶ جمادی الاخر ۱۳۹۲ھ (۲۶ جولائی ۱۹۷۲ء - بروز پنجشنبہ) مکہ معظمہ میں وفات پائی اور جنت المعلّٰی میں مدفون ہوئے پرانے چراغ ، ص ۱۴۵ -

۲- بیس بڑے مسلمان ، ص ۶۷۳ -

Marfat.com

جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اس مسئلے کو قومی اسمبلی میں پیش کیا اور وفاق اسمبلی حکومت پاکستان نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا اور جمہور علمائے اسلام کا یہ نوے سالہ مطالبہ پورا ہو گیا کہ پاکستان میں ان کو اقلیت قرار دیا جائے کیونکہ وہ اسلام کے بنیادی عقیدے ختم رسالت کے قائل نہیں ، اور میرزا غلام احمد کو (عیاذاً باللہ) رسول اور نبی مانتے ہیں ، حالانکہ آپ خاتم الرسل ہیں ، رسول اکرم خدا کے آخری رسول ہیں آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی آنے والا نہیں ۔

مولانا احمد علی منکرین حدیث کے بھی سخت خلاف تھے ۔

ہفت روزہ خدام الدین کا اجرا :

مولانا نے انجمن خدام الدین کی طرف سے ایک اخبار "ہفت روزہ خدام الدین" جاری کیا ، اس اخبار نے اشاعت دین کی بڑی خدمت انجام دی ۔

وفات :

۷۵ سال کی عمر میں ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ (۱۹۶۲ع) کو یہ علم و عمل کا آفتاب غروب ہو گیا ، اور میانی صاحب کے قبرستان میں اس گنجینۂ علم و عرفان کو سپرد خاک کیا گیا ۔

تصانیف :

مولانا کی تصانیف میں آن کے مجموعہ رسائل جن کی تعداد (۴۴) ہے ، خلاصتہ المشکوٰۃ اور حواشی ترجمۂ قرآن کریم ہیں ، جو مولانا نے اس ترجمے پر لکھے تھے جو انھوں نے حضرت شاہ عبدالقادر کا ترجمہ انجمن خدام الدین سے شائع کیا تھا [1]۔

۱- مولانا احمد علی کے یہ تمام حالات بیس بڑے مسلمان ص ۶۶۳ - ۶۸۸ سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

(۳۱)

مولانا عبدالماجد دریا بادی

علامہ اقبال کا تاثر :

۶ جنوری ۱۹۲۲ء

مخدومی ، السلام علیکم

نوازش نامے کے لیے سراپا سپاس ہوں ، آپ کے مختصر الفاظ نے اِس موقع پر میرے جذبات کی نہایت صحیح ترجمانی کی ہے ، حالات مختلف ہوتے تو میرا طریقِ عمل بھی اس بارے میں مختلف ہوتا ، لیکن یہ بات دنیا کو عنقریب معلوم ہو جائے گی کہ اقبال کلمۂ حق کے کہنے سے باز نہیں رہ سکتا ، ہاں کھلی کھلی جنگ اس کی فطرت کے خلاف ہے ۔

اسرار خودی کا ریویو دیکھنے کا منتظر ہوں

(مکتوب اقبال ۔ بنام مولانا عبدالماجد دریا بادی
اقبال نامہ حصہ اول (شیخ عطاء اللہ ۔ ایم ۔ اے)
ص ۲۳۳) ۔

. . . مجھے آپ سے قلبی تعلق ہے ، اس واسطے ہمیشہ آپ کے خط سے مسرت ہوتی ہے . . . مولانا کی کتاب "فیہ مافیہ" کو آپ خود ایڈٹ کریں ، اِس میں کوئی شک نہیں کہ یورپ میں وسائل ایڈٹ کرنے کے بہت زیادہ ہیں ۔

Marfat.com

لیکن آخر ہندی مسلمانوں کو بھی تو یہ کام کچھ نہ کچھ شروع کرنا ہے ۔ ۔ ۔ ۔

مکتوب اقبال - ۱۷ اپریل ۱۹۲۲ء -
بنام مولانا عبدالماجد دریا بادی
اقبال نامہ - حصہ اول

۵ جنوری ۱۹۲۹ء

میں بھی ایک ہفتہ کے لیے علی گڑھ گیا تھا ، وہاں ایک نئی زندگی کا آغاز معلوم ہوتا ہے ، سید راس مسعود بہت مستعد آدمی معلوم ہوتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آن کی مساعی سے یونیورسٹی کی زندگی میں ایک خوش گوار تبدیلی ہوگی ، آپ بھی کبھی کبھی وہاں جایا کریں اور مذہبی مضامین پر طالب علموں سے گفتگوئیں کیا کریں ، تو نتائج بہت اچھے ہوں گے، باوجود بہت سی مخالف قوتوں کے جو ہندوستان میں مذہب کے خلاف (اور بالخصوص اسلام کے خلاف) اس وقت عمل کر رہی ہیں ، مسلمان جوانوں کے دل میں اسلام کے لیے تڑپ ہے ، لیکن افسوس ہے کہ کوئی آدمی ہم میں نہیں ، جس کی زندگی قلوب پر موثر ہو ۔ ۔ ۔ ۔ مسلمانوں میں آزادی کے لیے ایک ولولہ موجود ہے ، مگر :

مشکل ایں نیست کہ بزم از سرِ ہنگامہ گزشت
مشکل این است کہ بے نقل و ندیم اند ہمہ

(مکتوب اقبال - بنام مولانا عبدالماجد دریا بادی)
(اقبال نامہ حصہ اول - ص ۲۳۹-۲۴۰)

۷ جولائی ۱۹۳۳ء

آپ نے اپنے پہلے خط میں "وطنیت" کے اصول پر اسلام کے اصول اجتماعی کو ترجیح دینے میں مجھے اسام العصر

Marfat.com

کہا ہے ، جس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں ۔ ایک نیشنلسٹ اخبار جس کے چار ایڈیٹر ہیں اور چاروں مسلمان ہیں ، اور جس کا پہلا نمبر لاہور سے آج ہی نکلا ہے ، لکھتا ہے کہ اقبال نے وطنیت کا عذر لنگ تراشا ہے ! دیکھا مغربی کالجوں کے پڑھے ہوئے مسلمان نوجوان روحانی اعتبار سے کتنے فرومایہ ہیں ، اُن کو معلوم نہیں کہ اسلامیت کیا ہے اور وطنیت کیا چیز ہے ، وطنیت ان کے نزدیک لفظ وطن کا ایک مشتق ہے اور بس ۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا ۔

(مکتوب اقبال ۔ بنام مولانا عبدالماجد دریا بادی)
اقبال نامہ ۔ حصہ اول ۔ ص ۲۴۱-۲۴۲

حالات :

وہ جس نے ساری عمر علامہ اقبال کے فکر و نظر کو اپنایا ، وہ جس نے قرآن مجید کی تفسیر ماجدی لکھ کو قرآن حکیم کے معارف و حقائق کو عام کیا ، وہ اسلامی صحافت کا ترجمان جس نے ہندوستان کی فضاؤں میں سالہا سال سچ اور صدق کے موتی بکھیرے ، وہ جس نے اپنے شہ پاروں سے اردو ادب کے دامن کو مالا مال کر دیا ، وہ جس نے الحاد و دہریت کے اندھیروں میں ایمان و عمل کی دولت کو از سر نو پایا ، اور سیکڑوں گمراہوں کے لیے ان کی تحریریں ہدایت کا موجب بنیں ، وہ مولانا عبدالماجد دریا بادی ہیں ۔

خاندان ۔ ولادت :

مولانا عبدالماجد دریا بادی ، قصبہ دریا باد کے قدوائی خاندان کے مخدوم زادوں میں وسط شعبان ۱۳۱۰ھ (۱۸۹۲ع) میں پیدا ہوئے ، اُن کے والد محترم کا نام عبدالقادر تھا ، جو اودھ کے ضلعوں میں ڈپٹی کلکٹر رہے ، اُن کے دادا مفتی شریعت مظہر کریم تھے ، اُن کے نانا ان کے دادا کے بھائی مولوی حکیم نور کریم تھے جو اپنے وقت کے نامور طبیب اور خطاط تھے ۔

Marfat.com

تعلیم :

مولانا عبدالماجد کی بسم اللہ ۱۸۹۵ع (۱۳۱۳ھ) اودھ کے ایک چھوٹے سے شہر لکھیم پور کھیری میں ہوئی ، مولانا نے ابتدائی تعلیم خصوصاً فارسی کی تعلیم گھر پر پائی ، کیمیائے سعادت ، سکندر نامہ ، یوسف زلیخا وغیرہ گھر پر پڑھی ، جب اسکول میں داخل ہوئے تو ثانوی زبان عربی لی ، انگریزی تعلیم سیتا پور ہائی اسکول میں ہوئی ، وہیں سے ۱۹۰۸ع میں میٹریکولیشن کیا - ایف - اے اور بی - اے کی تعلیم لکھنؤ کینگ کالج میں پائی ، مولانا نے کالج کے زمانے میں انگریزی ، منطق اور فلسفے میں شہرت حاصل کی - کالج کے اساتذہ میں ایک انگریز ڈاکٹر کیمرن بھی تھے ، مولانا اُن سے بڑی محبت رکھتے تھے ، ابتدا ہی سے مولانا ماجد کو ہر قسم کی کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا ، کالج میں یہ شوق اور بھی ترقی کر گیا ، مولانا شہر کی لائبریریوں اور کالج کی لائبریری سے استفادہ کرتے ، ڈاکٹر کیمرن نے انھیں ایک سرٹیفیکیٹ میں لکھا کہ

> میرے علم میں کسی بھی طالب علم نے لائبریری سے
> اتنا استفادہ نہیں کیا ہے جتنا انھوں نے کیا ہے -

بی - اے کے امتحان کا زمانہ آیا تو مولانا کی عربی کمزور تھی ، مولانا نے عربی کی کمزوری کو رفع کرنے کے لیے یہ ترکیب کی کہ انھوں نے مولانا عبدالباری ندوی کو ہموار کیا ، جو ندوہ میں پڑھ رہے تھے اور میٹرک کے امتحان کی فکر میں تھے ، دونوں نے ایک دوسرے سے مبادلہ اس طرح کیا کہ مولانا ماجد عربی کا سبق اُن سے لیتے اور انگریزی کا سبق مولانا عبدالباری کو دیتے ، یوں ایک دوسرے کی کامیابی کی راہیں ہموار کیں ، اِس طرح مولانا ماجد نے ۱۹۱۲ع میں بی - اے میں سکنڈ ڈویژن کامیابی حاصل کی -

پھر مولانا کو فلسفہ میں ایم - اے کرنے کا خیال پیدا ہوا ، ۱۹۱۳ع میں مولانا نے علی گڑھ کا رخ کیا ، لیکن بعض وجوہ کی وجہ سے ایم - اے میں فیل ہو گئے -

Marfat.com

فکر معاش :

اِس عرصے میں بدوران حج ۱۹۱۲ء میں مولانا ماجد کے والد کی وفات ہو گئی اور فکر معاش دامن گیر ہوئی ، مولانا نے مختلف ملازمتوں کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوسکی ، البتہ کچھ تھوڑا بہت معاوضہ اُردو رسالوں سے ملتا رہا ، اِس موقع پر خاص طور پر بابائے اُردو ڈاکٹر عبدالحق مولانا ماجد کے خاص شکریے کے مستحق رہے کہ وہ انجمن ترقی اُردو کی طرف سے تصنیف و تالیف اور ترجمے کا کام دلواتے رہے ۔

شادی :

اسی عرصے میں مولانا ماجد کی شادی ہو گئی ، حضرت اکبر الہ آبادی نے "فروغ ماجد" سے عقد کی تاریخ نکالی[1] ۔ شادی کے کچھ دن بعد ہی صاحبزادہ آفتاب احمد خاں مرحوم نے لٹریری اسسٹنٹ کی حیثیت سے دفتر مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں بمشاہرہ (۱۷۵) روپے ماہوار مولانا کا تقرر کر دیا[۲] ، لیکن مولانا کا اس ملازمت میں جی نہ لگا ، لہذا استعفادے کر واپس چلے آئے ۔

حیدر آباد دکن کے دارالترجمے میں تقرر :

۱۹۱۷ء میں سر راس مسعود اور بابائے اُردو مولوی عبدالحق نے تار دے کر مولانا کو عثمانیہ یونی ورسٹی کی نصابی کتابوں کے ترجمے کے لیے بلوایا اور حیدر آباد میں مولانا کا تقرر بحیثیت رکن دارالترجمہ کے تین سو روپے ماہوار پر ہو گیا ، گیارہ ماہ گزرنے کے بعد مولانا اپنے ذوق الحاد کی بنا پر اس ملازمت سے مستعفی ہوئے یا علیحدہ کر دیے گئے ۔

اعلیٰ حضرت حضور نظام کی قدر افزائیاں :

اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں آصف سابع نظام حیدر آباد دکن اہل علم اور اہلِ کمال کی قدر افزائیوں نے حیدر آباد دکن کر ہمسر قرطبہ

۱- خطوط مشاہیر مولانا عبدالماجد دریا بادی ، ص ۹۹ -

۲- ایضاً ، ص ۹۸ -

Marfat.com

و بغداد کر دیا تھا ، شمالی اور جنوبی ہند کے یگانہ روزگار علماء اور اہل کمال کا مرکز حیدر آباد بنا ہوا تھا ۔ راقم الحروف نے اپنی عمر کے پچیس سال عروس البلاد فرخندہ بنیاد حیدر آباد میں گزارے ہیں ، اُس کی عظمتوں اور رونقوں کو دیکھا ہے ، پاک و ہند کا شاید ہی کوئی شہر ایسا ہو ، جہاں حضور نظام کی فیاضیوں نے وظیفوں کی شکل میں وہاں کے علما ، فضلا ، بیواؤں اور یتیموں کو نہ نوازا ہو ، غیر منقسمہ ہندوستان کی کوئی بڑی علمی درسگاہ ایسی نہ تھی، جو اُن کے چشمۂ کرم سے فیض یاب نہ ہوئی ہو، دارالعلوم دیوبند ہو یا ندوۃ العلما لکھنؤ ، علی گڑھ یونی ورسٹی ہو یا بنارس یونی ورسٹی ، ان کے ابر کرم کی بارش بلا امتیاز مذہب و ملت یکساں برستی تھی ، میں کیا بتاؤں کہ کیسے کیسے اہل کمال ، یگانۂ روز گار علماء ، جلیل القدر شاعر ، عظیم المرتبت فنکار ، نادرۂ روز گار اہل قلم ، بے مثل انشا پرداز و ادیب اس شہر میں جمع تھے ، اسی شہر میں میں نے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی کو دیکھا ، اسی شہر میں اُستاد دکن مولانا مناظر احسن گیلانی کی زیارت نصیب ہوئی ، اسی شہر میں علامہ نظم طبا طبائی کے دیدار کی دولت میسر آئی ، اسی شہر میں علامہ عبداللہ العمادی کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا ، اسی شہر میں بابائے اُردو ڈاکٹر عبدالحق کی زیارت نصیب ہوئی یہیں لسان الملت نواب بہادر یار جنگ کو بارہا دیکھنے اور ان سے چند ملاقاتوں کا شرف حاصل ہوا ، جن کے دیکھنے پر میری آنکھوں کو فخر ہے ، اسی شہر میں مرزا ہادی رسوا کو دیکھا ، یہیں حضرت فانی بدایونی ، حکیم آزاد انصاری ، حضرت جوش ملیح آبادی سے میرا تعارف ہوا ۔ یہیں میں نے مولانا وحید الدین سلیم اور مولانا عبدالباری ندوی کر دیکھا، جن کے تبحر علمی کی قسم کھائی جا سکتی ہے ، ذہن میں اس وقت اُس اُجڑی ہوئی محفل کے یہ چند نام اُبھر آئے ، ورنہ میں کیا بتاؤں کہ کیسے کیسے یگانہ روز گار مکینوں سے یہ شہر آباد تھا ، خطۂ دکن ایک جنتِ ارضی تھا ، آج جب کہ وہ تصور خواب و خیال ہو چکا ہے اب بھی جب میرے حافظے کے دریچے سے یہ تصویریں جھانکتی ہیں تو کلیجا منہ کو آتا ہے ۔

میری بدقسمتی دیکھیے کہ دکن میں پچیس سال گزارنے کے بعد بھی

Marfat.com

اور ان اہل کمال کی کفش برداری کے باوجود میرا مس خام کندن نہ بن سکا لیکن میرے شعور کو بیدار کرنے اور میری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں دکن کی ان محفلوں کو بڑا دخل ہے ، میری تحریروں میں اگر کوئی خوبی نظر آتی ہے تو وہ ان بزرگوں کے فیض صحبت کا اثر ہے اور جو خامیاں دکھائی دیتی ہیں وہ سب میری ہیں -

تمتع زہر گوشۂ یافتم
زہر خرمنے خوشۂ ، یافتم

وظیفہ :

حیدر آباد دکن کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ حیدر آباد سے جو بھی رخصت کیا گیا ، خواہ وہ عتاب شاہی کی بنا پر نکالا گیا یا الطاف شاہانہ کے ساتھ رخصت ہوا ، دونوں صورتوں میں بہر صورت اس کو وظیفہ دیا جاتا تھا -

دکن کے امرا کا قول تھا کہ پیٹھ پسر مارو پیٹ پر نہ مارو ، چنانچہ مئی ۱۹۱۹ تار کے ذریعے مولانا کو طلب کر کے حضور نظام نے آن کا وظیفہ (۱۲۵) روپے ماہوار جاری کیا ، پھر ۱۹۳۶ء میں مرزا محمد اسماعیل وزیر اعظم حیدر آباد نے یہ وظیفہ (۱۲۵) روپے سے دو سو روپے کر دیا ، تقسیم ہند کے بعد حکومت حیدر آباد نے یہ وظیفہ بند کر دیا ، مگر مولانا ابوالکلام آزاد وزیر تعلیمات ہند کے لکھنے پڑھنے پر دوبارہ یہ وظیفہ جاری ہوا اور مولانا کو آخر دم تک ملتا رہا - مگر گھٹ کر سوا سو روپے ماہوار ہو گیا ، کتابوں ، مضامین کی اجرت اور اخبار کی آمدنی اور وظیفے کو ملا کر مولانا کی زندگی اور اوسط درجے کی خوش حالی سے بسر ہونے لگی -

الحاد کا دور :

مولانا کے الحاد اور بے دینی کا دور ۱۹۱۳ء سے شروع ہوتا ہے - خود مولانا نے لکھا کہ

کالج پہنچ کر جب عقاید میں فتور آیا تو طبیعت کا رخ

Marfat.com

اسلام سے الحاد کی طرف مڑ گیا ، انگریز ملحدین کی کتابیں بکثرت پڑھنے سے - تو اسی زمانے میں ایک کتاب پروفیسر ہکسلے پر بڑے چاؤ اور اہتمام سے لکھنا شروع کی . . . الحمدللہ کہ اب اس کا مسودہ بھی معدوم ہے[1]

الحاد کے دور کی کتابیں :

۲۱ سال کی عمر میں ۱۹۱۳ع ہی میں مولانا کی کتاب فلسفۂ جذبات انجمن ترقی اردو سے شایع ہوئی ، لیکن وہ کتاب جس نے مولانا کے الحاد کی خبر کو عام کیا وہ فلسفہ اجتماع ہے ، خود مولانا نے اپنے دور ضلالت و گمراہی پر اظہار تاسف و ندامت کرتے ہوئے اس کتاب کے متعلق لکھا کہ

> دوسری کتاب ہر اعتبار سے لغو ، فلسفۂ اجتماع لکھ ڈالی ، جس کا ایک ایک صفحہ الحاد سے داغ دار ، اس کی اشاعت و فروخت مدت دراز ہوئے بند کرا چکا ہوں ، پھر دو کتابیں انگریزی سے ترجمہ کر کے چھاپیں ، ایک تاریخ اخلاق یورپ اور دوسری تاریخ تمدن انگلستان (جزواً) ، ایک ڈرامہ بھی ناظر کے فرضی نام سے اس درمیان میں لکھ ڈالا - ۱۹۱۷ع حیدر آباد جانا ہوا یونی ورسٹی کے سررشتہ تالیف و ترجمہ میں ایک خاص ضخیم کتاب منطق پر لکھی اور جو خالی وقت بچ گیا اس میں ترجمہ " تاریخ یورپ" کا کیا - دارالمصنفین اعظم گڑھ کے لیے " فلسفہ ، مکالمات برکلے " کا ترجمہ کیا[2] -

مولانا کی داستان الحاد خود ان کے قلم سے :

خود مولانا نے اپنی داستان الحاد قلم بند کرتے ہوئے لکھا کہ

۱- رسالہ نقوش آپ بیتی نمبر - حصہ دوم - ص ۱۰۷۲

۲- رسالہ نقوش ، آپ بیتی نمبر ، ص ۱۰۷۲ع

Marfat.com

پڑھنے کا مریض شروع ہی سے تھا ، پڑھتا تھا اور اندھا دھند پڑھتا تھا - ۱۹۰۸ع میں ہائی اسکول (اس وقت کا میٹریکولیشن) پاس کرکے گرمیوں کی چھٹیوں میں لکھنؤ آیا اور ابھی انٹرمیڈیٹ میں داخل نہیں ہوا تھا کہ ایک عزیز کے ہاں ٹھہرا - ان کتابوں پر نظر پڑی Elements of Social Science ، مصنف بعد کو معلوم ہوا کہ کوئی ملحد ڈاکٹر (Drys Dale) نامی تھا ، اس پہلے ایڈیشن میں اس کی صرف ڈگری درج تھی یعنی (By. AU M. D) اور اس سن میں اور اس زمانے میں ذہن کو مرعوب کرنے کے لئے محض یہ اونچی ڈگری کافی تھی ، پھر کتاب کا انداز بیان خطیبانہ ، پُر جوش اور ہر ہوائے نفس کے عین مطابق ، بلکہ آسے اور تیز کرنے والا - کتاب کا خلاصہ در خلاصہ یہ تھا کہ یہ اخلاق بندشیں سب مذہب والوں نے گھڑ رکھی ہیں ، جب اپنے میں اتنی جسمانی قوت آ جائے تو ہر نفسانی خواہش آزادی سے پوری کر سکتے ہو ، نکاح وغیرہ کی قید کے کوئی معنی نہیں ، طبیعت کو دبانا اور روکے رکھنا تو اور مضر صحت ہوگا - وغیرہ وغیرہ - نفس مذہب کے خلاف پہلا اثر اس وقت طبیعت نے قبول کیا - پھر کچھ دن بعد جب لکھنؤ میں مستقل قیام ہوگیا اور انٹرمیڈیٹ میں پڑھنے لگا ، انگریزی لازمی کے ساتھ تاریخ انگلستان ، منطق اور عربی کے اختیاری مضمون لے کر کتابوں کے عشق میں علاوہ کالج لائبریری کے دوسری لائبریریوں کے بھی چکر لگانے لگا ، ایک لائبریری میں کئی جلدوں میں ایک کتاب دیکھی ، نام اب (International Library of Famous Literature) یاد پڑتا ہے ، اچھے مصنفین کی تصانیف و مضامین کا انتخاب تھا ، ایک مضمون سیرت نبوی ؐ پر تھا ، غالباً واشنگٹن اردن کے قلم سے ، اسی

Marfat.com

کے ساتھ پورے ایک صفحے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر بھی تھی ، معاذ اللہ ! چہرے سے خشونت اور غضبناکی برستی ہوئی ، نہ کہیں ترحم ، نہ شفقت ، کمر سے تلوار لٹکتی ہوئی اور شانے پر ترکش اور کمان ! رحمۃ للعالمینؐ کے تخیل سے کوئی دور کی بھی مناسبت نہیں اور اس کے نیچے حوالہ کسی قدیم تصویر کا دیا ہوا ، یہ گمان اس سن میں اور وقت کی اس فضا میں گزر ہی نہیں سکتا تھا کہ یہ تصویر مصنوعی یا جعلی بھی ہو سکتی ہے ، یہ تو بہر حال صحیح ہے ، ہو نہ ہو یہ خیال ہی تھا جو اب تک رحمت عالمؐ سے متعلق دماغ میں جا گزیں تھا ، نفس مذہب سے تذلزل اس ڈاکٹر والی انگریزی کتاب نے پیدا کر ہی دیا تھا ، اب اِس تصویر کمبخت نے براہ راست اسلامیت پر ضرب کاری لگا دی ۔

طبیعت کسی دوسرے مذہب ، مسیحیت ، آریہ ست ، ہندو مت وغیرہ کی طرف راغب یا مائل نہ ہوئی البتہ الحاد، دہریت اور بے دینی کے لیے جگہ دل و دماغ میں پیدا ہونے لگی ۔ یہ کایا پلٹ ایک سال کے اندر ہوگئی ، اتنے میں ایک غیر مسلم یورپ زدہ دوست کے ہاں لندن کے ریشنلسٹ ایسوسی ایشن انجمن مصنفین کی بعض مطبوعات دیکھیں ، وہ خود بھی گرویدہ ہو کر منگوانا شروع کر دیں ، کتابیں سب کی سب سستی قیمتوں کی تھیں اور سائنس ، فلسفہ' تاریخ وغیرہ کسی نہ کسی عنوان کے قالب میں عموماً مذہب پر حملہ آور ہوتی تھیں ، ان کتابوں کے مسلسل مطالعہ نے اسلام سے اتنی دور اور بے دینی میں اتنا پختہ کر دیا کہ ۱۹۱۰ع میں جب انٹرمیڈیٹ کے امتحان کا فارم بھرنے لگا تو مذاہب کے خانے میں اپنا مذہب بجائے اسلام کے "ریشنلزم" عقلیت درج کر دیا ۔ جب نوبت بی ۔ اے میں پہنچ کر نفسیات کے زیادہ وسیع

Marfat.com

مطالعہ کی آئی ، اب اپنی شامت سے اور اور کتابیں اسی مضمون کی نظر سے گزریں ، فلاں ڈاکٹر ، فلاں پروفیسر کی لکھی ہوئی کہ وحی و الہام سب ڈھکوسلے ہیں ، یا غیر طبعی نفسیاتی کیفتیں ، محض صورتیں اختلال دماغی کی ہیں ۔ کریلا یوں ہی کیا کم کڑوا ہوتا ہے اور پھر جو نیم پر چڑھا ہوا ہو ، رفتہ رفتہ (نعوذ باللہ) ذات رسالتؐ سے ایک طرح کا بغض و عناد پیدا ہو گیا ۔ لکھنؤ سے ایک ماہ نامہ "الناظر نامی" نکلنا شروع ہوا تھا ، اس میں ایک لمبا چوڑا مضمون کئی قسطوں میں فرضی نام سے مولانا شبلی کی کتاب الکلام کے رد میں یا تنقید میں لکھ ڈالا ، مضمون تھا حقیقت میں مذہب اور مذہب اسلام کے ابطال میں ، لیکن اس پر پردہ پڑا ہوا تھا مولانا شبلی کی کتاب کی تنقید کا ، اس لیے ایڈیٹر صاحب نے جو مولانا سے خفا تھے اسے بلا تامل شائع کر دیا ۔

والد صاحب مرحوم گہرے مذہبی آدمی تھے ، ان تک میری بے دینی کی اتنی تفصیلات تو نہ پہنچتی تھیں ، پھر اڑتی پڑتی جتنی خبریں ان کو مل جاتی تھیں اُن سے اُن کے دل کو جتنا صدمہ پہنچتا تھا ، ظاہر ہی ہے ، اپنے حدود کے اندر کوشش بھی اصلاح کی کسی نہ کسی ذریعہ سے کرتے رہے ، نماز پنجگانہ یوں تو عرصے سے چھوٹی ہوئی تھی ، اب عید و بقرعید کی نمازیں بھی گئیں ، اس وقت کہیں ٹل کر چلا جاتا ، لوگ سمجھتے کہ کہیں نماز پڑھنے گئے ہوں گے ، حالانکہ اب نماز سے واسطہ کیا رہا تھا ۔

یہ دور ٹھیٹھ مادیت کا کوئی ۸ ، ۹ سال قائم رہا ، ۱۹۱۷ء یا ۱۹۱۸ء تک[1] ۔

۱۔ نقوش ، آپ بیتی نمبر (عبدالماجد دریا بادی حصہ دوم ، ص ۱۰۷۳ تا ۱۰۷۵ ۔

Marfat.com

الحاد سے دوبارہ اسلام کی طرف :

آٹھ نو سال بادیۂ ضلالت و گمراہی میں سرگردانی کے بعد مولانا ماجد نے کسی طرح ہدایت کی راہ کو پایا ، یہ داستان بھی خود مولانا کی زبانی سنیے :

> ۱۹۱۸ع ہی چل رہا تھا کہ ایک دوست نے ایک انگریز کی لکھی ہوئی کتاب بدھ مذہب پر تعریف کے ساتھ دی ، اس سے خیالات میں انقلاب کی شروعات ہوئی اور مادیت کی صلابت و جمود پر پہلی ضرب لگی ، ذہن نے کہا کہ کچھ اور آوازیں بھی سننے کے قابل ہیں ۔ عین اسی زمانے میں بعض اور غیر معروف مذہبوں (مثلاً دین کنفیوشس چینی) کی کتابوں کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا اور اُن کی باتیں بھی کچھ دل کو لگنے لگیں ، اُن ہلکی ہلکی لہروں کے ایک طاقت ور رو ہندو فلسفۂ تصوف کی آئی ، اُن کے ہاں کی مشہور کتاب ''بھگوت گیتا'' مسز اینی بسنٹ کی ترجمہ کی ہوئی نظر سے گزری اور اس نے ایک زبردست ضرب ملحدانہ فلسفۂ مادیت پر لگا دی ۔ بنارس کے ڈاکٹر بھگوان داس اور دوسرے ہندو فلسفیوں ، مفکروں ، رشیوں اور یوگیوں کی کتابوں نے سونے پر سہاگے کا کام دیا ، یعنی فرنگیت کے زہر کے لیے تریاق کا ، آر بندو گھوش کی کتابیں گو سمجھ میں نہ آئیں پھر بھی انھیں پڑھ گیا ، ٹیگور اور گاندھی جی بھی اِس مرحلے میں بڑے معین و مفید ثابت ہوئے اور دیکھتے دیکھتے میں ملحد و دہری سے ایک ہندو قسم کا صوفی بن گیا ، اُردو میں جوگ بشٹ کی قسم کی کتابیں بہت کام آئیں ، سال سوا سال اس دور کے گزرے ۔

اسلامی تصوف کی طرف :

اب مسلمان درویشوں کے بھی ملفوظات اور خوارق و

Marfat.com

کرامات کے تذکرے بھی نظر سے گزرنے لگے تھے -

مثنوی مولانا روم کا مطالعہ :

حکمت کاملہ نے عین وقت پر دستگیری کی اور ایک عزیز کے ذریعہ سے مثنوی مولانا روم کا کانپوری نسخہ ، خوش نما ، خوش خط ، محشی چھ جلدوں میں ہاتھ لگ گیا ، اس نے جادو کا اثر کیا ، بیسیوں کیا سینکڑوں شعر مطلق سمجھ میں نہ آئے ، لیکن تاثر کا یہ عالم کہ کتاب ایک مرتبہ کھول کر بند کر دینے کو جی نہ چاہے ، بس جی یہی چاہتا تھا کہ اسے بند کمرے میں تنہائی میں پڑھتے چلے جائیے اور چیخ چیخ کر روتے جائیے -

سیرۃ النبی جلد اول اور محمد علی لاہوری کی تفسیر قرآن کا مطالعہ :

قدرت کے کرشمے دیکھیے کہ مثنوی ختم ہوئی تھی کہ مولانا شبلی کی سیرۃ النبی جلد اول دیکھنے میں آ گئی اور اس سے ذات رسالتؐ کے ساتھ جو (نعوذ باللہ) بغض و عناد سا پیدا ہو گیا تھا وہ دور بلکہ کافور ہو گیا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نبی تو نہیں البتہ ایک بڑے اچھے مصلح نظر آنے لگے -

اس منزل پر تھا کہ محمد علی لاہوری[1] کی انگریزی تفسیر قرآن ایک عزیز کے پاس دیکھنے کو مل گئی ، اس نے تریاقیت کا تکملہ کیا ، اور اب میں توحید و رسالت دونوں کا قائل تھا اور قرآن کا مصدّق -

---

۱- محمد علی لاہوری : قادیانیوں کی لاہوری پارٹی سے تعلق رکھتے تھے - ولادت : دسمبر ۱۸۷۴ع (۱۲۹۱ھ) مقام موضع مرار (کپور تھلہ) انتقال ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۱ع (رسالہ نقوش - لاہور نمبر ، ص ۹۴۷

Marfat.com

دو سچے مخلص اور غم گسار حضرت اکبر الہ آبادی اور مولانا محمد علی جوہر :

مولانا عبدالماجد دریا بادی کے دوبارہ دولت ایمان پا لینے میں سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ توفیق الٰہی اُن کے شامل حال ہوئی ، لیکن اُن کے ذہن کو اسلام کی طرف دوبارہ جن بزرگوں نے موڑ دیا اُن میں حضرت اکبر الہ آبادی اور مولانا محمد علی جوہر کی حکیمانہ باتیں اور ان دونوں بزرگوں کے خطوط اور اشعار اور گفتگوئیں اُن کی راہ نما ہوئیں ۔

حضرت اکبر الہ آبادی سے پہلی ملاقات اور ان کی رہنمائیاں :

حضرت اکبر الہ آبادی[1] کا پورا کلام اس کا شاہد ہے کہ وہ مذہبی عقائد میں بڑے پختہ تھے اور مذہب پر عمل کی دولت سے مالا مال تھے ، ان کی ساری شاعری اس کی آئینہ دار ہے کہ انھوں نے یہ دیکھ کر کہ لوگ اپنے قدیم عقائد سے روگردانی کر کے نیچریت اور فرنگیت کی سیلاب میں بہے چلے جا رہے ہیں ، شعر کو اصلاح و ہدایت کا ذریعہ بنا کر اور طنز و مزاح کی چاشنی دے کر واقعیت کے جادو جگائے ، انھوں نے عظمت ماضی کی روشنی میں مستقبل کی راہیں کھولیں ۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی کی حضرت اکبر الہ آبادی سے پہلی ملاقات ۱۹۱۲ع میں ہوئی ، جب کہ حضرت اکبر کی عمر ۶۶ سال اور مولانا ماجد کی عمر بیس سال کی تھی ، رفتہ رفتہ ان تعلقات نے یگانگت اور خلوص کی صورت اختیار کی ، خط و کتابت بھی رہی اور ملاقاتیں بھی ، باوجود اس کے کہ مولانا ماجد الحاد اور بے دینی کی طرف راغب تھے اور حضرت اکبر ٹھیٹھ مسلمان تھے ، لیکن اس کے باوجود انھوں نے کبھی مولانا ماجد سے اُن کے الحاد کا نوٹس نہیں لیا ، وہ جب بھی موقع ہوتا اپنی حکیمانہ اور دل نشیں باتوں سے مولانا کے زہر کا تریاق ڈھونڈتے تھے ، وہ کبھی کوئی ایسی بات نہ کہتے تھے جس سے مولانا کی دل آزاری ہو ، وہ اپنے

۱- حضرت اکبر الہ آبادی : ولادت : ۱۸۵۶ع - وفات : ستمبر ۱۹۲۱ع

Marfat.com

خطوط میں بلیغ پیرائے میں مولانا کے الحاد و بے دینی کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے ۔ مولانا نے اپنے دور جاہلیت کی کتاب جس سے الحاد و بے دینی کو تقویت ملتی ہے ، حضرت اکبر کی خدمت میں روانہ کی تو حضرت اکبر نے ان کو خط میں لکھا کہ

> چند مقامات سرسری طور پر نظر سے گزرے اور میں نے دیکھا کہ کل کتاب پڑھنے سے جو مجموعی اثر ہوگا اس سے میں بالکل بیگانہ ہوں اور بیگانہ رہنا چاہیے[1]۔

۱۱ فروری ۱۹۱۶ء حضرت اکبر مولانا ماجد کو آن کے الحاد کے شباب کے زمانے میں ایک خط میں نہایت خلوص و دل سوزی مشورہ دیتے ہیں ۔

> برادرم ۔ قرآن شوق سے دیکھیے ، خوب دیکھیے ، یہاں تک کہ بلا مدد ترجمہ اور اس کے ظاہری معنی سمجھنے لگیے . . . . . قرآن مجید کو بطور تلاوت پڑھا کیجئے ، ایک سرے سے پڑھ جائیے اور پھر پڑھیے ، زیادہ نہ رکیے ، پڑھتے چلے جائیے ، ثواب کا عقیدہ نہ سہی ۔ لٹریری لطف و ذوق کا خیال کیجئے ، ہر وقت طبیعت یکساں نہیں رہتی کوئی آیت دل کو متوجہ کرے گی ۔ مزا آئے گا یا کوئی مسئلہ منکشف ہوگا جو اس وقت یا آن روزوں ذہن میں رہے ، کسی وقت اسی طرح کوئی اور آیت دامن دل کو کھینچے گی ۔ غور ، اسٹیڈی اور کرٹیسزم اور مضمون نگاری کے لئے قرآن مجید کو خاص طور پر جابجا حسب مرضی دیکھنے کا کوئی اور وقت نکالئے[۲]۔

اس خط کو غور سے پڑھئیے ، اور دیکھیے حضرت اکبر الہ آبادی ایک

۱۔ خطوط مشاہیر (مولانا عبدالماجد دریابادی) ص ۸۸

۲۔ خطوط مشاہیر (اکبر الہ آبادی ۔ بنام مولانا عبدالماجد دریا بادی) ص ۸۹ ، ۹۰

Marfat.com

برگشتۂ دین کو کس شفقت و محبت سے تلاوت قرآن مجید کی طرف دعوت دے رہے ہیں ۔ وہ مولانا ماجد کے عاشقان الٰہی میں داخل کرنے کی کیسی کیسی تمنائیں اپنے دل میں رکھتے ہیں ۔ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۸ع کو مولانا ماجد کو ایک خط میں لکھا کہ

> دوستوں نے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کے لئے قلم اٹھایا، میں نے عاشقانِ الٰہی میں داخل کر دیا ۔ نباہ اللہ کے ہاتھ ہے[1] ۔

خط کے آخری فقرے میں جو رجائیت و امید پائی جاتی ہے ، خدائے تعالیٰ نے مولانا ماجد کو ایمان و عمل کی دولت سے دوبارہ سرفراز فرما کر حضرت اکبر کی تمنا کو پورا کر دیا ۔

حضرت اکبر الہ آبادی نے مولانا عبدالماجد دریا بادی میں ایمان و اسلام کے آثار محسوس کئے تو خوش ہو کر مولانا ماجد کو ایک خط میں لکھا

> ہمارے مکرم ڈپٹی صاحب (مولانا ماجد کے والد) کو شاید شبہ و افسوس تھا کہ لڑکا دین سے بیگانہ ہوتا جاتا ہے ۔ اب فرشتوں سے یہ سن کر اُن کی روح خوش ہوگی کہ وہ لڑکا حقیقت آشنا ہوتا جاتا ہے اور انشاء اللہ بہت جلد کہہ دے گا ۔

بمقامے رسیدہ ام کہ مپرس[2]

ایک خط میں وادیِ تشکیک کے اس بھٹکے ہوئے راہی کو پیش گوئی کرتے ہوئے لکھا کہ

> آپ ہنوز راہ میں ہیں ، لیکن سیدھی راہ ہے ، ابھی آپ

۱۔ خطوط مشاہیر (اکبر الہ آبادی ۔ بنام مولانا عبدالماجد دریا بادی) ص ۱۴۵

۲۔ خطوط مشاہیر ، ص ۱۵۴ - ۱۵۵

Marfat.com

نہیں جانتے کہ کیا کیا نعمتیں آپ کو ملنے والی ہیں ، انشاء اللہ تعالیٰ[1]

ایک خط میں نصیحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

خامشی کے ساتھ باطنی ترقی میں مصروف رہیے . . . . آئیے ہم لوگ اللہ کے واسطے ، حق کے واسطے ، روحانیت کے واسطے ، عقل سلیم کے واسطے ، متانت و وقار کے واسطے ایک جماعت ہوں ، ایسے لوگ کم ہیں[2]۔

حضرت اکبر کو جب دوستوں کے خط سے یہ اطلاعیں ملیں کہ ماجد میاں اسلامی تصوف اور عبادت الٰہی کی طرف مائل ہوگئے ہیں تو ۱۱ مئی ۱۹۲۱ء کو اِس نوید پر خوش ہو کر مولانا ماجد کو ایک خط میں لکھا کہ

مولوی محمد کریم صاحب نے مجھ کو خط لکھا تھا کہ ماجد میاں کو تصوف اور عبادت الٰہی کا شوق ہو گیا ہے ، میری روح کو بالیدگی ہوئی ۔ میں نے لکھ دیا کہ اُن سے زیادہ کوئی میرے دل سے قریب نہیں ہے[3] ۔

مولانا ماجد نے لکھا ہے کہ جب میں نیا نیا تجدید ایمان کی دولت سے مالا مال ہوا تو مثنوی مولانا روم سے بے حد متاثر تھا ، مثنوی کا ذکر و فکر ہر وقت کا مشغلہ تھا . . . یہی تذکرہ حضرت اکبر کے سامنے شروع کیا ، ایک بار سنا ، کچھ ہلکی سی داد دی ، دوبارہ سنا چپ ہو گئے ، تیسری مرتبہ جب میں نے یہی ذکر چھیڑا تو بول اٹھے ۔ کیوں صاحب ! اللہ میاں بڑے ہیں یا آپ کے مولانا روم ، میں نے کھسیانی ہنسی ہنس کر جواب دیا کہ ظاہر ہے خدا سب سے بڑا ہے ، بولے آپ کی زبان سے ہر بار

۱۔ خطوط مشاہیر ، ص ۱۸۰

۲۔ ایضاً ، ص ۱۸۳

۳۔ رسالہ نقوش ۔ شخصیات نمبر ۔ مضمون اکبر الہ آبادی ، مضمون نگار مولانا عبدالماجد دریا بادی ، ص ۲۱۹ ۔

Marfat.com

مولانا روم کی بڑائی سنی ، اللہ میاں کی بڑائی ایک بار بھی نہ سنی ، اس لئے پوچھنا پڑا ۔ پھر بولے کہ اس طرح سوچئے کہ اللہ میاں اپنی قدرت و حکمت سے آپ کو مولوی روم تک لائے ، مولانا روم نے آپ کو خدا تک پہنچا دیا۔۔۔۔۔غیرت توحید (حضرت اکبر پر) اس درجہ غالب تھی کہ اس کے آگے ہر عقیدت و محبت دب کر رہ گئی تھی[1] ۔

مولانا محمد علی جوہر کی راہبری :

حضرت اکبر الہ آبادی کی طرح مولانا محمد علی جوہر[2] نے بھی مولانا عبدالماجد دریا بادی پر اپنے خطوط میں نہایت دل آویز طریقے سے اسلامی حقائق کو واضح کرنے کی کوشش کی ۔

مولانا ماجد نے ایک مرتبہ مولانا محمد علی جوہر[2] کو لکھا کہ وہ نفسیات القرآن بالکل اسی آہنگ میں لکھنا چاہتے ہیں جس طرز پر نفسیات ارسطو یا نفسیات کانٹ لکھی جاتی ہے ، مولانا محمد علی نے چھندواڑہ جیل سے ۱۰ نومبر ۱۹۱۶ع کو مولانا عبدالماجد کو ایک بصیرت افروز تفصیلی خط لکھا ، اِس خط میں اِس کتاب کے متعلق جو وہ لکھنا چاہتے تھے مشورہ دیتے ہوئے لکھا کہ

> اگر آپ (یہ کتاب) اس طرح لکھیں کہ اپنا ایمان مقدمۂ کتاب میں اور محض اس کی تشریح اصل کتاب میں ، جس سے آپ کے قلب کی لوح سادہ پر بتدریج ایمان و عقیدہ منقش ہو تاکہ ناطرفدار تو ناطرفدار خود مخالفین کے دلوں پر کفر و شرک کے نقوش دھندلے پڑتے جائیں اور بتدریج مٹ جائیں اور پھر ورق سادہ پر آپ کے کلمۂ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جلی حروف میں لکھ دے تو واقعی میں آپ کی نفسیات کی قدر کروں گا ۔

۱- خطوط مشاہیر ، ص ۲۰۹ ۔

۲- مولانا محمد علی جوہر :- ولادت : ۱۸۷۸ع ۔ وفات : ۴ جنوری ۱۹۳۱ع مزار : بیت المقدس ۔

Marfat.com

پھر اسی خط میں لکھا کہ

خدا نے ہم پر بڑا رحم فرمایا کہ مسلمان کے گھر پیدا کیا ، (HE. EDITY.) کا رجحان اسلام و توحید کی طرف ، تربیت اسلام اور توحید کے دائرے میں ۔ اگر اس پر ہمارے فلسفے نے ہماری امداد کی ہے تو سونے پر سہاگہ ہے ، اسلام اور ایمان کو اور بھی تقویت ہو گئی اور عقل و نقل دونوں کی زد سے باہر ہو گئے ، اب نہ ارسطو کا جادو چل سکتا ہے ، نہ کانٹ کا ۔ اگر صرف استدلال ہی پر بھروسا ہے اور خود اپنی عقل پر اس قدر زعم ہے کہ جو اس میں نہ سمائے وہ خدا نہیں اور جو اس میں نہ آئے وہ ایمان نہیں ہے تو اس کا جواب یہی کہ پائے استدلالیاں چوبیں بود[1] ۔

مولانا محمد علی کا علامہ اقبال کو خراج تحسین :

اسی خط میں مولانا ماجد کو علم کی حقیقت سمجھاتے ہوئے لکھا کہ

قرآن خود صاف صاف کہہ چکا ہے کہ علم انسانی بہت ہی کم ہے ، میں اس کا ضرور قائل ہوں کہ خواہ کسی قدر کم کیوں نہ ہو وہ خدا کی دین ہے ، اور ایمان کے بعد اس کی بہترین دین ، بلکہ اس کے بغیر ایمان کمزور رہتا ہے اور ایمان کے لئے علم کا پشتہ ایمان کو مستحکم کرنے والا ہوتا ہے ، اس لئے اس کے ذریعہ سے ایمان کا استحکام کرنا چاہیے ، مگر زعم علم سے پرہیز ضروری ہے ۔

خدا کی رحمت ہو اقبال پر خوب تعلیم مولانا روم کا اتمام کر رہا ہے :

۱۔ خطوط مشاہیر (مکتوب مولانا محمد علی جوہر بنام مولانا عبدالماجد دریا بادی ص ۲۷۰ و ۲۷۱)۔

Marfat.com

اے کہ باشی در پئے کسب علوم
با تو می گویم حدیثِ پیر روم

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

علم حق را در قفا انداختی
بہرِ نانے نقد دیں در باختی

سوز عشق از دانش حاضر مجو
کیفہ حق از جامِ ایں کافر مجو

دانش حاضر حجاب اکبر است
بت پرست و بُت فروش و بُت گیر است

اِس نظم کو مکمل نقل کرنے کے بعد اِسی خط کے آخر میں علامہ اقبال کے متعلق اپنے دلی تاثر کو قلم بند کرتے ہوئے یوں گلہائے تحسین نچھاور کیے ہیں کہ شاید ہی کسی ہمعصر نے اپنے معاصر کی اِس قدر تعریف و توصیف کی ہو ، مولانا محمد علی کی یہ تعریف و توصیف جہاں علامہؒ اقبال کی عظمت کو ہمارے سامنے لاتی ہے ، وہیں مولانا محمد علی جوہر کی جلالت شان کی بھی عکاس ہے کہ وہ خود بھی کتنے بڑے آدمی تھے - مولانا نے لکھا کہ

لکھنے بیٹھا تھا خط مگر لکھ گیا اقبال کی مثنوی شریف ، مگر چونکہ بحیثیت ادب کے اس کا پایہ میری نثر سے اتنا ہی اونچا ہے ، جتنا کہ زمین سے آسمان کا - اور آپ باوجود فلسفی ہونے کے ادب کو استدلال سے مرجح سمجھتے ہیں ، اِس لئے اسرار خودی کا یہ حصہ نقل کر دیا گیا [1] -

ایک خط میں اِس مرد حق آگاہ نے نہایت دل سوزی ، ہمدردی اور خلوص کے ساتھ مولانا ماجد کو لکھا کہ

۱- خطوط مشاہیر (مکتوب مولانا محمد علی جوہر بنام مولانا عبدالماجد دریا بادی) ص ۲۷۳ -

Marfat.com

برائے خدا و رسول اپنی عقل و تمیز و تحقیقات کو اسلام اور صرف اسلام کے لیے وقف کر دیجیے اور اِس دانشِ حاضر کے حجاب اکبر میں مستور و محجوب نہ رہیے -
آپ نے مارگولیتھ کا ذکر فرمایا ہے - میں وہ بد نصیب ہوں کہ اس مردود خبیث و لعین سے آکسفورڈ میں عربی پڑھی ہے - عربی اس کی مادری زبان ہے ، قابلیتِ علمی بے شک بہت رکھتا ہے ، مگر دشمن اسلام اور سب سے زیادہ زہر آلود کتاب سیرۃ نبوی پر اِس اثیم کی تصنیف کردہ ہے[1] -

مولانا محمد علی جوہر جامعہ ملیہ قائم کر چکے ہیں ، وہ چاہتے ہیں کہ مولانا ماجد کی خدمات سے جامعہ میں استفادہ کریں ، لیکن مولانا کی دہریت آڑے آتی تھی ، ایک خط میں اس خلش کو بے نقاب کرتے ہوئے مولانا ماجد کر لکھا کہ :

جی چاہتا تھا کہ آپ کو یہاں دیکھوں ، مگر علم سے زیادہ مذہب عزیز ہے اور ایک مسلمان کے مذہب کے متعلق اگر قومی مسلم یونیورسٹی پر شک و شبہ کیا جائے گا تو ہم یہ کہہ کر پیچھا نہیں چھڑا سکتے کہ ہر شخص کا مذہب اس کا ذاتی معاملہ ہے ، جس سے اس دارالعلوم کو کوئی تعلق نہیں[2] -

یہ تھے وہ دو سچے ہمدرد و غم گسار جو مولانا کی کشتی ظلمت کو قعرِ مذلت سے نکال کر ساحل اسلام پر لے کر آئے اور جن کے پند و موعظت سے بھرپور خطوط نے مولانا ماجد کے دل کی دنیا کو اس طرح بدلا کہ مولانا کی زندگی کی عمر کا بقیہ حصہ اسلام کی خدمت و اشاعت کے لیے وقف کر دیا ، انہوں نے اپنے قلم سے ادب کے گلشن اسلامی میں وہ پھول کھلائے جن کی

۱- خطوط مشاہیر ، ص ۲۷۶ و ۲۷۷ -
۲- ایضاً ، ص ۲۸۰ -

Marfat.com

خوش بو جاودانی ہے ، جن کی مہک ایمان کو تازگی بخشتی ہے اور جن کی اسلامی خدمات نے اُن کو مسٹروں کی صف سے نکال کر علماء دین کی صف میں کھڑا کر دیا ۔

قرآن مجید کی اُردو اور انگریزی تفسیر :

دور الحاد سے نکلنے کے بعد مولانا ماجد نے اپنے گزشتہ ماضی کی تلافی اس طرح کی کہ اس کے بعد اپنی تمام تر توجہ اسلامیات کی طرف مبذول کر دی ، اور نہایت سرگرمی سے تصوف اسلام کا مطالعہ کیا ، اس کے بعد مطالعہ حدیث و فقہ اور آخر میں تفسیر کی باری آئی ۔

خانقاہ اشرفیہ کی حاضری :

۱۹۲۸ع میں مولانا ماجد ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں روحانی استفادے کے لیے حاضر ہوئے ، وہیں خانقاہ میں دو ایک سال کے بعد کسی صاحب نے انھیں قرآن مجید کے انگریزی ترجمے کی جمہور اہل سنت کے نقطۂ نظر سے توجہ دلائی ، آخر خدا کی توفیق و امداد سے کئی سال کی محنت کے بعد مولانا نے یہ کام مکمل کیا ۔ پھر مولانا نے اُردو ترجمے و تفسیر کا کام شروع اور آسے بھی ختم کر لیا ۔

اِسی کے ساتھ مولانا نے دوسری چھوٹی کتابیں قرآن مجید سے متعلق لکھیں ، جیسے جغرافیہ قرآنی ، علوم القرآن وغیرہ ۔

مولانا نے آخر میں دو کتابیں ایسی لکھیں جنھیں وہ تفسیر قرآنی کے بعد اپنی زندگی کا حاصل سمجھتے ہیں ۔ ایک سیرۃ نبوی قرآنی جو در اصل مدارس میں مولانا کے دئیے ہوئے لیکچروں کا مجموعہ ہے اور دوسری بشریت انبیاء ، مولانا نے ان دو کتابوں کے متعلق لکھا کہ اس موضوع پر کسی زبان میں کسی کتاب کا اب تک مجھے علم نہیں ۔

حج :

۱۹۲۹ع میں مولانا نے حج و زیارت حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی ، مولانا محمد علی جوہر نے مراجعت وطن اور حج کی سعادت حاصل کرنے پر ۱۲ جون ۱۹۲۹ع کو مبارکباد دیتے ہوئے ایک مکتوب میں لکھا کہ

Marfat.com

زہے سعادتِ آن بندۂ کہ کرد نزول
گہے بہ بیتِ خدا و گہے بہ بیت رسولؐ

الحمد للہ کہ آپ بھی اس سعادت کو حاصل فرما کر اعزہ و احباب میں شامل ہوگئے، کاش میں بھی آپ کے ساتھ گیا ہوتا ۔ مگر دیکھیے اب یہ سعادت کب نصیب ہوتی ہے ۔ ۱۳۴۵ھ (مولانا جوہر کا سال حج) سے اس وقت تک ہزاروں لاکھوں گناہوں کا بوجھ اور اپنے سر لے چکا ہوں اور اب تو بے حد شقی القلب ہوگیا ہوں ۔ کاش پھر میدانِ عرفات میں سہ پہر کو بیٹھ کر دل کو بخشش کی امیدوں سے بھرتا اور کاش پھر دیار حبیب پہنچ کر مولد سے مدفن مبارک کی طرف روانہ ہوتا اور روضۂ پاک پر ندامت کے آنسو گراتا اور پھر گھنٹوں وہاں بیٹھ کر آپ کی مدینہ منورہ کی ساری زندگی کا تصور کرتا اور قلب مضطر کو مسرور کرتا[1] ۔

کچھ دن کے بعد مولانا ماجد نے اپنے سفر حجاز کا سفر نامہ، سفرنامۂ حجاز کے نام سے شائع کیا ۔ پھر حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی پر ایک کتاب نقوش و تاثرات کے نام سے لکھی ۔ ۱۹۵۱ع میں دوسری کتاب مولانا محمد علی جوہر پر، محمد علی ۔ ذاتی ڈائری کے چند ورق کے عنوان سے ۱۹۵۴ع میں لکھی ۔ اس کے علاوہ انشائے ماجد، مبادی فلسفہ حصہ اول و دوم، اکبر نامہ وغیرہ یہ مولانا کی چند کتابوں کی فہرست ہے ۔

مولانا ماجد کے ادب میں شبلی کا پرتو :

مولانا ماجد کے ادب میں اگرچہ اُن کا منفرد اسلوب نگارش ہے، لیکن اگر غور سے دیکھیے تو ان کے ادب میں مولانا شبلی کے ادب کا عکس کہیں کہیں جھلکتا ہے ۔

اپنے ادب پر مولانا ماجد نے خود تبصرہ کرتے ہوئے اپنے ادب کو

۱۔ خطوط مشاہیر ۔ مکتوب مولانا محمد علی جوہر بنام مولانا ماجد، ص ۳۳۷ ۔

Marfat.com

جن لوگوں کا رہین منت بتایا ہے ۔ ان کی فہرست اپنے خود نوشت سوانحی مضمون میں مولانا نے دی ہے ، مولانا لکھتے ہیں کہ

> لکھنے پڑھنے کے کام میں سب سے بڑا فیض مولانا شبلی سے پایا ۔ برسوں اُن کی کتابوں کا مسلسل مطالعہ کیا ، ان کے فقرے زبانی یاد کر لئے، کوشش کرکے اُن کی نقل اور پیروی کی ، شبلی کے بعد اُردو جو کچھ بھی آئی وہ مرزا محمد ہادی رسوا لکھنؤی اور شمس العلماء مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کی کتابوں سے ، اُن کے علاوہ اور بھی بہتوں سے فیض حاصل کیا . . . اب بھی سیکھتا رہتا ہوں اور ستر سال کے سِن میں اپنے آپ کو محض طالب علم جانتا ہوں[۱] ۔

مولانا ماجد نے دور الحاد کے بعد صحافت و سیاست ، ادب اور انشاء کو اسلام کے ابلاغ و اشاعت کا ذریعہ بنا کر ایک ایسے تعمیری ادب کی بنیاد رکھی ، جس میں وہ تنہا اور منفرد نظر آتے ہیں ، انھوں نے ادب کے سرچشموں سے رنگینی لے کر اسلامی حقائق کو نئی آب و تاب سے پیش کیا ۔ آخر وقت تک ان کی تمام توانائیاں اس کے لیے صرف ہوئیں کہ وہ اپنی ادبی اور انشائی قوتوں سے اسلام کی خدمت کا کام لیں ۔

سچ اور صدق جدید :

۱۹۲۵ء میں مولانا ظفر الملک کی شراکت میں اخبار سچ ہفتہ وار نکالا لیکن مولانا ظفر الملک سے ناموافقت کے بعد اپنا نیا پرچہ صدق جدید کے نام سے نکالا ، دونوں اخباروں کے فائیلوں کو پڑھیے ، ان کا ہر صفحہ اس کا گواہ ہے کہ مولانا نے اپنے دونوں پرچوں سے اسلام کی کتنی عظیم الشان خدمات انجام دیں[۲] ۔

۱۔ نقوش ۔ آپ بیتی نمبر ۔ جلد ۲ ، ص ۱۰۷۳ ۔

۲۔ مولانا عبدالماجد دریا بادی کے یہ تمام حالات زندگی ان کے خود نوشت سوانحی مضمون ، رسالہ نقوش ۔ آپ بیتی نمبر حصہ ۲ ص ۱۰۶۷ تا ۱۰۷۹ سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

وفات :

آخر یہ مرد حق آگاہ جس نے ساری عمر اپنے قلم کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف رکھا ، ۲ جنوری ۱۹٦۷ع کو پچاسی سال کی عمر میں لکھنؤ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملا ۔

خاموش ہو گیا ہے چمن بولتا ہوا

Marfat.com

(۳۱)

مولانا سید ابو الا علیٰ مودودی

اقبال کے متعلق مولانا مودودی کا تاثر :

ڈاکٹر اقبال مرحوم سے میرے تعلقات کوئی بہت زیادہ وسیع نہ تھے ، البتہ قلبی حیثیت سے گہرے ضرور تھے . . . مجھے پہلی مرتبہ آن کی دلچسپی کا علم اس وقت ہوا ، جب ۱۹۳۷ء کے آغاز میں ان کا عنایت نامہ مجھے ملا ، جس میں آنھوں نے اس خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ میں حیدر آباد چھوڑ کر پنجاب چلا آؤں اور لاہور میں رہ کر اسلامی فقہ کی تدوین جدید میں آن کے ساتھ تعاون کروں . . . . (میں) ۱۹۳۷ء کے آخر میں لاہور آ کر دو تین مرتبہ آن سے ملا ان ملاقاتوں میں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے میری اور آن کی بہت پرانی واقفیت ہے ، اور ہم ایک دوسرے کے دل سے بہت قریب ہیں ، یہاں میرے اور آن کے درمیان یہ بات طے ہو گئی کہ میں پنجاب میں منتقل ہو جاؤں اور پٹھان کوٹ قریب اس وقف کی عمارت میں جس کا نام ہم نے بالا تفاق دارالاسلام تجویز کیا تھا ایک ادارہ قائم کروں ، جہاں دینی تحقیقات اور تربیت کا کام کیا جائے ، انھوں نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میرے وہاں منتقل ہو جانے کے بعد وہ بھی ہر سال چند مہینے وہاں آ کر قیام فرمایا کریں گے چنانچہ اس قرار داد کے مطابق میں نے حیدر آباد جا کر ہجرت کی

Marfat.com

تیاریاں شروع کر دیں اور مارچ ۱۹۳۸ء میں نقل مقام کر کے دارالاسلام پہنچ گیا ، مگر افسوس کہ مرحوم کی زندگی کے وہ آخری ایام تھے ، دوسرے ہی مہینے آن کا انتقال ہو گیا اور میں اس کام کے لیے تنہا رہ گیا جسے ان کے ساتھ مل کر کرنا چاہتا تھا ۔

بس یہ میرے اور ان کے تعلقات کی مختصر داستان ہے[1] ۔
رحم اللہ علیہ

خاکسار
ابو الاعلیٰ

مجھے جس حد تک معلوم ہوا ہے (علامہ اقبال) مرحوم میرے خیالات سے بڑی حد تک متفق تھے اور ترجمان القرآن کے مضامین کی تحسین و تصویب فرماتے رہتے تھے ۔ رہا میں تو میرے نزدیک وہ اکابر مفکرین اسلام میں سے تھے ، اور انھوں نے خصوصیت کے ساتھ شعر کی طاقت سے اسلام کی خدمت سر انجام دینے میں بڑا کارنامہ انجام دیا ہے[2] (مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی) ۔

اپریل میں ڈاکٹر (اقبال) کا انتقال ہو گیا اس وقت مجھ پر اس حادثے کا شدید اثر تھا ، اسی احساس نے[3] مجھے (ترجمان القرآن) میں یہ الفاظ لکھنے مجبور کیا کہ اقبال میرا روحانی سہارا تھا ۔

ابو الاعلیٰ

حالات :

سولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے نقوش کے آپ بیتی نمبر میں جو

۱۔ مکتوب مولانا مودودی ، از " مولانا مودودی سے ملیے "(اسعد گیلانی) ص ۳۸۴ - ۳۸۵ ۔
۲۔ ایضاً ۔ ص ۔ ۳۸۸ ۔
۳۔ سید ابوالا علیٰ مودودی (ابوالآفاق ۔ ایم ۔ اے) ص ۔۱۵۲ ۔

Marfat.com

حالات قلم بند کیے ہیں اُن سے پتہ چلتا چلتا ہے کہ وہ سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت ابو احمد ابدال چشتی کی اولاد میں ہیں ، اس خاندان کے مورث اعلیٰ خواجہ قطب الدین مودود چشتی ہیں ، خاندان مودودیہ کے جو بزرگ نویں صدی ہجری میں ہندوستان تشریف لائے وہ حضرت ابو الاعلیٰ مودودی (متوفی ۹۳۵ھ) ہیں جو کرنال کے قریب براس میں مقیم ہوئے ، شاہ عالم کے زمانے میں یہ خاندن مستقلاً دہلی میں منتقل ہو گیا ۔

مولانا ننھیال کے اعتبار سے ترکی انسل ہیں ، اُن کے نانا میرزا قربان علی بیگ خاں سالک بلند پایہ شاعر اور اہل قلم تھے حضرت سالک کے والد نواب عالم خاں اور چچا نواب نیاز بہادر میر نظام علی خاں کے آخری عہد میں حیدر آباد دکن آئے ، نواب عالم بیگ نے دکن ہی میں شادی کی ، لیکن کسی وجہ سے وہ یہاں قیام نہ کر سکے اور اپنے شیر خوار بچے کو لے کر دہلی چلے گئے ، چالیس سال کے بعد مرزا سالک مرحوم پھر حیدر آباد آئے اور سر سالار جنگ نے ان کو محکمہ تعلیمات میں مامور کر دیا ۔ مرزا سالک نے ۱۸۵۴ء میں دکن میں وفات پائی ۔

مولانا کے والد :

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کے والد محترم کا نام مولوی سید احمد حسن تھا ، جو ۱۸۵۷ءسے دو سال پہلے دہلی میں پیدا ہوئے ۔ یہ مدرسة العلوم علی گڑھ کے بالکل ابتدائی زمانے کے طالب علموں میں تھے ، سر سید احمد خاں نے جب مدرسہ قائم کیا تھا تو وہ اپنے خاندان اور رشتہ داروں میں سے بہت سے لڑکوں کو چن کر علی گڑھ لے گئے تھے ، جونکہ مولانا مودودی کی دادی صاحبہ سے ان کی قرابت ہوئی تھی ، اس لئے ان کے والد کا انتخاب بھی اس سلسلے میں ہوا تھا ، اُن کے دادا کو اُن کے والد کا علی گڑھ میں تعلیم پانا سخت ناگوار تھا ، اس لئے دادا نے اُن کو علی گڑھ سے واپس بلا لیا پھر اُنھوں نے الہ آباد جا کر وکالت کی تعلیم حاصل کی[1]

۱- سید ابوالاعلیٰ مودودی (ابو الآفاق - ایم - اے ص - ۴۶-۴۷)

Marfat.com

۱۸۹۲ء میں مقدمہ کی وکالت کے سلسلے میں اورنگ آباد دکن تشریف لائے اور پھر اسی شہر میں وکالت شروع کر دی ۔

مولانا کے والد نے ۱۹۲۰ء میں حیدر آباد دکن میں وفات پائی ۔

ولادت :

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ولادت ۳ رجب ۱۳۶۱ھ (۱۹۰۳ء) کو اورنگ آباد دکن محلہ چیلی پورہ میں ہوئی ، پیدائش سے تین سال پہلے مولانا کے والد سے ایک بزرگ نے کہا تھا کہ جب تمھارے گھر میں بچہ پیدا ہو تو اس کا نام ابو الاعلیٰ رکھنا ، چنانچہ مولانا کا نام ابو الاعلیٰ رکھا گیا گھر کے درویشانہ ماحول نے ابتدا ہی سے مولانا میں مذہبی رنگ پختہ کر دیا تھا ۔

تعلیم :

مولانا کے والد کا خیال تھا کہ وہ اپنے بچے کو عالم دین بنائیں گے چنانچہ اسی نہج پر مولانا کی تعلیم شروع ہوئی ، اُردو کے ساتھ عربی زبان ، فقہ اور حدیث کی ، تعلیم دی گئی ، راتوں کو ماں باپ اس بچے کو بزرگان دین کے حالات اور انبیاء کے قصے سناتے اور مذہبی تربیت کو مستحکم کرنے کی کوشش کرتے تھے ۔

نو سال کی عمر تک مولانا نے گھر میں تعلیم پائی ۔

مدرسہ فوقانیہ اورنگ آباد میں داخلہ :

پھر مولانا کو مولوی ندیم اللہ حسینی کے مشورے سے مدرسہ فوقانیہ اورنگ آباد کی جماعتِ رشدیہ میں داخل کیا گیا ، رشدیہ کے امتحان میں مولانا کامیاب نہیں ہوئے ، لیکن اس ناکامی کے باوجود مولانا کو جماعت مولوی میں شریک کر لیا گیا، مدرسہ فوقانیہ کی تعلیم نے مولانا کی تشکیل سیرت میں بڑی مدد کی ، مولانا "مولوی" کے امتحان میں درجۂ دوم کامیاب ہوئے اسی مدرسے میں میں پہلی مرتبہ مولانا مودودی جدید علوم سے روشناس ہوئے اور مختلف اساتذہ کے اثرات سے مولانا کے خیالات میں وسعت پیدا ہوئی ۔

Marfat.com

دارالعلوم حیدر آباد میں تعلیم :

اس کے بعد مولانا مودودی کو اُن کے والد نے دارالعلوم حیدر آباد دکن میں مولوی عالم کی جماعت میں شریک کرایا ۔

دارالعلوم حیدر آباد دکن میں میں چھ ماہ تعلیم پائی کہ بھوپال سے اطلاع آئی کہ مولانا کے والد فالج میں مبتلا ہو گئے ، چنانچہ مولانا بھوپال جا کر والد کی خدمت میں منہمک ہو گئے ۔

ادبی ذوق :

نو برس کی عمر میں جن صاحب نے تحریر و انشاء کے ذوق کی طرف مائل کیا وہ اُن کے قریبی عزیز اشفاق احمد صاحب زاہدی (صاحبِ فراست الید) تھے ، جو اتفاق سے اورنگ آباد آئے تھے ، مولانا مودودی کا بیان ہے کہ اُنھوں ہی نے ہم دونوں بھائیوں کے دلوں میں انشا پردازی کا شوق پیدا کیا ۔ اور عام رسالے اور اخبارات پڑھنے کی طرف بھی توجہ دلائی ۔

مولانا مودودی کا پہلا ترجمہ :

مولانا نے لکھا کہ میں نے ۱۹۱۴ع میں سب سے پہلے قاسم امین بے کی کتاب المراۃ الجدید کا عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا ۔

مولانا مودودی کے اساتذہ :

پروفیسر خورشید احمد نے لکھا کہ سید مودودی صاحب نے دہلی میں مولایا عبدالسلام نیازی سے عربی صرف و نحو ، معقولات اور معانی و بلاغت کی تعلیم حاصل کی ، مولانا اشفاق احمد کاندہلوی مرحوم سے درسِ حدیث لیا اور مولانا شریف اللہ صاحب سے تفسیر بیضاوی ، فقہ میں ہدایہ اور معانی و بلاغت میں مطول پڑھیں ۔

ایک اعتراض اور اُس کا جواب :

اُن علما کو جنھوں نے مولانا مودودی پر یہ نکتہ چینی کی ہے کہ اُنھوں نے اُن جیسے کسی عالم کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کیا ہے ، سید مودودی صاحب نے ایک دفعہ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ

Marfat.com

یہ ایک لا حاصل سوال ہے کہ میں نے کس عالم سے فیض حاصل کیا ہے ، یہ سوال تو اس سے کرنا چاہیے کہ جس نے کوئی علمی کام نہ کیا ہو ، اور جس کے مرتبے و مقام کو جاننے کے لیے اسے مدرسے کی سند اور اُستادوں کے نام کے سوا اور کوئی ذریعہ نہ ہو ، میں نے کام کیا ہے اور میرا کام کوئی چھپا ہوا نہیں ، چھپا ہوا سب کے سامنے موجود ہے اس کو دیکھ کر ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ میں نے کیا کچھ پڑھا ہے اور جو کچھ پڑھا ہے اُسے کتنا ہضم کیا ہے[1] ۔

بھوپال ہی میں جناب نیاز فتح پوری سے مولانا کی دوستی ہوئی بھوپال کے قیام ہی نے مولانا کو یہ سبق دیا کہ عزت نفس کے لئے جد و جہد کتنی ضروری ہے ، قلم نے مولانا کو انشا پردازی اور ادب کی دولت سے نوازا تھا ، مولانا نے قلم ہی کو اپنے لئے وسیلۂ معاش بنایا ۔

اخبار مدینہ ، بجنور کی ایڈیٹری :

مولانا نے اپنے بھائی کے ساتھ مل کر ۱۹۱۸ء میں صحافت میں قدم رکھا اور اخبار مدینہ بجنور کی ایڈیٹری شروع کی ، لیکن دو ماہ سے زیادہ وہاں نباہ نہ ہو سکا ، وہاں سے دونوں بھائی دہلی واپس ہوئے ۔

تاج جبل پور کی ایڈیٹری :

اسی زمانے میں تاج الدین نامی نے جبل پور سے ایک رسالہ تاج نکالا ، دونوں بھائیوں نے اس کی ایڈیٹری اختیار کی ، لیکن چند ماہ سے زیادہ تاج نہ نکل سکا ۔

اور یہ دونوں بھائی پہلے بھوپال پھر دلی چلے آئے ۔

انگریزی کا ذوق :

صحافت کی دشواریوں نے مولانا کو انگریزی زبان سیکھنے پر مجبور

۱- یہ تمام تفصیل سید ابو الاعلیٰ مودودی (ابو الآفاق ایم اے) ص ۶۰ ، ۶۱ سے ماخوذ ہے ۔

Marfat.com

کر دیا ، مولوی محمد فاضل سے چھ ماہ انگریزی سیکھی اور اپنے مطالعے سے انگریزی زبان کی معلومات بڑھائیں ۔

تاج کی دوبارہ ایڈیٹری :

۱۹۲۰ء میں تاج الدین صاحب نے پھر جبل پور سے تاج نکالا اور اس کی ایڈیٹری کے لئے وہ تنہا مولانا کو اپنے ساتھ لے گئے ، کچھ دن یہ اخبار ہفتہ وار نکلا اور پھر روزنامہ ہو گیا ۔

سیاسی کام :

جبل پور ہی میں مولانا کی عملی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا ، خلافت کی تحریک اور مسلمانوں میں کانگریس میں شریک کرانے سے اِس کی ابتدا ہوئی[۱] جبل پور کے قیام نے مولانا میں خود اعتمادی کا جذبہ پیدا کیا ۔

لیکن اِس مرتبہ جبل پور میں قیام زیادہ نہیں رہا ، ہوا یہ کہ مولانا کے ایک مضمون پر حکومت نے گرفت کی ، لیکن چونکہ اخبار میں ایڈیٹر اور پرنٹر کی حیثیت سے تاج الدین صاحب کا نام شائع ہوتا تھا ، اس لئے ان پر مقدمہ چلا ، لیکن مولانا حکومت کی گرفت سے بچ گئے، مولانا نے لکھا ہے کہ اس بچنے کی مجھے کوئی خوشی نہیں ہوئی ، بلکہ میں نے اِس سے سبق حاصل کیا کہ آدمی کو اپنے قلم کی ذمہ داری اپنے سر لینا چاہئے ۔

اخبار مسلم کی ایڈیٹری :

مولانا دہلی واپس آ گئے - ۱۹۲۱ء کے شروع میں مولانا کی ملاقات مولانا کفایت اللہ صاحب سے اور مولانا احمد سعید سے ہوئی ، مولانا کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید نے جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے مولانا مودودی کو اخبار مسلم کا ایڈیٹر مقرر کیا ، ۱۹۲۳ء تک جب تک یہ اخبار جاری رہا مولانا اس کے ایڈیٹر رہے ۔

دورِ ابتلاء :

مولانا مودودی نے ۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۱ء تک کے زمانے کو اپنا

۱- سید ابو الاعلیٰ مودودی (ابوالآفاق - ایم - اے) ص ۶۷ ۔

Marfat.com

دور ابتلا قرار دیا ہے ، مولانا نے لکھا کہ یہ زمانہ میرے لئے سخت مصائب اور خانہ بدوشی کا تھا ، ۱۹۲۱ع میں جب مولانا کو ذرا سکون میسر ہوتا اور اخبار نویسی سے ذرا بھی فرصت ملتی تو مولانا مختلف اساتذہ سے عربی ادب ، تفسیر و حدیث اور فلسفے کی کتابوں کی تعلیم حاصل کرتے ۔

مولانا محمد علی جوہر سے مراسم :

مولانا نے لکھا کہ اخبار مسلم بند ہونے کے بعد میں نے حیدر آباد دکن کا ارادہ کیا ، لیکن بھوپال آ کر رخت سفر کھول دیا اور بھوپال کے دوران قیام مولانا ہمہ تن مطالعے میں مصروف ہوگئے ، اسی زمانے میں ان کے مراسم مولانا محمد علی جوہر سے قائم ہوئے مولانا محمد علی نے ان کو ہمدرد میں کام کرنے کی دعوت دی ، اسی زمانے میں مولانا احمد سعید نے جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے اخبار الجمعیۃ نکالنے کا ارادہ ظاہر کیا ، جس کے وہ ۱۹۲۱ع میں ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ۱۹۲۸ع تک یہ فرائض انجام دیتے رہے ۔

اسی زمانے میں مولانا نے الجہاد فی الاسلام اور دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ کے نام سے دو کتابیں شائع کیں ۔

حیدر آباد دکن میں آمد :

اخبار نویسی کے تلخ تجربات سے بیزار ہو کر دسمبر ۱۹۲۸ع میں مولانا حیدر آباد دکن پہنچے ، ۱۹۳۰ع میں بیمار ہوکر پھر دہلی واپس آئے ، ۱۹۳۱ع میں دوبارہ حیدر آباد آئے ۔

اپنی انشاپردازی کے متعلق :

مولانا نے اپنی انشاپردازی اور ادب کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا کہ :

> ابتدائی تین چار سال تک نو مشقی کی حالت تھی ، جس کا انداز تحریر پسند آتا اس کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا . . .
> ۱۹۲۱ع سے خود اپنا مستقل رنگ اختیار کیا ، جس میں کسی کا مقلد نہیں ہوں ، میں اس نظریے کا قائل ہوں کہ

Marfat.com

ہر خیال اپنے ساتھ الفاظ لاتا ہے اور ہر خیال کو ادا کرنے کے لیے سب سے زیادہ موزوں وہی الفاظ ہیں جو اس خیال کے ساتھ خود بخود چلے آتے ہیں ، لہٰذا ہمیں صرف مضمون سوچنا چاہیے ، باقی رہے الفاظ تو اُن کے انتخاب میں اُلجھنے کی ضرورت نہیں ، وہ آپ سے آپ مضمون کے ساتھ آ جائیں گے ، یہی وجہ ہے کہ جب کبھی مجھے کچھ لکھنا ہوتا ہے تو میں اپنی تمام تر کوشش صرف خیالات کو مجتمع کرنے اور دلائل و شواہد اور مواد فراہم کرنے میں صرف کرتا ہوں اور جب دماغ میں مضمون مرتب ہو جاتا ہے تو پھر اُسے کاغذ پر منتقل کرنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں لگتی[1] ۔

حیدر آباد دکن ، پٹھان کوٹ اور لاہور کے مختصر حالات :

کسی کو جماعت اسلامی کے سیاسی معتقدات سے خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو ، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی شخصیت ایک منفرد شخصیت ہے ، انھوں نے عہدِ حاضر میں اپنی تصانیف سے فکر اسلامی کو نئی تازگی بخشی ، ان کی تصانیف اور مضامین سے ان کی شہرت کا آفتاب طلوع ہوا ، جس نے بتدریج ان کو ایک سر برآوردہ عالم کی حیثیت سے سارے عالمِ اسلامی میں روشناس کرایا ، میں مولانا کے چالیس سال پہلے کے اُن نیاز مندوں میں ہوں جب کہ جماعت اسلامی کا خمیر بھی نہیں اٹھا تھا اور اس زمانے میں اسلامی موضوعات پر اُن کے مضامین ان کی ژرف نگاہی ، عالمانہ انداز بیان ، وسعتِ معلومات ، استدلالیت اور منطقیت کے نقیب اور چونکا دینے والے تھے ، یہ مضامین اس دور میں ایک نئی آواز معلوم ہوتے تھے ، جن سے روح کو پاکیزگی اور دل و دماغ کو سرور ملتا تھا ، لیکن یہ بات کم لوگ جانتے ہیں کہ در اصل ان مضامین

۱۔ مولانا مودودی کے یہ تمام حالات نقوش آپ بیتی نمبر حصہ دوم ص ۱۲۸۵ تا ۱۲۹۳ سے اُن کی خود نوشت سوانح سے ماخوذ ہیں ۔

Marfat.com

سے مولانا کا مقصد ملت اسلامیہ کو ذہنی طور پر اس تحریک کے لیے تیار کرنا تھا جس کی بنیاد انھوں نے ۱۹۴۱ع میں "جماعت اسلامی" کے نام سے لاہور میں رکھی ، مولانا کے ان مضامین پر ہر طرف سے تحسین و تعریف کے پھول برستے تھے، اس زمانے کے مولانا عبدالماجد دریا بادی کے پرچے "صدق" اور دوسرے اکابر علماء کی تحریریں ، مولانا کی تعریف و توصیف سے معمور نظر آتی ہیں ، لیکن جوں جوں ان کے مضامین ایک سیاسی اور مذہبی تحریک کی صورت اختیار کرنے لگے، ان کے سابقہ مداحوں کی بھیڑ ان سے دور ہوتی گئی ، پہلے مولانا عبدالماجد دریا بادی نے جو سب سے زیادہ مولانا کے مداحوں میں تھے ، صدق میں ان کی دبے دبے لفظوں میں مخالفت شروع کی ۔

ایک دن راقم الحروف نے مولانا سے کہا کہ آجکل مولانا عبدالماجد دریابادی آپ کی مخالفت میں بہت لکھ رہے ہیں ، حالانکہ پہلے انھوں نے آپ کی تعریف میں بہت کچھ لکھا ؟ مولانا نے ہنس کر جواب دیا کہ بھائی ! بات یہ ہے کہ وہ کئی برس تک میری تعریف و توصیف لکھتے رہے ہیں ، اب انھیں یہ حق بھی پہنچتا ہے کہ وہ میری مخالفت میں لکھیں ۔

مجھے اب یاد نہیں کہ وہ کون سا مضمون تھا جس پر علمائے دیوبند نے مولانا کی مخالفت کی تھی ، اتفاق سے مولانا سے علمائے دیوبند کی مخالفت کے سلسلے میں بات چھڑ گئی ، ہنس کر کہنے لگے " میاں بات یہ ہے کہ جب میں کسی جماعت کے غلط معتقدات و افکار کی بت شکنی کرتا ہوں تو دوسری جماعتیں میری اس بت شکنی سے خوش ہوتی ہیں ، لیکن جب میں ان کے فکری بتوں کو ہاتھ لگاتا ہوں تو یہ جماعتیں تلملا اٹھتی ہیں اور اپنی بت شکنی گوارہ نہیں کرتیں ۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ بعد میں علمائے مظاہر العلوم سہارنپور و دیوبند اور بعض اکابر علماء ندوہ اور دوسرے مکاتب فکر کے علماء نے ان کی مخالفت کی ۔

میں نے اس پر بہت غور کیا ہے کہ پاک و ہند کے ان اکابر علمائے کرام کی مخالفت کی کیا وجوہ ہیں ، کیونکہ ان سب علمائے کرام کی علمی عظمت ، تقویٰ و تقدس کا بڑا گہرا نقش میرے قلب پر مرتسم ہے ، ان

Marfat.com

میں بعض اکابر میرے اساتذہ میں ہیں ، جن کے علم و عمل کا نہ صرف میں معترف ہوں ، بلکہ میرے دل میں ان کا بڑا احترام ہے اور مجھے ان کی مخالفت میں نفسانیت کا کوئی شائبہ نظر نہیں آتا ۔

میں نے جہاں تک سمجھا ہے مولانا سے مخالفت کی مختلف وجوہ ہیں ، کچھ سیاسی ہیں کیونکہ عالم دین ہونے کے علاوہ مولانا کی شخصیت عہد حاضر کی سیاسیات میں بڑی اہمیت رکھتی ہے اور سیاست میں اختلاف لازمی ہے ، سیاسی جماعتیں اس لئے مخالف ہیں کہ مولانا کے نظریات اُن سے ہم آہنگ نہیں تھے ۔

مذہبی عناصر اس لئے مخالف ہیں کہ وہ مودودی کی بعض تحریروں سے شکوک و شبہات اور اندیشہائے دور و دراز رکھتے ہیں ۔ علمائے کرام کی مخالفت میں ایک اور وجہ بھی کارفرما نظر آتی ہے اور وہ مولانا کا اپنی رائے پر شدت سے جماؤ اور اصرار ہے ، انہوں نے بہت ہی کم اپنی رائے کو بدلا ہے ، بہت ہی کم ایسے مسائل ہیں جن میں انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کیا ہو ، مولانا کی غیر معمولی وسعت علم اور جدید طرز فکر نے انہیں غیر محسوس طریقے پر اپنی رائے کی اصابت پر شدید بنا دیا ہے ۔

دوسری بات جو علماء کے لئے باعث ناگواری ہو سکتی ہے وہ یہ ابہام بھی ہے کہ وہ تصوف کے مخالف ہیں ، ابوالآفاق صاحب نے اپنی تصنیف سید ابوالاعلیٰ مودودی کے صفحہ ۲۰۶ پر لکھا ہے کہ مولانا مودودی نے تحریک مجاہدین (صوبہ سرحد) کی ناکامی کے تین اسباب گنوائے ہیں ، اُن اسباب کو بیان کرنے کے بعد لکھا کہ

> چنانچہ اب جس کسی کو تجدید دین کے لئے کوئی کام کرنا ہو ، اس کے لئے لازم ہے کہ متصوفین کی زبان و اصطلاحات سے ، رموز و اشارات سے ، لباس و اطوار سے پیری مریدی سے اور ہر اُس چیز سے جو اس طریقے کی یاد تازہ کرنے والی ہو ، مسلمانوں کو اس طرح پرہیز کرائے جیسے ذیابیطس کے مریض کو شکر سے پرہیز

Marfat.com

کرایا جاتا ہے[1] ۔

اگرچہ مولانا مودودی نے متصوفین کے لفظ سے اس عبارت میں بہت محتاط طریقہ اختیار کیا ہے ، لیکن اس کی تشریح و توضیح سے بظاہر یہ گمان کیا گیا کہ وہ تصوف کے مخالف ہیں ۔

گو "تجدید و احیائے دین" میں مولانا مودودی نے اپنے قاری کو اسلامی افکار و نظریات کو نئے انداز پر سوچنے کی دعوت دی ہے ، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ علمائے کرام میں مولانا مودودی کی یہی کتاب سب سے زیادہ ہدف تنقید بنی ۔

خدا جانے اب جماعت اسلامی میں "تجدید ایمان" کی رسم باقی ہے یا نہیں ، لیکن جماعت اسلامی کے قیام کے وقت ، دستور کی منظوری کے بعد ۲۶ اگست ۱۹۴۱ع کو یہ رسم تجدید ایمان ادا کی گئی تھی ، میرا خیال ہے کہ تجدید ایمان کی رسم نے بھی علماء میں مخالفت کے شعور کو بیدار کیا ، کیونکہ بظاہر تجدید ایمان میں کوئی حرج نہیں ، جتنا بھی ایمان کو تازہ کیا جائے اتنا ہی اچھا ہے ، لیکن جب یہ کسی جماعت میں داخل ہوتے وقت ہو تو اس وقت یہ احتمال ہوگا کہ اب تک ہمارا ایمان ناقص تھا ، اب اس جماعت میں داخل ہونے سے ہمارا ایمان مکمل ہوا ، دوسرے یہ کہ غیر شعوری طور پر کسی جماعت میں داخل ہوتے ہوئے تجدید ایمان کرنے والا ان لوگوں پر جنھوں نے تجدید ایمان نہیں کیا ایک قسم کا ترفع محسوس کرنے لگتا ہے ۔

ہمارے خیال میں یہ وجوہ ہیں جو سیاسی جماعتوں اور علماء کی مخالفت سبب بنے ۔ و اللہ اعلم بالصواب ۔

میں نے غالباً ۱۹۳۸ع میں ایک کتاب "سراپائے رسول" کے نام سے لکھی تھی ، اس میں بعض ٹکڑے ایسے آئے کہ میں ان کے لکھنے پر قادر نہ ہو سکا ، میں نے مولانا سے کہا کہ آپ یہ ٹکڑا لکھ دیجئے اور اس کتاب

۱- سید ابوالاعلیٰ مودودی (ابوالآفاق صاحب) بحوالہ تجدید و احیائے دین، ص ۲۰۶ - ۲۰۷

Marfat.com

پر آپ کا پیش لفظ بھی ہو جائے تو کیا کہنا ، مولانا نے میری دونوں خواہشیں پوری کر کے مجھے موہ لیا ، غالباً یہ پہلا پیش لفظ تھا جو انھوں نے میری کتاب پر لکھا ۔

میں نے مولانا کو اس زمانے میں دیکھا ہے ، جب وہ ریش و بروت سے بے نیاز تھے اور زندگی کی نفاست اور تکلفات کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے ، میں اس زمانے میں گھنٹوں مولانا کے پاس بیٹھتا تھا ، وہ اس وقت بھی سنجیدگی و متانت کا کوہ وقار تھے ، ان کی روح کی پاکیزگی ان کی ہر ادا سے جھلکتی تھی ، ان کی گفتگو نہایت شیریں اور عالمانہ ہوتی تھی ، ان کی علمی باتوں میں بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ علمی موضوعات کو بیان کرتے ہوئے اپنے مخاطب کو اپنے ہم خیال بنانے کی کبھی دعوت نہ دیتے تھے ، ان کی پیشانی سے علم و دانش کے آثار نظر آتے تھے جو اس کی علامت تھے کہ وہ آئندہ چل کر عالم اسلامی کے ایک بڑے مفکر قرار پائیں گے ۔

لیکن یہ اتنی بے توفیقی ہے کہ میرے پاکستان کے قیام کو ۲۵ سال گزر چکے ہیں ہم دونوں ایک ہی ملک اور وطن میں رہتے ہیں ، مگر مولانا سے ملاقات کی نوبت ایک مرتبہ بھی نہ آ سکی ۔

راہ میں ہم ملیں کہاں بزم میں وہ بلائیں کیوں

پٹھان کوٹ میں آمد :

جیسا کہ مودودی صاحب کے مکتوب سے معلوم ہوتا ہے جس کو ہم شروع میں نقل کر آئے ہیں کہ مولانا مودودی علامہ اقبال علیہ الرحمہ کی دعوت پر پٹھان کوٹ تشریف لائے ، یہ وہی مقام تھا ، جس کا نام علامہ اقبال اور مودودی صاحب نے " دارالاسلام " تجویز کیا تھا ، یہ جائیداد اور زمین چودھری نیاز علی صاحب نے وقف کی تھی ، جو مودودی صاحب کے دینی خیالات سے بہت متاثر تھے ، دارالاسلام کو قائم ہو کر ابھی دس ماہ ہی ہوئے تھے اور مولانا مودودی کا قلم کانگریس پر تنقید کر رہا تھا ادھر مولانا مودودی مسلم لیگ ، خاکسار، احرار اور جمعیۃالعلماء کو اپنے نصب العین کی طرف آنے کی دعوت دے رہے تھے ، چودھری

Marfat.com

نیاز علی صاحب سیاسی لحاظ سے مسلم لیگی تھے، انھوں نے مولانا مودودی سے صاف کہہ دیا کہ اگر آپ کو یہاں رہنا ہے تو آپ مسلم لیگ کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں لکھیں گے - بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے دائرے کو صرف درس و تدریس اور تبلیغ کی حد تک محدود رکھیں اور سیاست کے بارے میں کچھ نہ کہیں ، لیکن مولانا مودودی اُن قیود و پابندیوں کو کہاں قبول کر سکتے تھے - طے کیا گیا کہ ادارے کا مرکز یہاں سے کسی مناسب مقام پر منتقل کر دیا جائے -

دوسرا مرکز (لاہور) :

جنوری ۱۹۳۹ء میں یہ مرکز پٹھان کوٹ سے لاہور منتقل ہو گیا اور مولانا مودودی لاہور تشریف لے آئے ، لاہور میں مولانا مودودی کا قیام جنوری ۱۹۳۹ء سے اپریل تک رہا - لاہور میں مودودی صاحب کئی کتابیں لکھیں اور اسلامیہ کالج لاہور میں اسلامیات کے اعزازی پروفیسر رہے -

جماعت اسلامی قیام :

۲۵ اگست ۱۹۴۱ء کو لاہور میں جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آیا ، ان دنوں مولانا مودودی پونچھ روڈ کی شبلی اسٹریٹ اسلامیہ پارک میں رہتے تھے ، جس مکان میں مودودی صاحب رہتے تھے وہ مستری محمد عبداللہ کا مکان تھا ، اسی مکان میں ۵۲ اگست ۱۹۴۱ کو جماعت اسلامی کی بناد رکھی گئی ، اس اجتماع میں پچھتر حضرات شریک تھے[1]

رسم تجدید ایمان :

جناب ابو الآفاق صاحب ایم - اے نے لکھا کہ

۲۶ اگست ۱۹۴۱ء کو دستور جماعت پاس ہونے کے بعد تجدید ایمان کی رسم ادا ہوئی ، سید صاحب نے اس رسم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ تجدید ایمان کے یہ معنی نہیں کہ جو شخص آج تجدید کر رہا ہے وہ

۱- سید ابو الاعلیٰ مودودی (ابوالآفاق) ص ۲۱۸ -

Marfat.com

اب تک کافر تھا اور اب اسلام لا رہا ہے ، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ جو عہد اس کے اور خدا کے درمیان پہلے سے موجود تھا آج وہ اسے تازہ اور خالص اور مضبوط کو رہا ہے . . . یہ دراصل زندگی کے ایک نئے باب کا افتتاح ہے ، آج سے تمھاری زندگی کا آغاز ہو رہا ہے ، آج سے تم ایک پابندِ نظام مومن کی حیثیت سے اپنی زندگی شروع کر رہے ہو[1]

دوبارہ دارالاسلام میں واپسی :

۱۵ جون ۱۹۴۲ء کو مولانا مودودی مجلس شوریٰ کے مشورے کے بعد عارضی طور پر اپنے رفقا کے ساتھ چوہدری نیاز علی کے وقف کی عمارات مستعار حاصل ہونے کے بعد سے دوبارہ عارضی طور پر دارالاسلام جمال پور ، پٹھان کوٹ پہنچ گئے اور تقسیم ہند تک وہیں مقیم ہوئے پھر ۲۸ اگست ۱۹۴۷ کو تقسیم ملک کے بعد مولانا مودودی اور پوری جماعت اسلامی ہجرت کرکے لاہور پہنچی آج بھی مولانا مودودی اچھرہ - لاہور میں قیام فرما ہیں اور یہیں جماعت اسلامی کا مرکزی دفتر ہے[2] -

مولانا کی تصانیف :

مولانا مودودی نے اپنی عمر کا بڑا حصہ تالیف و تصنیف میں صرف کیا ہے مودودی صاحب ساٹھ سے زیادہ کتابوں کے مصنف ہیں ، انھوں نے یہ تصانیف اسلامی افکار و نظریات اور اپنے سیاسی معتقدات کو عام کرنے کے لیے لکھیں ، اگرچہ اُن کی کتابوں سے مغربی تعلیم یافتہ طبقے اور اہلِ نظر و فکر کو اسلامی فکر و نظر کے سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے لیکن پھر بھی اُن کی دو کتابیں تجدید واحیاء دین اور خلافت و ملوکیت پر آج بھی اہلِ نظر میں گفتگو میں ہوتی رہتی ہیں -

مولانا مودودی کی تصانیف میں تفسیر تفہیم القرآن ایک عظیم تصنیف ہے جو انھوں نے ۱۹۴۲ء میں لکھنی شروع کی تھی ، یہ تفسیر قرآن حکیم

۱- ایضاً - ص ۲۲۷-۲۲۸ -

۲- یہ تفصیل سید ابو الاعلیٰ مودودی ص ۲۷۱-۳۴۶ سے ماخوذ ہے -

Marfat.com

کے معارف و حکم کی توضیح و تشریح کا ایک گنجینۂ گراں مایہ ہے ، جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو قرآن فہمی میں اس کتاب سے بہت مدد ملتی ہے - مولانا نے اپنے اسلامی فکر و نظر کو ایک مخصوص دل نشین اور دل آویز ادب سے ہم آمیز کرکے اردو کے اسلامی ادب میں ایک نئے طرز نگارش کی بنیاد ڈالی ہے ، بلاشبہ انھوں نے اردو ادب میں ایک نئے اسلوب نگارش کا اضافہ کیا ہے اور وہ اسلامی تعمیری ادب کے سرخیل ہیں -

مولانا مودودی سیاسیات میں ایک مخصوص فکر رکھتے ہیں لیکن بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے انھوں نے اس زمانے میں ہندوستان کے سیاسی مسئلے کے حل کے لیے تین متبادل تجویزیں پیش کی تھیں[1] - ان پر کافی بحث و مباحثے ہوئے لیکن تاریخ اور وقت نے ثابت کر دیا کہ قائداعظم کی رائے صحیح ہے اور پاکستان کا متبادل کوئی نہیں ہو سکتا -

آخر میں ہم اس تبصرے کا خلاصہ پیش کرتے ہیں جو اپنی تصنیف " علما اور پالیٹکس " میں مشہور مورخ جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب نے مولانا مودودی کے سیاسی مسلک پر تبصرہ کیا ہے ، یہ ایک نہایت متوازن اور محتاط تبصرہ ہے ، جس سے مولا نامودودی کا سیاسی مسلک واضح طور پر سامنے آتا ہے ہم اپنے الفاظ میں ڈاکٹر صاحب کی اس تحریر کا خلاصہ یہاں پیش کرتے ہیں -

> برطانوی عہد کی ہندوستانی سیاست کو دیکھ کر مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اس نتیجے پر پہنچے کہ کانگریس تحریک اور مسلمانوں کے درمیان کوئی اشتراک نہیں ، کیونکہ ہماری تہذیب و معاشرت ثقافت اور مذہب بالکل

۱- تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ اول - ص ۴۸۵-۴۹۰ پر مولانا مودودی کی ان تین متبادل تجویزوں کی تفصیل ہے جو انھوں نے پاکستان کے متبادل پیش کی تھیں اور کہا تھا اِن میں سے جس کو بھی قبول کر لیا جائے اس پر ہم مفاہمت کر سکتے ہیں -

Marfat.com

جدا ہیں -

مولانا مودودی کا اس دور کی سیاست میں شاندار کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اہلِ فکر و نظر کو اس پر تیار کیا کہ متحدہ قومیت کا تصور مسلمانوں کے لیے خود کشی کا مترادف ہے -

ظاہر ہے کہ اس کا منطقی نتیجہ یہی نکالا جا سکتا ہے کہ انھوں نے قیام پاکستان کو قبول کر لیا اور اسے مسلمانوں کی منزل مقصود قرار دیا ، لیکن مشکل یہ ہے کہ اس ضمن میں مولانا کا ردِ عمل لوگوں کی توقعات سے خاصا مختلف اور پیچیدہ ہے اسی لیے موجودہ سیاستِ حاضرہ میں اس کے متعلق کئی نزاعی مسائل ساتے ہیں اس لئے مناسب ہوگا کہ اس وضاحت یہیں کر دی جائے انھوں نے متحدہ قومیت کی اس لیے مخالفت کی کہ وہ جانتے تھے کہ اگر ایسا نہ کیا گیا تو مسلمانان ہند جادۂ اسلام سے ہٹتے جائیں گے ، اگر انھوں نے اپنے آپ کو ہندوستانیت کے دھارے میں مدغم کرنے کی کوشش کی تو وہ اپنا تشخص کھو بیٹھیں گے -

مولانا مودودی مسلمانوں کی گروہی حیثیت سے زیادہ تحفظ اسلام کے داعی تھے ، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کا امتیاز یہ نہیں کہ وہ کسی گروہ اور قومیت سے وابستہ ہوں ، بلکہ ان کا رشتۂ ایمان اسلام سے منسلک ہے -

ان کا سارا زور اس پر رہا کہ مسلمانوں کو سب سے زیادہ اسلام کا وفادار ہونا چاہیے- باقی سب باتیں بعد کی ہیں - اسلام پر ایقان عملاً اس کو برتنے میں ہے ، صرف زبانی جمع خرچ کافی نہیں -

Marfat.com

وہ اس خیال میں اس حد تک گئے کہ اس وقت تک ایمان (مکمل ہی) نہیں ، جب تک کہ وہ ہر شعبہ زندگی میں عمل کا سبب نہ بنے - یہ قوم کی بدنصیبی ہے کہ ایسے مسلمان سننے میں آتے ہیں ، دیکھنے میں نہیں آتے - مولانا مودودی کا خیال یہ بھی تھا کہ ایسے معاشرے کو وجود میں لانے کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کو تحر کی قوت کے طور پر پیش کیا جائے اور اس کو ایک روایتی اور رسمی طور پر مذہب بنا کر نہ رکھا جائے -

غالباً مولانا مودودی کا یہی خیال " جماعت اسلامی " کی بنیاد ڈالنے کا سبب بنا -

دراصل وہ مسلم لیگ کے مخالف نہ تھے ، لیکن یہ ضرور محسوس کرتے تھے کہ یہ جماعت مختلف عناصر کی کھچڑی ہے جس میں کمیونیزم ، دہریت ، متشدد مختلف الخیال لوگ شامل ہیں ، ان کا کہنا تھا کہ اتنے مختلف الخیال لوگ مسلمانوں کے پلیٹ فارم پر جمع ہو کر کس طرح ایسی منزل تلاش کر سکتے ہیں ، جو سب کی متفق منزل ہو ، اس کے لیے صرف مسلم قوم پرستی کافی نہ ہوگی ، بلکہ دوسرے رخ پر بھی جد و جہد کرنی ہوگی -

مولانا مودودی سے جب مسلم لیگ سے تعاون کرنے کے لیے کہا گیا تو انھوں نے کہا کہ آپ حضرات یہ خیال نہ کیجئے کہ میں کسی اختلاف کی وجہ سے آپ کے کام میں شریک ہونا نہیں چاہتا ، میری مشکل یہ ہے کہ میں اس کام میں کیسے شریک ہو سکتا ہوں اس لیے کہ جزوی مداوا کو میرا ذہن قبول نہیں کرتا اور میں جوڑ پیوند سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا -

بظاہر تو مولانا مودودی کا یہ مؤقف خلاف نہیں تھا ، لیکن حالت یہ تھی کہ برصغیر کے مسلمانوں کے سامنے دو

Marfat.com

بڑی طاقتیں ہندو اور انگریز صف آرا تھے ، اس لیے لیگ کی قیادت کسی امتیاز واختصاص کو روا نہیں رکھ سکتی تھی ، لہذا مولانا مودودی کی یہ آواز اِس کشمکش میں بے اثر ثابت ہوئی ۔

مولانا مودودی کی دوسری مشکل یہ تھی کہ وہ پاکستان کے بارے میں یہ نظر رکھتے تھے کہ پاکستان کا قیام مسلمانوں کی مشکلات کا جزوی حل ہے ، اس لیے کہ یہ نہ مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور نہ اس میں اسلامی نشو و نما کے وہ امکانات ہیں، جو مسلمانان ہند ورثۂ اسلام چھوڑ کر جا رہے ہیں ۔

مزید برآں ان کے لئے یہ سوال بھی بڑی اہمیت کا حامل تھا کہ ہندوستان میں اسلام کا مستقبل کیا ہوگا وہ چاہتے تھے کہ بر صغیر میں من حیث الکل اسلام کا تحفظ ہو ، نہ کہ جزوی طور پر ۔ اس مسئلے کے حل کے لیے انہوں نے تین متبادل تجویزیں پیش کی تھیں . . . . ان تجویزوں پر خاصے بحث و مباحثے ہوئے ، لیکن تاریخ اور وقت کا فیصلہ قرار پایا کہ پاکستان کا کوئی متبادل نہیں[1] ۔

۱- ماخوذ از علماء اور پالیٹکس ۔ ص ۳۶۷-۳۷۰

Marfat.com

مصنف کی دوسری کتابیں

- تاریخ سندھ ، جلد اول
- تاریخ سندھ ، جلد دوم
- تذکرۂ صوفیائے سندھ
- تذکرۂ صوفیائے پنجاب
- تذکرۂ صوفیائے بنگال
- تذکرۂ صوفیائے سرحد
- توزک جہانگیری کا اردو ترجمہ اور اس کے حواشی
  ۲ جلدوں میں
- اقبال کے محبوب صوفیہ
- شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات

Marfat.com

اشاریہ

- اشخاص
- مقامات
- کتب

Marfat.com

Marfat.com

اشخاص

الف ممدوده

آر بندھو گوش : ۴۲۱ -
آرچی بوالڈ ، مسٹر : ۱۷۲ -
آرنلڈ ، مسٹر ، پروفیسر : ۸۱ -
آرنلڈ (ٹی - ڈبلیو آرنلڈ ، سر ٹامس آرنلڈ) پروفیسر : ۱۷۲ ، ۱۸۱ -
آصف علی بیرسٹر ، مسٹر : ۲٦۷ -
آفتاب احمد خان ، صاحبزادہ : ۴۱۳ -
آل احمد محدث مہاجر مدنی ، مولانا : ۲۵۷ -

الف مقصورہ

اباقا : ۲۸۲ -
ابراہیم آروی ، مولانا : ۲٦۰ -
ابراہیم سرہندی ، حاجی : ۲۴ -
ابراہیم شرقی ، سلطان : ۲۷۳ -
ابراہیم میر سیالکوٹی ، مولانا : ۲۳۲ -
ابن تیمیہ : ۱۳۸ ، ۱۴۹ ، ۲۴۹ -
ابن حجر عسقلانی ، حافظ : ۲۴۹ ، ۲۵۰ -
ابن خلدون : ۲۷٦ -
ابن رشد : ۱۳۸ -
ابن قیم ، حافظ : ۲۴۹ ، ۳۵۷ -
ابو احمد ابدال چشتی ، حضرت : ۴۳۷ -
ابو حبیب ، مولوی : ۳۲۳ -
ابو حفص ربیع بصری ، محدث ، مولانا : ۹ -
ابو سعید ، حضرت ، شاہ : ۳۲ -
ابو سعید ، مُلا : ۹٦ -
ابو ظفر ندوی ، مولوی : ۱۸٦ -
ابو عاصم ایڈوکیٹ کراچی ، سید : ۳۴۷ ، ۳۴۹ (ح) -
ابو عبداللہ غلام حسین ، مولوی : ۲۳۲ -
ابو عبدالملک سندھی ، محدث : ۸ -
ابو علی سینا ، شیخ : ۲۸۰ -
ابوالحسن تاج محمود امروٹی ، مولانا : ۱۹۵ -
ابوالحسن سید علی ندوی ، مولانا : ۱٦۱ (ح) ۱٦۵ (ح) ۳٦۱ ،

Marfat.com

۳۶۲ ، ۳۶۴ ، ۳۶۶ (ح)
۴۰۵ ، ۴۰۶ ، ۴۱۰ -
ابوالمحاسن محمد سجاد امیر شریعت
بہار ، مولانا : ۳۶۳ -
ابو محمد احمد مولانا : ۴۰۷ -
ابو محمد سالم سندھی ، حافظ : ۸ -
ابو معشر سندھی : ۸ -
ابو الاعلیٰ مودودی ، سید ، مولانا :
۷۵ ، ۳۶۴ ، ۳۶۷ ، ۴۳۵ ،
۴۳۶ ، ۴۳۷ ، ۴۳۸ ، ۴۴۳ ،
۴۴۵ ، ۴۴۷ ، ۴۴۸ ، ۴۴۹ ،
۴۵۰ ، ۴۵۱ ، ۴۵۲ ، ۴۵۳ -
ابوالبرکات سید احمد قادری ،
مولانا : ۲۱۲ -
ابوالحسین نوری میاں مارہروی ،
شاہ : ۲۰۵ -
ابوالخیر مودودی ، مولانا : ۲۷۰ ،
۲۸۳ (ح) ۲۸۴ (ح) -
ابوالفضل : ۲۰ ، ۲۵ ، ۲۶ ،
۹۲ ، ۱۷۵ -
ابوالقاسم گیلانی ، میر : ۲۴ -
ابوالکلام آزاد (مولانا آزاد ـ احمد ،
فیروز بخت) مولانا : ۴۰ ، ۱۵۸ ،
۱۸۹ ، ۲۷۶ ، ۲۷۷ ، ۳۲۵ ،
۳۲۶ ، ۳۲۸ ، ۳۶۱ ، ۳۸۹ ،
۳۹۰ ، ۳۹۴ ، ۳۹۵ ، ۳۹۶ ،
۳۹۸ ، ۴۱۶ -
ابی طاہر محمد بن ابراہیم کردی

مدنی ، شیخ : ۱۳۴ - ۱۳۷ -
اتقیا بیگم : ۳۱۷ -
اجمل خان، حکیم : ۲۰۸ ، ۲۲۶ -
احسن صاحب شاعر گر ، مولانا :
۳۷۲ -
احسن اللہ خاں دہلوی ، حکیم :
۲۲۲ -
احمد حسن ، منصف : ۳۱۶ -
احمد اللہ پانی پتی، مولانا : ۱۹۵ -
احمد رضا خاں بریلوی ، مولانا
(اعلیٰ حضرت) : ۶۳ ، ۲۰۴ ،
۲۰۵ ، ۲۰۷ ، ۲۰۸ ، ۲۰۹ ،
۲۱۰ ، ۲۱۱ ، ۲۱۲ ، ۲۱۴ ،
۲۱۵ -
احمد سکندر پوری ، مولانا : ۲۱۸ -
احمد سعید مجددی شاہ : ۱۷۷ (ح) -
احمد سعید ، مولانا : ۴۰ ، ۴۴۱ ،
۴۴۲ -
احمد شاہ : ۱۲۳ -
احمد عابد علی ، ڈاکٹر : ۲۰۴ -
احمد علی لاہوری (مولانا لاہوری
شیخ التفسیر ، مولانا : ۳۹۹ ،
۴۰۰ ، ۴۰۱ ، ۴۰۲ ، ۴۰۳ ،
۴۰۴ ، ۴۰۵ ، ۴۰۶ ، ۴۰۷ ،
۴۰۸ ، ۴۰۹ -
احمد علی محدث سہارنپوری ،
مولانا : ۱۷۷ ، ۱۷۸ ، ۲۵۷ -
احمد مرزا ، حاجی : ۱۹۷ -

Marfat.com

احمد مصطفیٰ صدیقی راہی :
۲۳۶ (ح) -
احمد نسیم درانی : ۱۷۱ (ح) -
اختر راہی ، ایم اے : ۳۶۲ (ح)،
۳۶۶ (ح) ، ۳۶۷ (ح) -
ارسطو : ۴۲۷ ، ۴۲۸ -
ارشاد حسین راسپوری ، مولانا :
۱۷۷ -
آزاد انصاری ، حکیم : ۴۱۵ -
اُستاد احمد معمار شاہجہانی : ۳۳۰-
اسد اللہ ، مولوی : ۱۷۵ -
اسد علی الوری فرید آبادی: ۱۶۲ -
اسرائیل : ۳۵۰ -
اسلامی مولانا : ۷ ، ۸ -
اشتیاق حسین قریشی ، ڈاکٹر :
۲ ، ۳۰ ، ۴۱ ، ۶۱ ، ۶۲ ،
۶۳ ، ۴۵۰ -
اشرف علی تھانوی (مولانا تھانوی
حضرت مولانا (حکیم الامت)
۶۱ ، ۶۲ ، ۲۱۰ ، ۲۵۲ ،
۲۸۸ ، ۳۳۶ ، ۳۳۷ ، ۳۳۸ ،
۳۴۱ ، ۴۳۱ ، ۴۳۲ -
اعزاز علی ، مولانا ، شیخ الادب
(دارالعلوم دیوبند) : ۲۱۹ -
اشفاق احمد زاہدی (صاحب فراست
الید) ۴۳۹ -
اشفاق احمد کاندہلوی ، مولانا :
۴۲۹ -
اعجاز الحق قدوسی : ۲۴ (ح) ،
۲۵ (ح) ، ۹۳ (ح) ، ۱۰۴ (ح)
۱۰۵ (ح) ، ۱۰۸ (ح) -
اقبال (علامہ مفکر پاکستان ،
شاعر مشرق) : ۲۸ ، ۲۹ ،
۴۱ ، ۴۴ ، ۴۵ ، ۴۶ - ۴۷ ،
۴۸ ، ۴۹ ، ۵۳ ، ۵۴ ، ۵۵ ،
۶۴ ، ۶۵ ، ۶۶ ، ۷۰ ، ۷۲ ،
۷۳ ، ۷۴ ، ۷۵ ، ۷۶ ، ۷۷ ،
۷۸ ، ۷۹ ، ۸۰ ، ۸۱ ، ۸۲ ،
۸۳ ، ۹۰ ، ۹۱ ، ۹۲ ، ۹۹ ،
۱۰۹ ، ۱۱۲ ، ۱۱۷ ، ۱۲۰ ،
۱۲۱ ، ۱۳۰ ، ۱۳۶ ، ۱۴۷ ،
۱۴۸ ، ۱۵۰ ، ۱۶۵ ، ۱۶۶ ،
۱۶۸ ، ۱۹۲ ، ۲۰۴ ، ۲۱۵ ،
۲۱۷ ، ۲۲۱ ، ۲۲۹ ، ۲۳۰ ،
۲۳۱ ، ۲۳۲ ، ۲۳۳ ، ۲۳۴ ،
۲۳۵ ، ۲۳۶ ، ۲۴۴ ، ۲۴۵ ،
۲۴۹ ، ۲۵۲ ، ۲۵۳ ، ۲۵۶ ،
۲۶۴ ، ۲۶۶ ، ۲۶۷ ، ۲۷۱ ،
۲۷۲ ، ۲۷۸ ، ۲۹۰ ، ۲۹۶ ،
۳۱۰ ، ۳۱۴ ، ۳۱۵ ، ۳۱۶ ،
۳۱۸ ، ۳۱۹ ، ۳۲۰ ، ۳۲۲ ،
۳۲۷ ، ۳۲۹ ، ۳۳۰ ، ۳۳۱ ،
۳۳۴ ، ۳۳۶ ، ۳۵۵ ، ۳۵۸ ،
۳۶۰ ، ۳۶۱ ، ۳۶۲ ، ۳۶۸ ،
۳۷۶ ، ۳۷۸ ، ۳۸۹ ، ۳۸۲ ،
۳۸۹ ، ۳۹۷ ، ۳۹۹ ، ۴۱۰ ،

Marfat.com

۳۱۲ ، ۳۲۸ ، ۳۲۹ ، ۳۳۵ ،
۳۳۶ ، ۳۳۷ -
اکبر الہ آبادی ، حضرت : ۲۶۴ ،
۲۷۲ ، ۳۱۴ ، ۳۲۳ ، ۳۲۴ ،
۳۲۵ ، ۳۲۶ ، ۳۲۷ -
اکبر (بادشاہ) : ۲۰ ، ۲۱ ، ۲۲ ،
۲۳ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۲۷ ، ۲۹ ،
۳۰ ، ۳۱ ، ۹۵ ، ۹۶ -
الشاش الکوسلی : ۳۶۰ -
الطاف حسین حالی ، (سولانا حالی)
۷۴ ، ۱۷۱ ، ۱۷۵ ، ۱۸۱ ،
۱۸۴ ، ۲۳۶ ، ۲۷۷ -
الطاف علی بریلوی ، سید (مدیر
العلم کراچی) ۲۶۱ (ح)، ۳۰۴،
۳۰۵ -
الٰہی بخش کاندہلوی ، مفتی : ۳۴ -
ام کلثوم : ۱۰۸ -
امام ابو حنیفہ (نعمان بن ثابت امام
اعظم) : ۱۷۴ ، ۲۰۴ ، ۲۱۹ ،
۲۵۱ -
امام حسینؓ ، حضرت : ۱۲۳ -
امام رازی : ۲۷۴ -
امام محمد شیبانی ، امام : ۲۷۴ -
امام موسیٰ کاظمؓ ، حضرت :
۱۳۲ -
امان اللہ (بن نور اللہ) بنارسی ،
حافظ : ۱۱۷ ، ۱۱۸ ، ۱۴۹ -
امان اللہ خاں لکھنوی : ۱۶۱ -
امان پانی پتی ، شیخ : ۲۴ ، ۹۶ -
امتیاز علی عرشی، رامپوری سولانا :
۳۶۲ -
امداد اللہ سہاجر مکی ، حاجی :
۳۶ ، ۲۲۳ ، ۲۵۹ (ح) ،
۲۶۰ ، ۲۶۱ ، ۳۳۵ ، ۳۴۱ -
امیر احمد مینائی ، منشی : ۳۹۲ -
امیر خسرو ، حضرت : ۳۰۱ ،
۳۱۱ -
امین ناصر الدین : ۳۶۰ -
انتظام اللہ شہابی مرحوم ، مفتی :
۳۰۵ -
انوار اللہ خاں (ملقب بہ نواب
فضیلت جنگ) : ۳۰۶ -
انور پاشا : ۱۹۷ -
انور شاہ کشمیری ، حضرت علامہ
سید : ۲۱۷ ، ۲۱۹ ، ۲۳۷ ،
۲۴۴ ، ۲۴۵ ، ۲۴۶ ، ۲۴۷ ،
۲۴۸ ، ۲۵۰ ، ۲۵۱ ، ۲۵۲ ،
۲۵۳ ، ۲۵۴ ، ۲۵۵ ، ۲۸۶ -
انوری : ۲۵۰ ، ۳۱۱ -
انی رائے سنگھ دلن : ۱۰۴ -
اوزاعی ، امام : ۸ -
اہلی : ۲۸۱ -
ایم سعید الدین بہاری : ۵۹ -
اینی بسنٹ ، مسز : ۳۲۱ -

Marfat.com

ب

باز خان : ۲۹۷ -
باقی باللہ (رضی الدین) خواجہ :
۲۳ ، ۹۴ ، ۹۵ ، ۱۰۰ -
بدر الدین مُلا : ۹۸ -
بدر الدین پنھوکھودی ، مولانا :
۱۴ ، ۱۵ -
بدر الدین ، مولانا : ۱۴ -
بدیع الدین شیخ : ۱۰۰ -
برکات احمد ٹونکی ، مولانا حکیم :
۱۱۷ ، ۲۲۱ ، ۲۲۲ ، ۲۲۳ ،
۲۲۴ ، ۲۲۵ ، ۲۲٦ ، ۲۲۷ -
برگسان ، پروفیسر : ۸۲ -
برہان الدین بزاز ، مولانا : ۱۲ -
برہان الدین بلخی مولانا : ۱۲ -
بشیر احمد ڈار : ۳۷۹ (ح)، ۳۹۹ -
بشیر احمد ہندولہ ، مرلوی : ۲۱۸ -
بغرا خان : ۱۳ -
بک ، مسٹر : ۱۸۲ -
بہاؤ الحق قاسمی ، مولانا : ٦۰ -
بہاؤالدین اوشی : ۱۰ -
بہادر شاہ ظفر : ۳۴ ، ۳۵ -
بھگوان داس ، ڈاکٹر : ۴۲۱ -

پ

پاینده خان روہیلہ : ۱۳۵ -

ت

تاج الدین : ۴۴۰ ، ۴۴۱ -
تاج الدین ، شیخ (تاج العارفین) :
۹٦ -
تاج الدین کہرامی ، سلک : ۱۴ -
تاج الدین مکی ، شیخ : ۱۳۴ -
تقی الدین ابن دقیق العید ، شیخ :
۲۵۰ -
تقی الدین الہلالی المراکشی
(ڈاکٹر ہلالی) شیخ : ۳۵۹ ،
۳٦۱ ، ۳٦۷ -

ٹ

ٹیگور : ۴۲۱ -

ج

جابر بن حیان : ۲۷٦ -
جامی : ۲۸۱ -
جاوید اقبال (جاوید) ڈاکٹر ،
(صاحبزادہ علامہ اقبال) : ۹۰ ،
۹۱ -
جگر مرادآبادی ، حضرت : ۴۴۰ -
جلال‌الدین بکھری، مستوفی ممالک :
۱۴ -
جلال الدین خلجی ، سلطان : ۱۴ -
جلال الدین ، خواجہ ، امیرچہ
(نائب وزیر) : ۱۴ -

Marfat.com

جلال الدین کاشانی ، قاضی : ۱۳ -
جلیل ، مولانا : ۲۰۲ -
جمال الدین افغانی ، (مولانا جمال سید : ۷۸ ، ۷۹ ، ۸۰ -
جمال الدین تلوی ، مولانا - ۹۳ -
جمال الدین شاطبی ، مولانا : ۱۴ -
جمال الدین محمد : ۱۰ -
جمیعۃ العلمائے اسلام : ۵۶ ، ۵۷ -
جمعیۃ العلماء ہند (دہلی) : ۳۹ ، ۴۰ ، ۵۵ ، ۵۶ ، ۵۷ ، ۵۸ ، ۵۹ ، ۶۱ -
جوش (ملیح آباد) : ۲۸۴ ، ۳۱۵ -
جہاندار شاہ : ۱۲۲ -
جہانگیر : ۲۰ ، ۲۳ ، ۲۴ ، ۲۵ ، ۲۶ ، ۲۷ ، ۸۹ ، ۹۶ ، ۹۷ ، ۹۸ ، ۱۰۰ ، ۱۰۴ ، ۱۰۵ ، ۱۰۶ ، ۱۰۷ -

چ

چراغ دہلی ، حضرت : ۱۶ -
چراغ علی ، مولوی : ۱۷۱ -
چودھری نیاز علی : ۴۴۷ ، ۴۴۸ -

ح

حافظ جلیل حسن ، جلیل مانکپوری : ۳۱۴ -
حافظ رحمت خان ، حافظ الملک : ۱۶۷ (ج) -
حافظ (شمس الدین محمد حافظ) : ۲۸۱ ، ۳۱۱ ، ۳۷۶ -
حافظ محمد اسلم جیراج پوری (اسلم جیراج پوری) مولانا : ۷۴ ، ۱۷۵ ، ۳۶۸ ، ۳۶۹ ، ۳۷۰ ، ۳۷۱ ، ۳۷۲ ، ۳۷۴ ، ۳۷۵ ، ۳۷۶ -
حامد رضا خان : ۲۱۲ -
حبیب الرحمٰن خان شروانی (معروف بہ نواب صدر یار جنگ صدرالصدور حیدر آباد دکن) مولانا (مولانا شروانی) ۲۹۶ ، ۲۹۷ ، ۲۹۸ ، ۳۰۱ ، ۳۰۲ ، ۳۰۳ ، ۳۰۴ ، ۴۰۵ ، ۳۰۶ ، ۳۰۷ ، ۳۰۸ ، ۳۰۹ ، ۳۱۰ ، ۳۱۲ ، ۳۱۳ ، ۳۱۵ ، ۴۱۵ -
حبیب الرحمٰن عثمانی (مہتمم دارالعلوم دیوبند) مولانا : ۲۳۷ ، ۲۳۸ ، ۲۸۶ ، ۳۸۳ -
حبیب الرحمٰن ، مولوی : ۱۷۰ -
حبیب اللہ (بن مولانا احمد علی لاہوری) مولوی : ۳۰۸ -
حبیب اللہ ، شیخ (والد مولانا شبلی نعمانی : ۱۷۴ -
حبیب اللہ (والد محترم مولانا حسین احمد مدنی) : ۳۸۳ -
حسام الدین ، میر : ۲۳۳ -
حسرت موہانی ،مولانا : ۲۰۸ -

Marfat.com

حسن بصری ، حضرت : ۲ -
حسن رضا خاں ، مولانا (برادر خورد مولانا احمد رضا خاں) : ۲۱۴ -
حسن سنجری امیر : ۱۵ ، ۲۸۰ -
حسن علی کبیر لکھنوی ، مرزا : ۳۰۱ (ح) -
حسن کشمیری ، شیخ : ۹۴ -
حسن مثنی ندوی ، مولانا : ۱۸۶ ۲۶۱ -
حسن مراغی ملا : ۰ ۰ ۰
حسن نظامی نیشا پوری : ۱۰ -
حسن نظامی ، خواجہ : ۲۶۴ -
حسین احمد مدنی ، حضرت ، مولانا، (مولانا مدنی) : ۳۰، ۵۶، ۵۹، ۱۹۹ ، ۲۰۰ ، ۲۵۰ ، ۳۷۸ ، ۳۷۹ ، ۳۸۰ ، ۳۸۲ ، ۳۸۳ ، ۳۸۴ -
حشمت علی ، مولانا : ۲۱۲ -
حضرت امیر (حضرت علیؓ) : ۱۰۲ -
حفظ الرحمٰن سہواروی ، مولانا : ۳۰ ، ۳۲ ، ۵۷ ، ۵۸ -
حفیظ اللہ ، مولانا : ۳۲۵ -
حکیم عبدالرزاق (برادر ڈاکٹر انصاری) ۱۹۸ -
حکیم قرشی : ۸۳ -
حکیم محمد سعید : ۲۲۸ -
حکیم نصرت حسین : ۱۹۸، ۲۰۰ -
حاجی ترنگ زئی : ۱۹۵ -
حمید الدین فراہی، مولانا : ۱۸۹، ۱۹۰ -
حمید الدین قاضی : ۱۰ -
حیدر علی ٹونکی، مولانا : ۱۷۵ (ح)-

خ

خاقانی : ۲۵۰ ، ۳۱۱ -
خان زمان خان : ۲۹۸ -
فجندی ، مولانا : ۲۱۲ -
خسرو ، امیر : ۱۵ ، ۲۸۰ -
خلفائے راشدین : ۱۰۷ -
خلیفہ انور علی : ۳۲۳ -
خلیل احمد انبہٹوی (محدث سہارنپوری) حضرت مولانا : ۲۴۷ ، ۲۵۲ ، ۳۸۳ -
خلیل بٹنی ، شیخ : ۳۰۱ -
خواجو کرمانی : ۲۸۱ -
خواجہ اجمیری (معین الدین اجمیری) حضرت خواجہ : ۲۵۸ ، ۲۵۹ -
خواجہ قطب الدین مودود چشتی : ۴۳۷ -
خورشید احمد ، پروفیسر : ۴۳۹ -
خوشی محمد ، چودھری : ۲۹۶ -
خیرالدین قادری ، مولانا : ۳۹۱ -

د

داتا گنج بخش ہجویری ، حضرت : ۱۰ -

Marfat.com

داغ دہلوی ، حضرت ، مرزا :
۸۱ ، ۲۱۴ -
داؤد خاں : ۲۹۸ -
داہر ، راجہ : ۷ -
دائم علی ، حکیم ، میر سید (والد
حکیم برکات احمد) ۲۲۲ ، ۲۲۳ -
دیدار علی شاہ ، سید ، مولانا :
۲۱۲ -
دیوان علی : ۸۳ -

ڈ

ڈاکٹر انصاری : ۱۹۵ ، ۱۹۸ ،
۲۰۲ ، ۲۰۸ -
ڈاکٹر رحمٰن : ۳۴۷ -
ڈاکٹر کیمرن : ۳۱۳ -

ذ

ذکی شاہ ، سید (ابن مولانا میرحسن):
۲۳٦ -
ذوالفقار علی عثمانی مولوی (والد
حضرت شیخ الهند) : ۱۷۰ ،
۱۹۲ ، ۱۹۳ -
ذوالنورین (حضرت عثمانؓ) :
۱۰۰ -

ر

راجا حسن اختر : ۸۳ -
رازی ، امام : ۱۲ ، ۱۵ -
راس مسعود ، سید : ۸۲ ، ۳۱۱ ،
۳۳۱ ، ۳۱۴ -

رالے ، والٹر رالے (پروفیسر) :
۱۷۲ -
رحمان علی ، مولانا ، (مؤلف
تذکرہ علمائے هند) : ۲۱۱ -
رحیم بخش شاہین : ۷۸ (ح) ، ۸۰ -
رحیم بخش شیرکوٹی، مفتی : ۲۱۸-
رشد اللہ ، پیر : ۳۰۲ -
رشید احمد گنگوہی ، حضرت ،
مولانا : ۳٦ ، ۱۷۰ ، ۱۹۴ ،
۲۱۸ ، ۲۲۰ ، ۲۴۷ ، ۳۸۴ -
رشید رضا ، سید : ۲٦۰ -
رضا علی خاں ، مولوی : ۲۰۵ -
رضی الدین خاں دہلوی، شفاءالملک،
حکیم : ۲۲۵ -
رفیع الدین ، شاہ : ۳۳ ، ۲۱۹ -
رفیع الدین گازرونی ، قاضی : ۱۳ -
رفیع الدین، مولانا (مہتمم دارالعلوم
دیوبند) : ۱۹۴ -
رکن الدین ، شیخ : ۹۳ -
رکن عالم ، شاہ : ۲۲۷ -
روزبہائی تبریزی ، ملا : ۲۴ -

ز

زبیدہ خاتون : ۲۸۲ -
زکی ، خواجہ : ۱۴ -
زماں خاں ، فوجدار سہارنپوری :
۱۳۵ -
زمخشری (جار اللہ ، ابوالقاسم عمرو
بن زمخشری) : ۱۴۹ ، ۳۷۳ -

Marfat.com

س

سالار صاحب : ۱۳۲ -
سجاد مرزا ، پروفیسر : ۳۲۹ -
سدید الدین ، قاضی : ۱۳ -
سراج الحق دیوبندی ، مولوی : ۲۱۸ -
سراج الدین پال : ۳۷۶ -
سراج الدین سجزی، مولانا : ۱۳ -
سر تھیوڈ ماریس : ۱۷۲ -
سر جان ہیوٹ لفٹننٹ گورنر ممالک متحدہ : ۱۸۶ -
سردار محمد ابراہیم (سابق صدر کشمیر): ۳۰۸ -
سر سالار جنگ : ۳۳۷ -
سر کشن پرشاد ، مہاراجا : ۲۷۱-
سر ولیم میور : ۱۷۲ -
سرسید احمد خان : ۳۷ ، ۳۰ ، ۱۵۳ ، ۱۵۷ ، ۱۷۱ ، ۱۷۲ ، ۱۸۰ ، ۱۸۱ ، ۱۸۲ ، ۱۸۳ ، ۱۸۳ ، ۱۸۵ ، ۲۳۵ ، ۲۷۷ ، ۳۰۳ ، ۳۰۳ ، ۳۰۵ ، ۳۹۳ ، ۳۹۷ ، ۳۳۷ -
سعادت علی خان : ۱۲۲ -
سعادت یار خان رنگین : ۱۵۳ -
سعد اللہ خان چنیوٹی شیخ (وزیر شاہجہاں) : ۲۸ ، ۱۱۳ -
سعد الدین (امیر بحر) ملک : ۱۳ -
سعد منطقی بد مذہب : ۱۶ -
سنائی غزنوی ، حکیم ، خواجہ : ۳۱۱ -
سعدی ، شیخ : ۳۳ ، ۸۳ ، ۲۸۰ ، ۳۱۰ ، ۳۱۱ ، ۳۳۸ -
سعید احمد اکبر آبادی ، مولانا : ۲۳۳ -
سعید حلیم پاشا (حلیم) : ۷۸ ، ۷۹ ، ۸۰ -
سکندر لودھی ، سلطان : ۱۷ ، ۱۸ -
سلامت اللہ مرحوم، مولانا: ۳۷۱ -
سلسلۂ چشتیہ : ۹۳ -
سلسلۂ نقشبندیہ : ۹۳ ، ۱۱۸ -
سلمان ساؤچی : ۲۸۱ -
سلمان : ۳۳۹ ، ۳۵۰ -
سلیمان اشرف (آستاد دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ): مولانا شاہ: ۲۱۲ -
سلیمان ناخدا (رنگونی تاجر) ۳۲۲ -
سلیمان ندوی، سید، مولانا : ۶۲ ، ۸۲ ، ۱۰۹ ، ۱۱۵ ، ۱۱۷ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ ، ۱۳۶ ، ۱۳۸ ، ۱۵۰ ، ۱۶۶ ، ۱۶۸ ، ۱۷۳ ، ۱۷۳ ، ۱۸۰ ، ۱۸۲ ، ۱۸۳ ، ۱۸۶ ، ۱۸۹ ، ۱۹۰ ، ۱۹۲ ، ۲۲۱ ، ۲۲۹ ، ۲۳۸ ، ۲۳۰ ، ۲۳۱ ، ۲۳۳ ، ۲۶۲ ، ۲۶۷ ، ۲۷۵ ،

Marfat.com

۲۷۹ (ح)، ۲۸۳ (ح)، ۲۹۲ ،
۲۹۳ ، ۳۱۸ ، ۳۱۹ ، ۳۲۰ ،
۳۲۲ ، ۳۲۵ ، ۳۲۷ ، ۳۲۹ ،
۳۳۲ ، ۳۳۵ ، ۳۳۶ ، ۳۵۱ ،
۳۵۵ ، ۳۵۹ ، ۳۶۶ ، ۳۸۹ ،
۳۹۰ -
سلیم چشتی سیکروی (بن بہاؤالدین)
شیخ : ۲۲۴ (ح) -
سلیم اللہ ، حکیم (کول) ۲۹۸ -
سلیم اللہ ، نواب : ۲۶۳ -
سماع الدین ، شیخ : ۱۸ -
سمیع اللہ ، مولوی : ۱۷۲، ۱۸۳ -
سید ابوالحسن (والد محترم مولانا
سلیمان ندوی) : ۲۲۲ -
سید ابوالحسنات ندوی : ۱۸۶ -
سید احمد حسن ، مولوی : ۳۴۷ -
سید احمد دحلان ، مفتی شافعیہ :
۲۰۶ -
سید احمد شہید بریلوی ، حضرت :
۲۶ ، ۳۴ ، ۱۳۱ ، ۱۳۹ ،
۱۵۶ ، ۱۵۷ ، ۱۵۸ ، ۱۵۹ ،
۱۶۰ ، ۱۶۳ ، ۱۶۵ ، ۳۴۲ ،
۳۶۱ -
سید اکبر پشاوری ، مولوی :
۲۹۸ -
سید حبیب : ۳۹۹ -
سید حسن شاہ رامپوری ، مولوی :
۲۹۸ -
سید حسین (داماد مولانا سید سلیمان
ندوی) ۳۴۴ -
سید صباح الدین عبدالرحمٰن
(موجودہ ناظم دارالمصنفین اعظم
گڑھ) : ۱۸۶ ، ۳۲۰ ، ۳۲۸
(ح)، ۳۳۵ ، ۳۳۶ ، ۳۴۷ (ح)
سید عبدالقادر : ۳۹۹ -
سید محمد علی ، مولانا : ۲۶۰ -
سید محمد قنوجی ، مولانا : ۲۹ -
سید محمود (فرزند سر سید احمد خاں)
۱۸۲ ، ۱۸۳ -
سید ہاشم : ۱۹۸ -
سیف الرحمان مولانا : ۱۹۵ -

ش

شاہ آل رسول مارہروی : ۲۰۶ -
شاہ جہاں : ۲۳ ، ۲۸ ، ۲۹ ،
۱۰۴ ، ۱۱۱ ، ۱۱۳ ، ۱۱۴ -
شاہ خوب اللہ، الہ آبادی (محمد یحیٰی) :
۱۱۸ -
شاہ رفیع الدین دہلوی ، مولانا :
۱۴۵ ، ۱۴۷ ، ۱۵۲ ، ۱۵۳ -
شاہ سلیمان پھلواری (متخلص بہ
حاذق) مولانا : ۲۵۶ ، ۲۵۷ ،
۲۵۸ ، ۲۶۰ ، ۲۶۱ ، ۲۶۲ ،
۲۶۳ ، ۲۶۴ ، ۲۶۵ ، ۲۶۶ ،
۳۲۴ -
شاہ عبدالعزیز دہلوی : ۳۲ ، ۳۳ ،

Marfat.com

۳۴ ، ۱۳۹ ، ۱۴۵ ، ۱۴۷ ،
۱۵۲ ، ۱۵۳ ، ۲۹۸ ، ۳۰۱
(ح) -
شاہ عبدالغنی مجددی : ۳۴۱ (ح) -
شاہ عبدالغنی (محدث دہلوی) :
۳۳ ، ۱۴۵ ، ۱۵۲ ، ۱۵۳ ،
۱۶۲ -
شاہ عبدالقادر دہلوی : ۱۴۵ ،
۱۵۳ ، ۱۷۸ (ح) ، ۴۰۷ ،
۴۰۹ -
شاہ غلام علی دہلوی : ۳۰۱ (ح) -
شاہ محمد ، مولوی - ۳۷۲ -
شاہ محمد اسحاق (دہلوی) : ۳۰۰ (ح)
۳۰۱ (ح) -
شاہ محمد اسماعیل شہید دہلوی ،
حضرت مولانا : ۹ ، ۱۰ ،
۳۳ ، ۱۱۷ ، ۱۳۱ ، ۱۳۹ ،
۱۴۹ ، ۱۵۰ ، ۱۵۲ ، ۱۵۳ ،
۱۵۴ ، ۱۵۶ ، ۱۵۷ ، ۱۵۸ ،
۱۵۹ ، ۱۶۰ ، ۱۶۱ ، ۱۶۲ ،
۱۶۳ ، ۱۶۴ ، ۱۶۵ ، ۲۲۳ ،
۳۶۱ -
شاہ معین الدین ندوی : ۱۸۶ ،
۳۵۱ ، ۳۵۲ (ح) -
شاہ موسیٰ (بن شاہ رفیع الدین
دہلوی) ۱۵۹ -
شبلی نعمانی شمس العلماء مولانا ،
علامہ : ۱۲۰ ، ۱۲۱ ، ۱۳۸ ،
۱۶۸ ، ۱۶۹ ، ۱۷۰ ، ۱۷۲ ،
۱۷۳ ، ۱۷۴ ، ۱۷۵ ، ۱۷۶ ،
۱۷۷ ، ۱۷۸ ، ۱۷۹ ، ۱۸۰ ،
۱۸۱ ، ۱۸۲ ، ۱۸۳ ، ۱۸۴ ،
۱۸۵ ، ۱۸۶ ، ۱۸۸ ، ۱۸۹ ،
۱۹۰ ، ۱۹۱ ، ۲۶۰ ، ۲۷۶ ،
۲۷۷ ، ۲۷۸ ، ۳۲۴ ، ۳۲۵ ،
۳۲۶ ، ۳۲۸ ، ۳۵۱ ، ۳۵۶ ،
۳۶۱ ، ۳۹۰ ، ۳۹۲ ، ۴۲۰ ،
۴۲۲ ، ۴۳۲ ، ۴۳۳ -
شبیر احمد عثمانی (عثمانی ، علامہ)
مولانا : ۴۲ ، ۵۵ ، ۵۶ ، ۵۷ ،
۵۸ ، ۵۹ ، ۶۰ ، ۶۲ ، ۱۷۰ ،
۲۰۲ ، ۲۱۷ ، ۲۳۷ ، ۲۸۶ ،
۲۸۷ ، ۲۹۰ ، ۲۹۲ ، ۲۹۳ ،
۳۵۱ ، ۴۰۸ -
شرف الدین بو علی قلندر، حضرت :
۱۵ -
شرف الدین ولوالجی ، مولانا :
۱۳ -
شروانی (جد اعلیٰ مولانا حبیب
الرحمان شروانی) ۲۹۷ -
شریف الدین ، پیرزادہ ، ۵۳ (ح) -
شریف حسین : ۱۹۸ ، ۳۸۵ -
شریف اللہ ، مولانا : ۴۳۹ -
شعیب قریشی ، جناب : ۳۴۹ -
شکر اللہ شیرازی ، ملا : ۲۴ -
شکر اللہ ، مولوی : ۳۷۲ -
شکیب ارسلان : ۹۱ -
شمس تبریز خاں (مؤلف کتاب

Marfat.com

صدر یار جنگ) مولانا: ۳۱۷(ح) -
شمس الدین محمد، خواجہ (وزیر اعظم اباقا) ۲۸۲ -
شمس الدین التمش، سلطان : ۱۱ -
شوق نیموی (شاعر) : ۲٦۰ -
شوکت علی مولانا : ۲۰۸، ۳۵۰ -
شہاب الدین خلیلی، مولانا : ۱۴ -
شہباز خاں کنبوہ : ۹۷ -
شیخ بیٹ : ۳۰۱ -
شیخ حبیب اللہ (والد محترم مولانا احمد علی لاہوری) : ۴۰۰ -
شیخ حسین عرب بھوپالی : ۲۹۹ -
شیخ خضر شروانی : ۳۰۱ -
شیخ سلطان : ۹۳ -
شیخ عبداللہ مرداد : ۳۹۱ -
شیخ عبدالقادر مرحوم، سر : ۴۰۳، ۳۱٦ -
شیخ عطا اللہ، ایم - اے : ۴۱۰ -
شیخ علی حزیں : ۳۱۱ -
شیخ علی سرمست بٹنی : ۳۰۱ -
شیخ علی مہائمی : ۳۷۳ -
شیخ کمال کیتھلی : ۹۳ -
شیخ محمد اکرام مرحوم : ۱۸۳، ۱۸۴ -
شیخ محمد تھانوی، مولانا : ۳۴۲ -
شیخ محمد رشید جونپوری : ۱۱۹ -
شیخ محمد عبدہ : ۳٦۱ -
شیخ محمد ماہ دیوگامی : ۱۱۷ -
شیخ محمد سلاوان، مخدوم : ۳۰۱ (ح)-
شیکسپیئر : ۵۵ -

ص

صادق بن شریف دہلوی، حکیم : ۲۲۴ (ح) -
صدر الدین بوھاروی، منشی : ١٦٧ (ح) -
صدر الدین شیرازی : ۲۵۰ -
صدیق اکبر (صدیق) حضرت ابو بکر صدیق رض) : ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۴٦ -
صدیق حسن خاں، نواب : ۱۳۸، ۱۵۳ -

ض

ضیاء الدین برنی (ضیا برنی) : ۱۴، ۱۵، ١٦ -
ضیاء الدین بن پیر رشد اللہ: ۴۰۳ -
ضیاء الدین سنامی، مولانا : ۱۴، ۱۵ -
ضیاء الدین، قاضی : ۴۰۴ -

ط

طالوت : ۳۷۸، ۳۸۰ -
طرفہ (شاعر عربی) : ۱۹۲ -
طفیل احمد منگلوری، مولوی : ۳۰۴ -

Marfat.com

ظ

ظفر (بادشاہ) ٣٢٢ (ح) -
ظفر الدین بہاری ، مولانا : ٢١٢ -
ظفر الدین ندوی ، مولانا : ٣٢٨ -
ظفر علی خان ، مولانا : ٢٠٨ ، ٢٧٠ ، ٢٧٨ ، ٢٧٩ ، ٣٩٩ -
ظفر الملک ، مولانا : ٣٣ -
ظہور الاسلام فتحپوری ، سید : ٢٦٠ -
ظہور محمد خان سہارنپوری ، مولانا: ١٩٥ -
ظہیر الدین ، قاضی : ١٣ -

ع

عاشق حسین بٹالوی ، ڈاکٹر : ٥٢ -
عالم بہادر شاہ : ٩٠ (ح) -
عالم علی نگینوی ، مولانا : ٢٢٢ -
عالمگیر (اورنگ زیب) : ٢٠ ، ٢٩ ، ٣٠ ، ٩٠ (ح) ، ١١٨ ، ١٤٩ ، ١٥٠ ، ١٥١ -
حضرت عبادہ بن صامت رض، حضرت: ٦ -
عبدالاحد بن محمد سعید ، شیخ : ١٣٤ (ح) -
عبدالباری فرنگی محلی ، مولانا : ٢١٢ -
عبدالباری ندوی ، مولانا : ٣١٠ ، ٣٢٩ ، ٣٣٧ ، ٣١٣ ، ٣١٥ -
عبدالحق (بابائے اردو) مولوی : ١٨٣ ، ٣٠٥ ، ٣١٤ ، ٣١٥ -
عبدالحق حقانی ، مولانا : ١٨٥ ، ٢٦٠ -
عبدالحق خیر آبادی (علامہ ، مولانا) ١٧٧ ، ٢٢٢ ، ٣٢٣ ، ٢٢٦ ، ٢٢٧ -
عبدالحق محدث دہلوی ، شیخ : ٢٢ ، ٢٣ ، ٢٤ ، ٢٥ ، ١٠٩ -
عبدالحکیم ڈاکٹر ، خلیفہ : ٢٣٢ -
عبدالرشید خان علی گڑھی ، ماسٹر: ٣٠٠ -
عبدالماجد بدایونی ، مولانا (مولانا بدایونی) ٦٣ -
عبدالحکیم سیالکوٹی بن شمس الدین ملا ، مولانا ، علامہ : ٢٨ ، ١١١ ، ١١٢ ، ١١٣ ، ١١٤ -
عبدالحلیم شرر ، مولانا : ١٨٤ ، ٣٢٣ ، ٣٢٤ -
عبدالحنان ، مولانا : ٤٢ -
عبدالحی (بڈھانوی) مولانا : ١٥٦ ، ١٥٩ ، ١٦٣ ، ١٦٥ -
عبدالحی حصاری ، خواجہ ١٠٢ (ح)
عبدالحی ڈاکٹر : ٣٥١ -
عبدالحی فرنگی محلی (بن مولوی عبدالحلیم بن مولوی امین اللہ) ، حضرت مولانا : ١٤٣ ، ١٧٦ ،

۲۵۷ -

عبدالحی مولانا : ۳۲ ، ۳۴ -

عبدالرحمٰن امرتسری ، حافظ :
۱۱۴ -

عبدالرحمٰن پانی پتی ، قاری :
۳۰۰ -

عبدالرحمٰن خان ، حاجی : ۳۱۷ -

عبدالرحمٰن، خواجہ، مفتی : ۳۰۴ -

عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیہ :
۲۰۶ -

عبدالرحمٰن ، سید (خواہر زادہ
حضرت سید احمد شہید): ۱۶۱ -

عبدالرحمٰن المحض، نقیب‌الاشراف،
سید : ۲۵۸ -

عبدالرحمٰن گجراتی ، ملا : ۲۴ -

عبدالرحمٰن ، مولانا : ۹۲ -

عبدالرحیم دہلوی ، شاہ : ۱۳۲ -

عبدالرحیم رائے پوری ، حضرت
مولانا : ۱۹۵ -

عبدالرحیم سندھی ، شیخ : ۱۹۵ -

عبدالرحیم صدیقی ، مولانا : ۴۲ -

عبدالرشید جونپوری ، شیخ : ۲۸ -

عبدالرؤف ، ماسٹر : ۲۱۷ ، ۲۳۷،
۲۸۶ -

عبدالسلام ندوی ، مولانا : ۱۸۶ ،
۲۳۳ ، ۲۳۴ ، ۳۲۷ ، ۳۲۹ ،
۳۶۲ -

عبدالسلام نیازی ، مولانا : ۳۳۹ -

عبدالشکور خان ، حاجی : ۲۹۸ ،
۳۱۷ -

عبدالعزیز ، مولانا : ۳۰۴ -

عبدالعلی آسی (آسی) مولوی: ۲۷۴،
۲۷۵ -

عبدالعلی بن نظام الدین ملک‌العلماء :
۱۶۷ -

عبدالعلی رامپوری ، مولوی :
۲۰۵ -

عبدالعلی محدث دہلوی ، حضرت
مولانا : ۳۸۳ -

عبدالعلیم میرٹھی ، مولانا : ۲۱۲ -

عبدالغفور ڈپٹی کلکٹر ، مولوی :
۱۸۵ -

عبدالغنیؔ فرخ آبادی ، مولوی :
۲۹۹ ، ۳۱۷ -

عبدالقادر بدایونی ، ملا : ۹۶ -

عبدالقادر دہلوی ، شاہ : ۳۳ -

عبدالقادر عبادی ، مولانا : ۲۷۴ -

عبدالقادر (والد مولانا عبدالماجد
دریا آبادی) : ۴۱۲ -

عبدالقدوس گنگوہی ، شیخ : ۱۸ ،
۲۰ ، ۹۴ -

عبدالقدیر بدایونی (مفتی عدالت
العالیہ حیدر آباد دکن) مولانا :
۲۲۵ -

عبدالقوی برہان پوری ، شیخ :
۲۸ -

Marfat.com

عبداللطیف جون پوری ، ملا : ۲۹ -
عبداللطیف ، مفتی (صدارت العالیہ) ۳۲۵ ، ۳۳۵ -
عبداللہ ، سید ، ڈاکٹر : ۲۰۷ -
عبداللہ العمادی (عمادی) علامہ : ۲۷۰ ، ۲۷۲ ، ۲۷۴ ، ۲۷۵ ، ۲۷۶ ، ۲۷۷ ، ۲۷۸ ، ۲۷۹ ، ۲۸۲ ، ۲۸۳ ، ۲۸۴ ، ۴۱۵ -
عبدالماجد بدایونی ، مولانا : ۲۳۹ ، ۲۴۰ ، ۲۴۱ ، ۲۴۲ -
عبدالماجد دریا بادی (مولانا ماجد) مولانا : ۳۲۹ ، ۳۵۲ ، ۳۵۳ (ح) ۳۶۱ ، ۴۱۰ ، ۴۱۱ ، ۴۱۲ ، ۴۱۳ ، ۴۱۴ ، ۴۲۱ ، ۴۲۳ ، ۴۲۴ ، ۴۲۵ ، ۴۲۶ ، ۴۲۷ ، ۴۲۸ ، ۴۳۰ ، ۴۳۱ ، ۴۳۲ ، ۴۳۳ ، ۴۴۲ ، ۴۴۴ -
عبدالمجید خاں ، حکیم : ۲۷۴ -
عبدالواحد معینی ، سید : ۱۱۲ (ح) -
عبید شاعر (بد اعتقاد) : ۱۶ -
عبید اللہ بارھوی ، شیخ : ۱۳۳ -
عبدالمقتدر ، قاضی : ۱۷۸ -
عبدالنبی ، شیخ : ۲۰ ، ۲۱ ، ۲۲ -
عبدالولی : ۲۷۵ -
عبیداللہ انور (بن مولانا احمد علی لاہوری) مولانا : ۴۰۸ -
عبداللہ غازی پوری ، مولانا : ۳۶۱ -
عبیداللہ سندھی ، مولانا : ۱۹۵ ، ۱۹۶ ، ۴۰۰ ، ۴۰۱ ، ۴۰۲ ، ۴۰۳ ، ۴۰۵ -
عتیق الرحمٰن سفتی : ۴۲ -
عرفی : ۳۱۳ -
عزالدین بن عبدالسلام ، سلطان العلماء حضرت شیخ : ۲۵۰ -
عزیز گل ، مولانا : ۱۹۵ ، ۱۹۶ ، ۱۹۷ ، ۲۰۰ -
عزیزالرحمٰن خاں : ۳۱۷ -
عزیزالرحمٰن ، مولانا ، مفتی : ۱۷۰ ، ۲۱۷ ، ۲۱۸ ، ۲۱۹ ، ۲۳۷ ، ۳۸۳ ، ۳۸۶ -
عزیز مرزا ، مولوی : ۱۸۴ -
عطاء اللہ شاہ بخاری ، سید : ۴۰۳ -
عطا محمد ، شیخ (برادر علامہ اقبال) ۸۲ -
عطا محمد ، ایم ۔ اے ، شیخ (مرتب اقبال نامہ) ۳۱۵ -
عظیم الشان : ۹۰ (ح) -
علاء الدین خلجی ، سلطان : ۱۴ -
علاء الدین مقری ، مولانا : ۱۴ -
علامہ شکیب ارسلان : ۳۶۰ -
حضرت علی رض : ۲۲۰ -
علی بخش : ۸۳ ، ۹۱ -
علی برادران (مولانا محمد علی جوہر

Marfat.com

اور مولانا شوکت علی) : ۲۰۹ -
علی حبیب نصر پھلواروی، مولانا، شاہ مصباح الطالبین : ۳۶۱ -
علی حسین ، حکیم : ۲۵۷ -
علی وردی خان : ۱۲۲ -
علیم الدین ، مولانا : ۱۶ -
عماد الدین حسام ، درویش ، واعظ : ۱۴ -
عماد الدین ، شیخ (جد اعلیٰ مولانا عبداللہ العمادی) : ۲۷۳ -
عماد فقیہ : ۲۸۱ -
عمر خیام : ۳۳۱ -
عنایت اللہ کاکوروی ، مولانا ، مفتی : ۳۶ -
عنایت رسول چریا کوٹی ، مولانا : ۱۷۵ -

غ

غازی خان بدخشی : ۹۶ -
غالب : ۱۶۹ ، ۳۹۳ -
غزالی ، امام : ۱۵ ، ۲۶ ، ۲۹ ، ۱۳۸ -
غلام احمد قادیانی مرزا : ۲۵۳ -
غلام بھیک نیرنگ، میر (میر نیرنگ): ۲۳۹ ، ۲۹۶ ، ۳۱۴ ، ۳۱۶ -
غلام رسول سرحدی ، مولانا : ۲۸۷ -
غلام رسول مہر ، مولانا : ۱۵۴ ، ۱۶۰ (ح) ، ۱۶۱ (ح) ، ۱۶۵ (ح) ، ۳۱۹ -
غلام رسول ہزاروی ، مولانا : ۲۴۷ -
غلام علی ، شاہ : ۳۴ -
غلام قادر بیگ بریلوی ، مرزا : ۲۰۵ -
غلام محمد بی - اے (عثمانیہ) : ۳۴۹ ، ۳۵۰ -
غلام محمد ، دین پوری ، حضرت : ۱۹۵ ، ۱۹۸ ، ۳۰۲ -
غلام محمد خان : ۲۹۸ -
غلام محمد صوفی پورہ ، مولانا : ۲۴۶ -
غلام محمد (مالک اخبار الوکیل) ۲۷۷ -
غلام مرتضیٰ ، مولوی : ۲۳۲ -
غلام مرشد ، مولانا : ۳۹۹ -
غلام مصطفیٰ تبسم ، صوفی : ۴۸ -
غلام مصطفیٰ خانصاحب ، ڈاکٹر : ۲۱۵ (ح) -
غوص ، ملا : ۲۸ -
غلام نجف خان دہلوی ، حکیم ، بن مسیح الدین شیخوپوری بدایونی (ملقب بہ عضد الدولہ) ۲۲۴ (ح) -
غیاث الدین (بلبن) سلطان : ۱۴ -

Marfat.com

ف

فاروق اعظم (عمر فاروق - حضرت) حضرت عمرؓ بن الخطاب :
۱۰۱ ، ۱۳۲ -
فاروق چریا کوٹی ، مولانا : ۲۷۶ -
فاطمہ (والدہ شاہ عبدالقادر دہلوی):
۱۵۳ -
فانی بدایونی ، حضرت : ۳۱۵ -
فتح خان ، افغان : ۹۸ -
فتح اللہ ، مولوی : ۳۷۲ ، ۳۷۳ -
فتح علی ، شیخ (دادا شیخ الہند)
۱۹۲ -
فخری ، مرزا : ۲۸۰ -
فرخ سیر : ۹۰ ، ۱۲۲ ، ۱۲۳ -
فرزند علی ماربروری ، میر : ۲۹۸ -
فرید بخاری ، شیخ : ۲۳ -
فرید الحق ، شاہ ، پروفیسر :
۲۰۶ (ح) ، ۲۰۷ (ح) -
فضل امام ، مولوی : ۱۷۸ (ح) -
فضل حق خیر آبادی ، مولانا :
۳۶ ، ۱۷۸ ، ۲۲۲ -
فضل ربی ، مولانا : ۱۹۵ -
فضل الحق ، مولانا : ۴۰۷ -
فضل الدین احمد ، مولوی: ۳۸۹ -
فضل الرحمٰن عثمانی (والد مولانا شبیر احمد عثمانی) مولانا: ۲۸۶،
۲۸۷ -
فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی ، مولانا : ۱۸۵ ، ۲۵۹ ، ۲۶۱ ،
۲۹۹ (ح) ، ۳۰۱ ، ۳۰۲ -
فضل الرحمٰن ، مولوی : ۱۷۰ -
فیروز خان نون : ۵۸ -
فیروز شاہ تغلق ، ۱۶ ، ۱۷ -
فیض احمد بدایونی ، مولانا : ۳۶ -
فیض الحسن سہارنپوری ، مولانا :
۱۷۶ ، ۱۷۷ ، ۱۷۸ -
فیضی (ابو الفیض) : ۲۰ ، ۲۵ ،
۹۲ ، ۹۳ ، ۱۷۵ -

ق

قاسم امین بے : ۴۳۹ -
قاضی ، بدخشانی : ۲۴ -
قاضی خان بدخشی : ۲۱ -
قاضی عبدالغفار : ۳۹۴ -
قائداعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ:
۲۸ ، ۳۴ ، ۳۸ ، ۳۹ ، ۴۳ ،
۴۵ ، ۴۶ ، ۴۹ ، ۵۰ ، ۵۱
۵۲ ، ۵۳ ، ۵۵ ، ۵۹ ، ۶۱ ،
۷۰ ، ۱۳۱ ، ۱۶۵ ، ۲۶۷ ،
۲۹۰ ، ۳۹۷ -
قباچہ : (دیکھیں ناصر الدین قباچہ)
قطب الدین ایبک ، سلطان : ۱۰ -
قدرت اللہ ، مولانا ، شاہ : ۲۵۷ -
قربان علی بیگ ، سالک ، مرزا :
۴۳۷ -
قوشجی : ۲۲۴ -

Marfat.com

قطب الدین حسینی، شمس آبادی ، شیخ : ۱۱۸ -
قطب الدین خان کوکہ : ۹۷ -
قطب الدین سہالوی ، ملا: ۱۱۸ -
قطب الدین علوی ، ملک : ۱۴ -
قیس : ۴۳ -

ک

کاتبی : ۲۸۱ -
کارلائل : ۵۵ -
کانٹ : ۴۲۷ ، ۴۲۸ -
کانگریس : ۳۶ ، ۳۸ ، ۳۹ ، ۴۰ ، ۴۱ ، ۴۳ ، ۴۹ ، ۵۶ ، ۵۷ ، ۶۳ ، ۶۴ -
کرامت علی جونپوری ، مولوی ، سید : ۱۷۱ -
کرنل شاہ : ۳۴۷ -
کریم الدین ، مولانا : ۱۴ -
کریم اللہ خاں میواتی : ۱۶۱ -
کفایت اللہ ، حضرت ، مولانا : ۴۰ ، ۴۲ ، ۵۵ ، ۲۵۰ ، ۴۴۱ -
کلثوم (نواسی شاہ عبدالقادر دہلوی) ۱۵۳ -
کمال کشمیری ، مولانا : ۹۲ -
کمال الدین کشمیری شیخ : ۱۱۳ -
کیقباد : ۱۳ -

گ

گرامی ، مولانا : ۲۹۶ -
گاندھی جی : ۲۰۹ ، ۳۰۶ ، ۳۹۷ ، ۴۲۱ -

ل

لارڈ کیننگ ویسرائے : ۳۴ -
لارڈ لٹن : ۱۷۲ -
لطف الدولہ مرحوم ، نواب (صدر المہام امور مذہبی حیدر آباد دکن) ۳۰۸ -
لطف علی بہاری ، مولانا : ۲۲۳ -
لطف اللہ ، مولانا : ۲۹۹ -
لعل کنور : ۱۲۲ ، ۱۲۳ -

م

مارگولیتھ : ۴۳۰ -
مبارک ، شیخ : ۲۱ -
مجدد الف ثانی (مجدد ، شیخ مجدد ـ احمد سرہندی ، بدر الدین ، ابوالبرکات) حضرت شیخ : ۲۴ ، ۲۵ ، ۲۶ ، ۲۷ ، ۲۸ ، ۳۷ ، ۸۹ ، ۹۰ ، ۹۱ ، ۹۲ ، ۹۳ ، ۹۴ ، ۹۵ ، ۹۶ ، ۹۷ ، ۹۸ ، ۹۹ ، ۱۰۰ ، ۱۰۲ ، ۱۰۴ ، ۱۰۵ ، ۱۰۶ ، ۱۰۷ ، ۱۱۳ ، ۱۴۹ ، ۱۵۰ ، ۳۴۲ -
مجید ملک مرحوم : ۲۲۲ ، ۲۲۹ -
مچھلی والے شاہ صاحب : ۲۲۷ -
محب اللہ الہ آبادی صاحب تسویہ شیخ : ۱۱۹ -

Marfat.com

محب اللہ ، قاضی : ۱۱۷ ، ۱۳۹ -
محب اللہ ، ملا (بہاری) : ۲۵۰ -
محب الدین خطیب : ۳۶۰ -
محبوب الرحمٰن (عرف بنے میاں) : ۳۱۷ -
محسن الملک (مہدی علی) نواب : ۱۷۱ ، ۲۶۳ -
محمد ابراہیم، شاگرد مولانا ہدایت اللہ جونپوری ، مولانا : ۳۹۱ -
محمد احسن استہانوی بہاری ، مولانا : ۲۶۲ (ح) -
محمد احسن گیلانی ، مولانا : ۲۲۲ -
محمد احمد ، حافظ ، مولانا (مہتمم دارالعلوم دیوبند) ۲۱۸ -
محمد احمد ، مولانا سید (بن حکیم برکات احمد ٹونکی) : ۲۲۵ ، ۲۲۸ -
محمد ادریس ، صوفی : ۳۵۰ -
محمد اسحاق امرتسری ، مولانا : ۲۴۷ -
محمد اسحاق (برادر مولانا شبلی) : ۱۸۸ -
محمد اسحاق دہلوی ، شاہ : ۳۳ -
محمد اسحاق فرخ آبادی (مولوی) : ۲۱۸ -
محمد اسماعیل، مرزا (سابق وزیراعظم ریاست حیدرآباد دکن) : ۳۱۶ -
محمد آفاق دہلوی ، شاہ : ۳۰۱ (ح) -
محمد افضل جونپوری : ۱۰۹ ، ۱۱۰ -
محمد افضل سیالکوٹی ، مولانا : ۱۳۴ -
محمد افضل ، شیخ : ۱۱۸ (ح) -
محمد اکرام ، شیخ : ۱۳۵ -
محمد امین زبیری : ۱۸۸ -
محمد امین کشمیری ، مولانا : ۳۲ -
محمد ایوب پھلتی ، قاضی القضات : ۲۲۴ -
محمد باقر داماد حسینی سید : ۱۱۹ -
محمد بشیر صاحب سہسوانی، مولوی : ۳۷۱ -
محمد بن ابی بکر صدیق رض ، حضرت : ۱۳۶ -
محمد بن احمد البیرونی : ۱۰ -
محمد بن تغلق : ۱۵ ، ۱۶ -
محمد بن عبدالوہاب نجدی ، شیخ : ۳۷۳ -
محمد بن علی شوکانی : ۲۹۹ (ح) -
محمد بن فضل اللہ ، شیخ : ۱۱۲ -
محمد بن قاسم : ۷ ، ۹ -
محمد بن الحسن شیبانی ، امام : ۶۰ -
محمد تقی خاں (والد محترم مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی) : ۲۹۸ -
محمد حسن تلمیذ مولانا آزردہ ، مولانا: ۲۲۳ -
محمد حسن ، حکیم : ۲۸۷ -

Marfat.com

محمد حسین آزاد ، مولانا : ۱۸۰ ،
۳۹۳ -
محمد حسین الہ آبادی ، مولانا :
۲۵۹ -
محمد حسین چوہدری : ۹۱ -
محمد حسین قادری پھلواری ، مولانا :
۲۵۷ -
محمد حنیف ندوی ، مولانا : ۱۸۶ -
محمد داؤد ، حکیم ، شاہ (والد محترم
شاہ سلیمان پھلواری) : ۲۵۷ ،
۲۶۱ -
محمد دین فوق ، منشی : ۱۱۱ ،
۱۱۲ -
محمد سعید ، خواجہ : ۱۰۸ -
محمد سلیمان منصور پوری ، قاضی
(مصنف رحمۃ اللعالمین): ۲۶۲ -
محمد سہول بھاگلپوری، مولانا : ۱۹۶ -
محمد شاہ ، شیخ : ۱۰۹ -
محمد شاہ (بادشاہ) : ۱۲۳ -
محمد شریف اعظم گڑھی ، مولانا :
۲۲۵ -
محمد شفیع ، مفتی : ۶۲ -
محمد شیر (معروف بہ حکیم میر مہدی)
۳۲۲ -
محمد صادق ، خواجہ : ۱۰۸ -
محمد صادق کراچوی ، مولانا : ۱۹۵ -
محمد صدیق اکبر : ۲۰۴ -
محمد صدیق بیرچونڈی والے ، حضرت
حافظ : ۴۰۱ (ح) ، ۴۰۲ -
محمد طاہر قاسمی ، مولانا : ۵۷ -
محمد طیب عرب : ۲۷۴ -
محمد عابد خاں شروانی رئیس بھیکن پور:
۳۱۷ -
محمد عاشق (عاشق حسین) پھلتی ،
شاہ ، شیخ : ۲۲ ، ۳۲ ، ۱۳۳ ، ۱۳۶ ،
۱۴۷ ، ۱۴۸ ، ۱۵۲ -
محمد عبدالشکور ، حکیم : ۳۵۸ -
محمد عبداللہ قریشی ، جناب : ۲۷۱ -
محمد علی (جوہر) مولانا : ۲۶ ، ۴۸ ،
۶۳ ، ۱۶۵ ، ۳۶۱ ، ۳۷۵ ،
۴۲۳ ، ۴۲۷ ، ۴۲۸ ، ۴۲۹ ،
۴۳۰ ، ۴۳۱ ، ۴۳۲ ، ۴۴۲ ،
۴۴۹ -
محمد علی صاحب کانپوری ، سید :
۱۸۵ -
محمد علی لاہوری : ۴۲۲ -
محمد عمر ، مولوی : ۱۷۷ -
محمد عیسیٰ ، خواجہ : ۱۰۸ -
محمد فاروق (چریا کوٹی) مولانا :
۱۷۴ ، ۱۷۵ ، ۱۷۶ ، ۳۲۵ -
محمد فرخ ، خواجہ : ۱۰۸ -
محمد صالح : ۱۱۳ -
محمد فاضل ، مولوی : ۴۴۱ -
محمد قاسم نانوتوی ، مولانا : ۱۷۰ ،
۱۹۳ ، ۱۹۴ ، ۲۱۷ ، ۲۸۹ ،
۲۹۲ ، ۳۴۱ -

Marfat.com

محمد کریم ، مولوی : ۴۲۶ -
محمد معصوم ، خواجہ (صاحبزادہ حضرت مجدد صاحب) ۱۰۵ ، ۱۰۸ -
محمد معظم شاہ (والد محترم حضرت علامہ انور شاہ کشمیری) حضرت مولانا : ۲۴۶ ، ۲۴۸ -
محمد میاں (عرف مولانا منصور انبہٹوی : ۱۹۶ -
محمد میاں ، مولانا (ناظم جمعیۃ العلماء ہند) : ۱۲۱ (ح) ، ۱۴۸ -
محمد نبی ، مولانا : ۱۹۷ -
محمد نعیم انصاری ، ڈاکٹر : ۱۹۰ -
محمد ہادی رسوا لکھنوی ، مرزا : ۴۱۵ ، ۴۳۳ -
محمد ہاشم کشمی برہانپوری : ۱۰۲ (ح) -
محمد یحیی ، خواجہ : ۱۰۸ -
محمد یزدی، ملا ، (قاضی القضات) : ۲۱ ، ۹۷ -
محمد یاسین (مدرس فارسی دارالعلوم دیوبند) مولانا : ۲۸۷ -
محمد یاسین شیرکوٹی، مولانا : ۲۸۷-
محمد یعقوب کشمیری ، مولانا : ۹۲ -
محمد یعقوب نانوتوی ، مولانا : ۱۹۳ (ح) ، ۲۱۷ ، ۲۱۸ ، ۳۴۱ -
محمد یعقوب ، مولوی ، (أستاد مولانا
ابوالکلام آزاد) : ۳۹۱ -
محمد یوسف بنوری ، حضرت ، مولانا : ۲۵۱ -
محمد یوسف پھلتی ، مولوی : ۱۵۶ -
محمد یوسف ، شیخ : ۹۹ -
محمود احمد برکاتی ، حکیم ، مولانا : ۲۲۸ ، ۲۲۹ -
محمود جونپوری ، ملا : ۱۰۹ ، ۱۱۰ -
محمود بن محمد جونپوری ، علامہ : ۱۱۹ -
محمود جونپوی ، ملا : ۲۸ -
محمود غزنوی ، سلطان : ۹ -
محمود الحسن ، مولانا (حضرت شیخ الہند) : ۱۹۲ ، ۱۹۳ ، ۱۹۴ ، ۱۹۵ ، ۱۹۶ ، ۱۹۷ ، ۱۹۸ ، ۱۹۹ ، ۲۰۰ ، ۲۰۱ ، ۲۴۷ ، ۲۴۸ ، ۲۵۱ ، ۲۸۷ ، ۲۸۸ ، ۲۹۳ ، ۳۸۳ ، ۳۸۴ ، ۴۰۱ ، ۴۰۳ -
محی الدین ابن عربی ، حضرت شیخ : ۲۶۴ ، ۲۶۶ -
محی الدین سجادہ نشین ، پھلواری شریف ، مولانا : ۳۲۳ -
محی الدین (معروف بہ ملا سوہن) : ۲۹ -
مخدوم زادہ عباسی : ۱۶ -
مخدوم الملک (عبداللہ) سطان پوری

Marfat.com

شیخ الاسلام : ۲۰ -
مدار صاحب : ۱۳۱ -
مرزا حکیم : ۲۲ -
مرتضیٰ حسن چاند پوری ، مولانا: ۱۹۶ -
مزمل ، مولوی : ۲۳۲ -
مسٹر بیک (پرنسپل ایم - اے - او کالج) : ۱۷۲ -
مسعود احمد برکاتی : ۲۲۸ -
مسعود بن محمود : ۱۰ -
مسعود الرحمٰن خاں ، مولوی : ۳۱۷ -
مسعود عالم ندوی ، مولانا : ۳۵۷ ، ۳۵۸ ، ۳۵۹ ، ۳۶۰ ، ۳۶۱ ، ۳۶۲ ، ۳۶۳ ، ۳۶۴ ، ۳۶۵ ، ۳۶۷ -
مسعود علی محوی : ۲۸۴ -
مسعود علی ندوی، مولانا : ۳۲۷ -
مصطفیٰ رضا خاں، مولانا : ۲۱۲ -
مظہر کریم، مفتی شریعت : ۴۱۲ -
مظہر الدین مولانا (ایڈیٹر الامان) : ۲۶۷ ، ۲۶۸ ، ۲۶۹ -
مظفر الدین ، پیرزادہ : ۳۶۸ -
مظہر جانجاناں، مرزا : ۱۳۴ (ح)-
معز الدین بہرام شاہ : ۱۱ -
معز الدین سام ، سلطان : ۱۰ -
معز الملک ، قاضی القضات : ۲۱ ، ۹۷ -
معین الحق ، ڈاکٹر : ۱۷ (ح) ، ۲۵ -
معین الدین اجمیری ، مولانا : ۲۲۵ -
مفتی محمد امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین : ۳۶۷ -
مقصود علی اکھدوی ، مولوی : ۳۲۳ -
ملا بٹنی : ۳۰۱ -
ملا جیون : ۲۹ -
ملا حسن بن غلام مصطفیٰ : ۱۶۷ -
ملا خضر بٹنی : ۳۰۱ -
ملا (فاضل) کابلی : ۲۴ -
ملا محمود : ۱۷۰ ، ۱۹۳ -
ملک محمد دین (والد جناب مجید ملک مرحوم) : ۲۲۹ -
ملک لال خاں(مینیجر انجمن اسلامیہ گوجرانوالہ) ۴۰۴ -
ممتاز علی فرنگی محلی ، مولوی : ۲۷۴ -
مملوک علی نانوتوی ، مولانا : ۳۰۰ (ح) ، ۳۴۱ (ح) -
مناظر الحسن گیلانی ، مولانا : ۲۲۵ ، ۲۲۶ ، ۳۱۵ -
منصور انصاری ، مولانا : ۱۹۵ -
منفعت علی دیوبندی ، مولوی : ۲۱۸ -

Marfat.com

منہاج سراج الدین سراج جوزجانی ، مولانا : ۱۱ ، ۱۲ ، ۱۳ -
موسیٰ بن یعقوب ثقفی سندھی ، محدث ، قاضی القضات : ۸ -
مولانا روم (پیر روم، پیر رومی) ۶۵ ، ۶۶ ، ۷۸ ، ۷۹ ، ۳۲۶، ۳۲۷ -
سوید جاجرمی ، ملک : ۱۴ -
مہتاب علی ، مولانا : ۱۹۳ -
مہدی (برادر مولانا شبلی) ۱۸۱ -
مہدی حسن افادی الاقتصادی : ۱۶۹ -
مہر علی شاہ گولڑوی ، حضرت ، سید : ۲۴۵ -
مہروک : ۸ -
میاں جی منگلوری : ۱۹۳ -
میاں عبدالرحمٰن شاہ : ۴۰۴ -
میاں میر لاہوری ، حضرت : ۲۴ ، ۲۸ -
میاں نذیر حسین محدث دہلوی : ۱۷۶ -
میراں صدر جہاں : ۲۱ -
میر حسن ، سید ، شمس العلما (آستاد علامہ اقبال) : ۲۳۱ ، ۲۳۲ ، ۲۳۳ ، ۲۳۴ ، ۲۳۵ ، ۲۳۶ -
میر عثمان علی خان (آصف سابع ، اعلیٰ حضرت والی حیدر آباد دکن) : ۲۷۱ ، ۲۷۹ ، ۳۰۱، ۳۰۶ ، ۳۰۸ ، ۳۱۴ -
مہر علی شاہ گولڑوی پیر، حضرت : ۲۹۹ (ح) -
میر محمد زاہد ہروی : ۲۸ -
میر نظام علی خان : ۴۳۷ -

ن

نادر شاہ : ۱۲۲ ، ۱۲۳ ، ۱۳۷ -
نادر خان (شاہ افغانستان) : ۳۳۱ -
ناصر الدین شہید ، سید : ۱۳۲ -
ناصر الدین قباچہ : ۱۱ -
ناصر الدین محمود ، سلطان : ۱۱ ، ۱۲ -
نجم الدین دمشقی ، مولانا : ۱۳ -
نجم الدین حضرت مولانا : ۴۰۷ -
نجیب اشرف ، سید : ۱۸۶ -
ندیم اللہ حسینی، مولوی ، مولوی : ۴۳۸ -
نذیر احمد دہلوی ، شمس العلماء ، مولوی : ۴۳۳ -
نذیر نیازی : سید : ۳۶۹ -
نذیر الحسن ، اسٹھوی ، مولوی : ۱۹۱ -
نزاری : ۲۸۱ -
نظم طباطبائی ، علامہ : ۴۱۵ -
نظام الدین بریلوی ، شاہ (بن شاہ نیاز احمد بریلوی : ۲۵۹ -
نظام الدین محبوب الٰہی ،

Marfat.com

سلطان المشائخ ، خواجہ : ۱۲ ،
۱۵ ، ۳۳ ، ۸۱ ، ۳۳۱ -
نظام الملک : ۱۲۲ -
نظامی (حکیم الیاس بن یوسف بن
زکی) : ۲۷۱ (ح) -
نعیم الدین مراد آبادی ، مولانا :
۲۱۲ -
نقشبند ، خواجہ : ۱۰۱ -
نقی علی خان ، مولوی (والد محترم
مولانا احمد رضا خان صاحب
بریلوی) : ۲۰۵ -
نکلسن ، پروفیسر : ۳۶۸ -
نوابِ بہادر یار جنگ : ۴۱۵ -
نواب حمید اللہ خان (والیٔ بھوپال) :
۳۳۹ -
نواب زادہ لیاقت علی خان شہید :
۲۹۱ -
نواب شاہجہاں بیگم : ۳۷۱ -
نواب صدیق حسن خان : ۳۷۱ -
نواب عالم خان : ۴۳۷ -
نواب فیض اللہ : ۱۶۷ -
نواب نیاز بہادر : ۴۳۷ -
نواب والا محمد علی خان رئیس کرناٹک :
۱۶۷ (ح) -
نور الاسلام (بن سلام اللہ) رامپوری
مولانا : ۱۶۶ ، ۱۶۷ -
نور اللہ بڑھانوی ، مولانا : ۳۲ ،
۱۴۸ ، ۱۵۲ (ح) -
نور اللہ شوستری ، قاضی : ۲۴ -
نور کریم ، مولوی ، حکیم : ۴۱۲ -
نور محمد شیخ (والد محترم علامہ
اقبال : ۲۳۲ ، ۲۳۵ -
نیاز الدین خان : ۳۷ -
نیاز فتح پوری ، جناب : ۴۴۰ -

و

وارث علی شاہ ، حاجی : ۲۵۹ -
واشنگٹن اردن : ۴۱۸ -
وحشی : ۲۸۱ -
وحید احمد، مولانا : ۱۹۷، ۲۰۰ -
وحید الدین سلیم ، مولانا : ۴۱۵ -
وفد اللہ مالکی، مکی ، شیخ : ۱۳۴ -
ولی اللہ محدث دہلوی ، شاہ :
۲۸ ، ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۳ ، ۱۲۰ ،
۱۲۳ ، ۱۲۹ ، ۱۳۰ ، ۱۳۲ ،
۱۳۳ ، ۱۳۴ ، ۱۳۵ ، ۱۳۸ ،
۱۳۹ ، ۱۴۰ ، ۱۴۳ ، ۱۴۴ ،
۱۴۵ ، ۱۴۶ ، ۱۴۸ ، ۱۵۲ ،
۱۵۴ ، ۱۵۶ ، ۱۵۸ ، ۱۶۲ ،
۱۸۸ -
ولی محمد (پھلتی) شیخ : ۱۳۱ ،
۲۲۳ -

ہادی حسن ، مولوی : ۱۹۷ -
ہاشم ، مولانا : ۲۹ -

Marfat.com

ہدایت اللہ خاں رامپوری ، مولانا : ۲۶۲ (ح) ، ۲۷۴ ، ۲۹۸ -
ہکسلے (پروفیسر) ۴۱۷ -
ہولاگو : ۲۸۲ -
ہیوم ، مسٹر : ۳۶ -

ی

یار محمد بدخشی، خواجہ : ۱۰۲ (ح)-
یاسین شاہ (برادر مکرم حضرت علامہ انور شاہ کشمیری) : ۲۴۶ -
یعقوب قاضی : ۲۲ -
یونس فرنگی محلی ، مولانا : ۳۲۹ -

——:o:——

Marfat.com

مقامات

الف ممدودہ

آسام : ۱۵۱ -
اعظم گڑھ: ۱۷۴ ، ۱۷۹ ، ۱۸۰ ، ۱۸۸ ، ۳۲۷ -
آکسفورڈ : ۴۳۰ -
آگرہ : ۲۱ ، ۹۲، ۱۵۵، ۳۹۶ -
آگرہ کالج : ۳۰۰ -
آل انڈیا مسلم لیگ (مسلم لیگ) : ۲۶۳ ، ۲۶۷ ، ۲۶۸ ، ۲۶۹ ، ۲۹۰ -
آل انڈیا نیشنل کانگرس دہلی : ۳۹۷ -
آل پاکستان ایجوکیشن (کانفرنس کراچی : ۲۶۱، ۳۰۴، ۳۰۵ -

الف مقصورہ

اجمیر : ۱۰۷ -
اُچ : ۱۱ -
احتفال علمائے اسلام کانفرنس) : ۳۴۷ -
احرار : ۴۴۷ -
اسپین : ۸۲ -
استنبول : ۱۱۴ -
اسٹریچی ہال : ۳۰۶ -
اسلام پور : ۳۲۳ -
اسلامک اسٹڈیز : ۳۰۶ -
اسلامیہ اسکول اٹاوہ : ۳۰۹ -
اصفہان : ۶۹ ، ۲۸۰ -
اطالیہ : ۱۹۷ (ح) -
افغانستان : ۸۰ ، ۱۰۰ ، ۱۹۶ ، ۲۹۳ ، ۳۳۱ ، ۴۰۵ -
اقبال اکادمی کراچی : ۲۲۹ -
اگانواں (گاؤں) : ۳۵۸ -
الہ آباد : ۴۶ ، ۱۵۱ ، ۲۷۲ ، ۳۹۸ ، ۴۳۷ -
امرتور (یا امرتھوا) موضع : ۲۷۴ -
امرتھوا (موضع) ۲۷۳ -
امروٹ (ضلع سکھر) : ۱۹۵ ، ۴۰۲ -
امیٹھی : ۱۱۸ -
امریکہ : ۱۹۸ ، ۳۵۰ -
انارکلی (لاہور) : ۸۱ -
انجمن اسلامیہ رائچور : ۳۰۷ -
انجمن تبلیغ اسلام : ۳۰۵ -

Marfat.com

انجمن ترقی آردو : ۳۰۵ ، ۳۱۳ ، ۳۱۷ -
انجمن حمایت اسلام لاہور : ۲۰۵ ، ۳۰۹ ، ۳۳۳ ، ۳۰۸ -
انجمن خدام الدین (لاہور) : ۲۳۷ ، ۲۸۶ ، ۲۵۳ ، ۳۹۹ (ح) ، ۳۰۷ ، ۳۰۸ -
اناؤ ضلع : ۳۸۳ -
اندور ، ریاست : ۲۲۶ -
انڈمان : ۱۷۸ (ح) -
انگلستان : ۲۶۷ ، ۳۳۱ -
اودھ : ۱۲۲ ، ۲۷۳ ، ۳۱۲ ، ۲۷۴ -
اورینٹل کالج لاہور : ۸۱ ، ۱۷۸ -
اورنگ آباد دکن : ۳۳۸ ، ۳۳۹ -
ایران : ۶۵ ، ۷۸ (ح) ، ۸۰ ، ۱۱۱ ، ۲۸۱ ، ۲۸۲ -
ایسٹ انڈیا کمپنی : ۱۵۲ -
ایشیا (جنوبی ایشیا) : ۱۱۱ ، ۲۲۳ ، ۳۷۹ -
ایم - اے او ہائی اسکول : ۱۷۱ ، ۱۷۲ -

ب

باب النساء : ۳۸۴ -
بابو چیک : ۴۰۰ -
باڑہ ہندو راؤ : ۴۱ -
بازار سریانوالہ : ۴۰۴ -
بالا کوٹ : ۳۴ ، ۱۶۱ ، ۱۶۲ ، ۱۶۳ ، ۱۶۵ -
باندہ : ۳۰۰ (ح) -
بانگر مئو (موضع) ۳۸۳ -
بجنور : ۲۶۷ ، ۲۸۷ -
بخارا : ۱۹۷ (ح) -
بریلی (روہیلکھنڈ) : ۲۰۵ ، ۲۰۶ -
بستی : ۱۸۰ -
بصرہ : ۲۴۷ -
بغداد : ۲۸۲ ، ۳۱۵ -
بلقان : ۱۹۴ ، ۲۴۰ ، ۲۸۹ ، ۳۰۱ -
بلگرام (قصبہ) : ۳۷۲ -
بلند شہر (ضلع) : ۱۵۹ -
بلوچستان : ۵۱ ، ۸۶ -
بمبئی : ۳۶ ، ۱۷۹ ، ۱۸۸ ، ۲۰۱ ، ۲۰۹ ، ۳۹۰ ، ۳۹۱ -
بنارس : ۱۱۷ ، ۱۱۸ ، ۳۲۱ -
بندول (گاؤں) : ۱۷۴ ، ۱۷۵ ، ۱۸۹ -
بنگال : ۲۱ ، ۲۲ ، ۳۸ ، ۴۰ ، ۹۷ -
بہار شریف (قصبہ) : ۳۵۸ -
بہار (صوبہ) ۲۵۶ ، ۲۵۷ ، ۲۵۸ ، ۲۶۰ ، ۲۶۲ (ح) ، ۲۶۴ -
بہارو : ۱۶۷ (ح) -
بہاولپور : ۲۵۴ ، ۲۹۴ -
بھوپال : ۸۲ -

Marfat.com

بھوپال (ریاست) : ۸۲ ، ۲۲۴ ، ۳۳۹ ، ۳۷۱ - ۳۷۲ ، ۳۷۵ ، ۳۷۷ ، ۴۳۹ ، ۴۴۰ ، ۴۴۲ ،
بیت المقدس : ۸۲ ، ۴۲۷ (ح) -
بیروت : ۲۷۵ -

پ

پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی : ۳۴۶ -
پاک و ہند (پاکستان - پاک مملکت جمہوریہ اسلامیہ پاکستان) : ۳۰ ، ۳۱ ، ۴۲ ، ۴۳ ، ۵۷ ، ۵۸ ، ۵۹ ، ۶۰ ، ۶۱ ، ۶۲ ، ۶۳ ، ۶۴ ، ۷۰ ، ۸۱ ، ۱۳۱ ، ۱۵۹ ، ۱۶۵ ، ۱۷۶ ، ۱۸۰ ، ۱۹۳ ، ۲۰۷ ، ۲۱۱ ، ۲۱۳ ، ۲۱۵ ، ۲۵۶ ، ۲۶۰ ، ۲۹۰ ، ۲۹۲ ، ۲۹۳ ، ۳۰۳ ، ۳۰۴ ، ۳۰۵ ، ۳۳۳ ، ۳۴۴ ، ۳۴۵ ، ۳۴۷ ، ۳۶۴ ، ۳۹۷ ، ۴۰۰ ، ۴۰۸ ، ۴۰۹ ، ۴۱۵ ، ۴۴۴ ، ۴۴۷ ، ۴۵۱ ، ۴۵۳ -
پٹنہ ضلع : ۲۵۶ ، ۳۵۳ ، ۳۶۲ -
پٹھانکوٹ : ۴۳۵ ، ۴۴۳ ، ۴۴۷ ، ۴۴۸ -
پٹیالہ (ریاست) : ۲۶۲ (ح) -
پشاور : ۴۰۵ -
پلاسی : ۱۵۱ -
پلکھنہ : ۲۹۹ (ح) -
پنجاب : ۳۰ ، ۵۲ ، ۵۴ ، ۸۱ ، ۸۷ ، ۸۹ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۵۲ ، ۱۶۸ ، ۲۵۳ ، ۲۶۰ ، ۲۷۲ ، ۳۷۲ ، ۴۰۰ ، ۴۰۶ ، ۴۳۵ -
پنج ند : ۱۱ -
پونہ : ۳۲۶ ، ۳۲۷ -
پونہ دکن کالج : ۳۲۶ -
پھلواری ، قصبہ : ۲۵۶ ، ۲۵۸ ، ۲۶۱ ، ۳۲۳ ، ۳۲۴ -
پیر الٰہی بخش کالونی (کراچی) : ۳۶۶ -

ت

تاج محل : ۱۵۵ ، ۳۳۰ -
تبریز : ۲۸۲ -
ترکی : ۸۷ (ح) ، ۸۰ -
تلونڈی ، کھجور والی ، قصبہ ، ضلع (گوجرانوالہ) : ۴۰۰ -
تھانہ بھون : ۲۵۲ ، ۳۳۶ ، ۳۳۹ -
تھانیسر : ۹۲ -

ٹ

ٹانڈہ : ۳۸۳ -
ٹیکنیکل کالج (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) : ۴۰۰ -
ٹونک (ریاست) : ۲۲۳ ، ۲۲۴ ، ۲۲۶ ، ۲۲۷ ، ۲۲۹ -

ج

جالندھر : ۳۶۴ ، ۴۰۴ -

Marfat.com

جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (جامعہ ڈابھیل) : ۲۳۹ ، ۲۸۹ -
جامعہ شرقیہ : ۳۳۹ -
جامعہ عباسیہ (بہاولپور) : ۲۹۴ -
جامعہ عثمانیہ (یونیورسٹی حیدر آباد دکن) : ۳۰۷ -
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی : ۲۰۱ ، ۳۳۳ ، ۳۷۵ -
جامع مسجد (دہلی) : ۱۵۵ -
جامع فسطاط : ۲۸۲ -
جاوید منزل (سیو روڈ) : ۸۱ ، ۸۲ -
جبل پور : ۳۴۰ ، ۳۴۱ -
جدہ : ۱۹۹ -
جرجانیہ (شہر) ۱۴۹ (ح) -
جلال قصبہ ضلع گوجرانوالہ : ۴۰۰ -
جماعت اسلامی : ۳۶۴ ، ۳۶۵ ، ۳۶۶ ، ۳۶۷ ، ۴۴۳ ، ۴۴۴ ، ۴۴۶ ، ۴۴۸ ، ۴۵۲ -
جمعیت الانصار (ادارہ) : ۲۰۱ ، ۲۸۸ -
جمعیت العلمائے ہند دہلی : ۲۶۸ ، ۲۸۹ ، ۲۹۰ ، ۴۴۱ ، ۴۴۲ ، ۴۴۷ -
جمعیت العلمائے ہند کانپور : ۲۶۸ -
جناح ہسپتال کراچی : ۳۴۷ -
جنوبی ہند : ۳۳۳ ، ۴۱۵ -
جنگل والی مسجد : ۴۱ -
جوالا مکھی کا مندر : ۱۷ -
جیزہ (جیل) : ۱۹۹ -
جون پور : ۲۱ ، ۲۲ ، ۹۷ ، ۲۷۰ ، ۲۷۳ -
جیراج پور (موضع) ضلع اعظم گڑھ : ۳۷۱ -

چ

چاٹگام : ۳۴۶ -
چھرہ رفعت پور ، قصبہ : ۳۰۲ -
چھندواڑہ جیل : ۴۲۷ -
چیلی پورہ ، محلہ اورنگ آباد دکن : ۴۳۸ -
چین : ۴ ، ۷۱ -

ح

حافظیہ شیراز (قبرستان): ۲۸۱ (ح) -
حبیب گنج : ۲۹۸ ، ۳۰۰ ، ۳۰۵ ، ۳۱۶ -
حبیب گنج لائبریری : ۲۹۸ -
حبیب منزل : ۳۰۰ -
حجاز : ۱۹۶ ، ۱۹۸ ، ۳۸۴ -
حرمین شریفین : ۱۳۳ ، ۱۴۷ ، ۱۹۴ ، ۱۹۶ ، ۲۰۶ ، ۲۲۵ ، ۳۴۳ ، ۴۰۵ ، ۴۳۱ -
حسن زئی ، قبیلہ : ۱۶۰ -
حوض علائی : ۱۷ -
حیدر آباد دکن : ۸۱ ، ۱۸۵ ،

Marfat.com

۱۸٦ ، ۲۲٦ ، ۲۷۸ ، ۲۷۹ ،
۲۸۳ ، ۲۸۵ ، ۳۰٦ ، ۳۰۷ ،
۳۰۸ ، ۳۱۳ ، ۳۱۵ ، ۳۱٦ ،
۳۳۵ ، ۳۳۷ ، ۳۳۸ ، ۳۴۲ ،
۳۴۳ -
حیدر آباد سندھ : ۳٦٦ -

خ

خان پور : ۳۰۲ -
خانقاہ اشرفیہ : ۳۳۱ -
خانقاہ مجیبی : ۳۲۳ -
خاکسار : ۳۴۷ -
خدا بخش لائبریری پٹنہ : ۳٦۲ -
خدام کعبہ : ۲۴۰ -
خوانسار : ٦۹ -
خیر آباد : ۲۲۷ -

د

دارالاسلام : ۳۳۵، ۳۳٦، ۳۴۹ -
دارالترجمہ (حیدر آباد دکن) :
۲۷۹ ، ۳۱۳ -
دارالعروبیہ لدعوۃ الاسلامیہ :
۳٦۳ -
دارالعلوم دیوبند : ۱۷۰ ، ۱۷۷ ،
۱۸۷ ، ۱۹۳ ، ۲۰۲ ، ۲۱۸ ،
۲۱۹ ، ۲۲۰ ، ۲۳۷ ، ۲۳۸ ،
۲۴۷ ، ۲۴۸ ، ۲۴۹ ، ۲٦۷ ،
۲۸۷ ، ۲۸۸ ، ۲۸۹ ، ۲۰۵ ،
۳۰۹ ، ۳۸۳ ، ۳۱۵ -
دارالمصنفین (اعظم گڑھ) : ۱۸٦ ،
۱۸۷ ، ۱۸۸ ، ۳۰۹ ، ۳۲۹ ،
۳۳۰ ، ۳۱۷ -
درہ دانیال : ۱۹۷ (ح) -
درہ گومل : ۱۱ -
دریاباد ، قصبہ : ۳۱۲ -
دریائے جمنا : ۱۵۵ -
دکن : ۱۲۲ ، ۳۰۷ ، ۳۱۵ ،
۳۱٦ ، ۳۳۷ -
دولت آباد : ۱٦ -
دائرۃ المعارف (ادارہ) : ۲۷۹ ،
۳۰۹ -
دہلی (شاہجہاں آباد) : ۱۰ ، ۱۱ ،
۱۵ ، ۱۷ ، ۲۵ ، ۳۳ ، ۳۵ ،
۳۹ ، ۴۵ ، ۴۹ ، ۹۴ ، ۹۵ ،
۱۱۱ ، ۱۳۲ ، ۱۳۳ ، ۱۳۷ ،
۱۴۵ ، ۱۵۵ ، ۱۵٦ ، ۱۵۸ ،
۱۷۷، ۱۹۵، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۲۳،
۲۲٦ ، ۲۳۵ ، ۲۴۷ ، ۲٦۸ ،
۳۱۲ ، ۳٦٦ ، ۴۰۳ ، ۴۰۴ ،
۴۳۷ ، ۴۳۹ ، ۴۴۰ ، ۴۴۱ ،
۴۴۲ -
دیسنہ ضلع پٹنہ ، بہار : ۳۲۲ -
دین پورہ : ۱۹۵ ، ۴۰۲ -
دیوبند : ۱۷۰ ، ۱۷۷ ، ۱۸۷ ،
۱۹۲ ، ۱۹۳ ، ۲۰۱ ، ۲۰۲ ،
۲۱۷ ، ۲۱۸ ، ۲۲۰ ، ۲۳۷ ،
۲۳۸ ، ۲۴۸ ، ۲۴۹ ، ۲۸٦ ،

Marfat.com

۲۸۸ ، ۲۸۹ ، ۲۹۲ ، ۳۷۸ ، ۳۸۳ ، ۴۰۱ (ح) ، ۴۰۳ ، ۴۰۸ (ح) -

ڈ

ڈابھیل : ۲۴۹ ، ۵۰ ، ۲۸۹ -
ڈھاکہ : ۳۴۶ -
ڈھاکہ یونیورسٹی : ۲۶۳ -
ڈیرہ اسماعیل خاں : ۲۵۷ -

ر

راج شاہی یونیورسٹی : ۳۴۸ -
رامپور (ریاست) : ۱۶۶ ، ۱۶۷ ، ۱۷۷ ، ۲۲۳ ، ۲۲۶ -
رانچی : ۳۹۵ ، ۳۹۶ -
راولپنڈی : ۳۶۵ -
راہوں ، ضلع جالندھر : ۴۰۴ -
رائے بریلی : ۳۲ ، ۱۵۶ -
رنگون : ۲۶۳ -
رواں ، موضع : ۱۷۵ -
روم : ۲۸۲ -
ریسرچ اکیڈیمی : ۳۰۵ -
ریشمی خطوط کی تحریک : ۱۹۴ -
ریشنلسٹ ایسوسی ایشن ، لندن : ۴۱۹ -

ز

زقاق البدور : ۳۸۴ -
زینت المساجد (دہلی) : ۱۵۵ -

س

سائنٹیفک سوسائٹی : ۱۷۲ -
ست پنانالہ : ۱۶۱ -
سرسید گرلس کالج (کراچی) : ۳۰۴ -
سرہند : ۹۰ ، ۹۱ ، ۹۴ ، ۱۰۸ -
سکندر آباد ، تحصیل : ۱۵۹ -
سلہٹ : ۳۴۶ -
سندھ : ۷ ، ۸ ، ۸۷ ، ۱۳۲ ، ۴۰۱ (ح) ، ۴۰۲ ، ۴۰۴ ، ۴۰۵
سنگیں مسجد : ۲۵۸ -
سنی تھیالوجی ، ڈیپارٹمنٹ : ۳۰۶ -
سوگھر پورہ : ۲۷۴ -
سوئز : ۱۹۹ -
سہارنپور : ۳۶ ، ۴۰ ، ۱۷۸ ، ۲۵۷ -
سیالکوٹ : ۹۲ ، ۱۱۱ ، ۱۱۲ ، ۱۱۳ ، ۱۲۱ ، ۲۳۲ ، ۲۳۳ ، ۲۳۵ ، ۴۰۱ (ح) -
سیتا پور : ۲۲۷ -
سیتا پور ہائی سکول : ۴۱۳ -

ش

شام : ۱۱۴ ، ۲۲۵ ، ۲۴۷ ، ۲۵۰ ، ۲۸۲ -

Marfat.com

شاہجہاں پور : ۱۶۷ (ح) -

شبلہ : ۱۷۴ -

شروانی اسکول : ۳۰۲ -

شمس آباد (قصبہ) : ۱۱۸ -

شمس العلوم بدایوں ، مدرسہ :
۲۴۱ -

شملہ : ۴۰۴ -

شملہ جیل : ۴۰۴ -

شیراز : ۲۸۰ (ح) ، ۲۸۱ (ح) -

شیرانوالہ دروازہ ، لاہور : ۲۰۴ ،
۴۰۶ -

شیر کوٹ : ۲۶۷ -

ص

صدر (بازار سیالکوٹ، دو دروازے والا
بازار اقبال اسٹریٹ) : ۲۳۳ -

صُحّتنہ : ۵ -

صوبہ سرحد (صوبہ سرحدی) : ۶۳ ،
۸۷ ، ۱۳۲ ، ۱۵۲ ، ۱۵۹ ،
۱۶۰ ،

صوبہ متحدہ : ۱۷۴ ، ۲۶۰ -

ط

طائف : ۱۹۸ -

طرابلس : ۱۹۴ ، ۱۹۵ (ح) ،
۲۴۰ ، ۲۴۷ ، ۲۸۹ ، ۴۰۱ -

ع

عامل کالونی ، کراچی : ۲۹۵ -

عجم : ۹ ، ۷۳ -

عراق : ۸ ، ۱۱۴ ، ۲۵۰ ، ۳۶۰ -

عرب (حجاز) : ۹ ، ۷۱ ، ۷۳ ،
۲۲۷ -

علمائے دیوبند : ۴۴۴ -

علمائے مظاہر العلوم سہارنپور :
۴۴۴ -

علمائے ندوہ : ۴۴۴ -

علی گڑھ : ۱۷۲ ، ۱۸۱ ، ۱۸۵ ،
۱۸۷ ، ۲۰۱ ، ۲۰۲ ، ۲۸۸ ،
۲۹۹ ، ۳۷۶ ، ۴۱۱ ، ۴۱۳ ،
۴۳۷ -

علی گڑھ کالج : ۳۷ -

علی گڑھ کالج (کالجیٹ اسکول) :
۳۷۵ -

غ

غازی آباد : ۱۵۹ -

غازی پور : ۱۷۲ ، ۱۷۵ -

ف

فتح پور سیکری : ۲۰ ، ۲۲ -

فرانس : ۸۲ -

فسطاط : ۹۰ -

فلسطین : ۲۲۵ ، ۳۴۹ -

فلمندہ (قلعہ) : ۱۱ -

فیض آباد (شہر) : ۲۶۱ -

Marfat.com

ق

قادیان : ۲۵۵ -
قاہرہ : ۱۹۹ ، ۲۰۰ -
قبرستان عشق بازاں - تھانہ بھون : ۲۵۲ -
قبرستان میانی صاحب ، لاہور : ۲۹۶ (ح) ، ۳۰۹ -
قبّہ عثمانی (مدینہ منورہ) ۲۵۲ (ح) -
قدوہ ، محلہ ، متصل باب السلام : ۳۹۱ -
قرارداد پاکستان : ۲۹۰ -
قرطبہ : ۳۱۳ -
قلعہ بھیکن پور (بھیکن پور) : ۲۹۸ ، ۳۰۰ -
قندھار : ۳۹۶ -
قنوج : ۱۱۸ -
قلعہ گوالیار : ۲۶ -

ک

کابل : ۸۲ ، ۹۵ (ح) ، ۱۹۶ ، ۳۰۳ -
کانپور : ۲۳۰ ، ۲۶۰ -
کانگریس : ۲۶۸ ، ۲۹۰ ، ۳۹۰ ، ۳۹۱ ، ۳۹۶ ، ۴۴۱ ، ۴۴۷ ، ۴۵۰ -
کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد دکن): ۲۷۹ -
کتب خانہ ، شیخ الاسلام : ۳۸۴ -
کتب خانہ محمودیہ : ۳۸۴ -
کراچی (محلہ کھڈہ) : ۱۹۵ -
کراچی : ۲۹۴ ، ۳۴۵ ، ۳۴۷ ، ۳۶۶ ، ۴۰۵ -
کراچی یونیورسٹی : ۳۴۸ -
کرم آباد : ۲۷۸ -
کرمان : ۲۸۱ (ح) -
کرناٹک : ۱۶۷ (ح) -
کشمیر : ۱۵۲ ، ۲۴۷ ، ۲۴۸ ، ۴۰۸ -
کل جمعیت العلماء اسلام : ۲۹۰ -
کلکتہ : ۵۷ ، ۲۹۰ ، ۳۳۲ ، ۳۹۱ ، ۳۹۳ -
کلکتہ یونیورسٹی : ۲۶۳ -
کوٹ سعد اللہ : ۴۰۰ -
کوچہ میر حسام الدین : ۲۳۳ -
کوئٹہ : ۳۹۶ -
کھولاؤلی (موضع) : ۲۹۸ -

گ

گرگنج (خوارزم) : ۹۱۳ (ح) -
(گنج) مراد آباد : ۳۰۱ (ح) -
گنگوہ (قصبہ) : ۲۴۸ -
گوالیار : ۱۱ ، ۲۲ -
گوالیار ، قلعہ : ۱۰۴ ، ۱۰۵ ، ۱۰۶ -
گوٹھ پیر جھنڈا : ۴۰۲ -

Marfat.com

گورنمنٹ کالج اجمیر : ۳۴۱ (ح) -
گورنمنٹ کالج لاہور : ۸۱ -
گوجرانوالہ : ۳۶۶ ، ۴۰۰ -

ل

لاہور : ۹ ، ۱۰ ، ۲۲ ، ۵۱ ، ۵۴ ، ۹۰ ، ۹۱ ، ۱۲۷ ، ۱۷۸ ، ۲۵۲ ، ۲۵۳ ، ۲۷۰ ، ۲۷۸ ، ۲۸۱ (ح) ، ۳۳۰ ، ۳۳۶ ، ۴۰۴ ، ۴۰۵ ، ۴۰۷ ، ۴۱۲ ، ۴۳۵ ، ۴۴۳ ، ۴۴۴ ، ۴۴۸ -
لائین سبحان خان : ۴۰۸ -
لٹن لائبریری : ۳۷۵ -
لکھنوتی : ۱۱ -
لکھنؤ : ۵۴ ، ۱۶۷ (ح) ، ۱۸۵ ، ۱۸۶ ، ۲۲۶ ، ۲۴۰ ، ۲۵۷ (ح) ، ۲۵۹ ، ۲۶۰ ، ۲۷۴ ، ۳۱۲ ، ۳۳۶ ، ۳۵۳ ، ۳۶۴ ، ۴۱۸ ، ۴۲۰ ، ۴۳۴ -
لکھنؤ کننگ کالج : ۴۱۳ -
لکھنؤ یونیورسٹی : ۳۵۹ -
لکھیم پور کھیری ، شہر : ۴۱۳ -

م

ماسکو : ۴۰۱ (ح) -
مالٹا (جزیرہ) : ۲۰۰ ، ۲۰۱ -
مٹھن کوٹ : ۱۱ -
مٹی کوٹ : ۱۶۱ -
مجلس مخطوطات (حیدر آباد دکن) : ۲۷۹ -
معاب عثمانی : ۱۳۴ -
محکمہ امور مذہبی (حیدر آباد دکن) : ۳۰۷ ، ۳۰۸ -
محکمہ باب حکومت : (حیدر آباد دکن) : ۳۰۷ ، ۳۰۸ -
محکمہ صدارت العالیہ (حیدر آباد دکن) : ۳۰۷ ، ۳۰۸ -
مدراس : ۸۱ ، ۱۶۷ (ح) ، ۲۶۰ ، ۳۲۹ -
مدرسۂ امینیہ دہلی : ۲۴۷ ، ۳۵۹ -
مدرسة العلوم علی گڑھ : ۴۳۷ -
مدرسۂ دارالارشاد (پیر جھنڈا) : ۴۰۲ ، ۴۰۳ -
مدرسہ دارالعلوم، حیدر آباد دکن : ۴۳۹ -
مدرسہ سبحانیہ الہ آباد : ۳۶۳ (ح) -
مدرسہ سایانیہ : ۳۷۱ -
مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ : ۳۵۸ -
مدرسہ عالیہ رامپور : ۲۱۸ -
مدرسہ عالیہ کلکتہ : ۲۶۳ -
مدرسہ عزیزیہ (بہار شریف) : ۳۵۸ -
مدرسہ غازی الدین خان دہلی : ۱۳۴ (ح) -
مدرسہ فتح پور (دہلی) : ۲۸۷ -
مدرسہ فوقانیہ اورنگ آباد دکن :

Marfat.com

۴۳۸ -

مدرسہ فیروز شاہی: (مدرسہ فیروزیہ) ۱۱ ، ۱۷ -

مدرسہ قاسم العلوم: ۴۰۷ ، ۴۰۸ -

مدرسہ ناصریہ: ۱۱ -

مدرسہ نظامیہ حیدر آباد دکن: ۳۰۹ -

مدرسہ وقفیہ: ۳۷۱ -

مدینہ منورہ: ۴ ، ۵ ، ۱۷۸ ، ۲۲۷ ، ۳۰۹ ، ۴۴۳ ، ۳۸۴ ، ۴۳۲ -

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس: ۲۲۳ -

محمڈن کالج (علی گڑھ کالج): ۱۷۱ ، ۱۷۳ ، ۱۸۰ ، ۱۸۱ ، ۱۸۲ ، ۱۸۴ ، ۱۸۵ ، ۱۸۷ ، ۳۰۶ -

مراد آباد: ۲۸۸ -

مرار، موضع (کپورتھلہ): ۴۲۲ (ح) -

مسجد اکبری: ۱۵۶ -

مسجد چھتہ (دیوبند): ۱۷۰ ، ۱۹۳ -

مسجد شیرانوالہ (لاہور): ۴۰۴ -

مسجد لائین سبحان خان (لاہور): ۴۰۵ -

مسجد نبوی صلعم: ۱۳۴ ، ۳۰۸ ، ۳۸۴ -

مسلم ایجوکیشنل ایسوسی‌ایشن انڈیا ۳۲۹ -

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس: ۳۰۳ ، ۳۰۹ ، ۳۳۳ -

مسلم لیگ (آل انڈیا مسلم لیگ): ۳۷ ، ۳۸ ، ۴۳ ، ۴۴ ، ۴۶ ، ۵۰ ، ۵۳ ، ۵۵ ، ۵۶ ، ۵۸ ، ۵۹ ، ۶۰ ، ۶۲ ، ۶۳ ، ۴۴۷ ، ۴۴۸ ، ۴۵۲ -

مسلم لیگ الہ آباد: ۲۹۰ -

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (علی گڑھ یونیورسٹی): ۴۰ ، ۱۷۲ ، ۳۰۰ ، ۳۰۵ ، ۳۰۶ ، ۳۰۹ ، ۳۳۳ ، ۳۳۴ ، ۳۷۵ ، ۴۱۵ -

مشرق: ۷۰ -

مشن اسکول (سیالکوٹ): ۲۳۳ -

مصر: ۷۸ (ح) ، ۸۰ ، ۲۲۵ ، ۲۴۷ ، ۲۵۱ ، ۲۷۵ ، ۲۷۶ ، ۲۸۲ -

مظفر نگر: ۳۶ -

معارف اسلامیہ لاہور: ۳۳۰ -

مغرب: ۷۰ ، ۷۲ -

مغولستان: ۲۸۲ -

مقبرۃ الشعراء تبریز: ۳۱۱ (ح) -

مکہ معظمہ: ۲۲ ، ۱۳۴ ، ۱۳۸ ، ۱۴۹ (ح) ، ۱۹۸ ، ۳۴۲ ، ۳۷۴ ، ۳۹۱ -

مکتبۃ الشرق: ۳۴۷ -

ملاواں، قصبہ: ۳۰۱ (ح) -

ملتان: ۹ -

Marfat.com

مؤتمر عالم اسلامی : ۳۴۶ -
موضع دودھواں (علاقہ لولاب کشمیر) : ۲۴۶ -
میدان عرفات : ۴۳۲ -
میرٹھ : ۳۵ ، ۳۶ -
میرٹھ کانفرنس : ۲۹۰ -
میونخ یونیورسٹی : ۸۱ -

ن

نان پارہ ریاست : ۲۰۸ -
نانوتہ (قصبہ) : ۳۴۱ (ح) -
ندوۃ العلماء لکھنؤ (دارالعلوم ندوۃ العلماء - ندوہ) : ۱۸۴ ، ۱۸۶ ، ۱۸۷ ، ۲۶۰ ، ۲۶۲ ، ۲۷۶ ، ۲۸۸ ، ۳۰۵ ، ۳۰۹ ، ۳۲۴ ، ۳۳۳ ، ۳۵۹ ، ۳۶۱ ، ۳۶۲ ، ۳۶۳ ، ۳۶۴ ، ۳۹۳ ، ۴۱۳ ، ۴۱۵ -
نظارۃ المعارف القرانیہ دہلی : ۴۰۳ -
نگینہ : ۱۶۰ -
نیشا پور : ۳۱۳ -
نیو ٹاؤن مسجد : ۳۵۱ -

و

وقف کرنال : ۳۰۹ -
ولایت : ۱۷۱ -

ہ

ہزارہ : ۲۴۷ -
ہمدان : ۲۸۱ (ح) -
ہندوستان (پاک و ہند) : ۱۰۰ -
ہندوستان (ہند) : ۱۳ ، ۲۵ ، ۲۷ ، ۳۴ ، ۳۶ ، ۳۸ ، ۴۵ ، ۴۹ ، ۵۱ ، ۵۴ ، ۶۵ ، ۷۰ ، ۸۷ ، ۸۹ ، ۹۳ ، ۱۰۹ ، ۱۱۳ ، ۱۱۴ ، ۱۲۲ ، ۱۲۳ ، ۱۳۵ ، ۱۳۸ ، ۱۵۰ ، ۱۵۲ ، ۱۵۸ ، ۱۷۰ ، ۱۷۱ ، ۱۷۲ ، ۱۷۴ ، ۱۸۸ ، ۱۹۴ ، ۱۹۵ ، ۱۹۶ ، ۱۹۸ ، ۲۰۲ ، ۲۰۴ ، ۲۳۰ ، ۲۳۹ ، ۲۵۰ ، ۲۵۳ ، ۲۵۵ ، ۲۷۳ ، ۲۸۱ ، ۲۸۸ ، ۲۸۹ ، ۲۹۰ ، ۲۹۹ (ح) ، ۳۰۹ ، ۳۱۸ ، ۳۲۰ ، ۳۲۴ ، ۳۲۸ ، ۳۲۹ - ۳۳۱ ، ۳۳۲ ، ۳۳۵ ، ۳۳۷ ، ۳۴۵ ، ۳۶۲ ، ۳۷۹ ، ۳۸۰ ، ۳۹۱ ، ۳۹۲ ، ۳۹۵ ، ۳۹۷ ، ۳۹۸ ، ۴۰۱ ، ۴۱۱ ، ۴۱۲ ، ۴۱۵ ، ۴۱۶ ، ۴۳۷ ، ۴۵۰ ، ۴۵۳ -
ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد : ۳۰۹ ، ۳۲۹ ، ۳۳۱ -

ی

یاغستان : ۱۹۶ -
یزد : ۲۸۱ (ح) -
یورپ : ۴۳ ، ۴۴ ، ۱۸۱ ، ۳۳۲ ، ۴۱۰ -

Marfat.com

کتب

الف ممدودہ

آب کوثر : ۱۵ (ح) -
آثار اقبال : ۵۳ ، ۸۵ -
آثار الصنادید : ۱۵۷ -
آداب الحرب : ۱۲ -
آداب السلاطین : ۱۲ -
آزاد کی کہانی خود ان کی زبانی : ۳۹۴ (ح) -
آندھی میں چراغ : ۳۹۸ (ح) -

الف مقصورہ

اتحاف النبلاء : ۱۵۳ -
احیاءالعلوم : ۱۲ -
اخبار احسان ، لاہور : ۳۷۹ ، ۳۸۰ ، ۳۸۱ -
اخبار الجمعیۃ : ۴۴۲ -
اخبار جنگ : ۲۰۶ (ح) ، ۲۰۷ (ح) ، ۲۱۵ (ح) ، ۲۱۵ (ح) -
اخبار جمہور : ۳۱۰ (ح) -
اخبار خدام الدین (ہفت روزہ) : ۴۰۹ -
اخبار دارالسلطنت : ۳۹۲ -
اخبار زمیندار (لاہور) : ۲۷۱ ، ۲۷۷ ، ۲۷۸ -
اخبار سچ : ۳۶۱ ، ۴۳۳ -
اخبار سیاست ، لاہور : ۳۹۹ (ح) -
اخبار صدق جدید : ۴۳۳ ، ۴۴۴ -
اخبار الامان دہلی : ۲۶۷ ، ۲۶۸ -
اخبار الصباح : ۲۷۸ -
اخبار الہلال (کلکتہ) : ۳۲۵ ، ۳۲۶ ، ۳۶۱ ، ۳۷۷ ، ۳۸۹ ، ۳۹۳ ، ۳۹۴ ، ۳۹۶ ، ۳۹۷ -
اخبار مدینہ بجنور : ۳۶۲ ، ۴۴۰ -
اخبار انصاری : ۳۸۰ -
اخبار انقلاب : ۲۳۵ -
اخبار مسلم : ۴۴۱ ، ۴۴۲ -
اخبار وحدت : ۲۶۸ -
اخبار وکیل (امرتسر) : ۲۷۱ ، ۲۷۶ ، ۲۷۷ ، ۳۹۲ -
اخبار ہمدرد (دہلی) : ۴۴۲ -

Marfat.com

اداریہ نویسی مسکین حجازی : ۳۹۴ (ح) -
ارض القرآن : ۳۲۶ ، ۳۲۸ -
ارکان اربعہ (اصول فقہ) : ۱۶۷ (ح) -
ارمغان حجاز فارسی : ۵۷ (ح) -
ارواح ثلاثہ : ۱۵۹ ، ۱۶۰ (ح) -
ازالۃ الخفاء : ۱۳۹ -
استدلال و تسہیل البلاغتہ : ۳۲۹ -
اسرار خودی : ۲۷ (ح) ۷۳ - ۷۶ (ح) ، ۷۷ (ح) ، ۸۴ ، ۲۶۴ ، ۲۷۸ ، ۳۶۸ ، ۴۲۹ -
اسرار و رموز مثنوی : ۶۵ (ح) ، ۶۶ (ح) ، ۶۸ ، ۶۹ ، ۷۲ (ح) ، ۸۴ -
اسلام اور جاہلیت : ۳۶۵ -
اسلامی تصوف اور اقبال : (۹۲) ح -
اسلامی شاعری اورتصوف : ۳۶۸ -
اسوۂ صحابہ جلد ۲ : ۵ ، ۳۲۹ -
اسلام کی اشاعت کیوں کر ہوئی : ۲۳۸ -
اسیر مالٹا : ۲۰۱ (ح) -
اشارات : ۲۲۴ -
اطواق الذہب : ۳۷۳ -
اعلام الموقعین : ۳۵۷ -
اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت ، (تالیف سید نور محمد قادری) : ۲۱۰ (ح) ، ۲۱۲ (ح) -
افق المبین : ۲۲۴ -
اقبال جناح مراسلت : ۵۲ (ح) -
اقبال کا سیاسی کارنامہ (محمد احمد خاں): ۴۳، ۴۵ (ح)، ۴۷ (ح)، ۴۸ (ح) -
اقبال کا عمل : ۵۷ (ح) -
اقبال کامل : ۸۳ (ح) ، ۲۳۳ ، ۲۳۴ -
اقبال کے سیاسی افکار : ۴۷ (ح) ، ۵۲ (ح) -
اقبال کے محبوب صوفیاء : ۹۳ (ح)، ۱۰۸ -
اقبال نامہ (حصہ اول) : ۴۹ (ح) -
اقبال نامہ (حصہ اول و دوم) : ۴۹ ، ۷۳ ، ۱۰۹ ، ۱۱۷ ، ۱۲۰ ، ۱۲۱ ، ۱۴۶ ، ۱۶۶ ، ۱۹۲ ، ۲۱۷ ، ۲۲۱ ، ۲۳۷ ، ۲۳۹ ، ۲۴۴ ، ۲۴۵ ، ۲۶۷ ، ۲۸۶ ، ۲۹۷ ، ۳۱۵ ، ۳۱۶ ، ۳۱۸ ، ۳۱۹ ، ۳۳۱ (ح) ، ۳۵۷ ، ۳۶۹ ، ۳۷۶ (ح) ، ۳۸۹ ، ۳۹۰ ، ۴۱۰ ، ۴۱۱ ، ۴۱۲ -
اکبر نامہ : ۴۳۲ -
البدور البازغہ : ۱۲۱ ، ۱۲۴ ، ۱۲۸ (ح) ، ۱۳۹ -
البلاغ : ۲۶۷ -
التصریح بالتواتر فی نزول المسیح (تصنیف حضرت مولانا انور شاہ کشمیری) ۲۵۵ -
التہدید : ۲۴۳ -

Marfat.com

الجمال و الکمال (تفسیر سورہ یوسف)
۲۶۳ (ح) -
الجہاد فی الاسلام : ۳۴۳ -
الخیر الکثیر : ۱۲۴ -
الشفا : ۲۲۴ -
الصراط المستقیم : ۱۶۲ -
الطاری الداری بغفوات عبدالباری :
۲۱۲ -
الطاف القدس : ۱۳۹ -
الف لیلہ : ۳۷۲ -
الفوز الکبیر : ۱۳۹ -
القول الجمیل : ۱۳۹ -
القول السدید : ۲۴۳ -
القول الصحیح فی صلوٰۃ التسبیح :
۱۱۸ (ح) -
القول الضابط فی تحقیق وجود الرابطہ
۲۲۹ -
الکشاف (تفسیر) : ۱۴۹ (ح) -
الکلام : ۴۲۰ -
الکلام فی یتعلق لمفید بالشیخ و
المرید ۱۱۸ (ح) -
المراۃ الجدید : ۴۳۹ -
المستقصی فی الامثال : ۱۴۹ (ح) -
الموسٰی : ۱۳۹ -
المعارف الالٰہیہ : ۲۲۹ -
المفرد و الموالف : ۱۴۹ (ح) -
المفسر : ۱۱۹ -
امام الکلام فی تحقیق الاجسام :
۲۲۹ -
انسائیکلوپیڈیا (اردو) ۱۹۷ (ح) -
انشائے ماجد : ۴۳۲ -
انفاس العارفین : ۱۳۹ ، ۱۴۰ -
المصفٰی : ۱۳۹ -
انوار اقبال : ۲۵۶ ، ۲۶۵ (ح) ،
۲۶۷ ، ۳۷۹ (ح) ، ۳۸۰ (ح) ،
۳۸۲ (ح) ، ۳۹۹ -
انہار اربعہ - ۲۲۹ -
الوراثۃ فی الاسلام : ۳۷۶ -
ایثار الحق : ۱۶۷ -
ایضاع الحق الصریح فی احکام
المعیت و الضریح : ۱۶۲ -

ب

بال جبریل (اردو) : ۸۳ ، ۹۰ -
بانگ درا (اردو) ۸۳ -
بشریٰ : ۱۷۵ -
بشریت انبیاء : ۴۳۱ -
بلوغ المرام : ۳۷۳ -
بوستان حسرت (فارسی مجموعہ کلام)
۳۱۴ -
بھگوت گیتا : ۴۲۱ -
بیس بڑے مسلمان (مرتبہ جناب
عبدالرشید صاحب ارشد) :
۱۹۳(ح)، ۲۰۱(ح)، ۲۰۳(ح)،
۲۳۸(ح)، ۲۵۰(ح)، ۲۵۲(ح)،
۳۸۳(ح)، ۴۰۷(ح)، ۴۰۹(ح) -

Marfat.com

پ

پرانے چراغ (از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) : ۲۸۶ (ح)، ۳۶۱ (ح)، ۳۶۲، ۳۶۳ (ح)، ۳۶۶(ح)، ۴۰۵(ح)، ۴۰۶ (ح)، ۴۰۷(ح)، ۴۰۸(ح) -
پیام مشرق (فارسی) : ۸۴ -
پیسہ اخبار لاہور : ۵۷۳ -

ت

تاج المأثر : ۱۰ -
تاریخ اخلاق یورپ : ۴۱۷ -
تاریخ القرآن : ۳۷۶ -
تاریخ سندھ : ۹ (ح) -
تاریخ فیروز شاہی (برنی) آردو ترجمہ ۱۲، ۱۳ (ح)، ۱۴ (ح)، ۱۵ (ح) -
تاریخ مبارک شاہی : ۱۲ -
تاریخ تمدن انگلستان : ۴۱۷ -
تاریخ ہند (آردو) : ۸۳ -
تجدید و احیائے دین : ۴۴۶ -
تحقیق زماں : ۱۱۷ -
تحریک آزادی ہند اور مسلمان حصہ اول : ۴۵۰ -
تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء : ۴۱ (ح)، ۴۲ (ح)، ۶۰ (ح) -
تذکرہ اہل دہلی : ۱۵۲ (ح) -
ترجمہ تاریخ یورپ : ۶۱۷ -

تحفۃ الحبیب : ۲۸۰ -
تذکرہ سلیمان (مرتبہ جناب غلام محمد بی اے عثمانیہ): ۳۲۳، ۳۲۷(ح) ۳۳۵، ۳۳۶ (ح)، ۳۳۸(ح)، ۳۴۵(ح)، ۳۴۹، ۳۵۱ (ح)، ۳۵۵ (ح) -
تذکرہ علمائے ہند (آردو ترجمہ) : ۹، ۱۱۴، ۱۱۸، ۱۱۹ (ح)، ۱۳۲، ۱۳۹ (ح)، ۱۴۵ (ح)، ۱۴۷(ح)، ۱۵۳(ح)، ۱۶۷(ح)، ۱۷۵(ح)، ۱۷۶(ح)، ۱۷۷(ح)، ۱۷۸(ح)، ۲۲۲(ح)، ۲۵۷(ح)، ۲۵۹ (ح)، ۳۰۱ (ح) -
تذکرہ مشائخ دیوبند (مرتبہ مفتی عزیزالرحمان نہوڑی) : ۱۹۴(ح) ۲۱۹(ح)، ۲۵۲(ح) -
ترجمان القرآن (مولانا ابوالکلام آزاد): ۳۹۵ -
تسویہ : ۱۱۹ -
تعلیقات سبعہ معلقہ : ۱۹۲ -
تعلیقات عوارف : ۱۰۸ -
تعلیق نفیس علی سبحث المشاۃ بالتکریر :
تفسیر بیضاوی : ۴۳۹ -
تفسیر تبصیر الرحمٰن : ۳۷۳ -
تفسیر ماجدی : ۴۱۲ -
تفہیمات : ۱۳۹، ۱۴۸ -
تفہیم القرآن ، تفسیر : ۴۴۹ -

Marfat.com

تقویۃ الایمان : ۱۵۷ ، ۱۶۳ ، ۳۲۳ -
تنویر العینین : ۱۶۲ -
تنویر المنار : ۲۲۹ -
توزک جہانگیری (آردو ترجمہ توزک جلد اول و دوم - مترجم اعجاز الحق قدوسی : ۲۴، ۲۵، ۱۰۴ زح)، ۱۰۵ ، ۱۰۶ -

ج

جامع ترمذی : ۱۳۴ -
جامع صغیر : ۲۷۴ -
جامع الکبیر : ۱۳۴ ، ۲۷۴ -
جاوید نامہ (فارسی) : ۶۸ ، ۸۴ ، ۸۶ -
جغرافیہ قرآنی : ۴۳۱ -
جماعت مجاہدین : ۱۵۴، ۱۶۰ (ح) -
جنگ (اخبار) اقبال ایڈیشن : ۷۸، ۷۹ ، ۸۰ (ح)، ۸۴، ۱۷۱ (ح) -
جواز عرس : ۲۴۳ -
جواہر الغالیہ : ۲۲۴ -
جوگ بشٹ : ۴۲۱ -
جوہر الفرد : ۱۱۷ ، ۱۴۹ -
جہاد فی سبیل اللہ : ۳۶۵ -

چ

چہل حدیث (شاہ ولی اللہ دہلوی): ۲۹۹ -

ح

حاشیہ بر جامع ترمذی : ۲۲۹ -
حاشیہ بر حاشیہ خیرآبادی : ۲۲۹ -
حاشیہ بر میر زاہد : ۱۶۷ (ح) -
حاشیہ بر شرح صدرا (شیرازی) : ۱۶۷ (ح) -
حاشیہ تفسیر بیضاوی : ۱۱۳ ، ۱۱۹ -
حاشیہ حمد اللہ : ۱۷۷ (ح) -
حاشیہ خیالی : ۱۱۳ -
حاشیہ رسالہ میر زاہد : ۱۶۷ -
حاشیہ سید شریف : ۱۱۳ -
حاشیہ شرح حکمت العین :
حاشیہ شرح رشیدیہ : ۱۱۹ -
حاشیہ شرح شمسیہ :
حاشیہ شرح عقائد تفتازانی : ۱۱۳ -
حاشیہ شرح عقائد دوانی : ۱۱۹ -
حاشیہ شرح کافیہ (ملا جامی) : ۱۱۳ -
حاشیہ ، شرح العضدی : ۱۱۹ -
حاشیہ شرح مسلم (قاضی) : ۱۶۷ -
حاشیہ شرح مواقف : ۱۱۳ -
حاشیہ شرح مواقف : ۱۱۹، ۲۲۹ -
حاشیہ شرح ہدایت الحکمۃ : ۱۱۳ -
حاشیہ عبدالغفور لاری : ۱۱۳ -
حاشیہ قاضی مبارک : (۱۷۷) ح -
حاشیہ مراح الارواح : ۱۱۳ -
حاشیہ معقول : ۱۱۳ -

Marfat.com

حاشیہ مقدمات اربعہ تاویخ : ۱۱۳ -

حجۃ اللہ البالغہ : ۱۲۰ ، ۱۲۱ ، ۱۲۴ ، ۱۲۵ ، ۱۲۷ (ح) ، ۱۲۸ (ح) ، ۱۳۹ ، ۱۴۱ ، ۱۵۸ -

حدائق بخشش (دیوان مولانا احمد رضا خان) : ۲۱۵ -

حرف اقبال : ۸۸ -

حضرات القدس : ۹۳ ، ۱۰۸(ح) -

حقیقت الاجسام : ۲۲۹ -

حواشی ترجمۂ قرآن مجید : ۳۰۹ -

حواشی قاضی : ۲۲۴ -

حیات انور (مرتبہ سید محمد اظہر شاہ صاحب قیصر ابن حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری) : ۲۴۷(ح)، ۲۴۸(ح)، ۲۵۰(ح)، ۲۵۱(ح)، ۲۵۵(ح) -

حیات جاوید : ۱۸۴ -

حیات حافظ : ۳۷۶ -

حیات کامل : ۲۶۹ -

خ

خاتم النبیینؐ (تصنیف حضرت علامہ انور شاہ کشمیری) : ۲۵۵ -

خطبہ صدارت ڈاکٹر اقبال اجلاس اورنٹیل کانفرنس لاہور ۱۹۲۸ء : ۲۴۵ -

خطبہ صدارت علامہ اقبال آل انڈیا مسلم لیگ الہ آباد : ۸۸

خطبات مدراس (انگریزی) : ۸۴ ، ۳۲۹ -

خطوط مشاہیر (مرتبہ مولانا عبدالماجد دریابادی) : ۳۱۴(ح) ۳۲۵(ح) ۳۲۶(ح)، ۳۲۷(ح)، ۳۲۸(ح)، ۳۲۹(ح)، ۳۳۰(ح) ۳۳۲(ح) -

خلاصۃ الاعمال : ۱۱۸(ح) -

خلاصۃ العصر : ۱۱۳ -

خلاصۃ الفلسفہ : ۳۴۳ -

خلاصۃ المشکواۃ : ۳۰۹ -

خلاصۃ المنطق : ۲۴۳ -

خیام : ۳۳۱ -

د

دربار عام - ۲۴۳ -

در الثمینہ فی اثبات علم الواجب - ۱۱۳ -

در المعرفت - ۱۰۲(ح) -

دلائل الخیرات - ۱۹۹ -

دلائل فیروز شاہی - ۱۷ -

دولت آصفیہ اور حکومت برطانیہ - ۴۴۲ -

دیار عرب میں چند ماہ - ۳۶۴ -

دین حق - ۳۶۵ -

دیوان حماسہ - ۱۹۲ -

دیوان متنبی - ۱۹۲ -

ذ

ذکر اقبال - ۹۲ -

Marfat.com

ر

رحمة للعالمین - ۲۶۲ -
رسالہ ارشاد : ۳۰۷ -
رسالہ ارکان اسلام : ۳۷۶ -
رسالہ الاصلاح : ۱۷۷ (ح) -
رسالہ البلاغ : ۳۹۳ ، ۳۹۶ ، ۳۹۷ -
رسالہ البیان : ۲۷۵ -
رسالہ الریاض : ۲۷۵ -
رسالہ الضیاء : ۳۵۸ ، ۳۵۹ ، ۳۶۰ ، ۳۶۱ -
رسالہ العلم (سہ ماہی کراچی) : ۲۶۱ ، ۳۰۵ -
رسالہ القاسم (دیوبند) : ۲۳۷ -
رسالہ الناظر (لکھنؤ) : ۳۶۸ ، ۴۲۰ -
رسالہ الندوہ : ۲۷۶ ، ۳۲۴ ، ۳۹۲ -
رسالہ تاج جبل پور : ۴۴۰ ، ۴۴۱ -
رسالہ تاریخ عرب قدیم : ۲۷۷ -
رسالہ پنج سبق : ۳۷۲ -
رسالہ دہ سبق : ۳۷۲ -
رسالہ تحقیق زمان (اتقان العرفان فی ماہیۃ الزمان) : ۲۲۹ ، ۲۳۰ -
رسالہ ترجمان القرآن (مدیر مولانا مودودی) : ۴۳۶ -
رسالہ توحید : ۱۶۷ (ح) -
رسالہ تہذیب الاخلاق : ۱۷۱ ، ۲۷۷ -
رسالہ حر : ۲۸۰ -
رسالہ خطیب : ۲۶۴ -
رسالہ صحیفہ (اقبال نمبر - حصہ اول) : ۲۴۴ ، ۲۴۵ ، ۲۷۱ ، ۲۷۲ ، ۲۷۷ (ح) -
رسالہ صنائع العرب : ۲۷۷ -
رسالہ ضرب الخاتم علی حدوث العالم : ۲۴۴ -
رسالہ عقائد اسلام : ۳۷۶ -
رسالہ علم الحدیث : ۲۷۷ -
رسالہ علم و آگہی مضمون بعنوان مدرسہ شمس العلوم (مرتبہ جناب ایوب قادری صاحب) : ۲۴۳ (ح) -
رسالہ فاران ، کراچی : ۲۱۴ (ح) -
رسالہ فضائل ماہ صیام : ۲۲۲ (ح) -
رسالہ فلسفہ ابن عربی : ۲۷۷ -
رسالہ فی اصول الحدیث : ۱۶۷ -
رسالہ فی تحقیق المکان : ۱۶۶ -
رسالہ فی درایتۃ الزمان : ۲۴۵ -
رسالہ فی مبحث الزمان : ۱۶۷ -
رسالہ مبحث امکان نظیر : ۱۶۲ -
رسالہ فی مبحث المکان : ۱۶۷ -
رسالہ قواعد اسلامیہ : ۳۷۶ -
رسالہ لسان الصدق : ۳۹۲ -
رسالہ لمعات : ۲۷۱ -
رسالہ مبداء و معاد : ۱۰۸ -

Marfat.com

رسالہ محکمات : ۲۷۷ -
رسالہ معارف : ۱۸۷ ، ۲۲۶ (ح)، ۳۲۷ ، ۳۲۸ ، ۳۳۰ (ح) ، ۳۳۱(ح)، ۳۴۰(ح)، ۳۴۷(ح)، ۳۴۹(ح)، ۳۵۲، ۳۵۳(ح) -
رسالہ معارف (سلیمان نمبر) : ۳۲۰، ۳۲۱ -
رسالہ مقولات عشر (شرح میزان البلاغت) : ۲۵۹(ح) -
رسالہ ندائے حرم: ۲۹۴، ۲۹۵(ح) -
رسالہ نقوش (آپ بیتی نمبر - حصہ دوم) : ۴۱۷ (ح) ، ۴۲۰(ح) ، ۴۳۳(ح)، ۴۴۳(ح) -
رسالہ نقوش (شخصیات نمبر ۲) : ۲۷۰ ، ۲۸۳ (ح)، ۲۸۴(ح) -
رسالہ نقوش (لاہور نمبر): ۲۹۶(ح)، ۳۹۹(ح)، ۴۲۲(ح) -
رسالہ نورانیہ سلطانیہ : ۲۵ -
رسالہ مبداء و معاد : ۹۳ -
رسالہ واعظ : ۳۰۷ -
رسالہ وجود رابطی : ۲۲۹ -
رسالہ یک روزی : ۱۶۳ -
رضائے مصطفیٰ (ادارہ) : ۲۰۹، ۲۱۰ -
روح الاجتماع : ۳۲۹ -
رود کوثر : ۲۴ ، ۲۶ (ح) ، ۹۵(ح) ، ۱۱۴(ح)، ۱۳۵ ، ۱۳۷(ح)، ۱۴۴(ح)، ۱۴۵(ح)، ۱۵۲(ح) -
رموز بیخودی (فارسی) : ۸۴ ، ۲۳۵ -

ز

زبدۃ المقامات : ۹۴(ح)، ۱۰۸(ح)-
زبور عجم (فارسی) : ۷۰(ح) ، ۸۴ -

س

سبحتہ المرجان : ۲۶ ، ۱۰۴ -
سبیل الرشاد : ۱۴۸ -
ستارۂ صبح : ۲۷۸ -
سراپائے رسولؐ (تالیف اعجازالحق قدوسی) : ۴۴۶ -
سراپا معشوق : ۲۹۸ -
سرّ مکتوم : ۱۲ -
سفرنامہ افغانستان : ۳۳۲ -
سفرنامہ حجاز : ۲۶۲(ح)، ۴۳۲ -
سکندر نامہ : ۴۱۳ -
سلک نور : ۱۶۳ -
سنن ابی داؤد : ۳۴ ، ۲۴۸ -
سنن ابن ماجہ : ۱۳۴ -
سنین اسلام : ۱۸۰ -
سوانخ علامہ عبدالکیم سیالکوٹی : ۱۱۲ -
سیرۃ النبی (شبلی) ۵(ح) ، ۱۷۰ ، ۱۸۸ ، ۱۸۹ ، ۱۹۰ ، ۳۲۶ ، ۳۲۸ ، ۳۳۰ ، ۳۳۲ ، ۴۲۲ -
سیرت عائشہؓ : ۲۲۹ -

Marfat.com

سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ : ۳۲۹ -
سیرت نبوی قرآنی : ۳۳۱ -
سید ابوالاعلیٰ مودودی (تالیف ابوالآفاق ایم - اے) : ۳۴۷(ح)
۳۴۰(ح) ، ۳۴۱(ح) ؛ ۳۴۵ ،
۳۴۶ ، ۳۴۸(ح) ؛ ۳۴۹(ح) -
سیرت سید احمد شہید : ۱۶۰ ،
۱۶۱(ح) ، ۱۶۴(ح) ، ۱۶۵(ح) -
سیلکوٹی علی التصورات : ۱۱۱ -

ش

شام بمدرد (حصہ اول) : ۲۲۲ -
شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات : ۱۴۱ -
شرح اشارات : ۲۲۴ ، ۳۷۴ -
شرح جامی : ۱۳۳ -
شرح دعائم الاعتصام : ۱۴۸ -
شرح رباعیات : ۱۰۸ -
شرح السیر الکبیر (السرخسی) :
۶۰(ح) -
شرح مسلم الثبوت (مولانا عبدالحق خیرآبادی) ۱۶۷(ح) ، ۱۷۷(ح) -
شفاء القلوب : ۱۳۹ -
شمس بازغہ : ۱۱۰ -
شہادت حق : ۳۶۵ -

ص

صحاح ستہ : ۱۳۴ -
صحافت پاکستان و ہند (از ڈاکٹر عبدالسلام خورشید) : ۲۶۹ -
صحیح بخاری : ۱۳۴ ، ۲۹۹ ،
۳۷۳ -
صحیح مسلم: ۱۳۴ ، ۲۴۸ ، ۳۷۳ -
صدر یار جنگ: ۳۰۴ ، ۳۱۲(ح) ،
۳۱۶(ح) -

ض

ضرب الخاتم علیٰ حدوث العالم (تصنیف حضرت مولانا انور شاہ کشمیری) : ۲۵۵ -
ضرب کلیم (اردو) : ۸۴ -

ط

طبقات ناصری : ۱۰ ، ۱۲ -

ع

عاشق رسول (تالیف محمد مسعود احمد صاحب) : ۲۰۷ (ح) -
عبقات : ۱۱۷ -
عرب و ہند کے تعلقات : ۳۳۰ -
عربوں کی جہازرانی : ۳۳۰ -
عرفات (ماہنامہ) لاہور : ۲۰۴ ،
۲۰۹(ح) -
عشرۂ کاملہ : ۲۲۹ -
عقد الجید : ۱۳۹ -
عقیدة الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام (تصنیف حضرت مولانا انور شاہ کشمیری) : ۲۵۴ ،
۲۵۵ -

Marfat.com

علامہ اقبال اور قائد اعظم کے سیاسی نظریات : ۳۷(ح) ، ۴۶(ح) ، ۵۱(ح) ، ۵۳(ح) ، ۵۵(ح) -
عالم الاقتصاد : ۸۳ -
علماء اور پالیٹکس (تصنیف ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی) : ۳ ، ۴۰ ، ۴۱(ح) ، ۶۱ ، ۶۲ ، ۲۶۸ ، ۲۶۹ ، ۴۵۰ ، ۴۵۳(ح) -
علماء ہند کا شاندار ماضی، جلد (۲) ۳۲(ح) ، ۳۳(ح) ، ۳۴(ح) ، ۱۲۱ ، ۱۲۴(ح) ، ۱۲۵(ح) ، ۱۲۸ ، ۱۳۰ ، ۱۳۱(ح) ، ۱۴۷(ح) ، ۱۴۸ ، ۱۶۵(ح) -
علوم القرآن : ۴۳۱ -
عمل صالح : ۱۱۳ -

ف

فاضل بریلوی اور ترک موالات (تالیف پروفیسر محمد مسعود صاحب) ۲۰۴ ، ۲۰۵(ح) ، ۲۰۶(ح) ، ۲۰۸(ح) ، ۲۱۰ ، ۲۱۳(ح) -
فتاویٰ تتار خانیہ : ۱۷ -
فتاویٰ رضویہ : ۲۱۱ -
فتاویٰ فیروز شاہی : ۱۷ -
فتح الملہم شرح صحیح مسلم : ۲۹۳ -
فتوحات (مکیہ) : ۲۶۵ ، ۲۷۰ -
فصل الخطاب فی مسئلہ اُمّ الکتاب (تصنیف حضرت انور شاہ کشمیری) : ۲۵۵ -
فصوص (الحکم) : ۲۶۵ ، ۲۷۰ -
فلسفہ اجتماع : ۳۱۷ -
فلسفہ جذبات : ۳۱۷ -
فلسفہ عجم (انگریزی) : ۸۳ -
فلسفہ مکالمات برکلے : ۳۱۷ -
فاؤنڈیشنز آف پاکستان : ۵۳(ح) -
فتاویٰ عالمگیری : ۱۳۲ -
فتح الرحمان (ترجمہ فارسی قرآن مجید) : ۱۳۹ -
فرائد فی شرح الفوائد : ۱۱۰ -
فوائد غیاثیہ ۱۱۰ -
فیوض الحرمین : ۱۳۶ ، ۱۳۷(ح) ، ۱۳۹ -
فیہ مافیہ : ۳۱۰ -

ق

قرابا دین مہدی : ۳۲۲ -
قرآن حکیم : ۱ ، ۴ ، ۵ ، ۸ ، ۹ ، ۲۹ ، ۴۷ ، ۷۶ ، ۸۳ ، ۹۲ ، ۹۶ ، ۱۱۷ ، ۱۳۷ ، ۱۶۰ ، ۱۹۹ ، ۳۲۳ -
قول الجلی فی مناقب الولی : ۱۴۸ -
قول الجمیل : ۱۴۰ -
قیامت نامہ : ۲۵۹(ح) -

ک

کارنامہ بزرگان ایران : ۱۴۹(ح) ،

Marfat.com

۲۸۰(ح)، ۲۸۱(ح)، ۳۱۰(ح)،
۳۱۱(ح) -
کاروان حسرت (اردو دیوان) :
۳۱۴ -
کتاب القانون : ۲۷۴ -
کتاب المفصل : ۱۴۹(ح) -
کتاب الهند : ۱۰ -
کشف الدجلی عن وجه الربوا :
۳۳۵ -
کشف المحجوب : ۱۰ -
کلیات اقبال (فارسی) : ۶۶ ، ۶۸،
۷۰، ۷۲(ح) ، ۷۳(ح)، ۷۵ (ح)
۷۶(ح)، ۷۷(ح) ، ۷۹(ح) -
کلیات اقبال (مرتبہ مولوی عبدالرزاق
صاحب حیدر آبادی) : ۲۷۲ -
کنزالایمان فی ترجمة القرآن :
۲۱۱ -
کیمیائے سعادت : ۳۱۳ -

م

مآثر السلاطین : ۱۲ -
مبادی برکلے : ۳۲۹ -
مبادی علم انسانی : ۳۲۹ -
مبادی فلسفہ : ۳۲۹ ، ۳۳۲ -
مثنوی مخزن اسرار : ۲۷۱ -
مثنوی مولانا روم : ۲۶۰، ۳۲۲ ،
۳۲۶ -
محاسن سجاد : ۳۶۳ -
محمد علی کی ذاتی ڈائری کے چند
ورق : ۳۳۲ -
مخزن الحکمة العلیا : ۳۲۲ -
مرقات الطارم لحدوث العالم
(تصنیف حضرت انور شاہ صاحب
کشمیری) : ۲۵۵ -
مسعود عالم ندوی (کتاب) :
۳۶۰(ح)، ۳۶۱(ح)، ۳۶۲(ح)،
۳۶۶(ح)، ۳۶۷(ح) -
مسلم یونیورسٹی گزٹ : ۳۱۲ -
مسند امام احمد : ۱۳۴ -
مسند حافظ داری : ۱۳۴ -
مشکواۃ شریف : ۱۵۸ -
مطوّل : ۳۳۹ -
معارف لدنیہ : ۱۰۸ -
معاشری و علمی تاریخ : ۱۷(ح)،
۲۵(ح)، ۲۹(ح) -
مقالات اقبال : ۱۱۲ ، ۱۴۹ -
مقالات الشعراء (قانع ٹھٹھوی) :
۹۰(ح) -
مقالات شروانی: ۳۰۲(ح)، ۳۱۱(ح)،
۳۱۳(ح) -
مقدمة الادب : ۱۴۹(ح) -
مقدمہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند :
۲۱۹(ح) -
مکالمة الصدرین : ۴۲ ، ۵۷ ،
۵۹ -

Marfat.com

مکتوبات اقبال بنام سید نذیر نیازی:
۹۱(ح)، ۳۶۹(ح)، ۳۷۵(ح) -
مکتوبات امام ربانی : ۱۰۲ ، ۱۰۸ -
منصب امامت فی تحقیق منصب
نبوت : ۱۶۲ -
منصور سوهنا (ناول) : ۳۲۳ -
منطق کا ایک رساله : ۱۶۳ -
منظوره : ۱۶۱ -
موج کوثر : ۱۲ ، ۱۵۷(ح)،
۱۵۸(ح) ، ۱۸۳ ، ۱۸۴(ح)،
۲۰۲(ح)، ۳۹۴(ح)، ۳۹۸(ح)،
۴۰۱(ح) -
مؤطا امام مالک ؛ ۱۳۴، ۳۷۳ -

ن

ناصری نامه : ۱۱ -
نخبة (الفکر) : ۳۷۳ -
نزہة الخواطر : ۷ ، ۱۱۴(ح)،
۱۱۹ ، ۱۳۴(ح)، ۱۳۵(ح)،
۱۴۷(ح)، ۱۵۲ ، ۱۶۵(ح)،
۱۶۷(ح)، ۲۲۴(ح)، ۲۵۷(ح)،
۲۹۹(ح)، ۳۰۰(ح) -
نصاب الاحتساب : ۱۵ -
نظارة المعارف القرانیه : ۱۹۵ -
نفحات الانس (اردو ترجمه) :
۱۰۱(ح) -
نفحة العنبر (مؤلف مولانا محمد
یوسف بنوری): ۲۵۱، ۲۵۲(ح)-

نفحة الیمن : ۳۷۳ -
نقش حیات : ۳۸۲ ، ۳۸۳ ،
۳۸۴(ح) -
نقوش و افکار (مجنون گورکھپوری):
۱۷۰(ح) -
نقوش و تاثرات : ۳۳۲ -
نقوش سلیمانی : ۳۳۲ -
نوادرات : ۱۷۵(ح)، ۳۷۰ ،
۳۷۱(ح) ، ۳۷۲ ، ۳۷۳(ح)،
۳۷۴ ، ۳۷۶(ح) -
نوائے وقت ، لاہور (اخبار) :
۶۰ -
نور الحقائق : ۱۰۲(ح) -
نور محمدیه : ۳۲۲ -
نیرنگ خیال (گلدسته): ۳۹۲ -

و

واقعات دارالحکومت دہلی (جلد ۲)
۱۵۲(ح)-
وفیات الاعلام : ۱۱۸(ح) -

ه

ہدایه : ۴۳۹ -
ہدیه سعیدیه : ۲۲۴ -
ہدیة الہدیه : ۲۲۴ -
ہما (اردو ڈائجسٹ) دہلی اقبال نمبر
۱۹۷۶ : ۷۴(ح)، ۲۳۶ -
ہمعات : ۱۳۹ -

Marfat.com

ی

یاد رفتگاں : ۱۷۳ ، ۱۷۴(ح)، ۱۸۰ ، ۱۸۳(ح)، ۱۹۱(ح)، ۲۲۶(ح)، ۲۳۸(ح)، ۲۳۱(ح)، ۲۳۲(ح) ، ۲۳۳(ح) ، ۲۶۲ ، ۲۷۷(ح)، ۲۷۹(ح)، ۲۸۵(ح)، ۲۹۲ ، ۲۹۳(ح)، ۲۹۵(ح) -

یادگار شبلی (شیخ محمد اکرام) : ۱۷۷(ح)، ۱۸۲(ح) -

یعقوبی ، جلد اول : ۵(ح) -

یوسف زلیخا : ۳۱۳ -

-------:o:-------

Marfat.com

Marfat.com